مقدمہ

الحمد للّٰہ رب العالمین، و الصلاۃُ و السلام علی رسولہ الأمین، و بعد

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امت کو عزت بخشی ہے کہ اسے بہترین امت بنایا جو لوگوں کی رُشد و راہنمائی کے لیے نکالی گئی اور اس کے لیے بہترین رسول ﷺ پسند فرمایا جس کا اسم گرامی محمد بن عبد اللہ ہے اس پر اللہ کی رحمتیں اور سلام ہو اور اس پر افضل کتاب نازل فرمائی، جس کا نام قرآن کریم ہے اور اس کے لیے افضل قطعہ ارضی پسند فرمایا جس کا نام حرمت والا شہر مکۃ المکرمہ ہے۔

اور اس کے لیے مہاجرین و انصار میں سے افضل رفقاء تیار کیے جنھوں نے خیر البشر صلوات اللہ و سلامہ علیہ کی رفاقت کا شرف حاصل کیا اور وہ اپنے دور میں نزول قرآن سے مشرف ہوا جو قدم بقدم ان نگہبانی کرتا رہا اور ان کے خیالات کو نکھارتا رہا اور ان کی جانوں کو سنوارتا رہا اور ان کے جذبات کی تنقیح کرتا رہا اور ان سے ایسے ربانی معاشرے کی بنیاد رکھتا رہا تاکہ وہ اس کے ذریعے اس ربانی پیغام کے بار کو اٹھانے کا کام لے جس کے بارے میں اللہ نے ارادہ کیا کہ وہ گزشتہ پیغامات سے اشرف اور افضل ہو اور ان کا خاتمہ ہو۔ حتیٰ کہ جب یہ مومن پودا پروان چڑھ گیا اور اس کے پھل پک گئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے جوار رحمت کے لیے پسند کر لیا اور اس مومن گروہ کو دین کی پہرہ داری اور اسکی راہ میں جہاد کرنے والا جانشین بنا دیا چنانچہ اس مومن گروہ نے اس دین سے مرتد ہونے والوں کو اس کی طرف لوٹا دیا۔ پھر وہ زمین میں پھیل گئے اور اللہ کے دین کو پھیلانے لگے اور ملکوں کو فتح کرنے لگے۔ چنانچہ ان کے سامنے تمام لشکر پسپا ہو گئے اور تمام قوتیں ماند پڑ گئیں اور یہ سب کچھ ان کے ایمان کی برکت اور اللہ کی توفیق سے ہوا۔

اور اس مومن اور مجاہد جماعت نے اس زندگی کو خیر باد نہیں کہا یہاں تک کہ اس نے تقریباً ربع معمور پر اسلام کے جھنڈے کو بلند کر دیا اور دین کی بنیادیں مستحکم کر دیں اور قرآن کے پیغام کو پہنچا دیا

اور سنت کو بیان کر دیا اور ان کے ذریعے اسلام کو غالب کر دیا۔

چنانچہ اس امت میں ہر طرح کی خیر انہی کے واسطے سے پہنچی اور جو کوئی خوش نصیب اس پر عمل کرے گا اس کے اجر میں وہ شامل ہیں اور ان کو قیامت والے دن ان لوگوں جتنا اجر ملے گا جنہوں نے اس کی پیروی کی۔ پس کون ہے ایسا شخص جو فضیلت اور اجر میں ان سے مل سکے یا ان کے برابر ہو سکے۔رضی اللّٰہ عنهم و ارضاهم و اجزاهم عن الاسلام و المسلمين خير الجزاء

پھر امت میں بدعات، گمراہیاں، کج رویاں اور اخلافات رونما ہوئے، جن سے فرقہ بندیوں اور عداوتوں نے جنم لیا۔ ان میں سے بعض کا سبب تو جہالت اور خواہش پرستی ہے اور بعض کا سبب ہدایت کو ناپسند کرنا ہے اور ان تمام مقاصد کے لیے ضعیف اور مکذوبہ روایات کو استعمال کیا گیا اور ان کی نسبت حضرت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی طرف کر دی گئی اور انہیں مسلمانوں کی مرویات میں داخل کر دیا گیا اور بہت سے لوگ جن پر ان کی حقیقت پوشیدہ تھی وہ دھوکہ کھا گئے چنانچہ نہ تو ان کو نقل کرنے میں تحقیق و تدقیق سے کام لیا گیا اور نہ ہی ان سے استدلال کرنے میں غور و فکر اور سوچ بچار کو خاطر میں لایا گیا جس کے نتیجے میں گروہ اور پارٹیاں کھڑی ہو گئیں اور ان کی بنیاد پر فرقے پیدا ہو گئے چنانچہ ان کی وجہ سے کینے بھڑک پڑے اور عداوتیں کھڑی ہو گئیں اور ان سے امت میں تقسیم رونما ہوئی جس کا اس کی تاریخ پر برا اثر پڑا۔

آج کل ثقافت اور پختگی کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے اور بہت سی رکاوٹیں زائل ہو چکی ہیں اور اختلاف رکھنے والوں کے درمیان ملاقات آسان ہو گئی ہے اور باہمی گفت و شنید کے لیے حالات سازگار ہو گئے ہیں، داخلی اعتبار سے اسلامی معاشروں کے درمیان گفت و شنید اور خارجی اعتبار سے کافروں سے گفت و شنید اور بحث و مباحثہ۔

اس بنا پر اس فرصت سے پر سکون گفت و شنید اور اچھے طریقے سے بحث و مباحثے سے فائدہ اٹھانا واجب ہے اور سب و شتم سے دور رہ کر اختلاف کے علاج پر کام کرنا اور مقاصد اور نیتوں پر بہتانات سے ہٹ کر اور ذاتیات پر حملوں سے گریز کر کے اختلافی مسائل اور ان کے دلائل پر نگاہ مرکوز رکھنا لازم ہے کیونکہ ہر مخالف کے پاس کوئی شبہ اور دلیل ہوتی ہے جس سے وہ استدلال کرتا

ہے قطع نظر اس بات کے کہ وہ (دلیل اور اس سے استدلال) صحیح ہے یا ضعیف۔

ہر بحث و تمحیص کرنے والے سکالر پر واجب ہے کہ وہ اپنے مباحثے میں عمدگی اختیار کرنے والا ہو اور دوسرے کے معلومات کو پہچاننے کا حریص ہو اور اس لغت کے قواعد کی روشنی میں استدلال کے منہج کی پابندی کرنے والا ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے اور اس ہستی کے نطق (بولنے) کو سمجھنے والا ہو جس پر قرآن نازل ہوا ہے اور وہ ان روایات سے استدلال نہ کرنے پر حریص ہو جو صحیح الاسناد نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ان تاریخی اور ادبی کتابوں پر اعتماد کرنے والا ہو جو صحیح اور غیر صحیح روایات سے بھری ہوئی ہیں۔

جب حضرت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی طرف منسوب روایت، کذب اور تدلیس سے سلامت نہ رہ سکی ہو باوجود یکہ علماء نے اس کا اہتمام بھی کیا ہے تو بغیر تحقیق و تمحیص کے اس روایت کی کس طرح توثیق کی جا سکتی ہے جن ان کے علاوہ دوسروں کی طرف منسوب ہیں اور یہ کتاب (پر سکون مباحثہ) جو ہمارے سامنے ہے، اس کی بنیاد وہ خط و کتابت ہے جس میں نے امامی مذہب کے ایک ایسے عالم سے خط و کتابت کی تھی جس کا ایران کے شیعی حلقوں میں علمی مقام ہے اور میرے اور اس کے درمیان دوستی اور رابطہ ہے وہ جب کبھی بیت اللہ الحرام میں آتا تو مجھ ملاقات کرتا۔ اگر اس خط و کتابت کا موضوع عقائد کے ایسے مسائل سے نہ ہوتا جن کی پہچان ہر مسلمان پر ضروری ہے خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ، تو میں اسے شائع نہ کرتا۔

میں پروفیسر ابو مہدی سے اس کی اشاعت پر معذرت کرتا ہوں اور ان سخت عبادتوں پر بھی جو اس خط و کتابت میں استعمال ہوئیں اور میں نے ان میں سے بہت سی عبارتیں اس دوسرے ایڈیشن میں تحریر کی ہیں اور شاید میں دیگر ایڈیشنوں میں ان کو پورا کروں جو مجھ سے رہ گئی ہیں۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

جبکہ خط و کتابت کے موضوعات پر میں نے تیز ترین مراجعت کی ہے اور اس میں درج ذیل کام کیے ہیں۔

1۔ خط و کتابت کے فقروں پر جو عنوانات درج کیے تھے وہ تمام کے تمام حذف کر دیئے ہیں۔

2۔ اس خط و کتابت کی بعض عبارتیں تحریر کر دی ہیں۔

3۔ ان کے چند جوابات کی تنقیح کی ہے۔

4۔ بعض اضافے کیے ہیں۔

آخر میں، میں اللہ جل جلالہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کے ساتھ نفع عطا فرمائے اور حق و ہدایت پر امت کے کلمے کو جمع کر دے کیونکہ وہ سننے اور قبول کرنے والا ہے۔

ڈاکٹر احمد بن سعد حمدان الغامدی مکۃ المکرمہ

۱-۵-۱۴۲۷ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد للّٰہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علی رسولہ الامین، و بعد:

1423ہجری کے ماہ رمضان المبارک میں میرے گھر میں ایران کی کسی یونیورسٹی بلکہ اس کے بقول آٹھ یونیورسٹیوں کے پروفیسر ڈاکٹر ابومہدی محمد حسینی قزوینی نے مجھ سے ملاقات کی اور اس نے اہل السنہ اور شیعہ کے درمیان اختلافی مسائل پر میرے اور اپنے درمیان گفت وشنید جاری کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، میں نے موافقت ظاہر کی اور گفت وشنید سے قبل ایک کلمے سے آغاز کیا جس کی اب میں تفصیلات بیان نہیں کروں گا، کیونکہ میں گمان نہیں کر سکتا تھا کہ میرے اور اس کے درمیان دوسال رابطہ جاری رہے گا اور میں اس گفتگو کو ملاقات کے تقریباً دوسال بعد ریکارڈ کروں گا۔

اور گفت وشنید سے قبل میں نے جو بات کہی اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

میں نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو مبعوث فرماتا ہے تاکہ وان کے ذریعے حجت قائم کر دے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾

[النساء: ١٦٥]

"اللہ نے رسولوں کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر مبعوث فرمایا تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر حجت نہ رہے۔"

پھر ان کی بعثت کے سلسلے کو ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر ختم فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ رسولوں کے سلسلے کے آخری رسول ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا رسول لوٹ کر نہیں آئے گا جو لوگوں کے لیے دین کی تصحیح یا تجدید کرے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے، کیونکہ وہ آخری زمانے میں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے متبع بن کر آئیں گے۔

لہٰذا ضروری ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کریم کے لیے کامیابی اور حجت قائم کرنے کے ایسے اسباب و ذرائع تیار کرے جو قیامت تک لوگوں کے عذر کاٹ دے۔

اور یہ کام پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ چند اقدامات مکمل نہ ہوں۔ ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

پہلا اقدام یہ ہے کہ اس پر نازل ہونے والی کتاب، لوگوں کی تمام دینی ضروریات پر حاوی ہو۔

دوسرا اقدام یہ ہے کہ وہ اس کتاب کو کمی بیشی سے محفوظ رکھے تاکہ اس کے ذریعے حجت قائم رہے۔

تیسرا یہ کہ اس کام کے لیے آدمی تیار کرے جو اس دین کی حفاظت کریں اور اسے لوگوں تک پہنچائیں۔

پس کیا آپ ﷺ کی دعوت کے لیے یہ لوازمات پورے ہوئے یا نہیں؟

۱۔ اہل سنت کے نزدیک یہ پورے ہوئے۔

۲۔ امامی شیعوں کے نزدیک پورے نہیں ہوئے۔

اہل السنہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ضروریات دین کو پورا کر دینے والی کتاب نازل فرمائی جو امت کو (گمراہی سے) بچانے والی ہے اور اسے اپنے دین کی معرفت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے اور وہ اس کی موجودگی میں اس کے سوا کسی دیگر کتاب کی محتاج نہیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہت سی آیات میں اس حقیقت کو تاکید سے بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾[الاسراء: 9]

”بے شک یہ قرآن اس راستے کی راہ نمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾[محمد: 24]

”کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ﴾[ق:٤٥]

"پس قرآن کے ساتھ اس کو سمجھایئے جو دھمکی سے ڈرتا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ﴾[النساء: 59]

"اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر (امیر) کی، اگر تم کسی معاملے میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔"

اور اللہ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے چنانچہ نہ اس میں زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ کمی۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے اشراف اور پسندیدہ لوگ تیار کیے جو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی نصرت کی، پھر انہوں نے آپ ﷺ کے بعد جہاد، دعوت اور تعلیم کا جھنڈا اٹھایا۔ پس یہ ہے وہ دین جو آبادی کے چوتھائی حصے کو ڈھانپے ہوئے ہے اور حق کے جملہ متلاشیوں کے لیے تر و تازہ غذا ثابت ہو رہا ہے یہ ہے اہل السنۃ کا اعتقاد۔

جبکہ امامی (اثنا عشری) شیعہ، گمان رکھتے ہیں کہ قرآن ناکافی ہے اس کے لیے امام کا ہونا ضروری ہے جو اسے لوگوں کے لیے بیان کرے، اور یہ امام (یہ کام کرنے کا) موقع نہ پا سکا یعنی امام مع ایقاف التنفیذ اور قدیم امامی شیعہ علماء گمان کرتے ہیں کہ قرآن ناقص ہے، اس کے ساتھ ہی (قرآن پر) اعتماد ختم ہو گیا کیونکہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ اس میں کیا کچھ کمی ہوئی ہے اور جب نقص کے نظریے کو مان لیا جائے تو اضافے کا نظریہ بھی قبول کرنا پڑے گا۔

اور تمام امامی شیعہ گمان کرتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے نام کتابوں میں آئے ہیں ان کی تعداد کا اندازہ دس ہزار کیا گیا ہے وہ سب کے سب مرتد ہو گئے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خیانت کی تھی ماسوائے چار صحابہ کے۔

اس گمان کے ساتھ انہوں نے حکم لگا دیا کہ یہ دین پہلے لمحے میں ناکام ہو گیا۔

○ قرآن تاثیر کرنے میں ناکام ہو گیا۔

○ اللہ کا رسول تربیت کرنے میں ناکام ہو گیا۔

یہ مفہوم ہے اس گفتگو کا جس سے میں نے ملاقات کا آغاز کیا پھر ہمارا مباحثہ شروع ہو گیا۔ میں اس کی تفصیل بیان نہیں کروں گا۔

البتہ اس مباحثے میں پروفیسر ابو مہدی مودب رہا اور صحابہ کے (ناموں پر) رضی اللہ عنہ کہتا رہا اور میرے ساتھ ملاقاتوں کے دوران اس (دعائیہ کلمے) کے سوا کسی چیز کا اظہار کیا پھر احادیث کی تصحیح کے بارے میں بات چل پڑی (اس نے پوچھا) کیا اہل السنہ کے کسی عالم نے کسی حدیث کو صحیح قرار دیا ہو تو کیا اس کی تصحیح کو قبول کیا جائے گا؟ میں نے کہا: اہل السنہ کے علمائے حدیث نے حدیث کو قبول کرنے یا اسے ردّ کرنے کے قواعد و ضوابط مقرر کیے ہیں۔ جب وہ قواعد و ضوابط مکمل ہو جائیں تو اسے قبول کیا جائے گا اور جب یہ قواعد و ضوابط مختلف ہو جائیں گے تو ان کی روشنی میں حدیث پر حکم لگایا جائے گا۔

پس جب کوئی عالم ان قواعد و ضوابط کی مخالفت کر کے کسی حدیث کو صحیح قرار دے، تو اسے ان ضوابط کی طرف لوٹایا جائے گا، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی عالم کسی حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے تو دوسرا عالم اس پر ردّ کر دیتا ہے اس بات سے آگاہ کرنے کے لیے کہ اس حدیث کی صحت کی شرائط میں اختلال ہے۔

کبھی ایک عالم کسی راوی کی توثیق کرتا ہے اور دوسرا عالم اس کی توثیق کی شرائط میں کسی نقص پر مطلع ہوتا ہے تو وہ توثیق کرنے والے عالم کی توثیق ردّ کر دیتا ہے۔

اہل السنہ منہج والے ہیں، ان کے لیے حکم لگایا جاتا ہے اور ان پر (بھی) حکم لگایا جاتا ہے (اللہ کی مشیئت سے اس کا بیان، اہل السنہ کی منہجیت پر بحث میں آئے گا)۔

اور دیگر امور میں حدیث کی فرعات ہیں۔

اور ملاقات اختتام کو پہنچ گئی، پھر اس نے مکہ مکرمہ چھوڑنے سے قبل دو صفحات پر مشتمل تحریر بھیجی جس میں اس نے بعض احادیث اور دیگر مسائل کے بارے میں پوچھا اور میں نے ان کے مختصر

جوابات دیئے اور ان میں عقلی پہلو پر زیادہ توجہ مرکوز رکھی، کیونکہ اہل السنہ کے علماء کے اقوال ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

تقریباً ایک سال تین ماہ بعد اس نے مجھے فیکس کے ذریعے ایک خط بھیجا (میں نے اس کی فوٹو کاپی بحث کے آغاز میں لگادی ہے) اس میں اس نے اشارہ کیا کہ اس نے میرے مختصر جوابات پر شیعہ اور اہل السنہ کی کتابوں کی طرف ان مسائل کے متعلق مراجعت پر تقریباً پانچ سو گھنٹے صرف کیے، پھر باون صفحات پر مشتمل مقالہ لکھا جس میں میرے ان جوابات کا رد لکھا۔

مجھے یہ مقالہ 1425ھ ماہ ربیع الثانی کے نصف میں ملا، جب میں نے اس پر غور کیا تو اسے انوکھی بحث اور اس کے انوکھے منہج اور انوکھے نتائج، انوکھے دلائل اور انوکھے مفاہیم پر مشتمل پایا۔ میں نے دیکھا کہ مجھ پر لازم ہے کہ میں اس مقالے کو پیش کروں اور جن انوکھی باتوں کو یہ اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے ان کو ظاہر کروں اور ان باتوں کا تنقیدی جائزہ لوں اور ان کی اغلاط واضح کروں۔

چنانچہ میں نے اپنے وقت کا ایک حصہ اس کام کے لیے مختص کیا اور یہ مقالہ لکھا اور اس پر تقریباً دو ماہ صرف ہوئے۔ اس مقالے کا بیشتر مواد مکہ مکرمہ میں لکھا گیا پھر میں نے اسے مکہ سے باہر مکمل کیا۔

میں معذرت کرتا ہوں کہ میں اس مقالے کی ترتیب عمدہ صورت میں پیش نہ کر سکا کیونکہ اس کی پہلے سے کوئی پلاننگ اور تیاری نہ تھی اور یہ متنوع مسائل کے جوابات پر مشتمل تھا اور بسا اوقات مقالے کی ضرورت تکرار اور ادل بدل وغیرہ کا تقاضا کرتی ہے اور میری رغبتی میں اضافہ کا سبب یہ تھا اس سال کے رمضان المبارک سے قبل عمرہ کرنے والوں کے قریب ترین وقت میں یہ جواب پروفیسر ابومہدی تک پہنچ جائے گا۔

میں نے پروفیسر ابومہدی کی عبارت کو ایک سو ساٹھ فقروں سے زیادہ فقروں میں جدا جدا کر دیا ہے اور ہر فقرے کے بعد جس قدر آسان جواب دیا جاسکا دے دیا ہے۔

اور میں نے بعض مکتوبات کو جو میرے اور اس کے درمیان بحث کے مجھے موصول ہوئے، وہ اس میں شامل کر دیئے ہیں، تاکہ وہ بحث کے آغاز کا ذریعہ بنتے رہیں۔

یہ سب کچھ اس رغبت کی بنا پر ہے کہ یہ مباحثہ اس کی بیداری اور ہر شیعی کی بیداری کو یقینی بنا سکے اور ان کے عقائد کی خطرناکی اور ان کے قواعد و ضوابط کی خستگی سے آگاہی کا ذریعہ بن سکے اور جانے سے پہلے پہلے ان کی نفوس کے استدراک (مافات کا سبب بن سکے اور میں نے اس کا نام رکھا ہے:

"اثنا عشری قزوینی ڈاکٹر کے ساتھ پر سکون مباحثہ"

انہی الفاظ پر میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں حق کو حق کر دکھائے اور ہمیں اس کی اتباع نصیب کرے اور باطل کو باطل کر دکھائے اور ہمیں اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

و صلى اللّٰه و سلم و بارك على نبينا محمد و على آله و صحبه اجمعين

كتبه

پروفیسر ڈاکٹر احمد بن سعد حمدان الغامدی

مکہ مکرمہ

❀❀❀❀

ابو مہدی کے پہلے سوالات

فاضل برادر محقق پروفیسر عالی جناب ڈاکٹر احمد سعد حمدان سلام علیکم

میں عالی جناب کی خدمت میں اپنا بھرپور شکریہ پیش کرتا ہوں، مزید برآں میں اپنی خوشبودار تعریف کا ہدیہ پیش کرتا ہوں اس بات پر کہ میں نے آپ کے حسن اخلاق اور جمیل اکرام کا مشاہدہ کیا۔ میں نے جناب سے بہت سا استفادہ کیا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ ملاقات جاری رہے اور یہ آپ کی ملاقات کا آخری دور نہ ہو۔ آخر میں، میں آپ کی خدمت میں چند سوالات پیش کرتا ہوں، اس امید پر کہ میں آپ کی طرف سے ایسے جوابات حاصل کروں جس سے دل قانع ہو جائے۔

عالی جناب پروفیسر اس روایت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو بخاری وغیرہ نے بیان کی ہے کہ بہت سے صحابہ قیامت کے دن آگ میں داخل ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے ”اے میرے رب، میرے صحابہ میرے صحابہ !تو انہیں بتایا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں رائج کیں، بے شک یہ آپ کے بعد اپنی ایڑیوں پر پھر گئے تھے۔“

کیا ان روایت کا مضمون صحابہ کی توثیق کے مخالف نہیں ہے؟

کیا فرماتے ہیں آپ ان روایات کے بارے میں جو چند صحابہ سے دیگر چند صحابہ کو گالی دینے کے متعلق منقول ہیں، کیا وہ گالی دینے والے کے فسق کا موجب ہیں یا نہیں؟

یا اجتہاد اور خطا اور ایک اجر تک پہنچنے کا اعتقاد صحابہ کے ساتھ مختص ہے یا ان کے علاوہ دیگر فقہا اور اصحاب فتویٰ کو بھی شامل ہے؟

کیا فرماتے ہیں آپ ان مشاجرات کے بارے میں جو بعض صحابہ کے درمیان برپا ہوئے! یا وہ ان کے قتل میں شریک ہوئے؟ کیا ان کے بارے میں فیصلہ دیا جائے گا کہ انہوں نے اجتہاد کیا اور غلطی کی اور ان کے لیے اکی اجر ہے یا نہیں؟

متعدد روایات میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے

تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔"

اور یہ بھی منقول ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابو بکر کو چھوڑ دیا یا ان پر غصے ہوئیں اور مرتے دم تک اس سے بات نہیں کی۔

اور جس طرح تم نے اپنی کلام میں صراحت کی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو وہ ابو بکر پر ناراض تھیں؟

یہ اللہ تعالیٰ کے قول کے منافی نہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ﴾[الاحزاب: 57]

"بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔"

اور بہت سی روایات میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا تھا: "لاؤ میرے پاس میں تمہارے لیے تحریر لکھ دوں اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔" اور عمر نے آپ کو روک دیا اور کہا: (حضرت نبی کریم پر تکلیف کا غلبہ ہو گیا ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے، ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے، اس اعتبار سے اس نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی اور آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔

کیا عمر، نبی سے امت کی مصلحتوں سے زیادہ جانتا تھا؟

اور کیا رسول اللہ نہیں جانتا تھا کہ لوگوں کے لیے کتاب کافی ہے؟ اور کیا یہ اللہ کے قول کے منافی نہیں ہے:

﴿وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾﴾[النجم: 4-3]

"وہ خواہش سے نہیں بولتا وہ تو صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔"

میں نے جناب کے منہ سے سنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ﴿وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیۡنَ﴾ [النور: ٢٦]اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی بیوی عائشہ طیبہ تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ طیبین میں سے تھے۔ جناب پروفیسر صاحب اس آیت کی توجیہ اور اللہ کے اس قول کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

﴿ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوا امۡرَاَتَ نُوۡحٍ وَّ امۡرَاَتَ لُوۡطٍ ؕ کَانَتَا تَحۡتَ عَبۡدَیۡنِ

مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ قِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ﴾[التحریم: 10]

"اللہ نے ان لوگوں کے لیے مثال بیان کی ہے جو کافر ہوئے بیوی نوح علیہ السلام اور بیوی لوط علیہ السلام کی، دونوں ہمارے بندوں میں سے نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں، پس ان دونوں نے ان دونوں کی خیانت کی تو انہیں اللہ سے کوئی چیز بچا نہ سکی اور کہا گیا داخل ہونے والوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ۔"

کیا نبی نوح اور اس طرح لوط طیب علیہما السلام نہ تھے؟

اور تم نے اپنی گفتگو کی تہوں میں اشارہ کیا تھا کہ میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ الکافی میں (جعفر) الصادق سے مرویات نوے فیصد من گھڑت ہیں۔ تمہاری گفتگو اور ذہبی کے قول کے درمیان کس طرح موافقت ممکن ہے، اس نے کہا ہے اگر ان شیعی رواۃ کی حدیث رد کر دی جائے تو تمام احادیث نبویہ ہاتھ سے چلی جائیں گی اور یہ واضح خرابی ہے۔ [1]

میں آپ کا شکر گزار ہوں گا اگر میں زیارت کر سکوں، آپ کے اس کلام کی جو قاطع اور قانع دلائل سے استدلال کی گئی ہو۔

ابو مہدی محمد حسینی قزوینی

(یہ ان کی عبارت کا ترجمہ ہے)

[1] میزان الاعتدال: 56/1۔ سیر اعلام النبلاء: 59/1۔ تهذيب الكمال: 2

پروفیسر ابو مہدی کے پہلے سوالات کے جوابات

❀ حوض سے روکے اور ہٹائے جانے والے اصحاب کے بارے میں حدیث بخاری کا جواب۔
اس کا جواب، تمہید کا محتاج ہے اور وہ ہے ان کی فضیلت کا بیان
❀ قرآن کریم اور سنت نبویہ کے قطعی دلائل سے صحابہ کی فضیلت اور ان کا تزکیہ رب العالمین اور اس کے نبی سید المرسلین ﷺ سے ثابت ہو چکا ہے، ان میں سے چند دلائل درج ذیل ہیں:

قرآن کریم میں سے دلائل:

1۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰ ﴾[التوبۃ: 100]

"اور مہاجرین اور انصار میں سے (ایمان قبول کرنے میں) سابقون الاولون اور وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ عظیم کامیابی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی قید کے تمام مہاجرین اور تمام انصار کی تعریف کی ہے۔ کیونکہ (الْ) جس پر داخل ہو جائے اس کو عام کر دیتا ہے اور تمام لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، چنانچہ ان کی پیروی کرنے والوں کو احسان کے ساتھ مقید کر دیا او یہ اصل ہے اس سے کوئی مہاجر اور انصار قطعی دلیل کے بغیر خارج نہیں ہو سکتا اور یہ آیت (آفتاب نصف النہار کی طرح) انتہائی واضح ہے۔ میں اپنے ذہن میں ان صحابہ کو مستحضر رکھتا ہوں جو پہلے مسلم معاشرے کی بیاد تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت سابقین کے لفظ سے بیان کی ہے۔

پھر اللہ نے ان لوگوں کی تعریف بیان کی جنہوں نے نیک کاموں میں ان کی پیروی کی اور جنہوں نے ان کی پیروی کی وہ اہل السنہ ہی ہیں، شیعہ نہیں ہیں، کیونکہ شیعہ میں سے کچھ تو ان کی تکفیر کرتے ہیں اور کچھ ان کی مذمت کرتے ہیں، میری مراد بغیر کسی استثنا کے متاخرین امامی شیعہ ہیں جن پر بعد میں روافض (بروزن نواصب) کا اطلاق کیا گیا۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ۧ﴾[الفتح: 39]

”محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں وہ کفار پر بڑے سخت اور آپس میں رحم دل ہیں، تو انہیں اللہ سے فضل اور خوشنودی کی تلاش کے لیے رکوع اور سجدوں میں دیکھے، ان کے چہروں میں سجدوں کے اثر سے (نور اور وقار کے) نشانیاں ہیں، یہی ان کی مثال تورات میں ہے اور یہی ان کی مثال انجیل میں ہے، اس کھیتی کی طرح جس نے اپنی کونپلیں نکالیں پھر وہ مضبوط ہوئی پھر وہ توانا ہو کر اپنی پنڈلی پر کھڑی ہو کر کاشت کار کو بھلی لگی، تا کہ وہ ان کے ساتھ کفار کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں سے مغفرت اور بخشش کا وعدہ کر رکھا ہے۔“

اللہ عزوجل نے ذکر کیا کہ اس نے ان کی پرورش کی اور ان کی نگہبانی جس طرح اس انگوری کی نگہبانی کی جاتی ہے جو زمین سے نکلتی ہے یہاں تک کہ وہ پک جاتی ہے اور مکمل ہو جاتی ہے اور اسی عمل سے وہ کفار کے غیظ و غضب کا سبب بنیں گے، پس جو کوئی ان کو برا سمجھے یا ان کی شان سن کر دانت پیسے اسے وعید جائے گی۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾[الانفال: 72]

”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں ٹھکانا دیا اور ان کی مدد کی وہ باہم ایک دوسرے کے ولی ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾[الانفال: 74]

”اور وہ لوگ جو کافر ہوئے وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور فساد کبیر ہوگا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور ان کی نصرت کی وہ سچے مومنین ہیں ان کے لیے مغفرت اور عزت والی روزی ہے۔“

اللہ جل وعلا نے ان مہاجرین کے لیے جنہوں نے اس کی راہ میں جہاد کیا اور ان کے انصار بھائیوں کے بارے میں فیصلہ دے دیا کہ وہ پکے سچے مومن ہیں اور ان کے ساتھ مغفرت اور عزت مندانہ رزق کا وعدہ کیا۔ کیا یہ اللہ جل وعلا کی طرف سے مہاجرین اور انصار کی تعریف نہیں ہے؟ اور ان کے ایسے پختہ ایمان کی تاکید نہیں ہے جس نے ان کے بارے شک کی گنجائش نہیں چھوڑی؟

پس جو کوئی ان کے بارے میں شک کرے اس نے اللہ جل وعلا کی تکذیب کی اور شاید اللہ عالم الغیب نے ہر اس شخص کی تردید کا ارادہ فرمایا ہو جو بعد میں آئے اور ان کے بارے میں طعن کرے۔

4۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾[الحدید: 10]

”تم میں وہ لوگ جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی خوشنودی کی خاطر مال) خرچ کیا

اور جنگ لی وہ بعد والوں کے برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ درجے کے اعتبار سے عظیم ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں (اللہ کی خوشنودی کی خاطر مال) خرچ کیا اور جنگ لڑی اور سب کے ساتھ اللہ نے اچھائی کا وعدہ کیا ہے۔"

یہ آیت کریمہ ان لوگوں کی مدح و ثنا کر رہی ہے جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اللہ عزوجل کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے لڑے اور جو ان کے بعد ان سے ملے وہ ان کے درجے کو نہیں پا سکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ان کے حق میں) عظیم شہادت ہے۔

5۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۟ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾ ﴾[الحشر: 9-8]

"(مال فے) ان نادار مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیئے گئے وہ اللہ سے فضل اور خوشنودی تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں۔ اور وہ لوگ جنہوں نے ان سے پہلے گھر (مدینہ) اور ایمان کو ٹھکانا بنایا وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آتے ہیں اور وہ اپنے سینوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے اس چیز سے جو انہیں دی جائے اور وہ ترجیح دیتے ہیں (ان کو) اپنی جانوں پر اگرچہ وہ فاقے میں بھی ہوں اور جو کوئی اپنی جان کی حرص سے بچ گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

کیا آپ نے مومنوں کے گروہوں کی اس عجیب تقسیم کو دیکھا، مہاجرین، انصار، متبعون جو ان

ہیں؟ اور اہل السنہ کس جگہ پر ہیں؟ یہ چند آیات ہیں جو صحابہ کرام کے اس گروہ کی ثنا بیان کر رہی ہیں جنہوں نے اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لیے جہاد کیا اور آپ اسلامی دنیا میں جس قدر خیر دیکھ رہے ہیں وہ ان کے سبب سے ہی ہے۔

پھر اس مشن کو مکمل کرنے کے لیے اہل السنہ کی نسلیں آئیں او انہوں نے دین کو منتقل کیا اور زمین فتح کی اور لوگوں کو ان کا دین سکھایا۔

وہ زمین کہاں ہے جسے اہل تشیع نے فتح کیا؟

اہل تشیع کے عقیدے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دین نافذ نہیں ہو سکا کیونکہ صحابہ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی خیانت کی اور آپ ﷺ کے حکم کو نافذ نہیں کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد اہل تشیع کے ائمہ آئے اور وہ دین کی تبلیغ نہ کر سکے کیونکہ ان کو اقتدار نہیں دیا گیا۔

بایں سبب دین حق غالب نہ ہوا اور اس پر شیعہ نے پوشیدہ طور پر عمل کیا اور یہ نظریہ قرآن کے برخلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾[النور: 55]

"اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا ان کو زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے اور ضرور مستحکم کرے گا ان کے اس دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا اور وہ ضرور بدل دے گا ان کے لیے ان کے خوف کو امن ک یحالت میں۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی طرح کا شرک نہیں کریں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے گا وہی لوگ فاسق ہیں۔"

کیا یہ وعدہ آفتاب نصف النہار ثابت نہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ کو خلیفہ بنایا اور ان کے

لیے دین کو استحکام بخشا اور اسلامی حکومتوں کے ادوار میں لوگوں کو امن عطا فرمایا؟!

سنت نبویہ میں سے:

1۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِيْفَهُ)) [1]

''میرے صحابہ کو برا نہ کہو، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ برابر سونا (راہ خدا میں) خرچ کر دے تو وہ ان کے چار صد گرام بلکہ دو صد گرام کے برابر نہ ہو سکے گا۔''

یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہی جب اس نے حضرت عبد الرحمن بن عوف کو گالی دی اور حضرت عبد الرحمن بن عوف سابقون الاولون میں ہیں اور حضرت خالد بن ولید ان صحابہ میں سے ہیں جو بعد میں اسلام لائے۔

2۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ)) [2]

''میرے دور کے لوگ بہترین ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے۔''

اور نام بنام صحابہ کرام کے فضائل صحیحین وغیرہ کتب احادیث میں بہت ہیں اگر آپ اہیں تو ان کی طرف مراجعت کر سکتے ہیں۔

اور آپ جانتے ہیں کہ اہل السنہ کے محققین روایت میں غور و فکر کرتے ہیں اور راویان حدیث کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں۔ خاص طور پر امام بخاری اور مسلم تو صرف وہی حدیث لکھتے ہیں جو ان کے ہاں صحیح ہو۔

---

1. بخاری: 3673۔ مسلم: 2541
2. بخاری: 2652۔ مسلم: 2533

❀حدیث حوض:

اس مقدمہ کے بعد ہم اس روایت پر کلام کرتے ہیں جو گزشتہ حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

اس حدیث کو صحابہ کرام کی جماعت نے روایت کیا ہے ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس اور حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم شامل ہیں اور یہ تمام صحیح بخاری میں ہیں۔

اور اس کے الفاظ اس طرح مروی ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

((إِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِيْ))

کہ میری امت کے آدمیوں کو لایا جائے گا۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:

((أَلَا لَيُذَادُنَّ رِجَالٌ عَنْ حَوْضِيْ))

"آگاہ رہنا کہ کچھ لوگوں کو میرے حوض سے ہٹایا جائے گا۔"

اور یہاں چند باتیں قابل ہو رہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ ان روایات کو صحابہ کرام نے بذات خود روایت کیا ہے اور یہ ان کی امانت و دیانت کا ثبوت ہے اور ان کے سچے ایمان کی شہادت ہے کیونکہ اگر وہ مرتد ہو گئے ہوتے تو اس حدیث کو بیان نہ کرتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ معنی کے اعتبار سے یا تو اس سے بذات خود تمام صحابہ کرام مراد ہوں گے اور یہ معنی ان کی اجتماعی اور انفرادی فضیلتوں کے بارے گزشتہ آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں مردود ہے۔

یا پھر اس سے بعض صحابہ مراد ہوں گے اور یہ معنی قطعی دلیل کا محتاج ہے جو موجود ہی نہیں۔

یا پھر اس سے اس امت کے بعض افراد مراد لیے جائیں گے اور ان کا نام صحابہ اس اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ آپ کی ساری امت کے افراد آپ کے صحابہ ہیں کیونکہ وہ آپ ﷺ کے دین اور جنت

میں آپ ﷺ کے ساتھی ہوں گے۔ جب یہ آپ ﷺ کے حوض پر وارد ہوں گے اور ان کے اوپر وضو کے نشانات کی وجہ سے مسلمانوں کی علامت ہو گی اور وہ حوض سے روک دیئے جائیں گے۔ آپ ﷺ فرمائیں گے اصحابي اور بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ اصحابی نہ فرمائیں گے بلکہ آپ ﷺ فرمائیں گے ((ألاَ هَلُمَّ)) اور بعض روایات میں تصغیر کے لفظ ((أُصَيْحَابِيْ)) فرمائیں گے اور جو بات اظہر من الشمس ہے وہ یہی ہے اور ہم اسی بات کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

❀ **حدیث سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا:**

((إِنَّمَا فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّيْ، يُرِيْبُنِيْ مَا رَابَهَا وَ يُؤْذِيْنِيْ مَا آذَاهَا))

”بے شک فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جو چیز اسے پریشان کرتی ہے وہ مجھے بھی پریشان کرتی ہے اور وہ چیز مجھے ایذا دیتی ہے جو اسے ایذا دیتی ہے۔“

اس حدیث کا سبب (جیسا کہ مشہور ہے) کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی (جو مسلمان ہو گئی تھی) سے نکاح کا ارادہ کیا تھا۔

یہاں کچھ باتیں قابل غور ہیں:

1۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے، کیا ان کا یہ فعل کفر تھا؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے پناہ میں رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تو شرع میں جائز کام کا ارادہ کیا اور وہ تھا تعدد ازدواج اور آپ رضی اللہ عنہ یہ نہیں جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے لیے خصوصی امتیاز ہے اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی موجودگی میں نکاح کا ارادہ فرمایا۔

اور آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل تین باتوں میں سے ایک ہے:

ا: یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کفر تھا لیکن یہ بات کسی نے نہیں کہی اور نہ ہی یہ مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے نئے سرے سے اسلام قبول کیا۔

ب: یا یہ فعل معصیت تھا، جس نے آپ رضی اللہ عنہ نے توبہ کر لی اور آپ کی توبہ قبول کر لی گئی اور آپ رضی اللہ عنہ کی معصیت مٹادی گئی۔

ج: یا یہ آپ رضی اللہ عنہ کا غلط اجتہاد تھا جو آپ رضی اللہ عنہ کے لیے مغفور ہے۔

3۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مباح (جائز) فعل نہیں کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ چاہیں تو کریں، نہ چاہیں تو نہ کریں، بلکہ آپ نے واجب کام کیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے اپنے پیغمبر کی حدیث بیان کی اور آپ کا یہ فعل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت اور اپنے رب سے خوف کی بنا پر تھا، آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کس طرح کر سکتے تھے جبکہ آپ نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

((لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ))

"ہم وارث نہیں بنائے جاتے جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔"

4۔ اس حدیث کو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے بیان کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس موجود صحابہ کو اس پر گواہ بنایا (ان گواہوں میں) حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ انہوں نے اس کا اقرار کیا جیسا کہ صحیحین میں ہے اور امام بخاری نے اسے کتاب الفرائض، باب قول النبی لا نورث اور جہاد اور مغازی میں وارد کیا ہے اور امام مسلم نے اسے کتاب الجهاد، باب الفئ میں بیان کیا ہے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بنو نضیر کے وہ اموال جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر جنگ لڑے عطا فرمائے تھے۔ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے سپرد کر دیئے تاکہ وہ ان کی تولیت کا فریضہ سر انجام دیں، لیکن وہ (انتظامی معاملے میں) جھگڑ پڑے۔

5۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد شیخین (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے دور خلافت میں ان کے انتظام میں کوئی تبدیلی نہیں کی، نہ تو آپ رضی اللہ عنہ نے وراثت کی طرح انہیں تقسیم کیا اور نہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو ان سے کوئی چیز دی اور یہ فعل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قول برحق تھا۔

6۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گمان کے مطابق یہ سمجھ کر اپنی وراثت کا مطالبہ کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس طرح وارث بنائے جاتے ہیں جس طرح باقی لوگ وارث بنائے جاتے ہیں،

پس جب آپ رضی اللہ عنہا کو حدیث نبوی کی خبر دی گئی تو ہم یہ گمان نہیں کرتے کہ آپ رضی اللہ عنہا اپنے مطالبے پر مُصِر رہی ہوں، کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ رضی اللہ عنہا کے باپ ﷺ کا حکم شریعت ہے لہٰذا اس کی اتباع آپ رضی اللہ عنہا کے قول کی اتباع سے مقدم ہے۔

7۔ فرض کر لیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کیا اور غلطی کر بیٹھے (حالانکہ نص کی موجودگی میں یہ فرض کر لینا ممتنع ہے) تو یہ فعل، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل سے کم نہیں ہے اور آپ کا جو جواب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہو گا وہی جواب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہو گا۔

آیت کریمہ ﴿الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ﴾ [النور: 26] سے استدلال:

اور اس کے درمیان اور حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی خیانت کو اکٹھا کرنے کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾[النور: 26]

”ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں، وہ بری ہیں اس بات سے جو وہ کہہ رہے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور عزت مندانہ روزی ہے۔“

یہاں چند غور طلب باتیں ہیں، ان میں سے:

1۔ آیت کریمہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس گناہ سے جو ان کے بارے میں پھیلایا گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں الخ، تاکہ اس بات کو اجاگر کرے کہ اللہ ایسا نہیں ہے کہ وہ اطیب الطیبین رسول اللہ ﷺ کے عقد میں (حاشا وکلا) ناپاک عورت رہنے دے۔

اور یہاں خبث سے مراد زنا ہے، جبکہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں کافر تھیں اور ان کی شریعت میں کافر عورت سے نکاح جائز تھا، جبکہ ہماری شریعت میں پاک دامن کتابی عورت سے

(جو زانیہ نہ ہو) نکاح جائز ہے۔ اور زانیہ عورت سے ہماری شریعت میں نکاح جائز نہیں خواہ وہ مسلمان بھی ہو، کیونکہ یہ مفاسد اور اختلاط نسب جیسی مشکلات تک پہنچا دیتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ [النور: 3]

"اور زانیہ سے وہی نکاح کرے گا جو زانی اور مشرک ہو گا اور یہ (نکاح) مومنین پر حرام کر دیا گیا ہے۔"

چنانچہ کتنا واضح فرق ہے!

2۔ آیت کریمہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گناہ سے بری قرار دیا ہے اور ان سے مغفرت اور عزت مندانہ رزق کا وعدہ کیا ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا ایمان پر ہوں گی کیونکہ اللہ کا حکم تبدیل نہیں ہوتا۔ [1]

❀ حدیث حضرت نبی کریم ﷺ کا اپنے مرض موت میں کتاب لکھنے کا ارادہ کرنا پھر اسے نہ لکھنا:

اور یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں آئی ہے اور اس میں کئی باتیں ہیں اور ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

1۔ حضرت نبی کریم ﷺ کا تحریر لکھنے کا ارادہ فرمانا تا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اختلاف نہ کریں اور اس معاملے کو آپ ﷺ نے بیان نہیں کیا جو آپ ﷺ نے لکھنے کا ارادہ کیا تھا، اگر وہ دین کے واجبات میں سے کوئی واجب معاملہ ہوتا تو آپ ﷺ نے صحابہ کے شور و غل سنائی دینے پر اسے چھوڑنا نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ نے ان کو نکال دینا تھا اور اس شخص کو بلا لینا تھا جو اسے لکھتا اور آپ ﷺ اس کے بعد چار دن زندہ رہے کیونکہ یہ جمعرات کا دن تھا جیسا کہ بخاری شریف کی دوسری روایت میں ذکر ہے ((يَوْمُ الْخَمِيْسِ وَ مَا يُوْمُ الْخَمِيْسِ)) (حدیث 4431)

---

[1] یہاں ایک واقعہ ذکر کرنا عبرت سے خالی نہیں ہو گا کہ امام لالکائی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ ایران کے علاقے آمل میں علوی سلطنت کے بانی حضرت حسن بن زید رحمہ اللہ نے اپنی مجلس میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا برے الفاظ میں ذکر کرنے والے بدبخت کا سر قلم کرنے کا حکم دیا، اس پر متشعین علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو ہمارے گروہ سے ہے۔ اس نے کہا: معاذ اللہ اس نے حضرت نبی کریم ﷺ پر طعن کیا ہے اور پھر اس نے مذکورہ بالا آیت الخ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ پڑھی اور کہا (نعوذ باللہ) اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی تھیں تو حضرت نبی کریم ﷺ کیا ہوئے۔ اس کی گردن اڑا دو۔ چنانچہ ان کے جلادوں نے اس (منہ پھٹ) کی گردن مار دی۔

یعنی جمعرات کا دن اور کیا تھا جمعرات کا دن اور آپ ﷺ سوموار کو فوت ہوئے۔

2۔ آپ ﷺ کے گھر میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپس میں اختلاف کیا تھا (کہ وہ آپ کی بیماری کی حالت میں آپ کو لکھنے کی زحمت دیں یا نہ دیں۔) وہاں اکیلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اختلاف نہیں کیا تھا۔

3۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جن کے بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے اس قول سے شہادت دی:

((إِنَّهُ قَدْ كَانَ فِيمَا مَضٰى قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ وَإِنَّهُ إِنْ كَانَ فِيْ أُمَّتِيْ هٰذِهِ مِنْهُمْ، فَإِنَّهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ)) [1]

”تم سے پہلے جو امتیں گزر چکی ہیں ان میں محدث تھے اور اگر میری اس امت میں ان میں سے کوئی ہے تو وہ عمر بن خطاب ہے۔“

اور آپ ﷺ کا یہ قول:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ قَطُّ سَالِكًا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ)) [2]

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! شیطان جب کبھی چلتے ہوئے تیرا سامنا کرتا ہے تو وہ تیری گلی چھوڑ کر کسی اور گلی کی طرف چل دیتا ہے۔“

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان کے فضائل میں سولہ احادیث روایت کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ حضرت محمد بن علی بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے بعد کون سا آدمی تمام لوگوں سے افضل ہے؟ انہوں نے فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ، میں نے پوچھا: پھر کون؟ انہوں نے فرمایا: پھر عمر رضی اللہ عنہ۔ میں ڈرا کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے دیں۔ میں نے کہا: پھر آپ؟ تو انہوں نے فرمایا: میں تو مسلمانوں میں

---

[1] بخاری، ح: 3469

[2] بخاری: 3294۔ مسلم: 2396

سے ایک آدمی ہوں۔ ❶

حضرت عبد اللہ بن عباس (ہاشمی قریشی) رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی چارپائی پر رکھا گیا اور لوگوں نے ان کو کفن پہنایا اور انہیں اٹھانے سے پہلے ان کے لیے دعائیں کرنے لگے اور میں بھی ان میں شامل تھا تو پیچھے سے ایک آدمی نے میرا کندھا تھام کر مجھے خوف زدہ کر دیا، (میں نے دیکھا) تو وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے رحمت کی اور کہا: آپ نے اپنے پیچھے کوئی ایسا آدمی نہ چھوڑا جو مجھے اس اعتبار سے آپ سے زیادہ پیارا ہو کہ میں اس جیسا عمل کر کے اللہ کی ملاقات کروں اور اللہ کی قسم میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں (حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رکھے گا اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنتا تھا: میں اور ابو بکر اور عمر گئے، میں اور ابو بکر اور عمر داخل ہوئے اور میں اور ابو بکر اور عمر نکلے۔ ❷

یہ چند شہادتیں ہیں جو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں۔

4۔ کبھی کبھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو مان لیتے تھے اور قرآن کریم بھی ان کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا جیسا کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانا اور پردے وغیرہما جیسے (اٹھارہ) احکامات اور شاید حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف مائل ہو گئے ہوں اور شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کے پیش نظر یہ بات کہی ہو اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان شفقت ویغرہ وجوہات کی وجہ سے ہو اور اس بات کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کا سوچا ہو، کیونکہ وہ تو وہ ہستی ہیں جن کی قرآن نے شہادت دی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور سابقون الاولون سے ہیں اور جیسا کہ گزر چکا ہے کہ ان کے فضائل سنت میں بیان ہوتے ہیں یہ ہیں وہ اہم باتیں جو آپ نے پوچھیں اور باقی اجتہادی معاملے ہیں۔

---

❸ بخاری، ح: 3671

❶ بخاری، ح: 3671

اہل السنہ اور شیعہ کے میلانات اور مناہج میں تدبر و تفکر سے بر آمد ہونے والے نتائج

دونوں عقیدوں میں سوچ بچار اور غور و فکر کرنے والا درج ذیل نتائج اخذ کرے گا۔

1۔ اہل السنہ کے عقیدے سے سمجھا جائے گا کہ حضرت نبی کریم ﷺ تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں، لہٰذا ان کے ماننے والوں پر واجب ہے کہ وہ آپ ﷺ کی سنت کو اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے نقل کریں اور شیعہ کے عقیدے سے سمجھا جائے گا کہ حضرت نبی کریم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بدا آ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت لوٹائی اور ابلاغ ہے، لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی سے علم حاصل کرے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے علاوہ کسی اور ذریعے سے پہنچایا گیا مکمل دین، دین نہیں ہے۔

2۔ اہل السنہ کے عقیدے سے سمجھا جائے گا کہ دین کو سمجھنا ہر انسان کے لیے ممکن ہے اور انسان کی دسترس میں ہے کہ وہ عالم ہو اور وہ دین کو آگے پہنچا سکے۔

جبکہ شیعہ معصوم کے وجود کی شرط لگاتے ہیں، جس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اس کا مطلب ہوا کہ ہر خطے میں معصوم کا ہونا ضروری ہے تا کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ ایسی صورت میں مشرق یا مغرب میں رہنے والا ان مسائل پر کس طرح عمل کر سکتا ہے جو اسے درپیش ہوں؟ پس جب اس کے لیے جائز ہے کہ وہ امام کے دور ہونے کی وجہ سے امام کے بغیر اجتہاد کرے تو معصوم کی کیا ضرورت ہے؟!

3۔ اہل السنہ، صحابہ کرام کی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ وہ دین کے راوی اور اس کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں، انہوں نے مشرق و مغرب کی سرزمین فتح کی اور قرآن و سنت کو حفظ کیا اور اسے دنیا تک پہنچایا۔

جبکہ اہل التشیع، صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان کی غلطیاں تلاش کرتے ہیں اور ان کی فضیلت اور ثابت قدمی سے تجاہل برتتے ہیں اور قرآن کے عمومات کو خاص کرتے ہیں اور اپنے ذہنوں میں راسخ معتقدات کی بنیاد پر اسے مقید کرتے ہیں۔

4۔ اہل السنہ کے معتقدات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین غالب آیا اور لوگوں نے اس پر عمل کیا اور اس پر ممالک فتح ہوئے جبکہ اہل تشیع کے نزدیک نہ تو دین غالب آیا اور نہ اس پر عمل ہوا۔

5۔ اہل السنہ کے عقیدے سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم کرتے ہیں اور وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی ذات کے لیے بہادر تھے اور ایسا ممکن نہیں کہ وہ وصی ہوں اور وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے اپنی زندگی کے طویل عرصہ یعنی تقریباً پچیس سال خاموش رہے ہوں۔

اگر آپ رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کوئی بات کی ہوتی تو راویان اہل السنہ اسے بیان کر دیتے جیسا کہ ہم نے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی) مرویات کا ایک حصہ دیکھا ہے، چنانچہ وہ ہر اس بات کو بیان کرتے ہیں جو انہوں نے دیکھی یا سنی ہیں اور روایات بیان ہوئی ہیں لیکن وہ سنداً صحیح نہیں ہیں اور ہم انکار نہیں کرتے کہ اہل السنہ کی کتابوں میں اس بارے روایات آئی ہیں لیکن جیسا کہ معروف ہے کہ اس باب میں مروی روایات کو بہت سے کذب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

جبکہ اہل تشیع گمان کرتے ہیں کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عزت کرتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا اس لیے اظہار نہیں کیا کہ انہیں اپنی جان کا خوف تھا اور یہ قبیح ترین تصور ہے، تاہم انہوں نے روایات ذکر کی ہیں لیکن محققین پر ان کی عدم صحت مخفی نہیں ہے۔

6۔ اہل السنہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ امامت شورائی اصطلاحی معاملہ ہے، امت کو حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص کو پسند کرے جو اس منصب کا اہل ہے، تاکہ وہ قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرے اور فہم کے میدانوں میں اختلافات میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ اہل تشیع کے عقیدے سے

علی رضی اللہ عنہ ہے، حالانکہ نہ تو قرآن میں کوئی ایسا لفظ ہے جس میں وصیت یا امامت کا ذکر ہو اور نہ سنت میں (اور جو کچھ ان میں وارد ہوا ہے) وہ تو فقط عمومات ہیں جو وجوہات کے پیش نظر قابل تاویل ہیں۔

اور امامت کا مسئلہ، بہت بڑا مسئلہ ہے، اگر یہ مخصوص دینی ضرورت ہوتا تو اس کے متعلق لفظی صراحت کے آیات نازل ہوتیں یا احادیث بیان ہوتیں، خواہ لوگ اس پر عمل کرتے یا نہ کرتے اور پھر اللہ عزوجل قیامت تک اماموں کی نسل کو باقی رکھتا۔ اللہ جل وعلا نے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے مسئلے کو صراحت سے بیان کیا ہے حالانکہ (اس کی اہمیت اس سے) کم تھی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صراحت سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے تذکرے میں تردّد کیا تھا، میرے دوست بتاؤ ان دونوں مسئلوں میں کون سا مسئلہ اہم تھا؟

7۔ اور جو کام شیعہ نے (اپنے بارہویں امام کی) نسل کے انقطاع کے بعد کیا، وہی کام اہل السنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا، اس کے ساتھ ساتھ اہل تشیع نے مغالطے کی کوشش کی اور مدت (دراز) تک اجتماعیت کے بغیر رہے پھر انہوں نے (ولایت فقیہ) کی بدعت ایجاد کی، یہ بات انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی کیوں نہ کہی اور آج کے دن اپنی پریشانیاں ختم کیوں نہ کیں؟!

8۔ اہل السنہ اعتراف کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کچھ راویوں کی طرف سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کذب بیان ہوا۔ (لیکن صحابہ کی طرف سے نہیں) کیونکہ صحابہ کرام سب کے سب عادل تھے اور ان پر عمداً جھوٹ بولنے کے بارے میں کچھ بھی منقول نہیں اور ان کی عدالت کا اعتقاد نہ رکھنا دین کو گرانا ہے۔ جبکہ اہل تشیع یہ اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ وہ بہت سے صحابہ کرام کو کذب سے متصف کرتے ہیں اور یہ اعتقاد پورے دین کو مشکوک کر دیتا ہے کیونکہ ممکن ہی نہیں کہ ہم اس دین کے مطابق اللہ کی عبادت کریں جو برحق نہیں کیونکہ وہ کافر اور کذاب راویوں سے منقول ہو۔

اسی عمل نے شیعہ

دین کو منہدم کر دیتا ہے اور رب العالمین اور اس کے سید المرسلین نبی پر دھبہ لگا دیتا ہے۔

9۔ اہل السنہ اعتراف کرتے ہیں کہ ان پر بہت سی روایات اور اقوال کا باطل ہونا ظاہر ہوا ہے، انہیں اس قوم نے دین میں داخل کیا جس نے دین کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا یا وہ نصرت دین کے لیے جہالت کا شکار ہوئی اور اہل علم نے ان کا انکشاف کر دیا۔

علی سبیل المثال جب اہل السنہ کی کتابوں میں ایک ہزار روایات رکھ دی گئی ہیں تو اہل تشیع کی کتابوں میں بارہ ہزار روایات رکھ دی گئی ہیں، کیونکہ اہل السنہ کے نزدیک معصوم کے نام پر زیادہ روایات وضع ہوئی ہیں (اور وہ معصوم صرف حضرت رسول اللہ ﷺ ہی ہیں) تو اہل تشیع جن کے ہاں بارہ امام معصوم ہیں تو بتاؤ (ان کی کتابوں میں) موضوع روایات کی تعداد کتنی ہو گی؟! دونوں گروہوں کی کتابوں کی پرکھ رکھنے والے پر اس تعداد کی سچائی واضح ہو جائے گی۔

10۔ اہل السنہ کے عقیدے سے سمجھ آتی ہے کہ وہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی عصمت کے بعد کسی کی عصمت کے قائل نہیں، حتیٰ کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی عصمت کے بھی قائل نہیں۔ اگرچہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں کا اجتہاد جب نص کے مخالف نہ ہو تو وہ مقبول ہے۔

جبکہ اہل تشیع اپنے ائمہ کی عصمت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جب وہ ان میں سے کسی ایک کو دیکھتے ہیں کہ ان کے اعتقاد کے خلاف کرتا ہے تو اس کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ اس نے تقیہ (جان کے خوف) کیا تھا کس قدر سینہ زوری ہے؟!

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ امامت سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور وہ (حسب اعتقاد اہل تشیع) معصوم ہیں اور ان کے گمان کے مطابق اپنی جان کی حفاظت کی خاطر ایمان کے ارکان میں سے ایک رکن سے دست بردار ہو گئے۔

کیا نبوی گھرانے کے کسی انسان کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے وصی من اللہ ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو اور وہ اپنی جان کی حفاظت کی خاطر (امامت) سے دست بردار ہو جائے (حالانکہ بشرط صحت امامت، مرتبہ نبوت ہے) ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ ان لوگوں کے ذکر سے بھری ہوئی ہے جو اپنے دین پر قائم رہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے حالانکہ نہ وہ انبیاء تھے اور نہ معصوم اوصیاء تھے۔

اسی خمینی کو دیکھ لو یہ اپنے عقیدے پر ڈٹا رہا اور اسے تکلیف بھی دی گئی اور جلاوطن بھی کیا گیا پھر وہ فتح یاب ہو کر واپس لوٹا، تب تو (معاذ اللہ) خمینی وصی رسول اللہ ﷺ سے بہتر ہوا!!

11۔ روایات کے قبول کرنے میں اہل السنہ کا منہج محتاط ہے، کیونکہ انہوں نے تمام راویان حدیث کے حالات زندگی مدوّن کیے ہیں اور ان کی مرویات کے درمیان ان پر حکم لگایا ہے، جس کو جرح و تعدیل کا ترازو قبول کرے اسے قبول کر لیتے ہیں اور جو اس کے بر خلاف ہو اسے ردّ کر دیتے ہیں اور یہ قاعدہ ہے جو اس کے خلاف ہو۔ اسے وہ اس کی طرف لوٹاتے ہیں۔ جبکہ اہل تشیع کے پاس اس جیسا کوئی ترازو نہیں یہ کام آپ کی دسترس میں ہے کہ آپ اہل السنہ کی راویان حدیث کے حالات پر لکھی ہوئی کسی بھی کتاب کا پہلا راوی دیکھ لیں اور شیعہ کے نزدیک راویان حدیث کے حالات پر لکھی ہوئی اتنی ہی کتابیں لے لیں اور ان دونوں میں مدوّن معلومات کا موازنہ کر لیں اور آپ (محدث) اور خالی الذہن ہو کر تلاش اور جستجو کریں۔

12۔ اہل السنہ اور اہل تشیع کی راویان حدیث کے حالات پر لکھی گئی کتابوں کے درمیان موازنہ درج ذیل ہے:

ا: اہل السنہ کے پاس تہذیب الکمال:

اس میں پہلا راوی احمد بن ابراہیم موصلی، اس کی کنیت، اس کا ملک یا شہر اس کے اساتذہ کے نام، ان کے بیس سے زیادہ راویوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس طرح اس کے شاگردوں کا بھی پھر اس کا درجہ اور مرتبہ، اس طرح تقریباً ہر راوی کے حالات درج ہیں اور شاذ و نادر ہی کوئی راوی (اس طرح کی جرح و تعدیل سے) بچ گیا ہو۔

ب: جبکہ اہل تشیع کے پاس مجمع الرجال میں جو کچھ ہے (اس کی مثال پیش کی جاتی ہے)

اس میں پہلا راوی، آدم بن اسحاق بن آدم ہے۔ اس کی ایک کتاب ہے ہمارے اصحاب نے ہمیں اس کی خبر دی ہے عن۔۔۔

نہ کوئی اساتذہ کا تذکرہ ہے نہ شاگردوں کا، نہ درجے اور مرتبے کا۔ اس طرح دوسرا آدم بن اسحاق کا معاملہ ہے اس میں ہے کہ وہ ثقہ ہے اور اس کے اساتذہ کا تذکرہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص انصاف کی آنکھ سے دیکھے وہ بڑا فرق اور دوری دیکھے گا۔ واللہ الموفق!

نوٹ: میں نے اپنے جوابی خط کے ساتھ خمینی کی وہ عبارتیں ارسال کی تھیں جو حضرت رسول اللہ کے (فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کامیابی) پر ناکامی کے الزام دھرنے پر مشتمل تھیں اور ابومہدی نے انہیں نظر انداز کر دیا، ان کو قبول کیا نہ ان کا جواب دیا؟!

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے (فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کامیابی) پر ناکامی کے الزام پر خمینی کی کتابوں سے عبارتیں:

1۔ ((لَوْ كَانَتْ مَسْأَلَةُ الْإِمَامَةِ قَدْ تَمَّ تَثْبِيْتُهَا فِى الْقُرْآنِ، فَإِنَّ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَا يَعْنُوْنَ بِالْإِسْلَامِ وَ الْقُرْآنِ إِلَّا لِأَغْرَاضِ الدُّنْيَا وَ الرِّيَاسَةِ، كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ مِنَ الْقُرْآنِ وَسِيْلَةً لِتَنْفِيْذِ أَغْرَاضِهِمُ الْمَشْبُوْهَةِ، وَ يَحْذِفُوْنَ تِلْكَ الْآيَاتِ مِنْ صَفَحَاتِهٖ، وَ يَسْقُطُوْنَ الْقُرْآنَ مِنْ أَنْظَارِ الْعَالَمِيْنَ إِلَى الْأَبَدِ)) ❶

"اگر مسئلہ امامت، قرآن میں مکمل طور پر ثبت ہو جاتا تو وہ لوگ جن کا اسلام اور قرآن سے سوائے دنیا اور ریاست کے (حصول کے) کوئی تعلق ہی نہیں، وہ اپنی ناپسندیدہ اغراض کو قرآن سے پورا کرنے کا وسیلہ بنا لیتے اور ان آیات کو اس کے صفحات سے ان کو حذف کر دیتے اور وہ ابد تک قرآن کو لوگوں کی نگاہوں سے گرا دیتے۔"

2۔ ((وَ وَاضِحٌ أَنَّ النَّبِيَّ لَوْ كَانَ بَلَّغَ بِأَمْرِ الْإِمَامَةِ طَبَقًا لِمَا أَمَرَ بِهِ اللّٰهُ وَ بَذَلَ الْمَسَاعِيَ فِيْ هٰذَا الْمَجَالِ، لَمَا نَشَبَتْ فِى الْبُلْدَانِ الْإِسْلَامِيَّةِ كُلُّ هٰذِهِ الْإِخْتِلَافَاتُ)) ❷

"اور واضح ہے کہ نبی اگر امامت کے معاملے کی تبلیغ کر دیتے موافق اس کے جس کا اللہ نے حکم دیا تھا اور اس میدان میں مساعی (کوششیں) خرچ کر دیتے تو اسلامی ممالک میں یہ سارے اختلافات نہ اٹھتے۔"

---

❶ كشف الأسرار، ص: 131

❷ كشف الاسرار، ص: 155

3۔ ((لَقَدْ جَاءَ الْأَنْبِيَاءُ جَمِيْعًا مِنْ أَجْلِ إِرْسَاءِ قَوَاعِدِ الْعَدَالَةِ فِى المعَالَمِ، لٰكِنَّهُمْ لَمْ يَنْجَحُوْا حَتَّى النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ خَاتِمُ الْأَنْبِيَاءِ، الَّذِىْ جَاءَ لِإِصْلَاحِ الْبَشْرِيَّةِ وَ تَنْفِيْذِ الْعَدَالَةِ وَ تَرْبِيَّةِ الْبَشَرِ، لَمْ يَنْجَحْ فِىْ ذَالِكَ)) ❶

''تمام انبیاء دنیا میں عالت کی بنیادیں مستحکم کرنے کے لے ی آئے لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے حتی کہ نبی محمد جو کہ خاتم الانبیاء ہے، جو بشریت کی اصلاح اور عدالت نافذ کرنے اور انسانوں کی تربیت کے لیے آیا، وہ بھی اس مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔''

4۔ ((اِنَّ النَّبِيَّ اَحْجَمَ عَنِ التَّطَرُّقِ اِلَى الْإِمَامَةِ فِى الْقُرْآنِ، لِخَشْيَتِهٖ أن يُّصَابَ الْقُرْآنُ مِنْ بَعْدِهٖ بِالتَّحْرِيْفِ، أَوْ أَنْ تَشْتَدُّ الْخِلَافَاتُ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ، فَيُؤْثِرُ ذَالِكَ عَلَى الْإِسْلَامِ)) ❷

''بے شک نبی، قرآن میں امامت کی طرف راہ ہموار کرنے سے رُک گیا، اپنے اس خوف کی وجہ سے کہ اس کے بعد قرآن تحریف کا نشانہ بن جائے یا مسلمانوں میں اختلافات کھڑے ہوں پس یہ بات اسلام پر اثر انداز ہو جاتی۔''

پروفیسر محمد صاحب کیا دیکھا آپ نے شیعی عقیدہ کس انتہا تک پہنچ رہا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم پر آیات چھپانے کا بہتان۔۔۔ کیا کوئی انسان یہ طاقت رکھتا ہے کہ وہ کتاب کی کوئی چیز چھپالے جس کی حفاظت کا ذمہ خالق جل وعلا نے اپنے ذمے لے رکھا ہے کیا یہ خالق پر الزام دھرنا نہیں ہے؟!

پھر کیا آپ نے دیکھا کہ اس نے صحابہ سے بہتان کو سید البشر ﷺ کی طرف منتقل کر دیا کہ اس نے (اللہ کے پیغام کو) اس طرح نہیں پہنچایا جس طرح اس نے حکم دیا تھا اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان باقی رہ جاتا ہے، جس کے بارے میں خمینی گمان کرتا ہے کہ اس نے اپنے خالق کا حکم نافذ نہیں کیا؟! پھر آپ نے حضرت محمد ﷺ اور تمام انبیاء کرام پر خمینی کے ترازو میں ناکامی کے حکم

---

❶ نهج خميني، ص: 46

❷ كشف الإسرار، ص: 149

پر غور کیا؟!

یہ باطل عقائد کے ثمرات ہیں جو اپنے حاملین معین مقصد کی تحدید کرتے ہیں پھر وہ خالق جل و علا اور رسول کریم ﷺ کو اس کی طرف جاتے ہیں اور اگر خمینی کے کلام کا تتبع کرے تو اس بات کو پا لیں گے کہ وہ اللہ عزوجل کی تعظیم نہیں کرتا وہ سبحانہ وتعالیٰ کو بغیر تعظیم کے ذکر کرتا ہے اور وہ کشف الاسرار کے اکثر صفحات میں صرف اتنا ہی کہتا ہے: ((قَالَ اللّٰہ)) اور نہ ہی وہ اس کے رسول ﷺ کی تعظیم کرتا ہے وہ صرف ((قَالَ محمّد)) کہتا ہے آپ ﷺ پر درود نہیں بھیجتا اس کا یہ طرز عمل اس کی عبارتوں میں واضح ہے، شاذ ونادر ہی ﷺ لکھتا ہے۔ لیکن جب وہ آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے کسی کا ذکر کرتا ہے تو ان پر رضی اللہ عنہم کہتا ہے اور ان پر سلام بھیجتا ہے۔

اے اللہ! اے میرے رب! میں ان عبارتوں کو لکھنے پر تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیرے رسول کریم ﷺ جو کہ سید البشر اور خلیل الرحمٰن ہیں ان کے سامنے ان عبارتوں کے لکھنے پر معذرت کرتا ہوں اور میں مومنوں کے سردار خلفائے راشدین سے ان عبارتوں کے نقل کرنے پر معذرت کرتا ہوں۔ وَ اللّٰہُ الْھَادِیْ إِلٰی سَوَاءِ السَّبِیْلِ

میرے سابقہ جوابات پر ابومہدی قزوینی کے ردّ سے قبل، ان کا بذریعہ فیکس ارسال کردہ خط:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتہائی مہربان برادر جناب ڈاکٹر حمد سعد حمدان غامدی صاحب

اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کی حمد اور آپ کی کاوشوں اور حق وصواب کی تشخیص کی خاطر آپ کی پر سکون سرگرمیوں پر آپ کے لیے دعائے خیر کے بعد، میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اس عزت وتکریم پر جو مجھے ہماری مجلسوں اور مباحثوں میں جناب کی طرف سے ملی اور میں آپ کے کریمانہ اخلاق اور آپ کے بیانات اور خط پر اپنا تاثر نہیں چھپا رہا، اس (حسن سلوک نے) مجھے آمادہ کیا کہ میں یونیورسٹی میں اپنے طلبہ اور

علمی درس گاہ کے علوم دینیہ کے طلبہ کے سامنے اس کے بارے میں بیان کروں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذاکرات اور باہمی سوالات و جوابات میں کشادہ طرفی اور نرمی، بہت سے تحقیق طلب مسائل میں بالآخر اختلاف کے خلیج کو کم کرنے کی طرف لوٹتے ہیں۔

آپ کے کریمانہ خط نے اس بات کو واجب کر دیا کہ میں اسے فریقین کے ادبی، رجالی اور فقہی جوامع پر جانچنے میں پانچ صد گھنٹے صرف کر دوں، جو بیس سال سے زائد عرصہ سے میرے مطالعے میں تھیں اور میں ان سب مسائل مشتبہ کی تفصیل، پرکھ اور وضاحت پر کمربستہ ہوا اور انہیں آپ کی خدمت میں بھیجنے کا ارادہ کیا اور میں نے اس سلسلے میں آپ سے اور فاضل بھائی جابر سے رابطے کی بڑی کوشش کی، لیکن افسوس کہ میں آپ کی آواز سننے میں کامیاب نہ ہو سکا، آپ کی جناب سے امید ہے کہ اگر میری یہ ڈاک آپ تک پہنچ جائے تو ہمیں اپنا ایسا ٹیلی فون یا موبائل فون نمبر بتانا جو مجھے آپ کی آواز سنا سکے اور اپنا ڈاک پتا بھی بھیج دیں اور انٹرنیٹ اور ای میل کا نمبر بھی جس سے میرا آپ سے مسلسل تعلق جاری رہے اور آپ کے ساتھ ملاقات اور جناب سے استفادہ کا ذریعہ رہے۔

میں فخر اور خوشی سے اعلان کرتا ہوں کہ مسائل دینیہ میں فریقین کے علماء کی روائی، رجالی اور فقہی مولفات کے مجموعوں کی طرف ہماری مراجعت، ہمیں پہلے سے زیادہ ادراکِ حق کی معرفت اور اللہ کی خوشنودی عطا فرمائے گی اور اس کے فوائد روز بروز دگنے ہوتے جائیں گے۔

اخوک فی اللہ

ابو مہدی قزوینی

ابو مہدی کے مراسلے کا جواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزت مآب ڈاکٹر ابو مہدی حسینی قزوینی صاحب وفقہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وبعد!

میں نے آپ کا مراسلہ وصول کر لیا ہے جس میں آپ نے میرے ان جوابات کا تعاقب کیا ہے جو میں نے آپ کے سوالات پر تقریباً ڈیڑھ سال قبل آپ کی طرف بھیجے تھے۔

آپ کا مراسلہ مجھے تقریباً نصف ربیع الثانی 1425ھ کو ملا اور جب میں نے اس کا مطالعہ کیا تو میں اعتقاد جیسے نازک ترین معاملے میں آپ کے ضعیف اور موضوع روایات سے کثرت استدلال سے تعجب کرنے لگا خصوصاً اس وجہ سے کہ آپ حدیث اور اس کے راویوں کے سپیشلسٹ ہو، جیسا کہ میں آپ سے ملاقات وقت آپ کے بارے میں سمجھا تھا۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ کے موقف اور صحابی اور منافق کے درمیان عدم تفریق نے مجھے حیرت زدہ کر دیا، کیونکہ اس کا امت کے دین پر برا اثر ہوا اور ہو گا اور یہ موقف اسلام کو گرانے کا دروازہ کھول دے گا جیسا کہ آپ اللہ کی مشیت سے بحث کے ضمن میں عنقریب دیکھیں گے۔

آپ کے ساتھ تعلق جوڑنے اور آپ کے مذہب کے خطرے کو آپ پر کھولنے کی خاطر میں شدید حرص کی وجہ سے میں اپنے وقت کا بڑا حصہ یعنی اس 1425ھ کے ربیع الثانی کے نصف سے لے کر جمادی الآخرۃ کے نصف تک کا عرصہ جو تقریباً دو ماہ بنتا ہے۔

میرے یہ دو ماہ آپ کے ارسال کردہ سوالات کے جوابات دینے اور آپ کی بحث میں تجاوزات سے تنبیہ صرف ہوئے اور خصوصًا اصحاب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اور یہ تجاوزات شیعوں کے اعتقادات کے نتائج کو طشت از بام کرنے کے لے ی ہیں جو عقیدے کے الغاء اور دین کے ابطال پر منتج ہوتے ہیں۔

واللہ الہادی الی سواء السبیل

تحریر شدہ: 1425-6-18ھ

آپ کے لیے خیر سے محبت کرنے والا

د۔ احمد بن سعد حمدان الغامدی

پروفیسر ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ

اظہار تشکر اور تنبیہ

اولًا: میں ان بھائیوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس مباحثے کی طباعت اور مراجعت کے مراحل سرانجام دیتے اور اس کے موضوعات کے پہلو بہ پہلو عنوانات قائم کیے۔

ثانیًا: میں نے اس مباحثے کی طباعت کے وقت کمپوز شدہ کی ہیں۔ میں اللہ عزوجل سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کے ساتھ نفع عطا فرمائے کیونکہ وہ سننے اور قبول کرنے والا ہے۔(الباحث)

اضافی تنبیہ:

1۔ میں نے دوسری طباعت میں وہ تمام عنوانات حذف کر دیتے ہیں جو پہلی طباعت میں مباحثے کے فقروں پر قائم کیے گئے تھے اور ان نمبروں پر ہی اکتفا کیا ہے جو مباحثے کے فقروں پر درج کیے ہیں۔ کیونکہ وہ نمبر مستقل ہیں برخلاف متحرک صفحات کے جو ہر طبع کے وقت بدل جاتے ہیں۔

2۔ میں نے مباحثہ کے آخر میں عنوانات کی فہرستوں کو مذکورہ فقروں کے نمبروں میں بدل دیا ہے اور فقرے کا مضمون بھی ذکر کر دیا ہے۔

3۔ ڈاکٹر قزوینی کے کلام کو پیش کرتے وقت میں اپنے لفظ قلتم (آپ نے کہا) سے رقم کروں گا، پھر میں بریکٹ میں ان کے کلام کو درج کروں گا اور جب ان کلام ختم ہو جائے گا تو اسے بریکٹ لگا کر بند کروں گا، پھر میں اس کے جواب کا آغاز اپنے لفظ قلت (یعنی میں کہتا ہوں) سے کروں گا اور اللہ توفیق بخشنے والا ہے۔(الباحث)

پروفیسر ڈاکٹر ابو مہدی اثنا عشری کے نوٹس کے جواب کی ابتدا:

1۔ آپ نے شروع میں جوابات کی تاخیر کا عذر بیان کیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ میں نے جو کچھ تمہاری طرف لکھا ہے۔ ان کے حل کی رغبت رکھتا ہوں۔ پھر آپ نے عنوان مقرر کیا ہے "اَلْاِنْصَافُ فِی الْكَلَامِ حِیْنَ یَتَكَلَّمُ فِی الْخِلَافِ" کہ اختلافی مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے وقت انصاف۔

اولاً: میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اپنے سوالات پر میرے مختصر جوابات پر توجہ مبذول کی اور میں ان مسائل میں صرف فکر کو بیدار کرنا چاہتا تھا، نہ کہ استدلال، کیونکہ ہمارے اور آپ کے درمیان استدلال کے مصادر متفق علیہ نہیں ہیں۔

ثانیاً: مناظرہ یا مباحثہ میں انصاف، دین کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے، اگر ہم انصاف کی پیروی کریں تو اختلاف واقع نہیں ہو گا، امت کی عظیم ہستیوں کے ساتھ انصاف، امت کے افراد کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے لیکن جب تک نظریہ عملی اعتبار سے نہ ہو گا تو وہ فائدہ نہیں دے گا۔

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور آپ کو انصاف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

2۔ آپ نے فرمایا (جس چیز پر نہایت افسوس کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے اہل سنت بھائیوں کے خاص اور عام کتب خانوں میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جو امامی کتابوں کو اہمیت دیتی ہو)

میں کہتا ہوں اس کے چند اسباب ہیں:

پہلا سبب تو یہ ہے کہ آپ کی کتابیں دو قسم کی ہیں:

ایک قسم تو مکمل طور پر روایات اور آثار پر مشتمل ہے اور جب سنی ان پر مطلع ہوتا ہے تو اس میں علمی آثار نہیں دیکھتا جو قابل توجہ ہوں (میں معذرت کی امید کرتے ہوئے صرف حقیقت بیان کرنے کی غرض سے عرض کرتا ہوں) کہ وہ افسانوں کے مشابہ ہیں اس لے ی وہ توجہ حاصل نہیں کر سکیں مزید بر آں کہ ان کتابوں میں کثرت سے غیر معقول اور چبھنے والی روایات درج ہیں جنہیں فطرت سلیمہ قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ مختلف فیہ مسائل میں اثنا عشریوں کی متاخرہ تصانیف میں، اگرچہ ساری احادیث نہ سہی، تو اکثر احادیث اہل السنہ کی کتب کے حوالے سے درج کی گئی ہیں اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ وہ ضعیف ہیں یا منکر۔ اس بنا پر اس طرح کی کتب اور ان سے استدلالات کی حرص کیوں کی جائے جن کا اکثر حصہ اہل السنہ کی کتابوں سے ماخوذ ہے؟!

جب ان کتب کے مصنّفین ہی ان سے اعراض کرتے ہیں اور اپنے عقائد پر استدلال کے لیے اہل السنہ کی کتب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو اہل السنہ ان سے بالاولی اعراض کریں گے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اہل السنہ کے نزدیک شیعہ کے عقاید کی صحت کا امکان تقریباً صفر فی صد ہے تو پھر بتائیں کہ وہ اس چیز کا اہتمام کیوں کریں جس کو وہ برحق نہیں سمجھتے۔

3۔ آپ نے فرمایا: اور عجیب بات ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ امامیہ کے بارے میں من گھڑت باتیں لکھتے ہیں اور آپ نے مثال کے طور پر کتاب "للہ۔۔۔ ثم للتاریخ" کا ذکر کیا ہے۔
میں کہتا ہوں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سنی کتاب نہیں بلکہ یہ شیعی کتاب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ صفحہ جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ دوسرے ایڈیشن کا ہو اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ وہ اپنے شیعہ بھائیوں کے معتقدات کی تصحیح کے لیے ان کو مخاطب کرتا ہو اور پھر وہ غیر موجود روایات کو بیان کر کے ان پر جھوٹ بولتا ہو، کیونکہ ایسی بات بہت جلد منکشف ہو جاتی ہے اور جس فائدے کا اس نے ارادہ کیا ہے وہ باطل ہو جائے گا اور میں اس کا دفاع نہیں کرتا۔ لیکن جب میں نے آپ کی گفتگو پڑھی تو میرے دل میں یہ بات کھٹکی۔۔۔ اگر اس نے ایسا کیا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ناپسندیہ قسم کی علمی خیانت ہے۔

4۔ آپ نے فرمایا: (مجھے کئی مرتبہ اتفاق ہوا کہ میں نے ایران اور ایران سے باہر کے علماء اہل السنہ سے چند عقائدی شبہات کے بارے میں سوال کیا۔۔۔) پھر آپ نے ذکر کیا ہے کہ میں نے ایسا کوئی نہیں پایا جو مجھے جواب دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے چند اسباب ہیں: پہلا سبب یہ ہے کہ مودبانہ طریقے حقیقت کی تلاش اہل علم کا شیوہ ہے اور ہر اہل علم کو چاہیے کہ وہ حق کے متلاشی کے سوالات اور استفسارات کا جواب دے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہم سنتے ہیں کہ ایران کے اندر اہل السنہ کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ کس طرح مباحثہ کر سکتے ہیں؟!

تیسرا سبب یہ ہے کہ ایران سے باہر امامی شیعوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں ہے، ان کے اس اعتقاد کی وجہ سے کہ امامی شیعہ، دینی کے اوپر حملہ آور ہے اس لیے اس سے مباحثہ کی حامی بھرنا مشکل ہے۔

چوتھا سبب یہ ہے وہ شبہات جنہیں شیعہ صاحبان اچھالتے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا شبہ نہ ہو گا جس کو دُور کرنے میں علماء اہل السنہ نے شافی جواب نہ دیا ہو اور ان کی دسیوں مولفات منظر عام پر آ چکی ہیں اور ان کی دسیوں مولفات منظر عام پر آچکی ہیں اور اگرچہ ان میں بعض کے اسلوب میں شدت ہے لیکن وہ مخالف کی حد سے بڑھی ہوئی منہ زوری اور زیادتی کی وجہ سے ہے اور بعض علماء ناعاقبت اندیشانہ پروپیگنڈے کے جوابات کے دوران اپنے آپ پر قابو نہ پاسکے اور اس سلسلے میں وسیع ترین لکھی گئی کتاب منہاج السنہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ اگر آپ اس پر ٹھہر جائیں اور اسے غور سے پڑھ لیں تو آپ پر بہت سے حقائق منکشف ہو جائیں گے۔

(۵) آپ نے فرمایاہے (اور میں نے اپنے اس مکتوب میں جو آپ کی طرف بھیجاہے، ذکر کیاہے کہ میں ایسے جوابات کا متلاشی ہوں جو دل کو مطمئن کر دیں اور جب میں نے اس مراسلے پر نظر ڈالی جو آپ نے میرے لیے بھیجا تو میں اس میں اپنے گم شدہ مقصد پر مطلع نہ ہو سکا)۔

میں کہتاہوں کہ میں امید کرتاہوں کہ آپ میرے دوسرے مراسلے میں اپنا گمشدہ مقصد پالیں گے۔ساتھ ہی بتاتا چلوں کہ میں نے اختصار کی حرص کی ہے۔

(٦) آپ نے فرمایا: خاص موضوع پر کتاب وسنت سے استدلال اس وقت پوراہو سکتاہے جب اس کے متعلق تمام آیات یا احادیث ذکر کی جائیں، نہ کہ ہم ان چیزوں کو چن لیں جو ہمیں بحث میں فائدہ دیتی ہوں اور ان سے آنکھیں موند لیں جو ہمیں نقصان دیتی ہوں، کیونکہ اس میں علمی تحقیق کی روح پر ظلم ہے۔

اس (کلام کا) جواب چند صورتوں میں ہے۔

اولاً: یہ خوبصورت بات ہے اور دقیق علمی ضابطہ (اخلاق) ہے اگر ہر محقق اور ہر گروہ کی جانب سے اس کی پیروی کی جائے تو اختلافات رونماہی نہ ہوں اور بہت سے خلیج پاٹ جائیں گے۔

ثانیاً: کیا آں جناب نے اپنی بحث میں اس خوبصورت بات کا التزام کیاہے ؟!

جبکہ اگر میں یہ بات کہوں تو مبالغہ نہیں کروں گا کہ میں نے آپ کی بحث میں اس ضابطے کا اثر نہیں دیکھا اور اگر آپ اپنی بحث میں اس کو مضبوطی سے تھامتے تو بحث کارخ اس رخ کے سواہوتا۔

آپ نے تاریخ اور احادیث کی ان کتابوں کی طرف رخ کیا جو اہل السنہ کے نزدیک تیسرے یا چوتھے درجے پر ہیں اور آپ نے معتمد کتابوں کو چھوڑ دیا اور خصوصاً صحیحین (بخاری و مسلم) کو۔

پھر آپ نے ضعیف روایات سے استدلال کرنے میں توسع سے کام لیا اور اسی صحیح احادیث سے اعراض برتا جو حضرت رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی تعریف پر مبنی ہیں۔

پھر آپ نے ان آیات کی دلالتوں کو باطل کر دیا جو صحابہ کرام کی ثنا بیان کرتی ہیں یا آپ نے ان کو مقید کر دیا تاکہ وہ آپ کے معتقدات کے ساتھ متفق ہو سکیں پھر آپ نے قاری کو وہم میں ڈال دیا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ تمام کے تمام نہ سہی تو اکثر منافقین تھے۔

پھر آپ نے قاری کو وہم میں ڈالا کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے دور میں مومنوں میں سے منافقوں کی شناخت ممکن نہیں۔۔۔ آخر تک چھانٹے پھونکے استدلالات کے ساتھ جو اس علمی منہج سے متفق نہیں ہیں جو آپ نے بیان کیا ہے۔

ثالثاً: آپ کے منہج سے چھانٹے پھونکے استدلالات کی مثالیں آپ کے ارسال کردہ مسودے سے واقف انسان عجیب اور انوکھا منہج دیکھے گا۔۔۔ آپ نے اہل السنہ کے نزدیک اصلی مراجع اور صحیح احادیث کو چھوڑ دیا جو صحابہ کرام کی ثنا اور تعریف اور ان کی قلبی طہارت پر مشتمل تھیں اور حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کے قریبی تعلق اور محبت اور ان کے لیے جنت کی بشارت اور ان کے ساتھ آپ کی کثرت مشاورت اور ہر موقعہ پر ان کا آپ کا ساتھ دینے اور آپ ﷺ کی نصرت کے لیے ان کی تلواروں کا سونتنا بیان کرتی تھیں اور وہ عظیم احوال کے بیان پر مشتمل تھیں جو ان کے ایمان اور اخلاص کی پختگی پر مشتمل تھیں۔

پھر آپ نے ضعیف یا من گھڑت روایات کو بیان کیا جو اس وصیت کے وجود کے دعویٰ پر مشتمل ہیں جس کی انہوں نے خیانت کی اور اسے نافذ ہونے کے سامنے رکاوٹ بنے، جب ان روایات کو صحیح احادیث کے سامنے رکھا جاتا ہے تو صحیح احادیث ان کے بطلان کو طشت از بام کرتی ہیں اور آپ نے ان احادیث کی طرف توجہ ہی نہ کی اور آپ انصاف کا دعویٰ کر رہے ہیں اور پیش خدمت ہے ایک

اس مثال کے مابین ترازو ہیں تا کہ آپ انصاف کا معیار اور اس کے بعد اس منہج کی صحت کو دیکھ لیں۔

حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بیان پر مشتمل احادیث کی مثالیں:

1۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے اس بات کا کہ وہ اسے دنیا کا مال و متاع اس قدر دے جتنا وہ چاہے اور اس بات کا کہ وہ اسے وہ سب کچھ دے جو اس کے پاس ہے تو اس نے وہ پسند کر لیا ہے جو اس کے پاس ہے (یہ سن کر) ابو بکر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے باپ اور مائیں قربان کریں۔ پس ہم نے ان پر تعجب کیا! اور لوگوں نے کہا: اس بزرگ کی طرف دیکھو، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بندے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اللہ نے اس کو اختیار دیا ہے اس بات کا کہ وہ اسے دنیا کا مال و متاع اس قدر دے جتنا وہ چاہے اور اس بات کا کہ وہ اسے وہ سب کچھ دے جو اس کے پاس ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر باپ اور مائیں قربان کریں! پس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخیر (اختیار دیئے گئے) تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ اس راز کو جاننے والے تھے۔

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ابو بکر اپنی صحبت اور اپنے مال میں مجھ پر سب لوگوں سے بڑھ کر احسان کرنے والا ہے اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا تو میں ابو بکر کو خلیل بناتا، مگر اسلام کی خلت (گہری دوستی) ضروری ہے، مسجد کی طرف کھلنے والے دروازے کھلے نہ رہنے دیئے جائیں سوائے ابو بکر کے دروازے کے۔ [1]

2۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسی دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی تہبند کا ایک پلو اس قدر اٹھائے ہوئے آئے کہ آپ نے اپنا گھٹنا ظاہر کیا ہوا تھا، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا ساتھی چلانگتا ہوا آ رہا ہے، چنانچہ ابو بکر نے سلام کہا اور شکایت کی: بے شک میرے اور ابن الخطاب کے درمیان ذرا سا تنازعہ ہوا، میں اس کو سخت سست کہہ بیٹھا پھر میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوا اور اس سے معافی مانگی لیکن اس نے معافی دینے سے انکار کر دیا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] صحیح بخاری، ح: 3904۔ مسلم، ح: 2382

تین بار فرمایا: اے ابو بکر اللہ تجھے معاف فرمائے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرمندگی ہوئی تو وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور پوچھا: کیا یہاں ابو بکر ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے اور سلام کہا۔ اسی دوران حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہونے لگا، یہاں تک کہ ابو بکر ڈر گئے اور اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں زیادہ قصوروار ہوں، اللہ کی قسم میں زیادہ قصوروار ہوں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم نے کہا: تو جھوٹ کہہ رہا ہے اور ابو بکر نے کہا: اس نے سچ کہا اور اس نے اپنی جان اور مال سے میری غم گساری کی، پس کیا تم میرے لیے میرے دوست کو چھوڑتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ یہ بات کہی، اس موقعہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہیں دی گئی۔ ❶

3۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس بیماری میں باہر نکلے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، آپ نے اپنے سر مبارک کو رومال سے باندھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا: لوگوں میں سے کسی نے ابو بکر بن ابی قحافہ سے بڑھ کر مجھ پر اپنی جان اور دولت نچھاور نہیں کی اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا تو میں یقیناً ابو بکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلام کی خلت (گہری دوستی) افضل ہے۔ اس مسجد (نبوی) کی طرف کھلنے والے دروازے بند کر دیئے جائیں سوائے ابو بکر کے دروازے کے۔ ❷

اور ایک روایت میں ہے کہ (وہ میرا بھائی اور دوست ہے)۔ ❸

4۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمای: اگر میں کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا تو یقیناً ابو بکر کو خلیل بناتا، لیکن وہ میرا بھائی اور دوست ہے اور تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو خلیل بنایا ہے۔ ❹

---

❶ صحیح بخاری، ح: 3661
❷ صحیح بخاری، ح: 467
❸ صحیح بخاری، ح: 3656
❹ صحیح مسلم، ح: 2383

5۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری کے ایام میں مجھ سے کہا: ابو بکر اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلا، تاکہ میں تحریر لکھ دوں، کیوں میں خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کہنے والا کہے گا: میں زیادہ حق دار ہوں اور اللہ اور مومنوں سوائے ابو بکر کسی کو (منصب خلافت سونپنے سے) انکار کر دیں گے۔ ❶

6۔ حضرت جبیر بن مطعم (نوفلی قرشی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: ایک عورت، حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، آپ ﷺ نے اس کو اپنی طرف دوبارہ آنے کا حکم دیا۔ اس نے کہا: اگر میں آؤں اور آپ ﷺ کو نہ پاؤں تو؟ گویا وہ آپ کی وفات کی صورت میں پوچھ رہی تھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو مجھے نہ پائے، تو ابو بکر کے پاس آنا۔ ❷

یہ صحیحین کی روایات سے چند مثالیں ہیں، کیا یہ ان روایات سے اولیٰ نہیں ہیں جو تاریخ اور ادب کی کتابوں میں درج ہیں اور ان مصادر میں موجود ہیں جن کی اسناد کی ریسرچ کے بغیر ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا؟! پھر آپ نے مستدرک (حاکم نیشاپوری) کی ورق گردانی کی ہے اور بہت سے مواقع میں اس پر اعتماد کیا ہے، کیا آپ ان دسیوں احادیث سے آگاہ نہ ہو سکے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جلالت شان بیان کرتی ہیں اور ان کی خلافت کو برحق ثابت کرتی ہیں؟ اس نے دسیوں احادیث اور آثار روایت کیے ہیں۔ ان میں چند درج ذیل ہیں:

1۔ ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف (زہری قرشی) مروی ہے کہ (عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار توڑ دی، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے خطاب فرمایا اور ان کے سامنے عذر پیش کیا اور فرمایا: اللہ کی قسم میں دن اور رات کے عرصے کے لے ی امارت کا کبھی حریص نہ تھا اور نہ مجھے اس کی رغبت تھی اور نہ ہی میں نے پوشیدہ اور علانیہ طور اس کا اللہ سے سوال کیا، لیکن میں فتنے سے ڈر گیا اور نہ ہی میرے امارت میں سکون ہے، لیکن میں ایسا عظیم بوج اٹھا چکا

---

❶ صحیح مسلم، ح: 2387

❷ صحیح مسلم، ح: 2386

ہوں جس کے اٹھانے کی مجھ میں ہمت اور طاقت نہیں سوائے اس کے کہ اللہ مجھے تقویت دے اور میں چاہتا ہوں کہ آج میری جگہ پر مجھ سے زیادہ طاقت ور شخص ہوتا، تو مہاجرین نے آپ کی بات تسلیم کی اور آپ کا عذر قبول کر لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم صرف اس وجہ سے ناراض ہوئے تھے کہ ہمیں مشاورت سے نکال دیا گیا تھا، ورنہ ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے بڑھ کر اس منصب کے حق دار ہیں اور وہ غار کے ساتھی اور ثانی اثنین ہیں اور ہم ان کی بزرگی اور برتری کو بخوبی جانتے ہیں اور ان کو حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں نماز کا امام بنایا تھا۔ اس کے بعد حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ [1]

2۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو انصاریوں نے کہا: ہم میں سے امیر ہو گا اور تم میں سے بھی امیر ہو گا، عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: اے انصار کی جماعت! کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا کہ وہ لوگوں کی امامت کروائیں، تم میں سے کس کا دل گوارا کرتا ہے کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آگے بڑھے؟ انصار نے کہا: اللہ کی پناہ کہ ہم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھیں۔ پھر (حاکم نے) کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔ [2]

3۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس نے کہا: رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اس وقت آپ ﷺ اپنا ایک ہاتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دوسرا ہاتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رکھے ہوئے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم اسی طرح قیامت کے دن اٹھیں گے۔ [3]

4۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] مستدرك حاكم، ح: 4422
[2] مستدرك حاكم، ح: 4423
[3] مستدرك حاكم، ح: 4428

سب سے پہلے جس کی قبر شق ہو گی وہ میں ہوں، پھر ابو بکر، پھر عمر رضی اللہ عنہما پھر میں اہل بقیع کے پاس آؤں گا تو ان کی قبریں بھی شق ہوں گی، میں ان کے درمیان چلوں گا۔

پھر (امام حاکم) کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔ ❶

5۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا حضرت نبی کریم ﷺ نے مجھ سے اور حضرت ابو بکر سے فرمایا: تم دونوں میں سے ایک کے ساتھ جبرئیل ہے اور دوسرے کے ساتھ میکائیل ہے اور اسرافیل، عظیم فرشتہ ہے جو جنگ میں حاضر ہوتا ہے اور صف میں موجود ہوتا ہے۔

پھر کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔ ❷

6۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک صالح مرد کو آج رات دکھایا گیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نتھی کر دیا گیا اور عمر رضی اللہ عنہ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نتھی کر دیا گیا اور عثمان رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نتھی کر دیا گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس سے اٹھے تو ہم نے کہا: نیک مرد سے مراد حضرت نبی کریم ﷺ ہیں اور بعض کو بعض کے ساتھ نتھی کرنے سے مراد، اس دین کے محافظ ہیں جس کے ساتھ اللہ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا۔

پھر (حاکم نے) کہا کہ اس حدیث کے پیچھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح سند والی حدیث ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔ ❸

پھر آپ ہیثمی کی کتاب مجمع الزوائد کی ورق گردانی کرتے ہیں کیا آپ ان دسیوں احادیث سے واقف نہ ہوئے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کے بارے میں موجود ہیں۔ ان میں سے چند احادیث یہ ہیں:

1۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر والے دن حضرت رسول اللہ (ﷺ) نے مجھے اور

---

❶ مستدرك حاكم، ح: 4429

❷ مستدرك حاكم، ح: 4433

❸ مستدرك حاكم، ح: 4439

ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: تم دونوں میں سے ایک کے ساتھ جبرائیل ہے اور دوسرے کے ساتھ میکائیل ہے اور اسرافیل عظیم فرشتہ ہے جو جنگ میں حاضر ہوتا ہے یا صف میں ہوتا ہے۔

اسے ابو یعلیٰ اور بزار اور امام احمد رحمہم اللہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور احمد اور بزار کے راویان صحیح کے راوی ہیں۔ [1]

اور مستدرک میں بیان ہو چکا ہے اور امام ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔

2۔ حضرت عبداللہ بن عمر (فاروق) رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس نے بیان کیا: ایک دفعہ طلوع آفتاب کے وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے اور فرمایا: میں نے فجر سے ذرا پہلے دیکھا کہ گویا میں مقالید اور ترازو دیا گیا ہوں، مقالید سے مراد یہ چابیاں ہیں جبکہ ترازو سے مراد یہی وہ ترازو ہیں جن کے ساتھ تولا جاتا ہے، چنانچہ مجھے ایک پلڑے میں رکھا گیا اور میری امت کو دوسرے پلڑے میں رکھا گیا اور مجھے اس کے ساتھ تولا گیا تو میں تول میں بھاری ثابت ہوا، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لایا گیا اور اسے اس کے ساتھ تولا گیا تو وہ (باقی امت سے) بھاری ثابت ہوا، پھر عمر رضی اللہ عنہ کو لایا گیا اور اسے اس کے ساتھ تولا گیا تو وہ (باقی امت سے) بھاری ثابت ہوا، پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو لایا گیا اور اسے اس کے ساتھ تولا گیا تو وہ (باقی امت سے) بھاری ثابت ہوا، پھر ترازو اٹھالیا گیا۔

اسے امام احمد اور امام طبرانی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے مگر اس نے یہ الفاظ روایت کیے ہیں کہ وہ تمام لوگوں سے بھاری نکلے اور بیان کیا کہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو لایا گیا اور اسے ایک پلڑے میں رکھا گیا اور میری امت کو ایک پلڑے میں رکھا گیا تو وہ پوری امت سے وزنی ثابت ہوئے، پھر وہ ترازو اٹھالیا گیا۔۔۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [2]

3۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اشارہ کیا، تو حضرت

---

[1] مجمع الزوائد: 58/9

[1] ایضًا

ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ درست ثابت ہوا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ خطا کرے۔

اس کو امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [1]

4۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے بیان کیا: حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک آدمی داخل ہو گا تو ہر گھر اور محل اسے خوش آمدید، خوش آمدید، ہماری طرف آ، ہماری طرف آ، کہے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس دن یہ ثواب کس آدمی کا ہو گا؟ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ تو ہی ہے اے ابو بکر رضی اللہ عنہ!

اسے طبرانی نے (اپنے معجم) کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کے تمام راوی سوائے احمد بن ابی بکر سالمی کے، صحیحین کے راوی ہیں اور وہ (احمد بن ابی بکر) ثقہ ہے۔ [2]

5۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آسمان میں دو فرشتے ہیں جن میں ایک سختی کا حکم دیتا ہے اور دوسرا نرمی کا حکم دیتا ہے اور ہر ایک درست ہے۔ جبرائیل اور میکائیل اور دو نبی ہیں۔ ایک سختی کا حکم دیتا ہے اور دوسرا نرمی کا حکم دیتا ہے اور دونوں ہی درست ہیں اور آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کا نام لیا اور میرے دو صحابی ہیں ایک سختی کا حکم دیتا ہے اور دوسرا نرمی کا حکم دیتا ہے اور دونوں ہی درست ہیں اور آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نام لیا۔

اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [3]

6۔ حضرت شقیق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ اپنا جانشین کیوں نہیں بناتے؟ آپ نے فرمایا: حضرت رسول اللہ ﷺ نے کسی کو اپنا جانشین بنایا تھا کہ میں تم پر کسی کو اپنا جانشین بناؤں؟ اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے بھلائی کا ارادہ کیا تو ان کو ان میں سے بہتر انسان پر جمع کر دے گا جس طرح اس نے اپنے نبی ﷺ کے بعد ان میں سے بہتر انسان پر

---

1. مجمع الزوائد: 46/9
2. ایضًا
3. مجمع الزوائد: 51/9

ان کو جمع کیا (یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر) اس کو امام بزار رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کے راویان صحیحین کے راوی ہیں سوائے اسماعیل بن ابی حارث کے اور وہ ثقہ ہے۔ [1]

7۔ حضرت ابوجحیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں ان پر داخل ہوا اور میں نے کہا: اے رسول اللہ کے بعد سب لوگوں سے افضل انسان! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رک جا، افسوس ہے تجھ پر ابوجحیفہ! میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل ہستی کی خبر نہ دوں؟ وہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ افسوس ہے تجھ پر اے ابوجحیفہ! کسی مومن کے دل میں میری محبت اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی نفرت جمع نہیں ہو سکتی۔

اس کو امام طبران ینے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں فضل بن مختار ہے اور وہ ضعیف ہے۔

8۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دوسرے نمبر پر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیسرے نمبر پر رہے۔ پھر ہمیں فتنے نے مبہوت کر دیا۔ یا ہمیں فتنہ پہنچا۔ اللہ جس کو چاہے گا اسے معاف کر دے گا۔

اسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور کہا (ثُمَّ خَبَطْنَا فِتْنَةٌ) کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ نے تواضع کا اظہار کیا۔

اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور احمد کی روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ [2]

چوتھی بات یہ ہے کہ آپ نے ان احادیث اور ثابت شدہ واقعات کی طرف توجہ مبذول نہ فرمائی جن پر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے زندگی بسر کی اور نہ ان روایات کو غور سے پڑھا جو ان کی ایک دوسرے سے محبت اور ان کے باہمی تعاون کو مضبوط انداز سے بیان کرتی ہیں اور ان میں امامت کے نظریے کا ذرہ برابر بھی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

اور ذیل میں اس کی مثالیں درج کی جاتی ہیں:

1۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ بن علی رضی اللہ عنہ ابن الحنفیہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں: میں نے اپنے

---

[1] مجمع الزوائد: 47/9

[2] ایضًا: 54/9

ابا جان سے پوچھا: حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد لوگوں میں سے افضل کون ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو بکر، میں نے کہا: پھر کون؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر۔ (رضی اللہ عنہما) ❶

2۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (قرشی، ہاشمی) سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:) آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کسی ایسے شخص کو پیچھے نہ چھوڑا کہ میں اس کے عمل کو آپ کے عمل سے زیادہ اچھا سمجھ کر اللہ کی ملاقات کروں۔ ❷

3۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اسی طرح فیصلے کرو جس طرح تم فیصلے کرتے تھے، کیونکہ میں اختلاف کو برا سمجھتا ہوں، یہاں تک کہ لوگوں کے لیے جماعت بن جائے یا میں بھی ایسے ہی فوت ہو جاؤں جیسے میرے ساتھی فوت ہوئے۔ ❸

4۔ حضرت عقبہ بن حارث سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھائی پھر پیدل باہر نکلے، آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا تو انہیں اپنے کندھے پر اٹھالیا اور فرمایا: میرا باپ فدا ہو یہ تو حضرت نبی کریم ﷺ کے مشابہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکراتے رہے۔ ❹

5۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پہلو میں کھڑے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اور آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرا دے۔ ❺

6۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے ایک آدمی نے مچھر کے خون کے بارے میں پوچھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تو کہاں سے ہے؟ اس نے کہا: عراق سے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے

---

❶ صحیح البخاری، ح: 3671

❷ ایضًا، ح: 3685، صحیح مسلم، ح: 2389

❸ ایضًا، ح: 3707

❹ ایضًا، ح: 3542

❺ ایضًا، ح: 2704

فرمایا: اس کی طرف دیکھو یہ مچھر کے خون (کے کفارے) کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہا ہے، حالانکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا اور میں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ یہ دونوں صاحب زادے دنیا میں میرے پھول ہیں۔ ❶

7۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت نہیں کی تھی؟

8۔ کیا آپ رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے؟

9۔ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے ان (کے جہاد کی وجہ سے) باندیاں بننے والی عورتوں سے شادی نہیں کی تھی؟

10۔ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی کی شادی نہ کی تھی۔

11۔ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے تین بیٹوں کے نام خلفائے ثلاثہ کے نام پر ابو بکر، عمر اور عثمان نہ رکھے تھے؟

آپ کی کتابوں سے:

1۔ کیا آپ نے نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نہیں پڑھا: ہم اپنے اسلامی بھائیوں سے لڑنے والے بن گئے ہیں اس بنا پر کہ اس میں کجی اور ٹیڑھ داخل ہو گئی ہے۔ ❷

2۔ اس طرح آپ ﷺ کا قول: فلاں کے کردار کو خوبی بخشنے والی ذات کس قدر باکمال ہے۔ یہاں اس شخصیت کا نام حذف کر دیا گیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہے یا عمر رضی اللہ عنہ۔ اس نے ٹیڑھ کو سیدھا کیا اور بیماری کا علاج کیا، سنت قائم کی اپنے پیچھے اور فتنہ چھوڑ گیا اور اس حال میں دنیا سے گیا کہ وہ صاف و شفاف کپڑے والا اور قلیل العیب تھا۔ ❸

3۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول: امابعد: اے معاویہ میری بیعت تجھ پر واجب ہو گئی جب کہ تو شام میں تھا، کیونکہ میری بیعت اس قوم نے کی جس نے ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی، اسی طریقے پر جس پر ان کی بیعت کی تھی۔۔۔ بے شک شوریٰ مہاجرین اور انصار کی ہے، جس

---

❶ صحیح البخاری، ح: 5994

❷ نهج البلاغة: 290

❶ ایضًا: 505

شخص پر وہ متفق ہو جائیں اور اس کو امام کا نام دے دیں تو یہ اللہ کے لیے پسندیدہ ہے، پس اگر کوئی ان کے حکم سے نکلنے والا کسی طعن یا بدعت کی وجہ سے نکلے تو وہ اسے وہیں لوٹا دیں گے جہاں سے وہ نکلا، اگر وہ انکار کرے تو وہ اس سے اس بنا پر لڑیں گے کہ اس نے مسلمانوں کے راستے کے علاوہ راستے کی پیروی کی اور اللہ اسے اس چیز کا والی بنائے گا جس کا وہ والی بنا۔ [1]

اس مکتوب میں آپ رضی اللہ عنہ نے منصوص امامت کا حوالہ نہیں دیا۔

4۔ او رروایت جو امامی شیعہ اردبیلی نے (حضرت امام) ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے لکھی ہے کہ جب آپ رحمہ اللہ سے تلوار کو آراستہ کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: حضرت (ابو بکر رضی اللہ عنہ) صدیق نے اسے آراستہ کیا تھا۔ راوی نے کہا: کیا آپ اس طرح کہتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں الصدیق، ہاں الصدیق، ہاں الصدیق، جو آپ رضی اللہ عنہ کو صدیق نہ کہے اللہ اس کی بات کی دنیا اور آخرت میں تصدیق نہ کرے۔ [2]

6۔ آپ نے کہا: کتاب و سنت سے خاص موضوع پر استدلال، اس وقت پورا ہوتا ہے جب اس موضوع کے متعلق ساری آیات یا روایات بیان کی جائیں۔ نہ کہ ہم ان کو چن لیں جو ہمیں بحث میں فائدہ دیتی ہیں اور ان سے آنکھیں موند لیں جو ہمیں نقصان دیتی ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے میں علمی تحقیق کی روح پر ظلم ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ آپ کی بحث میں یہ احادیث وغیرہا کس جگہ پر ہیں؟!

کیا ان کو چھوڑ دینا اور ان سے زیادہ ضعیف روایات سے استدلال کرنا، چناؤ نہیں ہے؟!

پھر میں آپ کی گفتگو کو بار دیگر پیش کروں گا تاکہ آپ دیکھ سکیں کہ آپ نے اس بات کی کس قدر پابندی کی جس کو آپ لیے بیٹھے ہیں۔

7۔ آپ نے کہا ہے: اور اس طرح محقق پر لازم ہے کہ وہ جب کسی آدمی یا فرقے کی بات نقل کرے تو اس کا مصدر (سرچشمہ) بھی ذکر کرے تاکہ دوسروں کے لےی مصدر کا ملاحظہ کرنا ممکن ہو، پھر وہ باطل سے حق کی شناخت کر سکے یا فیصلہ کر سکے۔

---

[1] نہج البلاغۃ: 526

[2] کشف الغمۃ فی معرۃ الأئمۃ: 2:147

میں کہتا ہوں: یہ اصول کی بات ہے، ہر باحث (بحث کرنے والے) پر واجب ہے کہ وہ حق کو دریافت کرنے کے لیے اس کی پابندی کرے اور وہ بات جو مراجعت کے دوران اپنے قائل کی طرف منسوب نہ ہو وہ قبول نہیں کی جائے گی لیکن یہ کلام جو مصدر (سرچشمہ) کو ظاہر کرے گی اس کی کوئی قیمت نہ ہوگی، کیونکہ کلام کی قیمت اس کے مصدر کے وزن کے حساب سے ہوگی جبکہ ہم اور خاص طور پر آپ قرآن کے مطلق کو مقید کر دیا ہے اور اس کے مقید کی تاویل کی ہے جیسا کہ اللہ کی مشیئت سے اس کی وضاحت پیش کی جائے گی۔

7۔ آپ نے کہا ہے: اور صحابہ اور سیدہ عائشہ کے معاملے میں تمہیں مراسلے میں وہی آیات مذکور ہیں جو مدح پر دلالت کرتی ہیں اس کے ساتھ ایسی تاویل اور تفسیر بھی جو سیاق کے برخلاف ہے جیسا کہ ہم اس کی طرف اشارہ کریں گے، بغیر ان نصوص کے جو مذمت پر نازل ہوئی ہیں، پھر ان کے درمیان مناقشہ بھی مذکورہ نہیں، تاکہ مخاطب کے لیے مفید نتیجے پر پہنچنا ممکن ہو۔

میں کہتا ہو کہ آپ کی پہلی بات کہ (اس کے ساتھ ایسی تاویل اور تفسیر جو سیاق کے برخلاف ہے) یہ معمولی حکم نہیں ہے، لیکن چونکہ آپ نے ذہن میں کچھ معانی راسخ ہو چکے ہیں جن کی وجہ سے آپ نے گمان کیا ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ لفظ کو اس کے ظاہر سے پھیرنا یعنی تاویل کرنا ہے اور شاید اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ آشکارا ہو جائے گی۔

جبکہ آپ کی دوسری بات (بغیر ان نصوص کے جو مذمت میں نازل ہوئی ہیں) یہ نادرست بات ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے صحابہ کی مدح بیان کی ہے اور ان کی مذمت نہیں کی اور امہات المومنین کے بارے میں مذت وارد نہیں ہوئی۔

ہاں، فہمائش پر مشتمل آیات نازل ہوئی ہیں جو ان کے اس مقام کو نہیں گھٹائیں جو قرآن مجید کی دسیوں آیات میں بیان ہوا ہے اور اس فہمائش کو مذمت کا نام دینا عجیب ترین بات ہے! (بھلا ایاز قدر خویش رابشناس کہنا بھی کوئی مذمت ہے؟)

قرآن مجید میں ہر فہمائش، مذمت نہیں ہے۔ بے شک اللہ عتالیٰ نے ان ہستیوں کو بھی فہمائش کی ہے جو صحابہ کرام اور امہات المومنین سے بھی افضل ہیں اور وہ فہمائش مذمت نہیں، چنانچہ اس

نے ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چند مواقع پر فہمائش کی ہے اور وہ مذمت نہیں۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نابینا صحابی کے بارے میں فہمائش کی ہے اور جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے اور اپنے آزاد کردہ غلام زید رضی اللہ عنہ (کی مطلقہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح) کے معاملے میں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دینے کے معاملے میں فہمائش کی ہے اور وہ فہمائش نہ مذمت ہے اور نہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبے کی تنقیص ہے۔

جبکہ نفاق کی آیات جو ایک معین گروہ کی مذمت پر مشتمل ہیں انہیں حوادثات نے طشت از بام کر دیا ہے، لہٰذا وہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نہیں ہیں جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اور ساری زندگی اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہے اور جو شخص پسندیدہ مومنین اور اہل نفاق کے درمیان فرق نہیں کرتا، اس کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو مضبوط سمجھے؟ بلکہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ قرآن کو سمجھے؟ اور وہ کس طرح احادیث سے استدلال کر سکتا ہے۔

9۔ آپ نے کہا: اے پیارے بھائی: تم نے اپنے اس مکتوب میں "نظرات فی اتجاھات اھل السنة و الشیعة و مناھجھم" کے عنوان کے تحت کچھ ایسی باتیں بیان کی ہیں جو امامیہ کے عقائد کے ساتھ منسلک ہیں بغیر ان کے قائل کے نام کے۔۔۔ پھر تم نے سوال کیا ہے کیا اس سے غالی شیعہ مراد ہیں۔۔۔ تم نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں۔۔۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں: اگر تم امامیہ کی رائے ان کی چودہ صدیوں تک مدوّن کتابوں سے حاصل کرتے تو ان کے بارے میں تمہاری رائے اس رائے کے برعکس ہوتی جو میں نے تمہارے جوابات میں پڑھی ہے۔

میں کہتا ہوں: میں یہ گمان نہیں کرتا کہ میرے کلام کا معنی مبہم ہے، کیونکہ میں نے کلام کو نہ تو تمہارے کسی عالم کی طرف منسوب کیا ہے اور نہ تمہاری کتابوں میں سے کسی کتاب کی طرف، میں نے تمہارے بارے میں صرف یہ کہا ہے کہ شیعہ کے عقیدے سے یہ سمجھا جاتا ہے اور میں نے یہ نہیں کہا کہ فلاں نے یہ بات کہی ہے اور شاید آپ عبارت کی طرف رجوع کریں تو آپ کے لیے مراد آشکارا ہو جائے گی۔

اور میں اس سے دیگر غالی فرقے مراد نہیں لیتا بلکہ امامیہ کو مراد لیتا ہوں، کیونکہ اس نے دین میں امامت کے مسئلہ کا دعویٰ کیا ہے پھر اس امامت کے عقیدے کو اتنا ضخیم کیا ہے کہ اس منصب والوں کو انبیائے کرام سے بھی اوپر لے گئے اور قرآن کی تفسیر اماموں اور ان کے شیعوں سے خطاب سے کی ہے، سو جو کوئی خیر اور ایمان ہے وہ شیعہ کے حق میں ہے اور جو کچھ کفر اور گمراہی کے بارے میں ہے وہ ان کے مخالف کے حق میں ہے، پھر جنت ان کے لیے اور دوزخ ان کے دشمنوں کے لیے ہے اور اس طرح۔۔۔اور اس طرح۔۔۔

اور جب آپ مزید وضاحت چاہتے ہیں تو درج ذیل کتابوں میں اس کی مثالیں ہیں جو مذکورہ بالا مدعا کو واضح کرتی ہیں۔

(1) الکافی (2) تفسیر عسکری (3) تفسیر عیاشی (4) تفسیر صافی (5) تفسیر فرات (6) کتاب الاختصاص (7) بصائر الدرجات (8) تاویل الآیات الظاہرۃ اور ان کے علاوہ امامیوں کی کتابیں۔

بلکہ اللہ کی قسم جس مسلمان کی پرورش وحیین (کتاب و سنت) پر ہوئی ہے وہ ضرور اس بات سے شرمائے گا کہ یہ کتابیں اس کے دین کی طرف منسوب کی جائیں۔ خصوصاً کتاب "بصائر الدرجات"۔

اور میں نے جو کچھ کہا ہے اس کے ثبوت میں مثالیں ذکر کروں گا۔

شیعہ کے ہاں صحیح ترین کتاب (الکافی) اور کئی تفسیروں میں روایات وارد ہوئی ہیں جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ قرآن شیعہ کے اماموں اور ان کے مخالفین کے بارے میں نازل ہوا ہے۔

1۔ الکافی (628/2) تفسیر عیاشی (3/1) تفسیر الفرات (48,46/1) میں حضرت جعفر الصادق رحمہ اللہ سے روایت منقول ہے کہ قرآن چار حصوں میں نازل ہوا ہے: ایک حصہ ہمارے بارے میں اور ایک حصہ ہمارے دشمنوں کے بارے میں اور ایک حصہ سنتوں اور مثالوں کے بیان میں اور ایک حصہ فرائض واحکام کے بیان میں۔

2۔ الکافی (627/2) میں حضرت جعفر الصادق سے اسی طرح کی روایت میں ہے کہ قرآن تین

سنتوں اور مثالوں کے بیان میں اور ایک حصہ فرائض و احکام کے بارے میں۔ اس رایت کو عیاشی نے اپنی تفسیر میں بیان کیاہے اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیاہے۔

اور ہم نہیں جانتے کہ کون سی تقسیم قابل اعتماد ہے، چار حصوں والی یا تین حصوں والی؟!

اس مفہوم کو کاشانی نے اپنی تفسیر الصافی (24/1) میں تاکیداً بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ سارا قرآن صرف ان کے بارے میں یعنی بارہ اماموں اور ان کے طرف داروں اور ان کے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوا ہے۔

3۔ اس طرح کی روایات درج کرنے کے بعد عیاشی نے محمد بن مسلم سے روایت کی ہے کہ ابو جعفر نے کہا: اے محمد جب تو سنے کہ اللہ نے اس امت میں سے کسی کو خیر سے یاد کیاہے تو اس سے مراد ہم ہیں اور جب تو سنے کہ اللہ گزرے ہوئے لوگوں میں سے کسی کو برائی سے یاد کیا ہے تو ان سے مراد ہمارے دشمن ہیں۔ [1]

4۔ ابوالحسین عاملی اپنی کتاب مراۃ الانوار و مشکاۃ الاسرار میں بیان کرتا ہے کہ قرآن کی آیات بمع ان کی تاویل کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ صرف نبی اور اماموں صلوات اللہ علیہم کی ولایت کی راہنمائی اور ان کی شان کی رفعت اور ان کے دشمنوں کی ذلت کے بارے میں ہیں۔ اس حیثیت سے کہ کوئی ایسی خیر جس کی آپ کو خبر دی گئی ہے وہ صرف ان کے بارے میں اور ان کے پیروکاروں اور قدردانوں کے بارے میں ہے اور جو ان میں برائی بیان ہوئی ہے وہ فقط ان کے دشمنوں اور ان کے مخالفوں پر صادق آتی ہے۔

5۔ مجلسی اپنی کتاب بحار الانوار (23/354-390) میں "باب تاویل المومنین و الایمان و المسلمین و الاسلام بهم ای الائمة و بولایتهم علیهم السلام، و الکفار و المشرکین و الکفر و الشرك و الجبت و الطاغوت و اللات و العزی و الاصنام باعدائهم و مخالفیهم" منعقد کیاہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مومنین اور ایمان اور مسلمین اور اسلام سے مراد ائمہ (اثنٰی عشری) علیہم السلام اور ان کی ولایت ہے اور کفار، مشرکین، کفر، شرک، جبت، طاغوت، لات، عزیٰ اور بتوں سے مراد ان کے دشمن اور

[1] تفسیر عیاشی: 13/1

مخالفین ہیں اور اس باب کے تحت یک صد روایات درج کی ہیں۔

سبحان اللہ! قبول اسلام میں سبقت کا شرف حاصل کرنے والے مومنین کی ساری مدح اور گزشتہ کفار کی ساری مذمت کالعدم اور منسوخ ہو گئی۔

کیا یہ روایات اور اس طرح کی دیگر بہت سی روایات جو شیعہ کی تفاسیر میں موجود ہیں، اس بات پر دلالت نہیں کر تیں کہ قرآن فقط شیعہ کی مدح اور ان کے دشمنوں کی مذمت کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کے دشمنوں سے مراد اہل السنہ ہی ہیں۔

تو پھر جب میں نے کہا کہ شیعہ کے اقوال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ قرآن شیعہ اور ان کے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوا ہے، تو آپ کس طرح مجھ پر نکیر کرتے ہیں اور یہ عبارتیں واضح المعنیٰ ہیں؟!

پھر آپ کہتے ہیں کہ میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں ۔۔۔ اور پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ اگر تم امامیہ کی رائے ان کی چودہ صدیوں سے مدوّن کتابوں سے حاصل کرتے تو تمہاری رائے اس رائے کے بر خلاف ہوتی جو میں نے تمہارے جوابات میں پڑھی ہے۔

اور کیا یہ کتابیں، جن سے یہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں، کیا یہ آپ کی کتابوں میں شامل نہیں ہیں؟!

اے ابو مہدی! اللہ کی قسم جب میں نے آپ کی کتابوں کو پڑھا تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میں گویا ایسی عقلی خرافات پڑھ رہا ہوں جو اسلام کی صفائی اور ستھرائی کو جانتی ہی نہیں ہیں اور میں ہدایت اور معتقد کی صفائی پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ آپ اپنی قسم میں حانث ہو چکے ہیں! میں امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے معذور سمجھیں گے کیونکہ میں پسند کرتا ہوں کہ جب میں ان کتابوں کے مندرجات سے واقف ہو رہا تھا تو آپ میرے جذبات سے آگاہ ہو سکیں۔

10۔ پھر آپ مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ میں تمہاری اور اپنی کتابوں کے درمیان موازنہ کروں، تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ آپ کے ہاں صحیح ترین کتاب اور اپنے ہاں اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب کے درمیان موازنے کی ابتدا کروں۔

میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری اور اثنا عشری شیعی کتاب الکافی کے درمیان یہ مختصر سا موازنہ ہے:

ا: صحیح بخاری: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا افتتاح اپنے اس قول سے کیا ہے: "بدء الوحی" (وحی کی ابتدا)، باب: حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی ابتدا کس طرح ہوئی اور اللہ جل ذکرہ کا قول:

﴿ إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ ﴾ [النساء: 163]

"ہم نے تیری طرف وحی کی جس طرح ہم نے نوح اور اس کے والے نبیوں کی طرف وحی کی۔"

پھر انہوں نے اپنی سند سے حدیث درج کی:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ اِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ))

"بے شک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور بے شک ہر آدمی کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی، پس جس آدمی کی نیت دنیا کے حصول کے لے ی ہوئی یا کسی عورت سے نکاح کے لیے ہوئی تو اس کی ہجرت سے اس کو وہی ملے گا جس کی خاطر اس نے ہجرت کی۔"

یہ حدیث ان کی کتاب کا افتتاح ہے۔

پھر انہوں نے ایک اور حدیث اپنی سند کے ساتھ درج کی اور اس میں ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے اسے اس کی خبر دی۔

اس طرح آپ حضرت رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کا تذکرہ کرتے جاتے ہیں۔ پھر انہوں نے لکھا: کتاب الایمان، اس میں آیات اور آثار درج کیے ہیں۔ پھر انہوں نے اپنی سند کے ساتھ احادیث وارد کی ہیں ان میں سے ایک حدیث اس طرح ہے:

((بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَ اِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَ الْحَجِّ، وَ صَوْمِ رَمَضَانَ))

دیکھیے اس عظیم کتاب میں نبوت انوار کس طرح لشکار رہے ہیں۔ پھر موازنہ کیجیے:

ب: الکافی: اس نے اپنی کتاب کا افتتاح اپنے اس قول سے کیا ہے:"کتاب العقل و الجھل"

پھر اس نے ابو جعفر رحمہ اللہ سے اثر درج کیا ہے، جس میں اس نے کہا: جب اللہ نے عقل کو پیدا کیا تو اسے قوت گویائی دی، پھر اسے کہا: آگے آ، وہ آگے آئی، پھر اسے کہا: پیٹھ پھیر لے، اس نے پیٹھ پھیر لی، پھر کہا: میری عزت اور جلال کی قسم! میں نے ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو مجھے تجھ سے زیادہ پیار ہو اور میں نے تجھے مکمل نہیں کیا مگر اسی میں جس سے میں محبت کرتا ہوں میں تیرے ساتھ ہی حکم دوں گا اور تیرے ساتھ ہی روکوں گا اور تیرے ساتھ ہی سزا دوں گا اور تیرے ساتھ ہی ثواب دوں گا۔ اس کے بعد سید علی رضی اللہ عنہ سے ایک اور اثر نقل کیا ہے اور کہا: جبرائیل، آدم پر اترا تو کہا: اے آدم! میں حکم دیا گیا ہوں کہ تجھے تین میں سے ایک کا اختیار دوں، ایک رکھ لے اور دو چھوڑ دے۔ آدم نے اس سے کہا: اے جبرئیل! وہ تین کیا ہیں؟ اس نے کہا: عقل، حیا اور دین۔ آدم نے کہا: میں عقل کو پسند کرتا ہوں۔ تو جبرئیل نے حیا اور دین سے کہا: واپس پھر جاؤ اور اسے بلایا: تو دونوں نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم عقل کے ساتھ رہیں جہاں بھی وہ ہو۔ اس نے کہا: تمہاری مرضی اور اوپر چلا گیا۔ اس طرح وہ عقل کے بارے میں روایات درج کرتا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد علم کی فضیلت درج کرتا ہے اور اس میں درج کی جانے والی روایات مکمل طور پر یا زیادہ تر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں اور نہ اس نے قرآن سے افتتاح کیا ہے نہ کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور میں گمان کرتا ہوں کہ ائمہ نے نبوت کو منسوخ کر دیا ہے۔

دونوں افتتاحوں کے درمیان موازنہ:

امام بخاری رحمہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے استدلال کر کے اسلام کے آغاز کے تذکرے سے اپنی کتاب کا افتتاح کرتا ہے۔

اور کلینی نے اپنی کتاب کا آغاز حضرت نبی علیہ السلام کے سوا دوسروں کے آثار سے کرتا ہے، اسے چاہیے تھا کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے آغاز کرتا پھر کافی نے ذکر کیا ہے کہ آدم کو مخاطب کیا گیا اور اسے عقل، حیاء اور دین میں سے کسی ایک کو اپنے پاس رکھنے کا اختیار دیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ جب آدم کو مخاطب کیا گیا کیا اس کے پاس عقل تھی یا نہیں؟

اگر اس کے پاس عقل تھی تو اس کو کس طرح اس جیسی چیزوں کے درمیان اختیار کرنے کا حکم دیا گیا؟

اگر اس کے پاس عقل نہیں تھی تو اس شخص کو کیسے مخاطب کیا جاتا ہے جس کے پاس عقل نہ ہو؟

پھر نزول جبرئیل سے کتنے زمانوں تک آدم بغیر عقل اور حیا اور دین کے پھرتے رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ، آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کے درمیان کس طرح ایک چیز اختیار کرنے کا حکم دے سکتا ہے جن تمام چیزوں کے بغیر گزارا ہی نہیں۔

کیا کوئی مسلمان حیا سے بے نیاز رہ سکتا ہے؟

اور کیا کوئی مسلمان دین سے بے نیاز رہ سکتا ہے؟

کیا اللہ تعالیٰ انسان سے اس چیز کا ارادہ نہیں کرتا کہ وہ عقل، حیا اور دین کو اکٹھا کرے؟!

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ

پھر حضرت امام ابو جعفر کو اس مکالمے کی کس نے خبر دی؟!

ان کے پاس غیب کے ذریعے وحی آئی یا انہوں نے اس کو کیسے جان لیا۔

جب ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت ابو جعفر رحمہ اللہ اس باب میں اللہ سے بڑا خوف کرنے والے تھے کہ وہ اللہ کے نام ایسی بات کہیں جس کے بارے میں انہیں علم نہ ہو اور یہ بات ان مکذوبہ روایات میں سے ہے جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے تقریباً دو ہزار سات صد احادیث مفرق درج کی ہیں جو تکرار کے ساتھ تقریباً سات ہزار تک پہنچ گئی ہیں جو تمام تر صحیح ہیں مگر چند روایات جن پر علماء نے جرح کی ہے اور ان کی تعداد ہاتھ کی انگلیوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

اور کلینی نے سولہ ہزار روایات درج کی ہیں جن میں سے شیعہ علماء نے تقریباً پانچ ہزار کو صحیح

ضوابط لاگو کیے جائیں تو یہ کتاب وجود سے مٹ جائے یا ان میں سے تھوڑی سی روایات (ضعف و کذب سے) سے صاف قرار دی جا سکیں۔

اس کے بعد دونوں کتابوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہو گی؟!

صحیح بخاری کے ابواب میں سے چند ابواب درج ذیل ہیں:

((المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده))

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے مسلمان سلامت رہیں۔"

((حب الرسول من الايمان))

"حضرت رسول اللہ ﷺ کی محبت ایمان سے ہے۔"

((الدين يسر))

"دین آسان ہے۔"

((الجهاد من الايمان))

"جہاد، ایمان سے ہے۔"

((فضل العلم))

"علم کی فضیلت۔"

((قول اللّٰه تعالى: ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا﴾ [الجن: 26]))

"اللہ تعالیٰ کا فرمان: وہ غیب کو جاننے والا ہے وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا (مگر اپنے رسول پر جس کو وہ پسند کرے۔۔۔الی آخره من الآية۔"

الکافی کے چند ابواب درج ذیل ہیں:

((باب: أن الأئمة يعلمون جميع العلوم التى خرجت الى الملائكة و الانبياء و الرسل))

"ائمہ وہ تمام علوم جانتے ہیں جو فرشتوں اور نبیوں اور رسولوں کی طرف نکلے۔"

((باب أن الأئمة إذا شاءوا ان يعلموا علموا))

"بے شک ائمہ جب جاننا چاہیں تو وہ جان لیتے ہیں۔"

((باب أن الائمة يعلمون متى يموتون و أنهم لا يموتون إلا بإختيارهم))

"بے شک امام جانتے ہیں کہ وہ کب مریں گے اور وہ نہیں مرتے مگر اپنے اختیار سے۔"

میں کہتا ہوں اگر ایسی ہی ہے تو مہدی موت کے خوف سے کیوں فرار ہوا؟ کیا یہ بات بہتر نہ تھی کہ وہ لوگوں کی قیادت کے لیے باقی رہتا اور موت سے بچا رہتا کیونکہ وہ اپنے اختیار کے بغیر تو مر نہیں سکتا تھا؟!

اس طرح اس میں یہ عنوان بھی ہے:

((باب: أن الأئمة يعلمون علم ما كان و ما يكون و أنه لا يخفى عليهم شيء))

"ائمہ ماکان و مایکون کا علم رکھتے ہیں اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔"

میں کہتا ہوں: اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم دے رہا ہے کہ وہ کہے:

﴿وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ﴾ [الاعراف: 188]

"اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سی خیر اکٹھی کر لیتا۔"

اور اللہ تعالیٰ نے (اپنے بارے میں) فرمایا:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾[الجن: 26-27]

"وہ غیب کو جاننے والا ہے وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول کو وہ پسند کرے۔"

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے: اے محمد! لوگوں کو پہنچا دے کہ تو غیب نہیں جانتا اور اللہ فرمارہا ہے: وہ عالم الغیب ہے وہ اس کے کچھ حصے کو فقط رسولوں پر ظاہر کرنے کی اجازت دیتا ہے اور اس نے ان اماموں کا نام نہیں لیا الا یہ کہ آپ شیعی منہج کے مطابق اللہ کی بات کا استدراک کریں جیسا کہ عنقریب آگے آرہا ہے اور کتاب الکافی اس کے خلاف کہہ رہی ہے بتائیے میرے دوست کون سچا ہے؟(استغفر اللہ)

اے میرے دوست یہ بھی بتائیے کہ ان میں سے کون سی کتاب افضل ہے؟! وہ کتاب جس کا اصل وحی الٰہی (قرآن اور سنت صحیحہ) جو ایمان، اسلام اور جہاد جیسے مسائل بیان کرتی ہے یا وہ کتاب جس کی اصل وہ اشخاص ہیں جن کو ائمہ کے منصب پر بٹھا دیا گیا ہے اور انہیں الہٰ کی صفات دی گئی ہیں اور ان کی طرف وہ باتیں منسوب کر دی گئی ہیں جو انہوں نے کہی ہی نہیں ہیں اور آپ اس میں امامت اور ائمہ کی روایات کے سوا شاید ہی کوئی روایت پائیں ماسوائے فروعی مسائل کے؟! واللہ المستعان!

11۔ آپ نے کہا ہے: بعض ناگوار باتوں کے نقل کرنے اور شیعہ کی طرف ان کی نسبت پر اعتماد کرنا صحیح نہیں، محض اس بنا پر کہ ان کے گزشتہ مخالفین لکھ گئے بغیر اس کے کہ امامیہ کے اقوال کی معرفت کے لیے ان کے علماء کی طرف رجوع کیا جائے اور اصول و فروع میں ان کا مذہب ان کی مولفات سے اخذ کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: ہاں، ہم اس منہج پر سختی سے کاربند رہیں گے اور آپ نے دیکھا ہے کہ ہم نے شیعہ کی مولفات کے علاوہ نہ کسی کی بات نقل کی ہے اور نہ نقل کریں گے۔

12۔ آپ نے کہا: اور انوکھی بات یہ ہے کہ احمد امین مصری نے اپنی کتاب فجر الاسلام میں صفحہ نمبر 33 پر لکھا ہے کہ تشیع ہر اس شخص کی پناہ گاہ ہے جو اسلام کو منہدم کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔

پھر آپ نے ذکر کیا ہے کہ جب اسے اپنی کتاب کی اشاعت کے بعد ملامت کا نشانہ بننا پڑا تو اس نے عدم اطلاع اور مصادر کی قلت کا عذر کیا۔

میں کہتا ہوں: بلاشبہ بہت سے قدیم اور جدید علماء نے احمد امین کے قول کے ہم معنی بات کہتے ہیں اور اس کی وجہ شیعہ کا اسلام کے ساتھ معاملہ کرنے کا منہج ہے جو اسلام کے ابطال تک پہنچا دیتا ہے اور یہ بات دین کے راوی صحابہ کرام اور قرآن کریم اور سنت نبویہ کے بارے میں شیعہ کے موقف سے عیاں ہوتی ہے اور درج ذیل سطور میں ان کے موقف کی طرف اشارہ ہے اور اس کی مزید وضاحت اللہ کی مشیئت سے آگے آئے گی۔

ا: چار صحابہ کرام یا ان جیسوں کے سوا باقی صحابہ کرام کی عدالت پر شیعہ طعنہ زنی جیسا کہ اللہ کی مشیت سے آگے اس کے نمونے بیان ہوں گے اور یہ طعنہ زنی صحابہ کی امانت کو مشکوک بناتی

ہے اور اس بناپر انہوں نے جو کچھ روایت کیا ہے وہ سب کچھ ناقابل اعتماد ہو جائے گا۔

ب: قرآن کے بارے میں شیعہ کی طعنہ زنی، اس کی تصریح تقریباً تیس امامی شیعہ علماء نے کی ہے کہ یہ قرآن محرف اور ناقص ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ناقابل وثوق ہے۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

i: فضل بن شاذان نیشاپوری (متوفی: 260ھ) اپنی کتاب الایضاح (112-114) پر عنوان مقرر کرتا ہے: ((باب ذکر ما ذھب من القرآن)) اور اس نے اس کے تحت سنن کی کتابوں سے (اپنی سوء فہم) کی وجہ سے روایات درج کر کے قرآن میں نقصان ثابت کیا ہے اور نوری طبرسی اس کی توثیق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ تحریف قرآن کا قائل ہے۔

ii: فرات بن ابراہیم کوفی تیسری صدی ہجری کے علماء میں سے ہے۔ وہ اپنی تفسیر میں اپنی سند سے بیان کرتا ہے کہ امام ابوجعفر درج ذیل آیت پڑھتے تھے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ[اٰلَ مُحَمَّدٍ]عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۳﴾ [آل عمران: 33] اور اس طرز پر کئی آیات درج کی ہیں۔ (78/1)

iii: عیاشی جو تیسری صدی کے علماء میں سے ہے اس نے اپنی تفسیر میں (12/1, 13, 47, 48) پر مذکورہ بالا روایات درج کی ہیں۔

iv: کلینی کے شیخ قمی نے اپنی تفسیر (5/1, 9, 10) میں۔

v: کلینی نے اصول کافی (413/1) اور ص23, 25, 26, 27 پر بہت سی روایات درج کی ہیں۔

vi: ابوالقاسم علی بن احمد الکوفی (متوفی: 352ھ) نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر قرآن کو مکمل طور پر جمع نہ کرنے کا بہتان لگایا کہ اس نے اس خوف کی وجہ سے ایسا کیا کہ ان کا منصوبہ خراب نہ ہو جائے اور اس نے یہ بات اپنی کتاب الاستغاثۃ من بدع الثلاثۃ (51/1-53) میں ذکر کی ہے۔

vii: محمد بن ابراہیم نعمانی، پانچویں صدی ہجری کے عالم نے یہ بات کتاب الغیبۃ میں ذکر کی ہے۔

viii: ابوعبداللہ محمد بن نعمان الملقب (مفید) (متوفی: 413ھ) نے اپنی کتاب "اوائل المقالات" میں کہا ہے: میں کہتا ہوں کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ائمہ الہدی سے قرآن میں اختلاف اور بعض

ظالموں کے حذب اور نقصان کی محدثات کی خبریں عام منقول ہیں۔

ix: ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی جو چھٹی صدی ہجری کا عالم ہے اس نے اپنی کتاب ”الاحتجاج(240/1, 245, 249) پر یہ خبریں درج کی ہیں۔

x: ابوالحسن علی بن عیسیٰ اربلی (متوفی: 692ھ) نے اپنی کتاب ”کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ“ (319/1) میں۔

xi: فیض کاشانی(متوفی: 1091ھ) نے اپنی تفسیر صافی میں تفسیر کے شروع میں کہا: اللہ کے قول: ﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ [النساء: 3] اب رہا تیرا ناشناسی ظاہر کرنا اللہ کے قول(عورتوں سے نکاح کرنے میں یتیم لڑکیوں سے بے انصافی کا خوف ہو تو (ان کی بجائے اور عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں) کہ اس میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف دیگر عورتوں کے ساتھ نکاح میں انصاف سے میل نہیں رکھتا، تو یہ ان باتوں میں سے ہے جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ یہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں اور عورتوں کے نکاح کے درمیان خطاب کو منافقین کے حذف کر دینے کی وجہ سے ہے اور اس طرح کے واقعات قرآن کے تین حصوں میں سے ایک حصے کے حذف کرنے سے بھی زیادہ ہیں) اس طرز پر اس نے سترہ، اٹھارہ ورقوں پر مسلسل اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لکھا ہے۔

xii: محمد بن حسن حر عاملی (متوفی 1104ھ) نے اپنی کتاب ”وسائل الشیعۃ“ (145/18) میں تحریف فی القرآن ذکر کی ہے۔

xiii: ہاشم بن سلیمان بحرانی (متوفی: 1107ھ) نے اپنی تفسیر البرہان میں لکھا ہے: و أما ما هو على خلاف ما انزل اللّٰه فهو قوله: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ [آل عمران: 110] کہ جو چیز اللہ کی نازل کردہ کے خلاف ہے وہ یہ آیت ہے کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو۔ اور جو چیز اس سے بدلی گئی ہے وہ یہ آیت ہے: ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ [فِيْ عَلِيٍّ]﴾ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس چیز کی جو اللہ نے تیری طرف [حضرت علی رضی اللہ عنہ] کے بارے میں نازل کیا۔

xiv: محمد باقر مجلی (متوفی: 1111ھ) نے اپنی کتاب بحار الانوار کو ان روایات سے بھرا ہے جو اس تحریف کے عقیدے کو ثابت کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس نے اپنی کتاب مرأۃ العقول (525/12) میں بھی اسی باتیں درج کی ہیں۔ اس نے الکافی سے روایات بیان کی ہیں جو تحریف ثابت کرتی ہیں اور ان میں ایک روایت ابو جعفر کے حوالے سے درج کی ہے کہ اس نے کہا: جبرئیل یہ آیت ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا﴾ [البقرۃ: 90] [في علي عليه السلام] لے کر نازل ہوا۔ (373-372/23)

xv: نعمۃ اللہ موسوی الجزائری (متوفی: 1112ھ) نے اپنی کتاب "الانوار النعمانیۃ" (-364 360/2) میں۔

xvi: یوسف بن احمد البحرانی (متوفی: 1186ھ) نے اپنی کتاب "الانوار النعمانیہ" (296/2) میں۔

یہ چند نام ہیں ان قائلین کے جنہوں نے قرآن میں کمی اور تحریف ثابت کی ہے اور ان کے علاوہ دسیوں اور بھی ہیں اور نوری طبرسی نے اپنی کتاب "فصل الخطاب" کے مقدمے میں تقریباً چالیس نام درج کیے ہیں جو اس قول کے قائل ہیں اور اس نے قدماء میں سے فقط شخصوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔ (ص: 51)

کیا امامی مذہب کا موقف اسلام کو منہدم نہیں کرتا؟!

ہاں، یہاں ایک اور رجحان بھی ہے جو قرآن میں تحریف کے قول کے خلاف ہے لیکن یہ زیادہ تر متاخرین کا رجحان ہے اور بسا اوقات کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ تقیہ ہے، کیونکہ تقیہ، امامیہ کا عقیدہ ہے اور جو اسے استعمال نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں جیسا کہ اس کی صراحت ان کی کتابوں نے کی ہے، اگرچہ ہم اس کا دعویٰ نہیں کرتے، بلکہ یہ تو محض طفلی تسلی ہے کیونکہ یہ دعویٰ کفر ہے جو بذات خود اس قرآن کے خلاف ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾ [الحجر: 9]

لیکن ہمارا مقصد اس قضیے میں شیعی مذہب کے علماء کی شدت کا سبب بیان کرنا ہے۔

ج: جبکہ سنت کے بارے میں شیعہ کا طرز عمل یہ ہے جب کوئی حدیث ان کے معتقد کے خلاف آتی

ہے تو اس پر ردّ و قدح کرتے ہیں، بلکہ وہ ان صحابہ کرام پر بھی ردّ و قدح کرتے ہیں جنہوں نے سنت کو بیان کیا ہے اور ان میں سوائے چار شخصوں کے کوئی بھی ایسا صحابی نہیں جس کو کافر یا فاسق نہ کہا گیا ہو۔ کیا یہ ایسا دروازہ نہیں ہے جس کی طرف اسلام کے ساتھ جنگ کرنے والا ہر زندیق پناہ لیتا ہے ؟!

اسلام کیا ہے ؟ کیا وہ کتاب اور سنت نہیں ہے اور ان دونوں کے راویان نہیں ہیں اور وہ صحابہ ہیں ؟!

جب راویوں پر قدغن لگایا جائے گا اور ان کے ایمان کے بارے میں شک کیا جائے گا، تو اس چیز کی توثیق کس طرح کی جائے گی جسے انہوں نے بیان کیا ہے ؟

اور پھر زنادقہ اس سے بڑھ کر اور کیا کر سکتے ہیں ؟!

12۔ تم نے کہا ہے: ابن حزم نے کہا ہے: اور امامیہ میں ایسا گروہ بھی ہے جو نو عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیتا ہے۔ [1] اور تم نے اس کے دعوے کو غلط ٹھہرایا ہے پھر تم نے کہا ہے۔ (ابن حزم کے ورع پر فاتحہ پڑھنی چاہیے۔)

میں کہتا ہوں کہ ابن حزم (علی بن احمد رحمہ اللہ) دیگر علمائے اہل السنہ میں سے ہیں جو جھوٹ کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس کے نقل کرنے اور اس کی نسبت کرنے کی کھوج لگاتے ہیں اور بسا اوقات اس قول کا قائل کو ایک امامی فرقہ ہوتا ہے اور وہ فرقے دسیوں تک پہنچ جاتے ہیں اور تم اس پر مطلع نہیں ہو سکے، کیونکہ تمام گروہ اور فرقے جو امامت کے اہل بیت میں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان ایک نام امامیہ ہی جمع کرتا ہے، پھر اثنی عشری امامی اس نام کے ساتھ منفرد ہیں، واللہ اعلم۔

اور بسا اوقات وہ غلط حوالے پر اعتماد کرتا ہے اور بسا اوقات وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر ہر شخص کی عدالت وہم سے ساقط ہو جائے تو بسا اوقات نہ میں سلامت رہ سکتا ہوں نہ تم۔

14۔ تم نے کہا ہے: ڈاکٹر عبداللہ محمد عزیب نے کہا ہے کہ شیعہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ماں سے نکاح کرنا، والدین کے ساتھ نیکی سے تعلق رکھتا ہے۔ [2]

---

[1] دیکھیے: الفصل: 182/4

[1] بحواله: جاء دور المجوس، ص: 222

اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

اولاً: میں نے صفحہ مذکورہ (222) کی طرف رجوع کیا تو میں نے اس میں یہ عبارت نہیں پائی، شاید تم نے کسی اور کتاب پر اعتماد کیا ہو جو کذباً اس کی طرف منسوب ہو اور میں نے (قرص مدمج) کی بحث کے دوران محولہ کتاب کی طرف رجوع کیا تو اس میں یہ عبارت نہیں پائی۔

ثانیاً: تمہاری عبارت کے مطابق اس نے خصوصی طور پر امامیہ کا ذکر نہیں کیا، اس نے (لفظ) شیعہ ذکر کیا ہے اور یہ لفظ دسیوں فرقوں کے لیے مشترکہ طور پر بولا جاتا ہے اور شاید یہ ان فرقوں میں سے کسی غالی فرقے کا قول ہو۔

ثالثاً: اگر بات ایسے ہی ہو تو اس کے لیے جائز نہیں تھا کہ وہ اسے عام شیعوں کی طرف منسوب کرتا۔

رابعًا: یہ واضح محرمات میں سے ہے اور کوئی مسلمان اس قول کو تسلیم کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان اس قول کو تسلیم کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا اور میں نہیں جانتا کہ اس نے اس کی عبارت کا مرجع ذکر کیا ہے یا اس نے منسوب کیے بغیر مطلقاً ذکر کیا ہے کیونکہ تم نے اس چیز کو بیان نہیں کیا۔

خامسًا: یہ شخص معروف نہیں ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کوئی؟ فاللّٰہ اعلم بحالہ

15۔ تم نے کہا ہے کہ ابو حنیفہ اس شخص پر حد واجب نہیں سمجھتا جو کسی عورت کو زنا کے لیے اجرت پر رکھے پھر تم نے اس قول کی تمام اہل السنہ کی طرف نسبت کرنے کے بارے میں سوال کیا ہے؟

میں کہتا ہوں کہ جب عالم اجتہاد کرے اور وہ اپنے اجتہاد میں غلطی کر بیٹھے تو اس کی غلطی معاف کر دی گئی ہے اور وہ اپنے اجتہاد میں ایک اجر کا مستحق ہے، ایسا کوئی عالم نہیں جس کے اجتہاد میں غلطی یا غلطیاں نہ ہوں کیونکہ عالم معصوم نہیں ہوتا اور اس کے دیگر اہل علم بھائی اس کی غلطی کی تصحیح کر دیتے ہیں، چنانچہ کوئی ایسا غلط فتویٰ نہیں جس کی علماء نے تردید نہ کی ہو۔ چنانچہ اس مسئلہ میں ان کے دونوں شاگردوں محمد بن حسن اور ابو یوسف رحمہما اللہ نے ان کی مخالفت کی ہے اور مذہب احناف کے محقق علماء نے ان دونوں کے قول کو اختیار کیا ہے جیسا کہ در مختار کے مصنف نے اور ابن عابدین کے اس

کے حاشیے (29/4) میں واضح کیا ہے اور امام ابن قیم نے اعلام الموقعین (377/3) میں اس حیلے پر تفصیلی ردّ کیا ہے۔

اور پھر حضرت ابوحنیفہ کا یہ عجیب فتویٰ، بہت سے شیعی فتووں سے زیادہ عجیب نہیں ہے اور اس پر قدیم اور جدید علمائے شیعہ نے متعہ کا اطلاق کیا ہے۔

ا: قدیم فتاویٰ میں سے:

i: طوسی نے محمد بن ابی جعفر (ع) سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: میں نے پوچھا: آدمی اپنے بھائی کے لیے اپنی جاریہ (کنیز) کی شرم گاہ حلال کر سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں، کوئی حرج نہیں اس کے لیے وہی حلال ہے جو اس نے حلال کیا۔ [1]

ii: کلینی اور طوسی نے محمد بن مضارب سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: مجھ سے ابوعبداللہ (ع) نے کہا: اے محمد یہ کنیز لے جا یہ تیری خدمت کرے گی اور تو اس سے لذت پائے گا۔ جب تو چلا جائے تو اسے ہماری طرف لوٹا دینا۔ [2]

چنانچہ ان دونوں روایتوں نے بغیر عقد نکاح یا تملیک کے شرم گاہ کو مباح قرار دیا ہے!! باوجود ہمارے یقین کے کہ ان دونوں اقوال کی کسی بھی اہل بیت کی طرف صحت درست نہیں ہے۔

ب: جدید فتاوی میں سے:

i: سید حسین موسوی اپنے رسالے بعنوان (المتعہ) میں لکھتے ہیں: اور جس وجہ سے افسوس کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں (عراق میں) سادات (علمائے شیعہ) نے عاریتاً شرم گاہیں دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور جنوب عراق اور بغداد کے زون ثورہ میں بہت سے گھرانے ان سادات (علمائے شیعہ) کے بہت سے فتاویٰ کی بنا پر اس فعل پر عمل پیرا ہیں، ان (علماء) میں سے سیستانی، صدر، شیرازی، طبطباوی اور برجردی وغیرہ ہیں اور ان میں سے بہت سے گھرانوں میں کسی کے گھر کوئی مہمان آتا ہے اور جب وہ میزبان کی بیوی کو خوبصورت دیکھتا ہے تو اسے عاریتاً لے لیتا ہے اور وہ اس کے واپس لوٹنے تک اس کے پاس مستعار (ادھار) رہتی ہے!!! ڈاکٹر علی

---

[1] الاستبصار: 136/3

[2] الکافی، الفروع: 200/2۔ الاستبصار: 136/3

احمد سالوس نے اس رسالے کو مکمل طور پر اپنی کتاب ”مع الاثنی عشریة الامامیة فی الاصول و الفروع“ (1103) کے ساتھ شائع کیا ہے۔

ii: خمینی کا فتویٰ: اس نے کہا ہے: بیوی کی عمر نو سال مکمل سے پہلے اس سے مباشرت جائز نہیں، خواہ اس کے ساتھ دائمی نکاح ہو یا منقطع (وقتی) باقی رہیں تمام طرح کی لذتیں جیسے شہوت سے چھوتا، سینے سے چپکاتا اور ران میں جماع کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں یہاں تک کہ شیر خوار لڑکی سے بھی!! ❶

iii: خوئی کا فتویٰ: اس نے کہا: جب وہ ران میں مباشرت کا ارادہ کرے اور بلا قصد کسی ایک فرج (قبل یا دبر) میں دخول ہو جائے تو روزہ باطل نہیں ہو گا!! ❷

16۔ تم نے کہا: میں تمہاری گراں قدر نظر، امامی شیعوں کے بارے میں ازہر شریف کے بعض علماء کی آراء کی طرف مبذول کراتا ہوں جو انہوں نے ان کی کتابوں کے پڑھنے کے بعد صادر کی ہیں، پروفیسر عبد الہادی مسعود ابیاری کہتا ہے: اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعی مذہب اسلام کے عام مذاہب کی شاخوں میں سے ایک اہم شاخ ہے۔ اور تم نے ڈاکٹر ابو الوفا تفتازانی سے ان کا قول نقل کیا ہے: شیعہ کے بارے میں بہت سے قدیم اور جدید محققین خواہ ان کا تعلق مشرق سے ہے یا مغرب سے، غلط احکام صادر ہوئے ہیں، جن کی نہ تو دلائل سے تائید ہوتی ہے نہ قابل ذکر ثقہ نقلی شواہد سے اور بعض لوگوں نے ان احکام کے صحیح ہونے یا غلط ہونے کے بارے میں پوچھے بغیر انہیں قبول کر لیا اور جس بات میں کوئی شک نہیں وہ یہ ہے کہ جو کوئی محقق شیعہ کی تاریخ یا ان کے عقائد یا ان کی فقہ پر تحقیق کرنا چاہے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ پہلے اور ان میدانوں میں ہر چیز سے پہلے شیعہ کے ذاتی ورثے پر اعتماد کرے۔ اس نے یہاں تک کہا: تَسَنُّن اور تَشَیُّع کے درمیان اختلاف کی مسافت ہمیں تو اس مسافت سے زیادہ دور نظر نہیں آتی جو امام مالک اور اہل رائے و قیاس کے متبعین کے مذاہب کے درمیان ہے۔ ❸

---

❶ تحریر الوسیلة للخمینی: 241/2

❷ دیکھیے: منہاج الصالحین للخوئی: 263/1

❶ مع رجال الفکر فی القاهرة: 221/1 مولفہ سید مرتضی رضوی

میں کہتا ہوں کہ ان اقوال کا جواب چند وجوہ سے ہے۔

پہلی وجہ: واللہ ہم پسند کرتے ہیں کہ ہمارے اور شیعہ کے درمیان اختلاف نہ ہو اور ہم آرزو کرتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف محدود ہو اور وہ اس قدر ہی ہو جتنا موالک اور احناف کے درمیان ہے یا مذاہب اہل السنہ میں سے دو مذاہب کے درمیان جتنا ہو۔

دوسری وجہ: تمہارا تفتازنی مذکورہ (جو کہ علمی حلقوں میں غیر معروف ہے) کی طرف اس بات کی نسبت کرنا کہ جو کوئی محقق شیعہ کی تاریخی یا ان کے عقائد یا ان کی فقہ پر تحقیق کرنا چاہے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ پہلے اور ان میدانوں میں ہر چیز سے پہلے شیعہ کے ذاتی ورثے پر اعتماد کرے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ منہج اس محقق پر واجب الاتباع ہے جو کسی گروہ کے عقیدے یا اس کی فقہ یا اس کی فقہ یا اس کی رائے سے واقف ہونا چاہتا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رائٹر اس پر مطلع نہیں ہے ورنہ یہ بات نہ کہتا۔

اور شیعہ کی قدیم کتابوں پر نظر رکھنے والا دیکھتا ہے کہ یہاں تو شیعہ اور اہل السنہ کے درمیان بڑا فرق ہے بلکہ وہ دو سمتیں دیکھتا ہے جو آپس میں کبھی نہیں مل سکتیں۔

اور شیعہ کی اصول کی کتابیں ایسی چیزوں سے بھری ہوئی ہیں جو کئی طرح کے عقائد کی صراحت کرتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کتاب شیعہ کو اہل السنہ کے نقطہ نظر سے اسلام سے خارج مذہب قرار دینے کے لیے کافی اور یہ کتابیں قدیم شیعہ علماء کی توجہ حاصل نہیں کر سکیں کہ وہ صحیح روایات کی ضعیف روایات سے تمیز کرتے، اس (عدم توجہ) نے ان کتابوں میں ہر طرح کی صحیح اور ضعیف اور موضوع روایات کو ایسی دلیل بنا دیا جس سے شیعہ کے عقائد پر استدلال کیا جاتا ہے خواہ وہ مذہب کے متبعین میں سے ہیں یا مخالفین میں سے اور خاص کر چار کتابیں جن کو امامی شیعہ کے ہاں اصول کی کتابوں کا نام دیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

کتاب الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ، التھذیب، الاستبصار، ان کتابوں کی بہت سے شیعہ علماء نے تعریف کی ہے اور ان کو صحت سے متصف کیا ہے اور ان کے

مولفین کو ثقہ اور مجتہدین کی صفات سے متصف کیا ہے اور ان میں سے بعض نے معتمد علیہ کتابوں کی تعداد آٹھ بیان کی ہے اور ان کتابوں کے ہراول دستے میں کتاب (الکافی) ہے۔

اور الکافی وغیرہ کتب سے قرآن کے بارے علمائے شیعہ کی آراء اور اقوال کے نمونے بیان ہو چکے ہیں اور ہم یہاں (الکافی) کی روایات سے چند مزید نمونے پیش کرتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت اور ان کو ترک کرنے پر صحابہ کرام کے کفر کو ثابت کرتی ہیں اور اس میں سوائے تین یا چار یا ان جیسوں کے باقی تمام کے ارتداد کا اثبات ہے۔

چنانچہ اس نے اس عنوان کے نام سے باب منعقد بیان کیا ہے: "باب فيه نكت و نتف من التنزيل فى الولاية" پھر ان کے تحت 72 روایات درج کی ہیں جو قرآن کی آیات کی تفسیر کی رو سے ولایت کو ثابت کرتی ہیں اس سلسلے میں پہلی روایت سالم الحناط سے مروی ہے کہ میں نے ابو جعفر (ع) سے کہا، مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ کے قول: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ۝۱۹۳ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝۱۹۴ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝۱۹۵﴾ [الشعراء: 93-95] کے بارے بتائیے تو آپ نے فرمایا: یہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ولایت کے بارے میں ہے اور دوسری روایت حضرت جعفر الصادق سے اس امانت کے بارے میں مروی ہے جسے آسمانوں اور زمین پر پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ امیر المومنین کی ولایت کے بارے میں ہے۔

اور تیسری روایت اللہ تعالیٰ کے قول ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ [الانعام: 82] کے بارے میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو محمد، ولایت لے کر آیا اور انہوں نے اس کو فلاں فلاں کی ولایت سے خلط ملط نہ کیا (اور جو ایسا کرے) وہ ظلم سے آلودہ ہے۔ اور فلاں فلاں کے الفاظ سے واضح مراد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

اور وہ استمرار کے ساتھ عجیب و غریب کلام کے ساتھ آیات کی تفسیر کرتا جاتا ہے اور اس کے گمان سے تعجب انگیز بات یہ ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت میں داخل ہیں چنانچہ چوبیسویں روایت میں حضرت ابو جعفر سے مروی ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کی طرف وحی کی: ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۳﴾ [الزخرف: 43] فرمایا کہ تو علی کی

ولایت پر ہے اور عَلِیٌّ صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْم ہے اور اس کے بعد حضرت ابو جعفر سے پچیسویں روایت ہے کہ اس نے کہا: جبریل اس آیت کو اس طرح لے کر حضرت محمد ﷺ پر نازل ہو: ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ [فِیْ عَلِیٍّ] بَغْيًا﴾ [البقرۃ: 90] اس طرز پر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آل رسول پر جھوٹ درج کر دیا ہے۔

چنانچہ یہ تمام روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت اور امامت کو ثابت کرتی ہیں اور صحابہ کرام کو کافر ٹھہراتی ہیں۔

یہ ان روایات کا مختصر سا حصہ ہے جن سے یا ان جیسی روایات سے کوئی شیعی کتاب خالی نہیں اور جب تمام صحابہ کرام اور ان کے مناہج پر چلنے والے اہل السنہ اس ولایت پر ایمان نہیں لائے تو وہ ان روایات کی رو سے کافر ہو گئے اور ہم مکمل اور پختہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ روایات جھوٹی ہیں اور ان کی نسبت کذباً اہل بیت کی طرف کی گئی ہے اور ہو سکتا ہے کہ امامی شیعوں میں سے بھی کوئی شخص پایا جائے جو ان کی تکذیب کرتا ہو۔

لیکن کیا جائے، ان روایات پر نسلیں پروان چڑھی ہیں اور ان ذہنوں میں یہ بات پختہ ہو چکی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے امام تھے اور صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی نافرمانی کی اور انہوں نے یہ وصیت نافذ نہ کی، بلکہ ان روایات کی رو سے کفر میں واقع ہوئے اور دسیوں روایات ان کے علاوہ بھی ہیں جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ (عیاذاً باللہ) سوائے چند صحابہ کے باقی سارے صحابہ کرام مرتد ہو گئے۔ اس کے بعد کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اہل السنہ اور شیعہ کے درمیان فرق ایسے ہی ہے جسے اہل السنہ کے چار فقہی مذاہب میں فرق ہے۔ کیا یہ قول باطل نہیں ہے؟! میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شیعہ یا سنی، جن میں سے ہر کوئی اپنے مذہب کو جانتا ہو اور وہ ان دو شخصوں کے قول پر اتفاق کرتا ہو، الا یہ کہ ان میں سے کوئی ایک تقیہ کرے۔ چنانچہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔

بلاشبہ شیعہ کے مصادر (حوالوں کی کتابیں) ان کے متعین کے سچی جدوجہد کی محتاج ہیں تاکہ انہیں من گھڑت اور منکر روایات سے پاک کیا جائے اور ان میں ہر طرح کی درج روایات سے مسائل اخذ کرنے سے ڈرایا جائے تاکہ شیعی عقلیت کو صحیح آثار کے موافق تشکیل دیا جائے۔ کیونکہ ان میں

اکثر چیزیں ایسی ہیں جو قرآن کریم سے ٹکراتی ہیں اور بعض چیزیں آپس میں بھی متضاد ہیں اور اس سے مذہب کے متبعین کی کثیر تعداد نے آگاہ بھی کیا ہے اور شیعہ مذہب کے ایک چھوٹی کے عالم طوسی (متوفی 460ھ) نے قرار دیا ہے کہ یہ روایات مذہب شیعہ سے دوری اور کچھ لوگوں کے اس کو چھوڑنے کا سبب بھی بتایا ہے۔

چنانچہ اس نے اپنی کتاب (التھذیب) کے مقدمے میں کہا ہے: میرے ان دوستوں میں سے جن کا اللہ نے ہم پر حق واجب کیا ہے ایک دوست نے (اللہ اس کی نصرت فرمائے) مجھ سے ہمارے اصحاب کی احادیث کے بارے میں گفتگو کی (اللہ ان کی تائید فرمائے اور ان میں سے گزرے ہوئے بزرگوں پر رحم فرمائے) جن میں اختلاف، تباین، منافاۃ اور تضاد واقع ہوا ہے۔ یہاں تک کہ شاید ہی کوئی ایسی روایت نقل کی گئی ہو جس کے مقابلے میں کوئی متضاد روایت نہ ہو اور کوئی حدیث اس چیز سے سلامت نہیں جس کے مقابلے میں کوئی ایسی حدیث نہ ہو جو اس کے منافی ہو، یہاں تک کہ ہمارے مخالفین نے اس چیز کو ہمارے مذہب پر عظیم ترین طعن کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔۔۔ اس نے یہاں تک کہا: یہاں تک ایک جماعت پر شبہ داخل ہو گیا جس کے پاس نہ تو قوت علم ہے اور نہ بصیرت ہے جو فکر و نظر اور الفاظ کے معانی کے پہلوؤں کی شناخت کے لیے ضروری ہے اور ان میں سے بہت سے لوگ حق کے اعتقاد سے لوٹ گئے کیونکہ اس پہلو سے ان پر حق مشتبہ ہو گیا اور وہ اس کے حل سے عاجز آ گئے، میں نے اپنے شیخ ابو عبد اللہ (اللہ اس کی نصرت کرے) کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ ابو حسین ہارونی علوی جو حق اور امامت کا اعتقاد رکھتا تھا وہ اس سے لوٹ گیا کیونکہ اس پر معاملہ ملتبس ہو گیا اور اس نے مذہب چھوڑ دیا اور دوسرے مذہب کو اختیار کر لیا۔ (دیکھیے مقدمہ تہذیب)

ہاں، اس بات میں کوئی شک کہ عقل مند کو اس کی عقل فائدہ دیتی ہے۔۔۔ اور جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے اس کی توفیق دیتا ہے۔ یہ شیعہ مذہب کے اماموں میں سے ایک امام کا اعتراف ہے کہ (شیعی) روایات باہم متناقض ہیں اور شاید ہی کوئی روایت یا قول ایسا نہ پایا جاتا ہو جس کے مقابلے میں کوئی روایت یا قول نہ ہو جو اس کے متناقض نہ ہو اور ایک جماعت کو۔۔۔ بلکہ کئی جماعتوں کو اور آج کے دن تک حقیقت کے ادراک کی توفیق ملی ہے لہٰذا وہ سیدھی راہ پر آ چکی ہیں۔

اور یہ صورت حال اس حقیقت کو پختہ کرتی ہے کہ دونوں مذہبوں کے درمیان تھوڑا سا اختلاف نہیں ہے اور اس کا سبب ایسی متضاد اور متناقض روایات کا وجود ہے جنہیں قلب سلیم، تسلیم نہیں کرتا اور اس کے اس دعویٰ کا بطلان واضح ہو گیا کہ اہل السنہ اور اہل تشیع کے درمیان اختلاف، اہل السنہ کے فقہی مذاہب کے اختلاف جیسا نہیں ہے۔

اور قرآن کریم کے بارے میں ان کے اقوال اور ان کے دعویٰ تحریف اور ان کے دعویٰ ارتداد صحابہ کی مثالیں بیان ہو چکی ہیں اور وہ بھی ان کی کتابوں سے، تو اس کے بعد کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اختلاف اہل السنہ کے مذاہب کے مابین اختلاف سے زیادہ بعید نہیں ہے؟!

اہل السنہ میں کون ایسا ہے جو ان اقوال میں سے کسی ایک چیز کا بھی قائل ہو؟!

تیسری وجہ: واضح ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ میں متناقضات کی وجہ سے جو صورت حال سامنے آئی ہے اس کا سبب تقیہ اور اللہ پر بداء کے عقائد تراشنا ہے کیوں کہ دین یا تو احکام ہے یا اخبار، چنانچہ احکام کا آپس میں تضاد ''تقیہ'' کو درآمد کرتا ہے اور اخبار کا آپس میں تضاد، ''بدأ'' کو درآمد کرتا ہے اور ان دونوں عقیدوں کے ساتھ وجود میں غلطی کا واقع ہونا ممکن نہیں اور روایات کی شناخت کرنے والا واضح تناقض دیکھتا ہے۔

چنانچہ کلینی نے زرارہ بن اعین سے روایت بیان کی ہے کہ اس نے ابو جعفر سے کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے اسے جواب دیا، پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے آپ سے وہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے اسے پہلے جواب کے برخلاف جواب دیا، پھر تیسرا آدمی آیا تو آپ نے اسے پہلے دونوں کے جوابات کے برخلاف جواب دیا۔ زرارہ نے تعجب کیا اور اس تناقض کے بارے میں پوچھا تو ابو جعفر نے کہا: اے زرارہ یہ ہمارے لیے بہتر ہے اور ہمارے اور تمہارے لیے پائیدار ہے اور اگر تم ایک حکم پر اکٹھے ہو گئے تو لوگ ہمارے بارے میں تمہاری بات کی تصدیق کریں گے اور یہ عمل ہماری اور تمہاری بات کی تصدیق کریں گے اور یہ عمل ہماری اور تمہاری بقا کے لیے قلیل تر ہو گا؟!

ابو جعفر الباقر اپنی جان کی حفاظت کی خاطر جھوٹ بولے اور بغیر حق کے فتویٰ دے ''تقیہ'' کرتے ہوئے۔۔۔ اللہ نے ان کو اس سے پاک رکھا ہے۔

فتاویٰ میں یہ تناقض (تضاد) تقیہ کی وجہ سے در آیا۔

جبکہ اشخاص کے بارے میں کلینی نے ابو عبد اللہ سے ایک شخص کے بارے میں متضاد اقوال روایت کیے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص زرارہ بن اعین ہے، اس کے بارے میں ابو عبد اللہ (جعفر الصادق) نے کہا: "بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ بِالْجَنَّةِ" کہ مخبتین کو جنت کی بشارت دو۔ یعنی برید بن معاویہ عجلی، ابو بصیر لیث بن بختری، محمد بن مسلم اور زرارہ کو، چار شخص اللہ کے حلال اور حرام کردہ معاملات میں نجیب اور اللہ کے امین ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو نبوت کے آثار کٹ اور مٹ جاتے۔ اور اس کے بعد ابو عبد اللہ سے ایک روایت بیان کی ہے اس میں اس نے کہا: میرے باپ کے ساتھی زندگی اور موت میں زینت تھے میری مراد ہے زرارہ۔ یہ لوگ انصاف کے دامن کو تھامے ہوئے ہیں۔ [1]

اور دوسری روایت میں ہے لعن اللّٰہ زرارۃ، لعن اللّٰہ زرارۃ، لعن اللّٰہ زرارۃ!! [2]

ایک اور روایت میں ہے: لعن اللّٰہ بریدا، لعن اللّٰہ زرارۃ! [3]

کہ اللہ برید پر لعنت کرے اور اللہ زرارہ پر لعنت کرے۔ بریدہ سے مراد گزشتہ سطور میں مذکور برید بن معاویہ عجلی ہے۔

ان اقوال میں سے کون سا قول حق ہے اور کون سا قول تقیہ ہے ؟!

اور اخبار میں تناقض (کی مثال یہ ہے) کہ جب امام کوئی خبر دے اور دعویٰ کرے کہ وہ خبر اللہ کی طرف سے ہے پھر وہ خبر سچی نہ ہو تو غلطی امام کی نہیں بلکہ وہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے (استغفر اللہ) کیونکہ ان کے گمان کے مطابق جب امام کوئی خبر دے پھر اس کے ظاہر ہو کہ وہ اسے بدل دے اور امام نے پہلی خبر دی ہے جیسے کہ اللہ عزوجل نے اسے خبر دی، پھر اچانک اللہ نے اس خبر کو بدل دیا اور یہ "بداء" کو درآمد کرتا ہے، یعنی اللہ کو معلوم ہوا تو اس نے پہلی خبر کو لغو کر دیا اور امام اسے جان نہ سکا!!

اور اس کی مثال اسماعیل بن جعفر الصادق کی امامت کی خبر کا بیان ہونا ہے۔ پھر وہ اپنے باپ سے

---

[1] رجال الکشی: 170/1
[2] رجال الکشی: 147/1
[3] رجال الکشی: 148/1

پہلے فوت ہو گیا تو امامت اس کے بھائی موسیٰ کی طرف منتقل ہو گئی اور یہ اللہ عزوجل کے علم پر طعن ہے کہ اس نے اس شخص کی امامت کی خبر دی جو زندہ نہ رہے گا تو اس نے امامت کو بدل کر اس کے بھائی کی طرف منتقل کر دیا۔ حالانکہ شیعہ نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد امامت بھائی کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی۔ اس کی ایک اور مثال جسے کلینی نے الکافی کے شروع میں کتاب الحجۃ کے تحت (باب كراهة التوقيت) میں ابو جعفر سے روایت کیا ہے ک ہاس نے مہدی کے غائب ہونے کی مدت کے طویل ہونے کے سبب کے بارے بیان کیا ہے: بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امر کے وقت کو ستر سال کے اندر مقرر کیا تھا، پس جب حسین کو قتل کیا گیا تو زمین والوں پر اللہ کا غضب سخت ہو گیا تو اس نے اس کے ظہور کو ایک سو چالیس موخر کر دیا، پس ہم نے تم کو بیان کر دیا اور تم نے حدیث کو نشر کر دیا اور پردے کا نقاب الٹ دیا اور اللہ نے اس کے بعد ہمارے نزدیک اس کے لیے وقت کی تخصیص نہیں رکھی اور اللہ جو چاہتا ہے اسے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے!!

اور جب اس طرح کے کلام کو عقلیں قبول نہیں کرتیں تو کوئی اور روایت وضع کرنی لازم ٹھہری جو اسے جبراً تسلیم اور قبول کرائے، چنانچہ کلینی نے یا اس شخص نے جس سے کلینی نے ابو جعفر سے یہ روایت (اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ ان دونوں میں سے کس نے اس کو وضع کیا ہے) بیان کی کہ اس نے کہا: جب میں تمہیں حدیث بیان کروں تو میری بیان کردہ حدیث کے مطابق کوئی چیز آئے تو تم کہہ دو: اللہ نے سچ فرمایا! اور جب میں تمہیں کوئی حدیث بیان کروں تو میری بیان کردہ حدیث کے برخلاف کوئی چیز رونما ہو تو تم کہہ دو: اللہ نے سچ فرمایا: تمہیں دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔!!

یہ امامت تو خوب ہوئی!! اگر خبر سچی ہو تو بھی کہو: اللہ نے سچ فرمایا اور اگر جھوٹی ہو تو تب بھی کہو: اللہ نے سچ فرمایا!! پس جھوٹ تو اللہ کی طرف سے آیا نہ کہ امام کی طرف سے!! کیا اس قاعدے کی رو سے ممکن ہے کہ علم غیب کے مدعی کا جھوٹ منکشف ہو سکے؟!!

اللہ کی قسم ہم تو اہل بیت کی جانب سے اللہ عزوجل پر اس جھوٹ سے براءت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ان لوگوں پر اللہ عزوجل کی لعنت ہو جنہوں نے ان کے نام سے جھوٹ بیان کیا اور ان کے

حوالے سے وہ بات کہی جو انہوں نے نہیں کہی۔

17۔ تم نے کہا: جب محض دعویٰ عقول (انسانی) پر عجیب و غریب ہو تو اس کا اثبات واضح دلیل کا محتاج ہے، پھر تم نے مثال بیان کی پھر تم نے کہا: عدالت صحابہ کا نظریہ اس کے کس قدر مشابہ ہے! کہ جس شخص نے حضرت نبی کریم ﷺ کو گھڑی بھر یا ایک دن یا ایک ہفتہ یا ایک مہینہ دیکھا وہ عادل بن گیا، لہٰذا ان کے پہلے شخص لے لے کر آخری شخص تک کو عادل کہنا اور یہ کہ وہ لوگ مثالی ہیں، ممکنہ عجائب و غرائب میں سے عجیب اور غریب تر دعویٰ ہے جو ایسی دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا جو ان کی عدالت کے بارے میں نہیں جن پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے خواہ وہ سابقون الاولون میں سے ہیں یا متاخرین مسلمانوں سے ہیں وہ عدالت میں برابر ہیں، ہمارا تمہارے ساتھ اختلاف تو مہاجرین اور انصار میں سے عظماء اور افاضل صحابہ کرام کے بارے میں ہے بالخصوص حضرت ابو بکر، عمر، عثمان جیسے خلفائے راشدین اور ان کے بھائیوں کے بارے میں ہے اور جو آخر میں اسلام لایا، کیا وہ عادل ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں پہلے اختلاف کی بنسبت معمولی سا فرق ہے اور بذات خود علمائے سنت کی اس صحابی کے بارے میں تفصیلات اور تفریحات ہیں جس صحبت نبی علیہ السلام سے کم تھی اور اس تفصیل نے انہیں اہل السنہ سے خارج نہیں کیا۔ البتہ محقق علمائے اہل السنہ کا نظریہ یہ ہے کہ جو شخص اسلام لایا اور اپنے قبول اسلام کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ کا ساتھی بنا وہ عادل ہے یہاں تک کہ اس کے بارے میں کوئی الزام ثابت ہو جائے۔

یہ صحت مند نظریہ ہے کہ جو آدمی حضرت نبی اکرم ﷺ کی طرف آیا اور اس نے اپنا سابقہ دین ترک کر دیا اور اس نے اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا اور دین اسلام سے راضی ہو گیا اور جھوٹ اور فواحش کو حرام ٹھہراتا ہے، لہٰذا ایسے شخص کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ آپ کا متبع ہے کیونکہ اس نے اسلام کے التزام کا اعلان کر دیا ہے یہاں تک کہ اس کے بارے میں اسلام کی مخالفت ثابت ہو جائے۔ خصوصاً وہ صحابی جس پر نور نبوت کی کرنیں پڑیں اور اس کو صحبت نبوی کی برکت نصیب ہوئی، کیونکہ حضرت نبی مکرم ﷺ کی صحبت شرف اور تزکیہ ہے اور آپ ﷺ کی

صحبت کسی دیگر آدمی کی صحبت کی طرح نہیں ہے خواہ وہ شخص کوئی بھی ہو۔ پھر یہ معاملہ امامیہ کے ساتھ ہمارے اختلاف کا سبب نہیں ہے۔

ثانیاً: بے شک ماسوائے چار اشخاص باقی تمام صحابہ کے کفر یا فسق یا خیانت کا دعویٰ ان کی عدالت کے قول کی بنسبت شدید تر انوکھا دعویٰ ہے۔

کیونکہ جن لوگوں نے قرآن کے دستر خوان پر تقریباً تیئیس سال یا بیس سال یا دس سال یا پانچ سال یا ان کے قریب قریب پرورش پائی ان کے بارے میں اعتقاد رکھنا کہ وہ نفاق یا طلب منصب یا دنیاوی لالچ، جس کا دخول اسلام کے دور میں وجود ہی نہ تھا، کی وجہ سے اسلام لائے یا انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تنفیذ میں انوکھے اوہام اور بغیر کسی ظاہری سبب کے رکاوٹ بنے پھر وہ اقامت دین کی خاطر جہاد و قتال کریں اور اسلام کو لے کر زمینوں کو فتح کریں اور ان تمام کاموں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ ہو، پھر وہ زہد اور پاک دامنی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور وہ خلفاء ہیں اور ہزاروں صحابہ ان کی اطاعت کرت ہیں اور ان پر کوئی منکر حرف گیری نہیں کرتا، پھر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرتے ہیں اور جو اختلاف پیدا ہوا اسے بھی بیان کرتے ہیں، حتیٰ کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دنیوی معاملے میں اختلاف بھی روایت کیا ہے اور امامت کے بارے میں انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی چیز روایت نہیں کی۔۔۔ ان کے احوال کے آخر تک (سب کچھ بیان کر دیا) پھر وہ گمان کرے کہ وہ مرتد ہیں یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ردّ کرنے والے۔۔۔ نہایت انوکھا اور عجیب و غریب دعویٰ ہے!! ذرا قلب سلیم اور عقل سلیم کے ساتھ ان دونوں دعووں کے درمیان موازنہ کیجیے ان شاء اللہ آپ پر حق آشکارا ہو جائے گا۔

ثالثاً: یہاں سیرت (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمہید کی طر محتاج ہونا لازمی ٹھہرا، کیونکہ امامی شیعوں کی کتابوں نے اسے نظر انداز کر دیا ہے، جیسا کہ ان کے نزدیک صحیح ترین کتاب سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ ہے (الکافی)، میں نے اس مکی دور کے واقعات اور ان میں مومنین کے مصائب کا تذکرہ نہیں پایا اور ہم شیعی مذہب کے ہاں تاریخ کی روایت میں اس چناؤ کے بارے میں ابو مہدی کا موقف نہیں جانتے!!

اور اس تمہید اور تذکیرہ میں اس تاریخی حقیقت سے آگاہ ہونا ہر شیعی کے لیے ضروری ہے جس سے اس کے علماء نے اسے ظہور اسلام کی ابتدا کے بارے میں آگاہی سے محروم رکھا ہے: (اسلام کی ابتدا میں صحابہ کی مشکلات کا تذکرہ) کہ وہ اس میں کس طرح داخل ہوئے اور انہیں اس راہ میں کتنی آزمائشوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔

جب اللہ عزوجل نے ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ اسلام کے پیغام کا اعلان کریں اور اس مشرک معاشرے میں جس میں اس نے اور اس کے آباء و اجداد نے زندگی بسر کی، (دوسرے لفظوں میں) اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاشرے کے عقیدے کو بدلنے اور اس کو باطل قرار دینے کا اور اس کے خراب ہونے کے اقرار کا اور وہ عقیدہ وہ تھا جس پر اس کے آباء و اجداد نے زندگی بسر کی تھی پھر وہ شخص جو اسلام قبول کرتا ہے اور اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ پورے معاشرے کا سامنا کرتا ہے۔ اولاً تو اپنے کنبے کا، ثانیاً اپنے قبیلے کا ثالثاً بہت سے قبائل پر مشتمل معاشرے کا، رابعاً تمام قبائل عرب کا اور یہ ایسا عظیم اقدام ہے جس پر وہی قدم رکھ سکتا ہے جس کا دل ایمان کی خندہ روئی سے خلط ملط ہو گیا ہو۔

اس زمانی عرصے پر غور کرنے اور اس کے خطرناک نتائج کی معرفت سے ہم عجیب معاملہ دیکھیں گے جو صحابہ کرام کی عظمت اور ایسی عظیم آزمائشوں کا پتا دیتا ہے جس کا انہوں نے اپنے قبول اسلام کے موقعہ پر سامنا کیا اور ذیل میں اختصار کے ساتھ اس مرحلے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

مکی مرحلہ: جب حضرت نبی کریم ﷺ نے مکی معاشرے کے اندر دعوت کا آغاز کیا تو معاشرے نے آپ کا شدید مقابلہ کیا آپ کو شدید تکلیف پہنچائی اور ان تمام لوگوں کو تکالیف سے دوچار کیا جنھوں نے آپ ﷺ کی پیروی کی اور یہ تکالیف بائیکاٹ، مارپٹائی اور قتل کی جدا جدا قسموں پر مشتمل تھیں اور سیرت اور تاریخ کی کتابیں قصوں کی انواع سے بھری ہوئی ہیں جو اس انتہا درجے کی سختی اور کرب ناکی سے پردہ اٹھاتی ہیں جس کا صحابہ کرام نے اسلام میں داخل ہونے کے وقت سامنا کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اولاً جنھوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا وہ سات اشخاص تھے: حضرت رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمار بن یاسر، اس کی ماں حضرت سمیہ، حضرت

صہیب، حضرت بلال، حضرت مقداد رضی اللہ عنہم۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ نے ان کے چچا ابو طالب کے ذریعے دفاع کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اللہ نے ان کی قوم کے ذریعے دفاع کیا، جبکہ باقی سب انسانوں نے (اپنے دشمنوں کی تکالیف سے بچنے کے لیے) ان کے ارادوں کی موافقت کی سوائے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے، کہ اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے میں اس پر اس کی جان بے وقعت ہو گئی اور وہ اپنی قوم میں بے وقعت ہو گیا، انہوں نے اسے بچوں کے حوالے کر دیا جو اسے لے کر مکہ کی پہاڑیوں میں گھماتے تھے اور وہ احد احد کہتا تھا۔ ❶

حضرت نبی کریم ﷺ جب عذاب سہنے والوں پر گزرتے تو ان کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے اور انہیں بشارت دیتے، چنانچہ آپ ﷺ آل یاسر (یعنی حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور اس کے بیٹے عمار اور اس کی ماں سمیہ) پر گزرے تو ان سے کہا: آل یاسر خوش خبری سنو تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ ہے۔ ❷

اور حضرت ابو ذر کے اسلام کے قصے میں ہے کہ اس نے اپنے اسلام کا اعلان مسجد حرام میں کر دیا تو وہ اٹھے اور اسے اس قدر مارا کہ وہ نیم جان ہو گئے تو ان میں سے سوائے عباس بن عبد المطلب کے کسی نے ان کو نہ روکا۔ ❸

حضرت سعید بن زید سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم میں نے اپنے آپ کو پایا کہ عمر بن خطاب نے مجھے اسلام قبول کرنے کی پاداش میں جکڑ رکھا تھا اور عمر اس وقت اسلام نہیں لائے تھے۔ ❹

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عقبہ بن ابی معیط کو دیکھا وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف آیا، اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، اس نے اپنی چادر آپ ﷺ کے گلے میں ڈال دی اور اس کے ساتھ آپ ﷺ کے گلے کو بڑی قوت گھونٹا، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور اسے آپ ﷺ نے دور کیا اور کہا:

﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ﴾ [غافر: 28]

---

❶ اسے ابن ماہ نے اپنی سنن کے مقدمہ، حدیث: 150 اور ابن حبان نے احسان حدیث: 7082 میں اور حاکم نے (384/3) اور احمد نے (404/1) میں امام بوصیری نے زوائد بن ماجہ میں کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

❷ سیرت حلبیة: 456/1

❸ صحیح البخاری، ح: 2446

❹ صحیح البخاری، ح: 3862

"کیا تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے دلائل لے کر آیا ہے۔" ❶

اور امام بزار نے مزید روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر پل پڑے۔ ❷

ہیثمی نے کہا کہ اس کے روایت کے راوی صحیحین کے راوی ہیں اور صحابہ کرام کے شدید مشکلات اور تکالیف سے دوچار ہونے کی وجہ سے حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کی ہدایت کی تو بہت سے صحابہ کرام حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور انہوں نے اپنا دینا بچانے کے لیے اپنی سرزمین اور گھر والوں کو خیر باد کہہ دیا۔ ❸

اور صحابہ کرام نے حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی اور مہاجرین کی تعداد دوسری ہجرت میں اسی سے زیادہ مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھی۔ ❹

پھر اللہ عزوجل کی طرف سے اپنے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کے ترتیب یوں ہوئی کہ مدینہ سے خزرج قبیلے ک اایک وفد مدینہ سے مکہ کی طرف اوس قبیلے کے خلاف مدد طلب کرنے کے لیے نکلا تو حضرت نبی کریم ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا، انہوں نے آپ ﷺ سے جو کچھ سنا اسے پسند کیا، پھر انہوں نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ اس (دعوت اسلام) کو اپنی قوم پر پیش کریں گے، چنانچہ انہوں نے اسے اپنی قوم پر پیش کیا تو اس میں سے آنے والے سال میں حج کے لیے بارہ آدمی آئے اور انہوں نے اسلام پر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ امام بخاری نے اسلام پر ان کی بیعت روایت کی ہے۔ ❺

---

❶ صحیح البخاری، ح: 3678

❷ مجمع الزوائد: 17/6

❸ احمد الفتح الربانی: 20/224-228۔ البیهقی، دلائل النبوۃ: 67/2 ابن حجر نے اسے فتح الباری (179/7) میں حسن قرار دیا ہے۔

❹ بیهقی دلائل النبوۃ: 2/297-298

❶ صحیح البخاری، ح: 3893۔ صحیح مسلم، ح: 1709۔ بیهقی دلائل النبوۃ: 433/2-435 حسن سند کے ساتھ۔

پھر حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کو بھیجا تا کہ انہیں دین کی تعلیم دیں اور نماز میں ان کی امامت کریں اور جب آپ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو لوگوں سے رابطے کرنے شروع کر دیئے چنانچہ ان کے ہاتھ پر بہت سی مخلوق نے اسلام قبول کر لیا۔

اور آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بنو عبد الاشہل کے دو سرداروں اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ نے اسلام قبول کیا اور وہ اپنی قوم کی طرف لوٹا تو اس نے اپنی قوم سے اس وقت تک اپنے اوپر گفتگو حرام کر لی جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کریں۔ چنانچہ وہ سب مسلمان ہو گئے اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے انکو دین کی تعلیم دینا شروع کر دی ماسوائے چند گھرانوں کے کہ انہوں نے جنگ خندق کے بعد اسلام قبول کیا۔ یہ روایت صحیح اسناد کے ساتھ تاریخ طبری اور بیہقی وغیرہ نے بیان کی ہے۔ [1]

پھر مدینہ منورہ میں اسلام پھیل گیا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں بیان کرتے ہیں: پس ہم نے کہا: ہم کب تک حضرت رسول اللہ ﷺ کو مکہ کے پہاڑوں میں خوف کی حالت میں پھرتے دیکھیں گے، چنانچہ ہم نے اپنے ساتھیوں میں ستر آدمیوں کو آپ کی طرف روانہ کیا، یہاں تک کہ وہ موسم حج میں آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہو گئے، ہم نے آپ ﷺ سے عقبہ کی گھاٹی میں اکٹھا ہونے کا وعدہ کر لیا، چنانچہ ہم ایک ایک اور دو دو آدمی چل کر وہاں جمع ہو گئے، ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم کس بات پر آپ کی بیعت کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سمع وطاعت پر میری بیعت کرو، نشاط میں اور کاہلی میں، نیکی کا حکم دینے اور بری بات سے روکنے میں اور یہ کہ تم اللہ کی خاطر حق بات کہو اور اس کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرو اور اس بات پر کہ تم میری نصرت کرو گے اور میرا اس طرح دفاع کرو گے جس طرح تم اپنی جانوں اور اپنی بیویوں اور اپنے بیٹوں کا کرتے ہو اور تمہارے لیے جنت ہے۔

راوی نے کہا: چنانچہ ہم آپ کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ سے بیعت کر لی اور ان میں سے کم سن اسعد بن زرارہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: اے اہل یثرب ذرا ٹھہر جاؤ! ہم نے جب آپ ﷺ کی طرف اونٹوں پر سوار ہو کر چلے تھے تو ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور بے شک آپ کو آج نکالنا، پورے عرب کو چھوڑنا اور تمہارے بہترین آدمیوں

---

[2] تاریخ طبری: 357/2۔ بیہقی، دلائل النبوۃ: 438/2

کا قتل ہونا ہے اور یہ کہ تم کو تلواروں نے کاٹنا ہے، یا تو تم ایسی قوم بنو جو ان مصائب پر صبر کرے اور تمہارا اجر اللہ کے ذمے ہے اور یا تم اپنی جانوں پر بزدلی کا خوف کرو گے، لہٰذا پوری طرح سوچ لو یہ بات تمہارے لیے اللہ کے ہاں قابل قبول عذر ہو گا۔ تو سب نے کہا: اے اسعد! ہم سے پیچھے ہٹ جا۔ اللہ کی قسم! یہ بیعت کبھی نہ چھوڑیں گے اور نہ کبھی اسے سلب کریں گے۔ چنانچہ ہم نے آپ کی بیعت کی۔ پس آپ ﷺ ہم سے عہد لیا اور شرط لگائی وہ ہمیں اس پر جنت دیں گے۔ ❶

اور آپ ﷺ نے ان سے نہ خلافت کا وعدہ کیا، نہ وزارت کا اور نہ دنیا کا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اصحاب نبی ﷺ میں سے سب سے پہلے ہمارے پاس مصعب بن عمر اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما آئے، وہ ہمیں قرآن پڑھاتے تھے پھر عمار اور بلال اور سعد آئے پھر حضرت عمر بن خطاب بیس آدمیوں سمیت آئے، پھر حضرت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ ❷

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا، تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ، میں امید کرتا ہوں کہ مجھے بھی اجازت ملے گی، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا باپ اور میری ماں آپ ﷺ پر فدا ہوں، آپ ﷺ اس کی امید کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ ❸

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرصے سے دو سواریاں تیار کر رکھی تھیں، پھر جب نبی کریم ﷺ کو ہجرت کی اجازت ملی تو آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور ابو بکر نے آپ کے ہمراہ جانے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں چنانچہ آپ دونوں نکلے اور تین دن غار ثور میں چھپے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گھرانے اس ہجرت کی نگہبانی کرتا رہا۔ حضرت عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ رات کو مکہ والوں کی خبریں لاتے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال ان دونوں کا یومیہ کھانا تیار کرتے اور حضرت عامر

---

❶ احمد: 322/3۔ بیہقی فی السنن: 9/9۔ اور اس کے راوی ثقہ ہیں، ابن حجر نے کا اس سند مسلم کی شرط پر جید ہے۔ (220/7)

❷ صحیح البخاری، ح: 3924

❶ صحیح البخاری، ح: 3905

بن فہیر مولیٰ ابو بکر الصدیق ان کے پاس ابو بکر کی بکریاں لاتے اور آپ دونوں ان کا دودھ پیتے۔ ❶

پھر سید البشر ﷺ کی افضل الناس بعد الانبیاء والرسل کے ساتھ عظیم ہجرت مکمل ہوگئی، تاکہ وہ اسلام کے ظہور کی ابتدا اور اس کا اعزاز ہو اور حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں اپنے بستر پر سونے کے لیے پیچھے چھوڑا تاکہ قریش مکہ کو حضرت نبی کریم ﷺ کے نکلنے کا شبہ نہ ہو۔ ❷

مدنی مرحلہ:

مدینہ والوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کا عظیم الشان استقبال کیا اور آپ ﷺ کو چاروں اطراف سے گھیرے میں لے لیا، ان میں ہر کوئی شخص چاہتا تھا کہ آپ ﷺ کے گھر تشریف لائیں تاکہ اسے حضرت نبی کریم ﷺ کی ضیافت کا شرف حاصل ہو، لیکن آپ ﷺ بنو عمرو بن عوف کے گھر میں چودہ دن قیام پذیر رہے پھر آپ ﷺ نے بنو نجار کی طرف پیغام بھیجا تو وہ تلواریں لٹکائے ہوئے حاضر خدمت ہوئے پھر آپ ﷺ چلے یہاں تک مسجد نبوی والی جگہ پر بنو نجار کے ہاں فروکش ہوئے اور وہ آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر شروع کر دی اور مہاجرین اور انصار نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ ❸

پھر حضرت نبی کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم کیا، تاکہ مہاجرین سے پردیس کی وحشت دور ہو جائے اور وہ کنبے، قبیلے کی جدائی سے مانوس ہو جائیں۔

پھر آپ ﷺ نے ایمان کی اینٹوں سے مسلم معاشرے کی بنیاد رکھنا شروع کر دی۔ مہاجرین وہ لوگ تھے جو اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کے لیے اپنے گھروں اور مالوں سے نکلے اور انصار وہ لوگ تھے جو ان کی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے تھے۔

اور جہاد کی کاروائی شروع ہوگئی اور صحابہ کرام حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ وہ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے اور آپ ﷺ کے منع کردہ کاموں باز رہتے تھے

---

❷ صحيح البخاری، ح: 3905

❸ احمد، الفتح الربانی: 279/20۔ احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

❹ صحيح البخاری، ح: 3932۔ صحيح مسلم، حديث: 524

اور حضرت نبی اللہ ﷺ نے بذات خود اکیس غزوات کی قیادت کی۔ ❶ اور کہا گیا ہے کہ انیس غزوات کی قیادت کی۔ ❷ اور ابن حجر نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ ❸

جبکہ سرایا جن پر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے کسی کو امیر بنایا، ان کی تعداد چھتیس تک پہنچ گئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے زیادہ تعداد تھی اور یہ سارے غزوات اور سرایا اللہ کے دین کی نصرت کے لیے تھے۔ چنانچہ اسلام پھیل گیا اور جزیرۃ العرب مکمل طور پر اسلام کے تابع ہو گیا۔ یہ ہیں وہ صحابہ کرام جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی نصرت کی اور اپنی جانوں اور مالوں سے آپ ﷺ کی مدد کا حق ادا کیا اور اپنے دین کو بچانے اور اس کو غالب کرنے کے لیے اپنے گھر بار اور وطن مالوف کو خیر باد کہہ دیا۔

اور جب حضرت رسول اللہ ﷺ ان کو اللہ کی طرف دعوت دے رہے تھے اس وقت آپ ﷺ کے پاس دولت بھی نہیں تھی جو آپ ﷺ انہیں ادا کرتے اور نہ ہی ان میں مال کی طمع تھی اور آپ ﷺ نے ان سے صرف جنت کا وعدہ کیا تھا اور وہ جانتے تھے کہ وہ موت کا سامنا کرنے والے ہیں اور انہوں نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ مل کر جنگیں لڑیں اور ان میں سے بہت سے لوگ قتل بھی ہوئے۔ بتائیے وہ کس بنا پر اس بات پر راضی ہوئے؟! اگر ان کا مقصد جنت کا حصول نہ تھا تو اور کیا مقصد تھا؟!

مکی دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت:

حضرت رسول اللہ ﷺ پر قرآن کریم وقفے وقفے بعد نازل ہوتا رہا، آپ ﷺ اسے صحابہ کرام پر پڑھتے رہے اور انہیں اس کی تعلیم دیتے رہے چنانچہ مکی دور اسی سے زائد سورتیں نازل ہوئیں اور یہ تقریباً قرآن کریم کے دو ثلث بنتے ہیں۔

اور یہ سورتیں عقیدے کو راسخ کرتی رہیں اور خاص طور پر قیامت کے دن اور جی اٹھنے اور حساب دینے کا عقیدہ اور یہ سورتیں جنت اور دوزخ اور ان میں داخل ہونے والوں کے احوال اور

---

❶ صحیح مسلم، ح: 1813
❷ صحیح بخاری، ح: 3949
❸ فتح الباری: 7/280-281

آگ میں داخل ہونے والوں کے لیے اللہ کے تیار کردہ عذاب کی انواع واقسام بیان کرتی ہیں اور ان نعمتوں کے بیان پر مشتمل ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنین کے لیے تیار کی ہیں۔ یہ سب کچھ سیکڑوں آیات میں ان پر پڑھا جاتا تھا اور صحابہ کرام ان آیات کو دن اور رات کی گھڑیوں میں ازبر کرتے رہے اور حضرت رسول اللہ ﷺ ان کے چال چلن کی نگہبانی کرتے رہے اور ان کی سمتیں سیدھی کرتے رہے۔

صحابہ کرام نے مکہ مکرمہ میں جسمانی اور ذہنی تکالیف اور عذاب اور فتنہ کی فضا میں زندگی کے دن بسر کیے اور اگر ایمان کی سچائی اور اللہ کی طرف سے ان پر ثابت قدمی اور توفیق کی عنایت نہ ہوتی تو وہ یہ شدید طرح کی تکالیف برداشت نہ کرتے۔ کیا انہوں نے یہ تکالیف مال کی آرزو یا منصب کی رغبت یا نفاق اور ریا کی وجہ سے برداشت کی تھیں؟!

مدنی دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت:

مدنی دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تربیت اور ان کے ایمان کی نگہبانی اور انہیں کمال تک پہنچانے کا تسلسل ہی ہے، انسان کے اسلام میں داخل ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ فرشتہ بن گیا اور اس سے غلطی صادر نہیں ہوسکتی اور نہ اس سے لغزش ہوسکتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بشر تھے، ان کی دلچسپیاں اور مغفور خطائیں بھی تھیں، وہ معصوم نہیں تھے، لیکن وہ مومن تھے، اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والے اور ان کے دین پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اسکا دفاع کرنے والے اور اس کو عزت دینے اور اسے پھیلانے کی خاطر جہاد کرنے والے تھے اور وہ اللہ کی سمع وبصر کے تحت اور تیئیس سال تک اس کے رسول کی نگرانی میں ایک مدرسہ میں سرگرم رہنے والے تھے اس کے علوم سے سیراب ہوتے تھے اور اس کے اسباق حفظ کرتے تھے اور اس کی کلاسوں میں تربیت پاتے تھے، (سبحان اللہ) کیا خوب مدرسہ تھا اور کتنے اچھے طلبہ تھے، یہ مدرسہ، تاریخ بشریت کا عظیم اور کامیاترین اور نہایت بابرکت مدرسہ تھا، اس سے عظیم معاشرہ نکلا جس نے تھوڑے سے عرصے میں ہدایت کی قندیل اٹھاکر زمین کو فتح کیا، جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد کا مرحلہ:

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت پوری کر دی تو اپنے محبوب پیغمبر کو وفات دے دی پھر وہ لوگ جو دور دراز آبادیوں صحراؤں میں رہتے تھے اور وہ اسلام لا چکے تھے لیکن انہوں نے نبوت کے دستر خوان پر تربیت حاصل نہیں کی تھی، ان کا ایمان متزلزل ہو گیا اور ان میں سے بہت سے لوگ دین کے فرائض سے ناواقف تھے تو ان میں سے بعض لوگوں میں اللہ عزوجل کے دین سے روگردانی سرزد ہو گی اور بعض لوگ زکاۃ کی ادائیگی سے منحرف ہو گئے اور سوائے تین شہروں (مکہ، مدینہ اور طائف) کے کوئی دین پر قائم نہ رہا اور انہوں نے اپنی سرکشی کا اعلان کر دیا۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کر کے شام کی طرف روانہ کر دیا تھا پھر نبی کریم ﷺ حضرت اسامہ کے مدینہ سے نکلنے سے پہلے وفات پا گئے، چنانچہ اس نے انتظار کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو دفن کر دیا گیا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ ''البدایۃ والنہایہ'' (304/6) میں لکھتے ہیں کہ سیف بن عمر نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ عروہ سے بیان کیا کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی اور انصار اس معاملے میں جمع ہوئے جس میں وہ متفرق ہو گئے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرنے کا پروگرام مکمل ہونا چاہیے اور عرب کے ہر قبیلے میں یا تو عام لوگ مرتد ہو گئے تھے یا خاص خاص لوگ اور نفاق اُگ پڑا اور یہودیت اور نصرانیت کی گردنیں اٹھنے لگیں اور مسلمان اپنے نبی ﷺ کے پردہ پوش ہونے اور اپنی قلت اور اپنے دشمن کی کثرت کی وجہ سے سرد رات میں بھیگی ہوئی بکریوں کی طرح ہو گئے تو لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ تمام مسلمان ہیں اور جس طرح کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ عربوں نے آپ کو کمتر سمجھ لیا ہے اور آپ کے لیے مناسب نہیں کہ آپ اپنے سے مسلمانوں کی جماعت کو جدا کر دیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ابو بکر کی جان ہے! اگر میں گمان کر لوں کہ مجھے درندے اچک لے جائیں گے، تو میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے پروگرام کے مطابق لشکر اسامہ کو بھیجوں گا، خواہ بستوں میں میرے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے تو میں اسے بھیج کر رہوں گا۔ (اس روایت کو ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے اور اس نے

اپنی خالہ حضرت عائشہ سے بھی روایت کیا ہے۔)

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے جنگ لڑنے کے لیے لشکر تیار کرنے شروع کر دیئے اور پورے جزیرۃ العرب کو اسلام کے سامنے سرنگوں کر دیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فارس اور روم کو دعوت اسلام دینے کے لیے جزیرۃ العرب سے باہر بھی لشکر بھیجنا شروع کر دیئے تو اللہ تعالیٰ نے بہت سے شہر فتح کر دیئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاد اور ملکوں کو فتح کرنے کا منصوبہ مکمل کیا۔ پھر ان دونوں کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی منہج پر چلے تو اسلام کا دائرہ وسیع ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کی وجہ سے فتوحات رک گئیں، پھر اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ پھر لوٹ آیا (یہ شذرہ اہل السنہ کی تاریخ اور سیر کی تمام کتابوں میں ملتا ہے)۔

یہ دعوت کے مراحل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاشرے کے ظہور کا معمولی سا تذکرہ ہے اور یہاں ہمارے لیے چند (غور طلب) وقفات ہیں:

i: اسلام مشرکین کے عقائد کو باطل ٹھہرانے اور ان کی عقلوں کو بیوقوف قرار دینے اور ان کے معاملات کو بدلنے کے لیے آیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تبدیلی نفس پر تمام حالات سے سخت ترین اور سنگین ہے اور کوئی انسان اپنے عقیدے کی تبدیلی اور اپنی غلطی کے اعتراف کو قبول نہیں کرتا جب تک کہ اس پر آشکارانہ ہو جائے کہ جدید عقیدہ برحق ہے۔

ii: جن لوگوں نے اپنا دین ترک کر دیا اور اسلام کو گلے لگا لیا وہ اسلام میں اپنے داخل ہونے میں بذات خود عظیم اور اپنے فیصلوں میں عقل مند تھے باوجود اس کے کہ اس تبدیلی کی وجہ سے ان کو سخت تکالیف اور قربانیوں اور عداوتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اگر ان کی نظروں میں اس کا عظیم صلہ نہ ہوتا تو انہوں نے یہ اقدام نہ کرنا تھا۔

iii: ان کو اسلام قبول کرنے پر اپنی اقوام کے ساتھ تعلق ختم کرنے، بلکہ شدید قسم کی لسانی اور جسمانی تکلیف برداشت کرنے، بلکہ بسا اوقات قتل ہونے کے خطرے کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

iv: جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان میں اکثر لوگوں کو وطن چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی، ایسے ملک کی طرف جو عقیدے اور زبان اور عادات کے اعتبار سے ان کے ملک سے

مختلف تھا، یہ سب کچھ ان کے جدید دین کی حفاظت کے لیے تھا۔

v: پھر حضرت رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہو رہا تھا اور ان کے ایمان کے رجحان کی نگہبانی کر رہا تھا اور ان کے دلوں میں توحید اور آخرت کے دن کا عقیدہ گاڑ رہا تھا، آخرت کے دن کے واقعات پیش کرنے اور دوزخ میں جلنے والوں کے حالات بیان کرنے اور جنت کی نعمتوں کی مناظر کشی کی صورت میں جن سے دلوں میں ایمان گہرا اور پختہ ہوتا ہے۔

vi: مدنی دور میں قرآن اسی طرح حضرت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا رہا اور افراد اور معاشرے کی راہنمائی کرتا رہا اور ان کے دلی جذبات اور اقوال اور اعمال کی نگہبانی کرتا رہا۔ چنانچہ شاید کوئی بھی ایسی آیت نازل نہ ہوئی ہو جو کسی حادثہ کے ساتھ مربوط نہ ہو بلکہ وہ یا تو اس کی تائید کرتی ہے یا تصحیح کرتی ہے یا ڈراتی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے کشادہ دلوں اور سرگرمیوں سے زندگیاں گزاریں اور اللہ تعالیٰ ان ضمیروں اور سرگرمیوں کی نگہداشت کرتا رہا۔

vii: حضرت رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس اپنے صحابہ کی تربیت، راہنمائی، طہارت قلوب، تعلیم کتاب وحکمت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اور ان میں سے وزراء اور امراء بناتے رہے اور ان میں اور ان سے شادیاں کرتے رہے اور ان کی مدح وثنا کرتے رہے اور ان میں سے بعض کو جنت کی بشارتیں سناتے رہے اور آپ ﷺ اسی طرح ان کے ساتھ رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں چلے گئے۔ کیا یہ تمام امور ربانی معاشرے کو برآمد کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں، جس کے ایمان اور اخلاق اور علم کو کوئی معاشرہ پہنچ نہ سکا اور نہ ہی اس کے برابر ہو سکا۔ جب انسان کی تربیت میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں یہ ربانی مدرسہ کامیاب ثابت نہ ہو سکا تو زمین میں اس سے پہلے اور بعد میں کوئی خیر نہیں اور جب ایسے تیار شدہ اسباب اور حالات میں اسلام اپنی ابتدا میں ہی کامیاب نہ ہو سکا تو اس کے بعد اس کی کامیابی کی امید ہی نہیں۔

اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں یہ ربانی مدرسہ اپنے اصحاب کی تربیت میں کامیاب ہوا اور تاریخ بھی اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے۔

ان اسباب کے باوجود کہ (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لگائے ہو نخلستان) کے پھل، تمام پھلوں سے بہترین ثابت ہوئے ہوں، پھر بھی کوئی مدعی ان کے ارتداد یا ان کی خیانت کا دعویٰ کرے تو وہ دل کا مریض ہے، ہم اس کے لیے اللہ سے شفا کا سوال کرتے ہیں۔

viii: تم نے کہا: صحابہ کی حضرت نبی ﷺ کی صحت کی مقدار مختلف ہے، ان میں سے بعض تو نبی ﷺ کا پہلی گھڑی ساتھی بنا۔۔۔ الخ

تم نے نبی کریم ﷺ کی صحبت میں وقت کی مقدار میں فرق کی طرف اشارہ کیا ہے، پھر تم نے کہا ہے: کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ چند گھڑیوں یا دنوں کی صحبت نے ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اسے اکھاڑ پھینکا۔۔۔ الخ۔

میں کہتا ہوں: کیا اس کا یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ شیعہ اقرار کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت ﷺ کی نبوت کے ابتدائی عرصے میں صحبت کی سعادت حاصل کی، اس نے ان کے دلوں سے ناکارآمد بیج اور گھٹیا رجحانات اکھاڑ دیئے اور ان میں سے بلند مرتبت ہستیاں بنا دیں۔ یا وہ لوگ اور نبوت کے آخری سال میں اسلام لانے والے لوگ برابر ہیں۔

اور کیا حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، عبد الرحمن بن عوف، ابو عبیدہ، سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ابتدائے نبوت میں اسلام لانے والے بھائیوں کے دل تمہارے ہاں مہذب ہو گئے تھے یا نہیں؟ یہ وہ صحابہ کرام ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں حضرت نبی کریم ﷺ کی صحبت سے مشرف ہوئے۔

اثنی عشری شیعہ کی تمام کتابوں پر، جو امامت اور صحابہ کے بارے میں بیان کرتی ہیں، پر نظر ڈالنے والا سوائے تکفیر یا تفسیق یا ان عظیم ہستیوں پر بہتانات کے سوا کوئی چیز نہ دیکھے گا۔ اس صورت حال میں تمہارے نزدیک قدیم الاسلام اور بعد میں اسلام قبول کرنے والوں کے درمیان فرق کا کیا فائدہ؟!

طوسی امامی اپنی کتاب "الاقتصاد فیما یتعلق بالاعتقاد" (258) میں لکھتا ہے: امامت کو پیچھے دھکیلنا اور اس کا انکار کرنا، نبوت کو پیچھے دھکیلنا اور اس کا انکار کرنا برابر ہے۔

اور اولین صحابہ کرام نے امامت کو پہچانا ہی نہیں چہ جائے کہا جائے، انہوں ڈنے اس سے ہٹایا اور شیعہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انہوں نے اسے ہٹایا، تب ان کے بارے میں کیا حکم ہے ؟!

شیخ مفید امامی اپنی کتاب "الإرشاد" (5/1) میں لکھتا ہے کہ مومنوں کے اماموں میں سے پہلا اور مسلمانوں کے والیوں اور دین میں اللہ کے خلفاء میں سے صادق اور امین رسول اللہ ﷺ کے بعد اس بھائی اور اس کے چچا کا بیٹا اور اس کے معاملے کا وزیر اعلی بن ابی طالب ہے۔ پھر اس نے کلام کی ہے اور ان لوگوں کے بارے میں نہایت انوکھا دعویٰ کیا ہے جو علم اور ایمان سے آراستہ پیراستہ ہیں۔

اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ جو تین خلفاء کے بعد حاکم بنے تھے اور وہ مومنین کے ائمہ میں سے پہلے امام ہیں تو ان سے پہلے والے حاکموں کو کیا نام دیا جائے گا؟! کیا وہ غیر مومنوں کے امام تھے ؟! اور کیا یہ ان لوگوں میں سے تھے جو آخر میں اسلام لائے، یا ان میں سے تھے جو ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئے تھے ؟!

19۔ تم نے کہا ہے: چنانچہ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم صحابہ کو احناف میں تقسیم کرتا ہے، ان میں سے ایک صنف کی تعریف کرتا ہے جبکہ دوسری صنف کی مذمت کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم نے مومنین انصار اور مہاجرین کو تقسیم نہیں کیا، بلکہ اس نے ان تمام کی مدح کی ہے اور ان کی ثنا بیان کی ہے۔ جبکہ منافقین کی مذمت بیان کی ہے اور وہ مومنین نہیں تھے۔ صحابہ کرام کی تعریف یہ ہے کہ وہ، وہ لوگ ہیں جنہوں نے مومن ہونے کی حالت حضرت نبی کریم ﷺ کو دیکھا اور وہ اسی حالت میں فوت ہوئے اور منافق وہ ہیں جنہوں نے حضرت نبی اکرم ﷺ کو دیکھا لیکن وہ سرے سے ایمان نہ لائے تو کس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس نے صحابہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ؟!

20۔ تم نے کہا ہے: جبکہ ممدوحین وہ ہی ہیں جیسا کہ تم نے ذکر کیا: وہ مہاجرین اور انصار میں سے ایمان قبول کرنے میں پہل کرنے والے ہیں اور درخت کے نیچے بیعت کرنے والے اور فتح مکہ والے ہیں۔۔۔ لہٰذا گزشتہ رائے سے خالی اور ہر مرض سے پاک شخص، اپنے دل میں ان صحابہ کے لیے عزت و تکریم پائے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ بات تم نے اب بیان کی ہے برحق ہے اور اس مومن گروہ کے ساتھ وفاداری کا اظہار ہے جو میرے اور تیرے اسلام لانے کا سبب بنا، چنانچہ وہ لوگ ایمان لائے اور گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا اور دین کو پھیلایا اور شرک کو مٹایا اور ان کے جہاد کے سبب لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئے، ان کا ہم پر حق ہے کہ ہم ان کے لیے دعا کریں اور ان سے راضی ہوں، اللہ ان کو اپنے نبی علیہ السلام اور اپنے دین اور ہماری طرف سے افضل جزا عطا فرمائے۔ لیکن کیا یہ احترام اور دعویٰ (وصیت) مستقیم رہ سکتا ہے جس کے بارے میں امامی شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس نے اپنے رسول کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو پہنچا دیں، پھر اس نے ایک قوم کو پہنچا دیا اور دوسروں کو نہ پہنچایا (جیسا کہ بمشیئت اللہ آگے بیان ہو گا) پھر صحابہ نے اسے مسترد کر دیا اور ان کے گمان کی حد تک اسے چھپا لیا؟! میں تو اس کا گمان نہیں کروں گا۔ پھر کیا تم استطاعت رکھتے ہو کہ ہمارے لیے ان کے نام بیان کرو کہ وہ کون سے ممدوح ہیں جن کے لیے تم اپنے دلوں میں احترام رکھتے ہو؟!

21۔ پھر تم نے نفاق اور منافقین کے بارے میں گفتگو کی ہے کہ قرآن کریم نے ان کے بارے میں بیان کیا ہے، پھر تم نے کہا ہے: اور یہ طرز خطاب نفاق والوں کی کثرت اور اس وقت کے اسلامی معاشرے میں ان کے اثر پر دلالت کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ نفاق موجود تھا اور اس کا وہی حال تھا جو تم نے بیان کیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منافق تھے بلکہ نفاق کا رجحان ایمان کے رجحان کے مقابلے میں ایک اور تحریک تھی اور اس کے ظہور کے اسباب اور مراحل تھے جنہیں ہم اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کرتے ہیں:

اولاً: نفاق کے اسباب:

جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مہاجرین کرام ہجرت کر کے یثرب پہنچ چکے تھے اور مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تابع ہو گیا، وہاں ایک آدمی تھا جس کا نام عبد اللہ بن ابی ابن سلول تھا، اس کے لیے موتیوں سے جڑاؤ کیا ہوا تاج تیار کیا جا رہا تھا تا کہ وہ اس کے سر پر سجا کر اسے مدینہ کا سردار بنایا جائے، چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اس سے لوگوں

کی توجہ ہٹ جانے کی وجہ بن گئی، چنانچہ یہ معاملہ اسلام اور مسلمانوں سے عداوت کا سبب بن گیا۔ [1]
(اور عنقریب اس کے بعض الفاظ بمشیئة اللّٰہ آگے آئیں گے)

اس کا ابتدائی معاملہ اس کے کفر کو ظاہر کرتا رہا لیکن غزوہ بدر کے بعد، جس میں اللہ عزوجل نے اسلام کو آپ ﷺ کے نیک صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں عزت بخشی تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنے کو ظاہر نہیں کر سکتا تو اس نے اپنے کفر کو پوشیدہ رکھ کر اسلام لانے کا اظہار کر دیا اور اس کے ساتھ اس کی پیروی کرنے والی جماعت کی قابل شمار تعداد باقی رہی، اس صورت حال میں نفاق، اوس او خزرج میں تھا، اس اعتبار سے ان میں سے اسلام لے آیا وہ انصاری کہلایا اور جو اسلام نہ لایا یا اس نے نفاق ظاہر کیا وہ اس نام کا مستحق نہ ٹھہرا اور اللہ کے لیے ہر طرح کی تعریف ہے کہ اوس اور خزرج کے مشہور و معروف لوگوں میں نفاق معروف نہیں ہوا، البتہ وہ گم نام اور مقہور لوگوں میں موجود رہا اور ان کی تمام تر کارروائیاں مکر و فریب تک محدود تھیں، علاوہ ازیں مہاجرین رضی اللہ عنہم میں نفاق شروع سے موجود نہ تھا کیونکہ مہاجر بنیادی طور پر اپنے اختیار سے اپنی زمین اور مال سے نکلا تھا، وہ کس طرح منافق بن سکتا تھا؟!

جبکہ اہل مدینہ میں سے جو شخص ظاہر میں اسلام قبول نہ کرتا وہ مذموم و مردود اور ذلیل سمجھا جاتا چنانچہ وہ سمجھتا کہ اسلام کا اعلان اس سے عار کے اس داغ کو اٹھا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۠ ۸ ﴾[المنافقون: 8]

”وہ کہتے ہیں اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے تو عزت دار اس سے ذلیلوں کو ضرور نکال دیں گے اور عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے لیکن منافقین اس (حقیقت) کو نہیں جانتے۔“

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ عزت مومنین کے لیے ہے اور منافقین ذلیل ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حال سے واقف انسان دیکھتا ہے کہ ان کے سردار، (بلکہ سب مہاجرین اور انصار) مومنین کے

[1] صحيح بخاری، ح: 4566

درمیان عزت دار تھے خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ثانیاً: نفاق کے مراحل:

نفاق اپنے پہلے مرحلے میں شوکت اور تعداد والا تھا لیکن منافقین مسلمانوں کے مقابلے میں تعداد کے اعتبار سے بہت تھوڑے تھے۔ اگر وہ زیادہ ہوتے تو انہیں کس چیز نے سامنا کرنے سے روکنا تھا؟! کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ منافقین کی تعداد بھی زیادہ ہو اور وہ جنگلی اسلحہ کے مالک بھی ہوں پھر وہ اپنے اوپر جبر اور ذلت پر راضی بھی رہیں۔

ثالثاً: منافقین کا انکشاف:

قرآن کریم نے منافقین کے اعمال اور نظریات کو طشت از بام کرنے کا ذمہ نبھایا، یہاں تک کہ گویا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام انہیں دیکھ رہے ہیں بلکہ ان کو پہچان رہے ہیں۔

i: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ﴾[التوبة: 83]

''پس اگر اللہ تجھے لوٹائے ان میں سے ایک گروہ کی طرف، تو وہ آپ سے خروج کے لیے اجازت طلب کریں گے۔''

ii: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا﴾[التوبة: 84]

''جب ان میں سے کوئی مر جائے تو اس پر کبھی نماز (جنازہ) نہ پڑھنا۔''

iii: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَعْتَذِرُوْنَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾[التوبة: 93]

''جب تم ان کی طرف لوٹو گے تو وہ تمہاری طرف معذرت کریں گے، کہہ دیجیے تم عذر پیش نہ

کر دیا ہے اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول بھی تمہارا عمل دیکھ لیں گے۔"

یہ آیات اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ آپ ﷺ ان کو پہچانتے تھے۔ ورنہ جن کو آپ ﷺ جانتے ہی نہ تھے ان پر اللہ کے احکام کس طرح نافذ کر سکتے تھے اور جن کو آپ ﷺ جانتے نہ تھے ان کی کس طرح خروج کی اجازت نہ دے سکتے تھے اور جن کو جانتے ہی نہ تھے ان پر نماز (جنازہ) سے کس طرح رک سکتے تھے اور جن کو آپ ﷺ جانتے تھے ان کو کس طرح کہہ سکتے تھے کہ ہم تمہارا اعتبار نہیں کریں گے ؟!

iv: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا﴾ [التوبة: 107]

"اور وہ لوگ جنہوں نے (مسلمانوں کو) زک پہنچانے کے لیے مسجد بنائی۔"

v: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝﴾ [التوبة: 64]

"منافق ڈرتے ہیں کہ مبادا ان پر سورت نازل کر دی جائے جو ان کو خبر دے ان باتوں کی جو ان کے دلوں میں ہیں، کہہ دیجیے تم ٹھٹھا کر لو بے شک اللہ تعالیٰ اس کو نکالنے والا ہے جس سے تم خوف کرتے ہو۔"

یہ آیات سورۂ توبہ میں ہیں اور یہ قرآن کریم کی آخری سورتوں میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے اللہ نے اس میں منافقوں کو ان کے پوشیدہ نفاق اور پوشیدہ اعمال پر رسوا کرنے کی دھمکی دی ہے۔

vi: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝﴾

[الاحزاب: 60-61]

”اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ ﷺ کو ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ آپ ﷺ کے ساتھ اس شہر میں چند روز کے سوا نہیں رہ سکیں گے۔ ان پر ہر طرف سے لعنت ہو گی، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کیے جائیں گے۔“

یہ ان کے لیے نفاق سے باز رہنے کی وارننگ ہے، ورنہ ان پر وہ اپنے رسول ﷺ کو مسلط کر دے گا، یا تو ان کو نکالنے کے لیے یا ان کو قتل کرنے کے لیے، لہٰذا جب ان پر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو مسلط نہیں کیا تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ وہ اپنی حرکتوں سے رک گئے۔

22۔ تم نے (ص: 6) پر کہا ہے: قرآن کریم میں آیات ہیں جو وضاحت کے ساتھ صحابہ کی مختلف ٹولیوں کے وجود پر دلالت کرتی ہیں جو گزشتہ اصناف کے متضاد تھیں۔۔۔ جیسے کہ منافقین۔

میں کہتا ہوں: منافقین صحابہ میں سے نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ تھے اور یہ اطلاق مبنی بر خطا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ﴾[التوبة: 56]

”اور وہ اللہ کے نام کی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے نفاق میں حصہ دار ہونے سے بری کر رہا ہے اور اس بات کو پختہ کر رہا ہے کہ وہ ان کے علاوہ ہیں اور قرآن کریم اپنی تمام آیات میں واضح کر رہا ہے کہ منافقین، مومنوں میں سے نہیں، یعنی وہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کو صحبت سے موسوم کیا جائے، چنانچہ ایمانی صحبت کے ساتھ صرف مومن کو ہی موسوم کیا جا سکتا ہے۔

23۔ تم نے کہا ہے: بے شک منافقین، اسلام معاشرے میں ہولناک جماعت تھے۔۔۔

میں کہتا ہوں: یہ دعویٰ تسلیم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اگر وہ ہولناک جماعت ہوتے، جیسا کہ تم نے دعویٰ کیا ہے، تو وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرتے، لیکن وہ قلیل اور غیر معروف اور مقہور تھے۔ جب

کہ ان کے بارے میں آیات وارد ہونے کی کثرت اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کے اوپر ان کی اذیت اور شر بہت زیادہ تھی، کیونکہ بسا اوقات ایک شخص کے پروپیگنڈے کے برے اثرات اس قدر پر اثر ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے لشکر جرار کے برابر ہوتے ہیں، لہٰذا کثرت کا دعویٰ مردود ہے اور قرآن و سنت میں ایسی کوئی چیز نہیں جو ان کی کثرت پر دلالت کرتی ہو۔

24۔ تم نے کہا ہے: جو شخص نفاق کی علامت کے ساتھ مشہور ہے اور وہ شخص جو مشہور نہیں ہے، کے درمیان فرق، ایمان کے اظہار اور محبت نبی ﷺ کا نقاب اوڑھنا ہی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وہ دعویٰ ہے جسے دلیل توڑ رہی ہے، بتائیے منافقوں میں وہ کون ہے جو دعویٰ کرتا تھا کہ اسے حضرت نبی ﷺ کے ساتھ محبت ہے اور کس کتاب میں تم نے یہ بات پائی ہے؟! اور تم زور دیتے ہو کہ مصدر کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

25۔ تم نے کہا ہے: اس اعتبار سے کہ حضرت نبی ﷺ کے ارد گرد رہنے والا ہر شخص ڈرتا تھا کہ اس کے بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے جو اسے مسلمانوں کی آنکھوں اور کانوں کے سامنے رسوا کر دے۔

میں کہتا ہوں اس عجیب خیال پر تعجب ہے، یہ بات اشارہ کر رہی ہے کہ وہ تمام لوگ چھپے ہوئے منافق تھے اور ڈرتے تھے کہ مبادا ان کے بارے میں قرآن نازل ہو جائے جو ان کے نفاق کو آشکارا کر دے۔ یہ عجیب خیال ہے!

تو وہ تمہارے وہم کے مطابق تو نہ اترا، تو کیا اس سے یہ مراد لیا جا سکتا ہے کہ منافقین کو حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ نفاق برتنے اور دھوکہ دینے کے لیے ان کو برقرار رکھا کہ وہ آپ ﷺ کو ایمان کے ذریعے دھوکہ دیتے رہیں۔ حالانکہ وہ مومن نہ تھے، پھر تو یہ امت کے لیے بھی دھوکہ ہوا کہ حضرت نبی کریم کو گھیرے میں رکھنے کے لیے ایسے لوگ باقی رکھے جو منافق تھے اور امت ان کو مومنین سمجھ کر ان سے دین حاصل کرتے رہے اور وہ منافق تھے۔

بے شک یہ کلام ہر اس شخص کے بارے میں اعتماد گم کر دتی ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کے

مومنین رضی اللہ عنہم اجمعین اور وہ ڈرتے تھے کہ ان کے بارے میں آیت نازل ہو جائے جو انہیں شرم سار کر دے۔بے شک تمہاری عبارت اس مفہوم کو ثابت کرتی ہے کیونکہ تم نے لکھا:

كل من حول النبي ﷺ۔۔۔

26۔ تم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے: وہ سورت براءت نازل کرنے سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ ہم نے گمان کیا کہ ہم میں سے کوئی باقی نہ رہے گا جس کے بارے میں کوئی چیز نازل نہ کی جائے۔

اور تم نے اسے زاد المسیر (306/3) کی طرف منسوب کیا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ منافق تھے، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ مراد لی تھی کہ ہم سب گناہوں اور غلطیوں کے پتلے ہیں اور جب سورت نازل ہوئی جو مفصل طور پر منافقین کی غلطیاں فاش کر رہی تھی تو ہم ڈر گئے کہ یہ کسی غلطی یا غلطیاں کرنے والے کو منکشف کیے نہ چھوڑے گی اور کیا ممکن ہے کہ منافق، نفاق کا اعتراف کرے؟! یہ تو مومن دل کا احساس اور اس قدر بلند حد تک تقصیر کا اعتراف ہے جسے مریض دل جانتا ہی نہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس طرح منافقت کر سکتے تھے جبکہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے اختیار کے ساتھ ایمان لائے اور اپنے اختیار سے ہجرت کی اور اس راہ میں بہت طرح کی مشقتیں اور آزمائشیں برداشت کیں اور وطن اور قبیلے کو چھوڑا، کیا آپ رضی اللہ عنہ غائب جانتے تھے؟! پھر کس وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ ایمان پر مضبوط رہے اور زاہدانہ اور پاکیزہ زندگی بسر کرتے رہے اور دین پھیلاتے رہے اور کفار سے جہاد کرتے رہے؟!

28۔ تم نے (ص 7) پر کہا ہے (یہ منافقین کہاں گئے؟)

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دھمکی دی کہ اگر وہ باز نہ آئے تو وہ اپنے رسول ﷺ کو ان پر مسلط کر دے گا یا وہ قتل کر دیئے جائیں گے اور جب یہ تسلط اور تقتیل واقع نہ ہوا تو پتا چلا کہ انہوں نے توبہ کر لی یا وہ ہلاک ہو گئے یا وہ ذلیل ہو گئے۔

ثانیاً: صحیح مسلم (ح:2779) میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: حضرت

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((فِيْ أَصْحَابِيْ إِثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا: فِيْهِمْ ثَمَانِيَةً لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يَجِدُوْنَ رِيْحَهَا حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ وَ اَرْبَعَةٌ مِّنْهُمْ تَكْفِيْكُمُوْهُمُ الدُّبَيْلَةُ، سِرَاجٌ مِّنْ نَّارٍ يَظْهَرُ فِىْ أَكْتَافِهِمْ حَتّٰى يَنْجُمُ مِنْ صُدُوْرِهِمْ))

''میرے اصحاب (ساتھ رہنے والوں) میں سے بارہ منافق ہیں، ان میں سے آٹھ تو نہ جنت میں داخل ہو سکیں گے اور نہ ہی اس کی ہوا پا سکیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے اور ان میں سے چار کو تمہاری طرف سے دُبیلہ (آتشیں پھوڑا) کفایت کر جائے گا۔ وہ آتشیں پھوڑا ان کے دو شانوں کے درمیان ظاہر ہو گا اور ان کے سینوں سے پھوٹے گا۔''

ثالثاً: کیا اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ وہ منافقین حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات تک زندہ رہے؟

رابعًا: بلاشبہ دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ یا تو توبہ تائب ہو گئے اور اپنے نفاق سے باز آ گئے یا وہ اتنے کم ہو گئے یہاں تک وہ کمزور ہو گئے یا وہ موت کے ساتھ کم ہو گئے جیسا کہ حدیث بالا میں بیان ہو چکا، یا وہ اسلام میں داخل ہو گئے اور خصوصاً اس وقت جب ان کا سرغنہ (عبد اللہ بن ابی) مر گیا اور وہ اسی کے ساتھ دوستی رکھتے تھے اور انہیں نصرت اور کامیابی کی امید نہ رہی۔

29۔ تم نے تقریباً تین صفحات (6 تا 9) میں ان منافقین کے بارے میں سوالات وارد کیے ہیں جو مدینہ میں موجود تھے اور تم ان کی کثرت کی طرف اشارہ کرتے ہو کہ ان کے بارے میں بات کہاں ختم ہوئی۔ ہم ان کا مختصر اور تفصیلی جواب پیش کریں گے۔

منافقین کے انجام کے بارے میں مختصر جواب:

صحابہ اور منافقین کے بارے میں تمہارے خیالات پر غور کرنے والا کئی چیزوں کا ملاحظہ کرتا ہے، ان میں سے چند خیالات یہ ہیں:

i: تم نے صحابہ کے بارے میں اپنے خیال میں کوشش کی ہے کہ ان کی تعداد کم ہو اور تم نے کوشش کی ہے کہ وہ آیات بعض لوگوں پر چسپاں کر دی جائیں جن کو صحابہ کا نام دیا جاتا ہے، اس سے اشارہ ملتا ہے کہ آیات فقط افراد کی طرف اشارہ کرتی ہیں، کیونکہ وہ کل کی بجائے بعض پر محمول ہیں جبکہ شیعہ کا اعتقاد یہ ہے کہ تمام صحابہ ماسوائے چار یا ان میں سے بعض کے کافر یا فاسق ہو گئے تھے تو اس صورت میں فقط وہی تعداد باقی رہی۔ چنانچہ عنقریب تمہارا قول بیان ہو گا کہ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ میں لفظ مِنْ تبعیض کے لیے ہے لہٰذا وہ متاخرین کو نکال رہا ہے۔(ص28)

اور تم نے ص: 29 پر کہا ہے: اس پر ملاحظہ کیا جا رہا ہے کہ وہ سبحانہ نہ تو عام مہاجرین کی تعریف کر رہا ہے نہ عام انصار کی، بلکہ ان میں خاص قسم کی تعریف کر رہا ہے۔

اور اگرچہ تمہاری گفتگو میں استدراکات ہیں، لیکن وہ ان تشکیکات سے خلط ملط ہیں اور تحقیق کرنے سے پتا چلتا ہے کہ شیعہ کے نزدیک سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور چار شخصوں کے کوئی ممدوح نہیں اور بعض (اہل تشیع) تعداد بڑھانے کے لیے ان میں غیر معروف اشخاص کے ناموں کا اضافہ کرتے ہیں حالانکہ یہ تعداد امامی روایات سے متصادم ہے۔ باوجود اس کے کہ بعض آیات (جیسا کہ عنقریب ذکر ہوں گی) ان میں بعض کی قید بھی موجود نہیں۔ بلکہ ہم ضعیف روایات سے تاثر کی جھلک دیکھ رہے ہیں جو آیات میں ممدوحین کو اس بات پر محصور کر رہی ہیں کہ (سابقین سے مراد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہے۔۔۔(ص: 31) مزید بر آں تمہارا قول بھی عنقریب بیان ہو گا، اگر تم اس کے بعد اس کی تلافی نہ کرو تو۔

لیکن بسا اوقات تم اس استدلال کے ساتھ قلیل گروہ کی نمائندگی کرتے ہو جو مذہب کی نمائندگی نہیں کرتا، بلکہ وہ تو کثرت مطالعہ اور تحقیقات کی بدولت اس نتیجہ تک پہنچا ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں تو بسا اوقات اس کو بھی (تقیہ) پر محمول کیا جاتا ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں (نظریہ وصیت) کے متعلق تمہارے چلمن سے نظر آئے گا۔

ii: پھر جب تم منافقین کا تذکرہ کرتے ہو تو ان کی ضخامت بیان کرتے ہو اور ان کی کثرت کا دعویٰ کرتے ہو، حتیٰ کہ قاری کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ منافقین معاشرے کی اکثرت کی

نمائندگی کرتے تھے چنانچہ تم نے کہاہے: اگر منافقین کی جماعت غیر موثر اور تھوڑی ہوتی تو، تو قرآن میں تنی بالغ توجہ نہ دیکھتا۔

تم نے یہاں تک کہا: اور یہ نفاق والوں کی کثرت اور اس دور کے اسلامی معاشرے میں ان کی تاثیر پر دلالت کرتا ہے۔

تم نے ص 6 پر یہاں تک کہا کہ، یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں منافق، ہولناک جماعت کی صورت میں موجود تھے۔

iii: جب تم منافقین کے بارے میں نقطہ نظر بیان کرتے ہو تو ایسے آثار واقوال بیان کرتے جو اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے اردگرد والے تمام لوگوں میں شاید ہی کوئی نفاق سے بچا ہو اور یہ سوچ ان شیعی روایات کی تاثیر کی قوت کی واضح دلیل ہے کہ وہ کم و بیش چار صحابہ کے سوا کسی کو سیدھی راہ سے انحراف سے مستثنیٰ نہیں کرتیں اس کے ساتھ ایسی روایات بھی ہیں جن کا بیان آگے آئے گا اور شیعی مذہب ان کی وجہ سے مبتلائے بلا ہے۔

ثانیاً: ہم تمہارے اس خیال کی روشنی میں چند سوالات کرتے ہیں:

i: مدنی معاشرے میں منافقین کی کتنی تعداد تھی، یا ان کا اس میں تناسب کتنا تھا؟

ii: کیا قرآن میں ان پر یہ حملہ، ان کی کثرت پر دلالت کرتا ہے؟

iii: اور کیا ان میں سے کوئی آپ ﷺ کی وفات کے بعد باقی رہ گیا تھا؟

iv: اور کیا وہ حضرت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر پوشیدہ تھے؟

ان سوالات کا ہم اختصار سے جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں:

i: منافقین کی تعداد، اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں وہ زیادہ تھے، لیکن وہ مومنین سے زیادہ نہ تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا رئیس عبد اللہ بن ابی سرداری کی امنگ رکھتا تھا اور وہ زندگی بھر اس سے مایوس نہیں ہوا اور ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھیوں میں بھی ایسے اشخاص ہوں جو یہی امنگ رکھتے ہوں، لیکن ہم تصور نہیں کرتے کہ اس کے اتباع کی تعداد اتنی ہی ہو، درآنحالیکہ ان کی سرزمین اور ان کے گھروں اور بازاروں اور مسجدوں میں قرآن پڑھا جارہا ہو

لہٰذا یہ لازمی بات ہے کہ ان میں سے کچھ اس سے متاثر ہوئے ہوں جو وہ سنتے رہے۔

پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ جاہلیت کی طرف لوٹنا اور سرداری تک رسائی حاصل کرنے کی آرزو، عبداللہ بن ابی کی موت سے منقطع ہوگئی اور اس کے بعد منافقین یقینی طور پر کمزور ہوگئے۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (ح: 4566) میں اس بارے میں قصہ روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ ایک مجلس پر سے گزرے جس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول موجود تھا، آپ نے ان کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت تو ابن سلول نے کہا: اے آدمی میں اس بات کو جو تو کہتا ہے اچھا نہیں سمجھتا، اگر یہ حق ہے تو اس کے ساتھ ہمیں ہماری مجلس میں تکلیف نہ دے۔ اپنے گھر لوٹ جا، جو کوئی تیرے پاس آئے اس کو کہانی سنا اور اس مجلس میں مسلمان یہودی اور مشرکین ملے جلے بیٹھے تھے، ان میں اختلاف پیدا ہو گیا، قریب تھا کہ وہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کو حضرت نبی کریم ﷺ نے خاموش کرایا حتیٰ کہ وہ پرسکون ہو گئے۔

پھر آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو کر سعد بن عبادہ کی ملاقات کے لیے چلے گئے جب آپ ﷺ اس پر داخل ہوئے تو فرمایا: اے سعد کیا تو نے وہ بات نہیں سنی جو ابو حباب (عبداللہ بن ابی) نے کہی، اس نے ایسے ایسے کہا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس سے درگزر کیجیے اور اسے معاف کیجیے، اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی، یقینا اللہ تعالیٰ اس حق کو لے آیا جو آپ ﷺ کے اوپر نازل ہوا، اس شہر والوں نے اتفاق کر لیا تھا کہ اس کو تاج پہنا دیں اور اسے اپنے اوپر سردار تسلیم کر لیں، پس جب اللہ نے اس حق کے ذریعے جو اس نے آپ ﷺ کو عطا کیا اس کو سربراہ بنانے سے انکار کر دیا تو اسے اچھو لگ گیا (یعنی اس کی سانس کی نالی میں حسد داخل ہو گیا)۔

اور یہ واقعہ اس کے اظہار اسلام سے پہلے کا ہے۔ اس کے بعد جب غزوہ بدر میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور ان کی قوت ظاہر ہو گئی تو اس نے اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر ابن سلول حضرت نبی کریم ﷺ کے دور میں 9ھ میں فوت ہو گیا۔ [1]

بلاشبہ اس کی وفات، نفاق کی کمزوری کا بہت بڑا سبب بن گئی۔

[1] دیکھیے: البدایہ ابن کثیر: 34/5

ii: جبکہ منافقین پر یہ حملہ: ان کی کثرت کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ تو ان کی کثرت شر اور مومنین کے بر خلاف ان کے پروپیگنڈے برپا کرتے اور ان کی صنفوں میں بد دلی پھیلانے کی وجہ سے ہوتا رہا اور جب ہم سیرت اور تاریخ کی کتب کی طرف رجوع کریں تو شاید ہمیں سوائے ابن ابی کے نام کے کسی کا نام نہ ملے اور تھوڑے سے نام بیان ہوئے ہیں اور وہ بھی بغیر اسناد کے اور حضرت حذیفہ بن یمان کے حوالے سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھیوں میں بارہ آدمی منافق ہیں ان میں سے چار کو تو آتشیں پھوڑا تمہیں کفایت کرے گا جو ان کے شانوں کے درمیان سے ظاہر ہو گا یہاں تک کہ ان کے سینوں سے نمودار ہو گا۔ [1]

اس حدیث نے وضاحت کر دی کہ ان کی تعداد آخری دور (نبوت) میں اس تعداد سے زیادہ نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہو گیا۔

iii: کیا ان میں سے کوئی منافق حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد باقی رہ گیا تھا؟ اگر کوئی رہ گئے ہوں تو ان کی تعداد ہاتھوں کی انگلیوں کی تعداد سے متجاوز نہیں اور اس کے چند دلائل ہیں۔

ا: جو گزشتہ حدیث بیان ہوئی ہے۔

ب: حضرت نبی مکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے ان کے بارے میں کچھ نہیں بیان کیا۔

ج: جب بہت سے لوگوں سے ارتداد رونما ہوا تو ان کی خبر نہیں سنی گئی اور مدینہ منورہ میں کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا جو ان کے وجود پر دلالت کرتا ہو، اگر وہ موجود ہوتے تو وہ ارتداد کے حادثے کو موقع غنیمت جانتے اور اپنی عادت کی طرح مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے۔

د: اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہلاک نہیں کیا، کیونکہ اس نے بذات خود ان کے منصوبوں کو بے نقاب کرنے کا کام کرنا تھا اور مستقبل میں اسلامی معاشرے میں ان جیسے کام کرنے والوں کے بارے میں احکام بیان کرنے تھے اور ہم پر واجب کرنا تھا کہ ہم لوگوں کے ساتھ ان کے ظاہر کے مطابق معاملہ کریں اگرچہ وہ باطن میں اس کے خلاف ہی ہوں۔

ھ: اور آخر میں وہ حدیث جو صحیح بخاری میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے اور وہ منافقوں

---

[1] صحیح مسلم، ح: 2779

کے بارے میں باخبر تھے کہ منافقوں میں سوائے چار اشخاص کے کوئی باقی نہیں رہا۔

چنانچہ امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ اپنی صحیح (ح: 4658) میں اس آیت ﴿فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ﴾ [التوبة: 12] تفسیر میں حضرت زید بن وہب سے بیان کیا ہے کہ ہم لوگ حضرت حذیفہ کے پاس موجود تھے کہ آپ نے فرمایا: اس آیت والوں میں سے سوائے تین اور منافقین میں سے سوائے چار اشخاص کے کوئی باق نہیں رہا، تو ایک اعرابی نے کہا: اے اصحاب محمد ﷺ تم میں ہمیں خبر دیتے ہو سو ہم ان لوگوں کے بارے میں نہیں جانتے (کہ ان کا شمار کن میں ہے) جو ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں اور چوریاں کرتے ہیں؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، وہ فاسق ہیں! ان میں سے سوائے چار کے کوئی باقی نہیں رہا، ان میں ایک شخص اس قدر بڑا بوڑھا ہے کہ اگر وہ ٹھنڈا پانی پیے تو وہ اس کی ٹھنڈک محسوس نہ کرے اور حذیفہ رضی اللہ عنہ منافقوں کو زیادہ جاننے والے تھے۔

iv: کیا وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہ سے مخفی تھے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام لوگوں سے ذہین ترین اور آگاہی میں عظیم ترین تھے اور وہ اس قدر کند ذہن نہ تھے کہ اس طرح کی خبیث شخصیات ان سے مخفی ہوں۔ مزید بر آں اگر ان میں فکری آگاہی نہ ہوتی، تو ان کی عقلوں کو چمکانے اور ان کے شعور کو تیز کرنے کے لیے ذہینوں اور فطینوں کے سردار ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صحبت ہی کافی تھی۔ جبکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کو وحی کے ذریعے پہچان لیا تھا، یا ان کی صفات اور ان کے انداز گفتگو کے ذریعے یا اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اللہ عزوجل کے خبر دینے سے پہچان لیا تھا۔

جبکہ ان میں سے بہت سے منافقوں کے اعمال ان کے چہروں سے نقاب کشائی کرتے تھے اور قرآن نے ان میں حد فاصل کھینچ دی اور ان کے اس قدر اوصاف کا تذکرہ کیا کہ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو دیکھ رہے ہوں۔ اس مختصر جواب کے بعد ہم تمہارے موضوع کے حسب حال تفصیلی جواب کی طرف لوٹتے ہیں۔

30۔ تم نے کہا: سیوطی نے لکھا ہے کہ ابو عوانہ اور ابن المنذر اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: سورہ توبہ۔ تو اس نے کہا: یہ عذاب کے زیادہ قریب ہے اس نے لوگوں کے پردے فاش کیے حتیٰ کہ قریب تھا کہ یہ کسی کو نہ چھوڑے۔ [1]

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

اولاً: یہ قول اور اس سے قبل فقرہ نمبر (26) والا قول ہم معنی ہیں۔

ثانیاً: میں نے اسے موجودہ ماخذ مثلاً تفسیر طبری، ابن ابی حاتم میں نہیں پایا اور یہ دونوں مصادر تفسیر تمام کتب تفسیر کا اصل ہیں اور مذکورہ کتابیں (ابو عوانہ، ابن منذر، ابو الشیخ اور ابن مردویہ) مفقود ہو چکی ہیں، اس بنا پر ہم ان پر حکم نہیں لگا سکتے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ یہ قول سند صحیح سے ثابت نہیں، کیونکہ تفسیر کے قدیم ترین انسائیکلوپیڈیا میں اس کا موجود نہ اس میں اختلاف پر دلالت کرتا ہے۔

ثالثاً: فرض کریں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا تو بتایئے اس کا معنی کیا ہے؟! کیا اس سے مراد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد (شہد کے چھتے پر بیٹھنے والی مکھیوں کی طرح) بیٹھنے والے تمام منافق تھے؟ تب تو امت (محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر سلام۔

رابعاً: الناس سے منافقین مراد لیے جا سکتے ہیں، یعنی اس سورت نے ان کے چھپے ہوئے حالات منکشف کر دیئے یہاں تک کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا، کیونکہ اس سورت نے نفاق اور منافقین کے بارے میں گفتگو کی ہے اور وہ تمام افعال جو سورۂ توبہ نے بیان کیے ہیں وہ منافقین سے سرزد ہوئے تھے، اس سورت میں کس جگہ اشارہ ہے کہ ان میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھنے والے مشہور، معروف صحابہ کرام میں سے کوئی مراد ہے؟!

خامساً: پھر کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منافقین میں گھرے ہوئے ہوں پھر ان عام الفاظ کے ساتھ سورت تو یہ اکتفا کرتی ہو جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو درپیش خطرات سے واضح طور پر آگاہ نہ کرتی ہو۔

سادساً: پھر منافقین تو حضرت نبی کریم علیہ السلام کے قریب بیٹھنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے اور وہ مدینہ

---

[1] الدر المنثور: 208/3

میں الگ تھلگ رہتے تھے اور جب وہ آپ ﷺ کے لشکر کے ساتھ نکلتے تو دور ہو کر بیٹھتے اور ان میں سے کسی کے بارے میں ثابت نہیں ہو سکا کہ وہ آپ ﷺ کی معیت میں رہتا ہو، کیونکہ جو شخص نفاق کو مخفی رکھتا ہے تو اس کے چہرے اور اس کی زبان سے غیر ارادی طور پر وہ کچھ ظاہر ہو جاتا ہے جو اس کے باطن میں چھپی باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔

31۔ تم نے (ص: 7) پر چند سوالات وارد کیے ہیں۔

میں سمجھتا کہ سابقہ مختصر جواب ان کا جواب دینے میں کافی ہے۔

32۔ تم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ اس نے کہا: آج کے منافقین، حضرت نبی کریم ﷺ کے دور کے منافقین سے شریر ترین ہیں، ان کے دور میں وہ چھپے چھپے رہتے تھے اور آج وہ دندناتے پھرتے ہیں۔ [1]

میں کہتا ہوں: اس حدیث کے دو معنوں میں سے ایک معنی مراد ہے:

پہلا معنی: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دور میں جو منافقین اپنے نفاق کے ساتھ غالب تھے وہ گزشتہ منافقین کے برعکس تھے، ابن التین فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے انہوں نے وہ شر برپا کر دی جو گزشتہ منافق نہیں کر سکے تھے، فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے صراحتاً کفر کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے مونہوں سے پھونکیں مارتے تھے تو ان حرکتوں سے وہ پہچانے جاتے تھے۔ [2]

یہ ہے وہ مراد جو علماء نے اس عبارت سے سمجھی اور یہ راجح ہے اس لیے کہ دوسری عبارت جو فریابی نے اپنی سند سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: آج کے منافقین جو تمہارے درمیان پھر رہے ہیں یہ بدترین ہیں ان منافقوں سے جو حضرت رسول اللہ ﷺ کے دور میں موجود تھے۔ ہم نے کہا: اے ابو عبداللہ! وہ کیسے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ اپنا نفاق چھپاتے تھے اور یہ منافقین اپنا نفاق آشکارا کرتے ہیں۔ [3]

اور اس میں اشارہ ہے کہ حضرت نبی مکرم ﷺ کے دور کے منافقین ختم ہو چکے تھے۔

---

[1] صحیح البخاری، ح: 7113

[2] دیکھیے: فتح الباری: 74/3

[3] دیکھیے: صفة المنافق، ح: 53۔ ابن ابی شیبة: 109/15

دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ منافقین جو حضرت نبی کریم ﷺ کے دور میں اپنا نفاق چھپاتے تھے وہ ابا اپنے نفاق کو ظاہر اور عیاں کر رہے ہیں اور یہی معنی واضح نہیں ہے کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسی خبر نہیں پہنچی جو دلالت کرتی ہو کہ اس سے مراد بعینہ وہ منافقین ہیں پھر اگر وہی مراد ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ منکشف ہو گئے ہیں اور ان کا نفاق ظاہر ہو گیا ہے پس ان سے یہ ڈر نہیں رہا کہ وہ حدیث گھڑیں یا دین کی طرف وہ چیز منسوب کریں جو اس میں سے نہیں، کیونکہ وہ اپنے نفاق سے آشکارا ہو چکے ہیں اور ان کا نقاب اتر چکا ہے۔

33۔ پھر تم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث وارد کی ہے کہ اس نے کہا: حضرت نبی ﷺ کے دور میں نفاق تھا، جب کہ آج وہ ایمان کے بعد کفر ہے۔ [1]

میں کہتا ہوں: یہ حدیث مکمل طور پر گزشتہ معنی پر مشتمل ہے۔ ابن حجر "فتح الباری" (74/13) میں ابن التین سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا: حضرت رسول اللہ ﷺ کے دور میں منافقین اپنی زبانوں کے ساتھ اسلام لائے اور ان کے دل ایمان نہ لائے، جبکہ ان کے بعد میں آنے والے اسلام اور اس کی فطرت میں پیدا ہوئے، لہٰذا ان میں سے جو کافر ہوا وہ مرتد ہے اور اس کے ساتھ ہی منافقین اور مرتدین کے بارے میں احکام مختلف ہو گئے ہیں۔

اور حدیث کی عبارت واضح ہے، وہ فرماتے ہیں: ((فأما اليوم فإنما هو الكفر بعد الإيمان)) آج تو وہ نفاق، ایمان کے بعد کفر ہے۔ یعنی کچھ لوگ ایمان لائے پھر وہ بدل گئے اور شاید ہی کوئی زمانہ اس سے خالی ہو۔

پھر اگر مراد یہ ہوتی کہ وہ منافقین جو حضرت رسول کریم ﷺ کے دور میں تھے انہوں نے کفر کا اعلان کر دیا، تو یہ اچھا ہوا کیونکہ اس اعلان نے ان کے جھوٹے عقائد کو بے نقاب کر دیا جو وہ حضرت نبی مکرم ﷺ کے دور میں اپنے پردوں میں چھپا کر رکھے ہوئے تھے۔

اور بلاشبہ اس خبر سے اصحاب رسول ﷺ مراد نہیں ہیں، نہ ابو بکر، نہ عمر، نہ عثمان اور نہ علی رضی اللہ عنہم اور نہ ہی ان کے تمام برادران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

34۔ تم نے کہا ہے: اس ساری بحث کے بعد: ہم اس روایت کے بارے میں کیا کہیں جو عمر بن

[1] صحيح البخاري، ح: 7113۔ كتاب الفتن: 100/8

خطاب سے بیان ہوئی ہے کہ وہ حذیفہ کی شہادت کے بغیر کہ مرنے والا منافقین میں سے نہ تھا، کسی مرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے؟

پھر تم نے کہا ہے: ابن کثیر نے کہا: اور ہمارے لیے بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی مر جاتا جسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان میں سے سمجھتے تھے تو حذیفہ کی طرف دیکھتے اگر وہ اس پر نماز جنازہ پڑھ لیتے تو آپ رضی اللہ عنہ بھی پڑھ لیتے ورنہ ترک کر دیتے تھے۔ [1]

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس قول کی ابن کثیر نے سند بیان نہیں اور نہ کسی مسند کی طرف نسبت کی ہے، بلکہ آپ نے اس قول کو اس کی تضعیف کے صیغے کے ساتھ بیان کیا ہے، کیونکہ اس نے لکھا ہے (وَ ذُكِرَ لَنَا) اور یہ صیغہ اس اثر کی تضعیف پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا جو حدیث یا اثر صحیح طور پر ثابت نہ ہو وہ حجت نہ ہو گا اور یہ ہمارا منہج ہے جسے ہم اللہ کا دین سمجھ کر اختیار کیے ہوئے ہیں کہ ہم دین کے اس چیز سے استدلال نہ کریں جو صحیح نص سے ثابت نہ ہو۔

ثانیاً: اگر یہ صحیح ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ منافقین کو جانتے تھے اور اس بنا پر کوئی منافق اللہ کے دین کے بارے میں کوئی بات نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ بے نقاب تھا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے 36ھ تک زندگی بسر کی۔ [2]

ثالثاً: یہ تمہاری طرف سے تناقض ہے گزشتہ سطور میں تم ثابت کر چکے ہو کہ منافقین چھپے رہتے تھے اور آج (حضرت حذیفہ کے دور میں) دندناتے پھر رہے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ پہچانے گئے پھر تم دعویٰ کرتے ہو کہ وہ چھپے ہوئے غیر معروف تھے، تم اپنے دونوں اقوال میں سے کس کو ترجیح دیتے ہو؟!

35۔ تم نے کہا ہے: اور ہم اس طالب علم کو کس طرح جواب دیں گے جو اس مدلول کے بارے میں سوال کرے جس کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ نفاق کا معاملہ اور صحابہ کے دلوں میں ایمانی شعور کے عدم دخول کا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ خلیفہ عمر بن خطاب شک کرنے لگا کہ کیا وہ

---

[1] ابن کثیر: 399/2

[2] دیکھیے: تهذيب الكمال: 342/3

ان میں داخل ہے یا نہیں؟ جیسا کہ ابن کثیر اور طبری نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے لیے بیان کیا گیا ہے کہ عمر نے حذیفہ سے کہا: میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ میں ان میں سے ہوں؟ اس نے کہا: نہیں، اور آپ کے بعد میں کسی کو اس سے مامون نہ کہوں گا۔ [1]

میں کہتا ہوں: یہ قول بھی گزشتہ قول کی طرح ہے امام ابن کثیر نے اسے تمریض (شک) کے صیغے سے بیان کیا ہے اور ان کے نزدیک اس کے صحیح السند نہ ہونے کا اشارہ ہے پھر انہوں نے اس کی سند بھی بیان نہیں کی اور نہ ہی اس کی کسی مسند کی طرف نسبت کی ہے تاکہ اس کی سند تلاش کی جائے اور اس پر حکم لگایا جائے۔

پھر (حاشا وکلا) اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منافق ہوتے تو کیا وہ تمام لوگوں کے سامنے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اپنے بارے میں سوال کرتے؟! کیا انہیں خوف نہیں تھا کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے آپ کو رسوا کر بیٹھتے؟!

حضرت فاروق (عمر بن خطاب) رضی اللہ عنہ کے دل میں ایمان کی نزاکت نے آپ رضی اللہ عنہ کو ایسا بنا دیا کہ وہ ڈرنے لگے کہ ان پر ان کی ذات کے بارے میں کوئی ایسی پوشیدہ بات ہو جسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہوں اور وہ اسے نہ جانتا ہو، لہٰذا اس نے پوچھ لیا تاکہ وہ مطمئن ہو جائے (رضی اللہ عنہ وارضاہ) لیکن زندہ دلوں کی نزاکت مردہ دلوں پر پوشیدہ رہتی ہے۔

36۔ تم نے کہا ہے: کیا ہم یہ کہنا قبول کر لیں گے: منافقین مشہور تھے، ہم انہیں صحابہ میں نہیں ملاتے؟

میں کہتا ہوں: ہاں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے منافقین گم نام نہ تھے بلکہ مشہور تھے اور اس کا ثبوت ذکر ہو چکا ہے اور جو آثار تم نے بیان کیے ہیں وہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو یہ حضرت حذیفہ کے علم کی دلیل ہے بلکہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ منافقوں کے نام بھی جانتے تھے۔

37۔ تم نے کہا ہے: پھر ہم کس طرح توجیہ اور تاویل کر سکتے ہیں کہ صحیح بخاری میں عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ وہ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس

[1] ابن کثیر: 299/2۔ جامع البیان طبری: 16/11

منافق (عبداللہ بن ابی) کی گردن اڑا دوں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دے، لوگ یہ کہنا شروع نہ کر دیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ [1]

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

اولاً: یہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غیرت کھانے اور اس کے قتل کی تیاری کرنے کی دلیل ہے اور یہ ان کے ایمان کی دلیل ہے، ورنہ اگر وہ (خالص مومن نہ ہوتے تو) منافقین کے قول پر خوش ہوتے۔

ثانیاً: یہ حدیث، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت نبی مکرم ﷺ کے قریب رہنے اور آپ ﷺ کے ساتھ آرمی افیسر ہونے کی دلیل ہے جو اس کام پر عمل درآمد کرواتا تھا جس کا آپ ﷺ حکم دیتے تھے اور اس کام سے روکتا تھا جس سے آپ ﷺ منع کرتے تھے۔

ثالثاً: (حاشا وکلا) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ منافق ہوتے تو حضرت نبی مکرم ﷺ فرما دیتے۔ اے عمر تو بھی تو اس جیسا ہے اور ہم نے تجھے قتل نہیں کیا، یا اس طرح کی کوئی بات کہتے، یہ الگ بات ہے کہ تم کہہ دو کہ آپ ﷺ تقیہ پر عمل کرتے تھے۔

رابعًا: حضرت نبی کریم ﷺ (مذکورہ بالا) بات کو ان غیر مسلمین کی طرف منسوب کر رہے ہیں جو اصل معاملے کو نہیں پہچانتے، وہ مسلمان اور منافق کے درمیان فرق نہیں کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کوئی نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہے وہ مسلمان ہے، اگر آپ ﷺ ایک آدمی کو اسلام قبول نہ کرنے کی دلیل کے ساتھ قتل کر دیں جو (ظاہری طور پر) اس اسلام قبول کرنے کا اعلان کر چکا ہے جو اسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ملا دیتا ہے، تو لوگ پروپیگنڈا کریں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو (جو بظاہر اس کے ساتھ ہیں) قتل کر دیتا ہے۔

اس سے یہ مقصد نہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ ان کو تکریمی صفت، صحبت ایمانیہ سے موصوف کر رہے ہیں، (اس لیے) اس بات کے درمیان فرق کیجیے کہ آپ ﷺ کسی کو اپنے صحابہ میں سے موصوف کر رہے ہیں یا وہ آپ ﷺ کسی کو اپنے صحابہ میں سے موصوف کر رہے ہیں یا وہ آپ ﷺ کے صحابہ ہیں اور اس بات کے درمیان کہ آپ ﷺ لوگوں کی بات کی خبر دے رہے

[1] صحیح البخاری، ح: 66/6۔ صحیح مسلم: 19/8

ہیں۔

پہلا وصف (ایمانی) ہے اور دوسا وصف (لغوی) ہے یا (عرفی) یعنی لوگوں کی نظر میں، پہلے وصف کے بارے حضرت نبی کریم ﷺ کا قول ہے جو آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کے واقعے میں فرمایا تھا: ((لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ)) [1] کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو۔۔۔اور اس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان کہ ((فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوْا لِيْ صَاحِبِيْ؟)) جیسا کہ یہ حدیث (صحیح بخاری، ح3661 کے حوالے سے) بیان ہو چکی ہے جبکہ لغوی وصف یا لوگوں کی آنکھوں میں (عرفی) وہ یہاں ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ آپ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا: لوگ پروپیگنڈا کریں گے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے۔ جس شخص کا دل صاف ہو اس کے لیے ان دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔

اور صحابہ کرام، تابعین عظام اور تمام مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو منافقین پر لفظ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اطلاق کرتا ہو اور اس طرح وہ تمام احادیث جو تم نے بیان کی ہیں، ان میں باتیں بنانے والے غیر مسلموں کے اعتبار سے ان منافقین پر أصحابه یا أصحابی کا اطلاق کیا گیا ہے اور یہ بات صاف سلامت دل والے انسان پر مخفی نہیں ہے۔

38۔ تم نے کہا ہے: اور یہاں ایک سوچنے کا مقام ہے کہ عمر کس طرح ایک صحابی رسول اللہ ﷺ (حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ) پر منافق کا لفظ بول رہا ہے اور اس کے قتل کی اجازت طلب کر رہا ہے اور اس کے مباح ہونے میں کوئی طعن نہیں، لیکن جو شخص کسی صحابی کے بارے میں غیر عادل (بے انصاف) کہہ دے تو اس پر زندیقیت کا حکم لگایا جاتا ہے؟!

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو امت کے فاروق اور ایسے خلیفہ راشد ہیں جن پر حضرت نبی کریم ﷺ نے ثنا کی ہے اور بہت سے مواقع پر ان کی تعریف کی ہے اور اس لائق ہیں کہ ان کا تذکرہ ہر اعتبار سے پورے اکرام و احترام سے کیا جائے اور ان کی فضیلت میں گزشتہ روایات میں اضافہ کی غرض سے یہ چند احادیث بیان کی جاتی ہیں۔

---

[1] صحیح البخاری، ح: 3591۔صحیح مسلم، ح: 2439

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (ح: 3613) میں روایت کی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (ح: 3895) میں روایت ذکر کی ہے کہ اہل بدر جنت میں ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل بدر میں سے ہیں اور آپ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (ح: 4252) میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمر، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے بعد تمام لوگوں سے حضرت نبی کریم ﷺ کو زیادہ پیارے تھے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (ح: 6854) میں روایت ذکر کی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا اور اپنا بچا ہوا مشروب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا اور اس کی تعبیر علم سے کی۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہم میں سے کسی کے کھیت کے مزارع یا ہماری بلڈنگ کے پہرے دار نہ تھے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ تو وہ عمر ہیں جنہوں نے دنیا فتح کی اور اسلام کی نشر و اشاعت کی اور تمہارے آباء واجداد کو اسلام میں داخل کیا، لہٰذا اولاً ان کا تمہارے اوپر عظیم احسان ہے، اس لیے تمہیں چاہیے کہ ان کا تذکرہ کرتے وقت اس حقیقت کو ذہن میں رکھو اور ان کی افواج کو ذہن میں رکھو جو ہدایت کو اٹھا کر تمہارے آباء واجدا کی طرف لے گئیں اور اگر اللہ نے ان کو اس کام پر مقرر نہ کیا ہوتا اور ان کی مدد نہ کی ہوتی تو ممکن تھا کہ ملک فارس آج اپنے سابق دین (مجوسیت) پر ہوتا، لہٰذا جب اس عظیم امام کا تذکرہ کرنا چاہو تو اس کارنامے کو اپنے ذہن میں حاضر رکھو اور ان کے صحیفہ اعمال میں لکھے جانے والے اجر و ثواب کو بھی ذہن میں رکھو جو انہیں ان ممالک کے اعمال کے برابر جو ان کے دور خلافت میں فتح ہوئے، چنانچہ کتنے مسلمان ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ان ے اور ان کے آباء واجداد کے اسلام قبول کرنے کا سبب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بنے۔ کیا ان لوگوں کے اعمال (خیر) جتنا ثواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے نہیں ہوگا؟!

حضرت رسول اللہ ﷺ جس نے ہدایت کی طرف بلایا اس کو اتنا اجر ملے گا جتنا اس کی اتباع کرنے والے کو ملے گا اور یہ (اجر) اتباع کرنے والوں کے اجروں میں ذرہ برابر کمی نہ کرے گا اور جس نے لوگوں کو گمراہی کی طرف بلایا، اس پر اتنے لوگوں کے گناہوں کے برابر وبال ہوگا اور یہ وبال، ان کی اتباع میں گناہ کرنے والوں کے گناہوں سے ذرہ برابر کمی نہیں کرے گا۔ [1]

[1] صحیح مسلم، ح: 6755

اے اللہ تو اس سے راضی ہو جا اور اس کو اپنے دین اور اپنے نبی ﷺ کی امت کی ایسی بہتر جزا عطا فرما جو عظیم فاتح کو دی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسی شخصیت ہیں جن کے لیے ہم اپنی دعا اور ثنا کے ذریعے مکمل حق ادا نہیں کر سکتے۔

ثانیاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نام کا اطلاق، سید البشر نبینا محمد ﷺ کی موجودگی میں کیا، تو آپ ﷺ نے ان پر ناگواری نہیں کی، کیونکہ آپ ﷺ نے ان کے اچھے ارادے کو اس حال میں جان لیا جب وہ دوسرے صحابہ (حاطب رضی اللہ عنہ) کو منافق کا نام دے رہے تھے۔ انہوں نے اس صحابی رضی اللہ عنہ پر منافق کا اطلاق ایک غلطی کی وجہ سے کیا تھا جو اس سے سرزد ہوئی اور وہ تھی حضرت رسول اللہ ﷺ کی خیر کو آپ ﷺ کے دشمنوں پر افشاء کرنا اور وہ اس جلیل القدر صحابی کی طرف سے بڑا خطرناک کام تھا جس کی سزا سے بچنے کے لیے اس کے حسن ارادہ نے شفاعت کی اور اس کے غزوہ میں حصہ لینے والے عظیم عمل خیر نے بھی جو پہلے پہلے ہمارے نبی مکرم ﷺ نے کیا تھا یعنی غزوہ بدر، وہ غزوہ جس میں اللہ عزوجل نے اسلام کو عزت عطا کی تھی، سو اس کے بعد سرزد ہونے والا ہر عمل خطا، اس عظیم معرکے میں شمولیت کے عمل کے مقابلے میں ذرے کی مانند ہو گا۔

ثالثاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہری صورت حال کے مطابق صحابی رضی اللہ عنہ پر حکم لگایا، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کو اہل بدر کے مرتبے کا علم نہیں تھا اور نہ آپ رضی اللہ عنہ اس کے دل میں اللہ اور اس رسول ﷺ کی چھپی ہوئی محبت کو جانتے تھے، اس لیے حضرت نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو روکا اور آپ ﷺ پر واضح کیا کہ وہ (حاطب رضی اللہ عنہ) اپنے عذر میں سچا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّهُ صَدَقَكُمْ)) اس نے تم سے سچ کہا ہے۔ یہ بات آپ ﷺ نے اس وقت کہی جب اس نے اپنا عذر بیان کیا، چنانچہ آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے عذر میں سچا ہے اور اس کا ظاہر اور باطن برابر ہے تو پھر آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو کہنا تھا کہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول (حاطب رضی اللہ عنہ کو منافق کہنا) اہل بدر کے مرتبے کی معرفت کا سبب بن گیا۔

رابعاً: حضرت نبی کریم ﷺ کی حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے لیے شہادت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے شہادت بن گئی کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ بھی اہل بدر میں سے ہیں۔

خامسًا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا وہ لوگ جن کے دل جھوٹی روایات اور باطل عقائد کی وجہ سے عظماء امت کے خلاف بغض سے بھرے ہوئے ہیں، وہ مقصد کی سلامتی اور صحت خیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں ہوسکتے کہ وہ جس صحابی کے بارے میں جو چاہیں حکم لگا دیں۔

سادسًا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں دیکھے جرم رپ جو کہا سو کہا اور تم مکذوبہ روایات کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نفاق کی تہمت لگاتے ہو۔

سابعًا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت حاطب رضی اللہ عنہ پر لفظ نفاق استعمال کرنا شخصی اثر تھا جبکہ اہل تشیع کا (صحابہ کرام پر) نفاق کی تہمت دھرنے کا دینی اثر ہے (جو دین اسلام کو باطل کر دیتا ہے) کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی تو دین اسلام کے راوی ہیں اور ان کو نفاق سے متہم کرنا ان کی مرویات کو باطل کرنا ہے اور یہ اتہام دین کو باطل قرار دینے تک جا پہنچتا ہے اور جس قول کی مضرت شخصیت تک ہو اور جس قول کی مضرت دین پر ہو کے مابین کتنا فرق ہے اور ان شاء اللہ اس کی مزید وضاحت آگے آئے گی۔

39۔ تم نے (ص: 8) پر کہا ہے: اور جب بلا استثنا تمام صحابہ عادل ہیں تو ان حدود کا کیا مطلب ہوا جو ابو بکر، عمر، عثمان اور علی علیہ السلام نے ان صحابہ پر قائم کیں جو زانی، چور اور شراب نوش تھے؟!

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب کئی اعتبارات سے ہے:

اولًا: تم نے امت کے عظماء اور اس کے خلفائے راشدین کا ذکر اور ان پر رضی اللہ عنہم بھی نہ کہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے علیہ السلام لکھا باوجود اس کے کہ تم پہلے کہہ چکے ہو کہ پیشگی رائے سے علیحدہ ہو کر دیکھنے والا اور ہر مرض سے پاک دل والا اپنے دل میں ان صحابہ کے لیے کریمانہ رویہ اختیار کرے گا۔ تو یہاں تکریم کہاں گئی؟!

بلاشبہ یہ طرز عمل امامیہ کے عقائد کے اثرات کی وجہ سے ہے جو وہ ایک قول کے مطابق ان کے کفر کا اعتقاد رکھتے ہیں اور دوسرے قول کے مطابق ان کے فاسق اور ظالم ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ نے وزراء اور انصار رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی بیویوں جو کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن ہیں کے والدین اور دنیا ے فاتحین اور اسلام کو پھیلانے والوں کو ان رذائل سے پاک کر دیا۔

ثانیاً: ہم بیان کر چکے ہیں کہ عدالت سے مراد عصمت (غلطی سے پاک ہونا) نہیں ہے، کیونکہ انسانوں میں سے انبیائے کرام علیہم السلام کے سوا کسی کو خطا سے عصمت حاصل نہیں اور انہیں بھی اس شرع میں عصمت حاصل ہے جو وہ اللہ کی جانب سے لوگوں کو پہنچاتے ہیں، علاوہ ازیں وہ خطا پر بر قرار نہیں رکھے جاتے اور اللہ عزوجل کے اولیاء ہونے میں یہ شرط بھی نہیں کہ ان سے خطا سرزد نہ ہو، ان کی عدالت کے متعلق ہمارے قول سے یہ مراد نہیں کہ وہ غلطی نہیں کرتے، بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کی شرع پر امین ہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے میں جھوٹ نہیں بولتے اور اگر ان میں سے کسی سے غلطی سرزد ہو جائے تو وہ جلدی سے توبہ کرتے ہیں مگر شاذ حالات میں جو ہزاروں سچے مومنوں کے مقابلے میں تقریباً کسی شمار میں نہیں۔

البتہ اجتہاد میں ان سے خطا وارد ہوئی ہے لیکن وہ اپنی درستی اور خطا میں ماجور ہیں البتہ اجتہاد میں خطا کا ثواب کم ہے۔

امام ابن الانباری کہتے ہیں: ان کی عدالت سے مراد، ان کی ایسی عصمت کا ثبوت نہیں جو ان سے معصیت کے ارتکاب کو محال بنادے، بلکہ اس سے مراد ان کی روایات کو عدالت کے اسباب اور تزکیہ کی طلب کے تکلف کے بغیر قبول کرنا ہے الا یہ کہ ان میں قدح (تہمت) کا ارتکاب ثابت ہو جائے اور وہ بحمد اللہ ثابت نہیں ہو سکی۔ ❶

اور امام ابن قیم فرماتے ہیں: بسا اوقات عدالت کے اطلاق میں غلط فہمی ہو جاتی ہے چنانچہ عادل سے کسی کا گناہ مبرا ہونا سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ عادل اس کو قرار دیا جسے دین پر امین قرار دیا جائے اگرچہ اس سے ایسا گناہ سرزد ہو سکتا ہو جس سے اللہ کے ہاں توبہ کی جاتی ہے اور یہ عمل عدالت کے منافی نہیں جس طرح کہ یہ ایمان اور ولایت کے منافی بھی نہیں۔ ❷

ثالثاً: ان لوگوں کی تعداد کتنی ہے جنہوں نے خلفاء راشدین کے دور میں زنا کیا اور انہوں نے ان پر حد نافذ کی؟

بتایئے ان میں سے کتنے لوگوں نے شراب نوشی اور چوری کی؟

---

❶ دیکھیے: المنهج الاسلام فی الجرح و التعديل، ص: 219

❶ دیکھیے: مفتاح دار السعادة: 163/1

بلاشبہ تمہارا اسلوب کلام اشارہ کر رہا ہے کہ زانی اور چور اور شراب نوش سیکڑوں کی تعداد میں تھے!!

یہ اسلوب بیان کسی محقق یا سکالر کے شایان شان نہیں۔ کیا تم ہمارے لیے ان کی تعداد بیان کر سکتے ہو؟! ان کی تعداد ہاتھ کی انگشتوں سے متجاوز نہیں۔

رابعًا: جو شخص کسی معصیت کا ارتکاب کر بیٹھے پھر اس سے توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اس کی معصیت کی کی اسے عار نہیں دلائی جا سکتی، کیونکہ توبہ پہلے والے گناہ کو دھو دیتی ہے لیکن جو توبہ نہ کرے اس کے مجروح العدالت ہونے میں کوئی شک نہیں۔

40۔ تم نے (ص: 8) پر کہا ہے: اجتہاد اور تاویل سے کیا مراد جو اس کے کرنے والے کو کتاب یا سنت کی مخالفتوں سے پاک صاف کر دے، جیسا کہ مالک بن نویرہ کو خالد بن ولید اور عمار رضی اللہ عنہ کو ابو الغادیہ کے قتل کرنے کا قضیہ ہے؟

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولًا: حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی تعریف کی ہے اور ان کو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کا نام دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (ح: 4262) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے غزوہ موتہ میں پیش آنے والا واقعہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی شہادتوں کی خبر آنے سے پہلے ہی ان کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: زید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا سو وہ شہید ہو گئے، پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا وہ بھی شہید ہو گئے، پھر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا سو وہ بھی شہید ہو گئے (یہ خبر سناتے وقت آپ ﷺ کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے جھنڈ پکڑ لیا تو اللہ نے ان کو فتح عطا کر دی۔

اللہ کی تلوار (سیف اللہ) کو مبارک ہو۔۔۔ ان پر اس لقب کا اطلاق تمام لوگوں سے راست گفتار اور لوگوں کے احوال کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر اور اللہ عزوجل کے دین کے لیے سب لوگوں سے زیادہ حرص رکھنے والے پیغمبر ﷺ نے کیا ہے۔

ثانیاً: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اللہ کی ایسی شمشیر براں تھے جس نے مرتدین سے جنگ کی حتیٰ کہ ان کو اسلام کی طرف لوٹا دیا، اس کے بعد وہ ایمان کے لشکروں کی قیادت کرتا ہوا عراق کی طرف چل پڑا اور ان کی سیرت، سیرتوں میں سے نہایت دل چسپ ہے آپ رضی اللہ عنہ نے ان ممالک کو فتح کیا اور انہیں اسلام میں داخل کیا، اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو خوش کر دے اور انہیں اسلام کی طرف سے بہتر جزاء عطا فرمائے۔

سلیم القلب انسان، خواہ وہ کوئی بھی ہو، ان کی سیرت پڑھے گا تو اسے عظیم سپہ سالار سمجھے گا جس کے ذریعے اللہ نے اسلام اور مسلمین کو فائدہ پہنچایا، ان کے لشکروں کی قیادت اور عظیم فتوحات کو پڑھیے تا کہ تم دیکھو کہ مہ تو عظیم الشان، قد آور شخصیت کے سامنے بونے ہیں اور اس واقعے کو ہوا دیتے ہوئے شرم کریں جو بالفرض صحیح بھی ہو تو اس کے بارے میں ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس میں آپ رضی اللہ عنہ نے غلطی کی۔

ثالثاً: حقیقی واقعہ بیان کرنے میں تاریخی روایات مختلف ہیں، اس لیے ان رایات کو جو ان کے عمل کو جواز فراہم کرتی ہیں انہیں چھوڑ کر ان روایات پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے جو ان پر طعن و تشنیع کرتی ہیں چنانچہ جو روایات ان کے عمل کو جواز فراہم کرتی ہیں وہ درج ذیل ہیں امام ابن کثیر رحمہ اللہ (322/6) میں فرماتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کو بلایا اور اس پر اس وجہ سے سختی کی کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کرنے والی عورت سجاح بنت حارث کی اتباع کر لی تھی اور زکاۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: کیا تو نہیں جانتا کہ زکاۃ کا حکم نماز کے ساتھ جڑا ہوا ہے، مالک بن نویرہ نے کہا تمہارا صاحب (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس بات کا دعوے دار ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا وہ ہمارا صاحب ہے اور تیرا صاحب نہیں ہے؟! اے ضرار اس کی گردن مار دے، چنانچہ اس کی گردن اڑا دی گئی، اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اصل وجہ کیا تھی۔

رابعاً: حضرت خالد رضی اللہ عنہ سپہ سالار تھے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی زندگی میں سپہ سالار بنایا تھا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ان سے خطا ہو گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے فعل سے

ہے اور جب جہاد فی سبیل اللہ میں اس کی ضرورت ہو تو اسے معزول کرنا ضروری نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (ح: 4339) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا، آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، وہ سیدھی طرح (أَسْلَمْنَا) نہ کہہ سکے چنانچہ وہ کہنے لگے: صَبَأْنَا صَبَأْنَا ہم مذہب تبدیل کر چکے ہم مذہب تبدیل کر چکے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنا اور قیدی بنانا شروع کر دیا اور ہم میں سے ہر ایک مجاہد کو اپنا قیدی دے دیا، یہاں تک کہ ایک دن انہوں نے حکم دیا کہ ہم میں سے ہر آدمی کو اپنا قیدی قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرا کوئی ساتھی اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ یہاں تک کہ ہم حضرت نبی کریم ﷺ کے حاضر خدمت ہوئے اور ہم نے اس بات کا آپ ﷺ سے تذکرہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دو دفعہ کہا: اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں۔

چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو قتل کر دیا جو اپنے اسلام کا اعلان لفظ (اسلام) سے نہ کر سکے اور جب حضرت نبی کریم ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ حضرت خالد کے فعل سے راضی نہ ہوئے اور اس کے عمل سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور اس کے باوجود انہیں معزول نہیں کیا بلکہ اس کے بعد بھی انہیں ہی (افواج اسلامیہ) کا سپہ سالار بناتے رہے۔ [1]

ان کو سزا نہ دینے اور معزول نہ کرنے کے بارے تمہارا کیا فتویٰ ہے، کیا تم اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ پر تنقید کرو گے یا خاموشی اختیار کرو گے؟ یا تم ایمان رکھو گے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سزا نہ دی کیونکہ اس نے اجتہاد کیا اور خطا کر بیٹھے؟!

پھر جن لوگوں کو وہ پہلی مرتبہ قتل کر بیٹھے اور جن کو وہ دوسری مرتبہ کر بیٹھے ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ کیا پہلی مرتبہ قتل ہونے والے کافر نہ تھے اور دوسری مرتبہ قتلے ہونے والے مرتد نہ تھے، پھر انہوں نے دونوں حالتوں میں اسلام کا اعلان نہ کیا تھا؟!

ہم (اہل السنہ اسلام کی تلوار (حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید) کے بارے میں سینوں کی سلامتی پر اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں، جس نے کفر کی حکومتوں کو شکست دی اور وہاں کے رہنے والوں کو اسلام

[1] دیکھیے: الفتاوی: 254/28۔ اعلام الموقعین: 83/1

میں داخل کیا اور جو کچھ ان سے خطا ہوئی، اللہ نے اس کو ان کی نیکیوں کے سمندر کے مقابلے قطرہ قرار دے کر بخش دیا۔

خامسًا: اس طرح کا خطا وارانہ اجتہاد حضرت نبی کریم ﷺ کے محبوب، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بھی سرزد ہوا تھا، اس نے ایک ایسے آدمی کو (جنگ کے دوران) قتل کر دیا تھا جس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا، تو حضرت نبی کریم ﷺ نے ان پر ناراضی کا اظہار کیا تھا اور ان کو سزا نہیں دی تھی۔ [1]

فرمایئے اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے: کیا تم حضرت رسول اللہ ﷺ پر ان کو سزا نہ دینے پر اعتراض کرو گے، اس دعوے کی بنا پر کہ ان کا اجتہاد کتاب و سنت کے خلاف ہے؟! اس طرح کے نبوی نقطہ ہائے نظر کو جمع کیجیے اور حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے نظریے کو ذہن میں حاضر کیجیے، پھر قلب سلیم کے ساتھ دوبارہ غور کیجیے۔

سادسًا: اس طرح کا معاملہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی سامنے آیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ راشد اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی دو صاحب زادیوں کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو قتل نہ کیا، بلکہ اپنے پھوپھی زاد حضرت زبیر بن عوام اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کے قاتلوں کو بھی قتل نہ کیا اور وہ مالک بن نویرہ جیسے لوگوں سے بھری ہوئی زمین کے لوگوں سے افضل اور عظیم تھے اور ہم آپ رضی اللہ عنہ پر عیب نہیں لگاتے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی طرح مجتہد تھے۔

اے اللہ ہمارے دلوں کو اپنے پیاروں اور اپنے رسول ﷺ کے صحابہ کرام کے بارے میں سلامت رکھ، جنہوں نے تیرے دین کی نصرت کی اور تیرے رسول ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ (آمین)

سابعًا: کیا یہ فعل، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگی میں رونما نہیں ہوا تھا اور ان میں سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی کا اعتراض بیان نہیں ہوا، چنانچہ اس بارے میں نہ تو ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی اعتراض سنتے ہیں اور نہ ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام سے، کیا تم سمجھتے ہو کہ تم قرآن کے دور کے صحابہ سے بڑھ کر اللہ کے دین پر غیرت مند ہو جنہیں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اسلام کے

---

[1] دیکھیے: صحیح مسلم، ح: 96

جھنڈے کو اٹھانے اور امت کی طرف دین ایسے منتقل کرنے کے لیے پسند فرمایا جسے اللہ عزوجل نے نازل کیا تھا؟!

بلاشبہ تاریخی روایات جن سے شیعہ کی کتب بھری پڑی ہیں اور ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض اور نفرت کرنے کا مواد ہے وہی لیے عقائد کو ایجاد کرنے اور عظمائے امت سے نفرت کرنے اور ان پر بہتان لگانے کا سبب ہیں جیسا کہ اللہ سے بڑھ کر اللہ کے دین پر غیرت مند ہو جنہیں اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور اسلام کے جھنڈے کو اٹھانے اوامت کی طرف دین ایسے منتقل کرنے کے لیے پسند فرمایا جسے اللہ عزوجل نے نازل کیا تھا؟!

بلاشبہ تاریخی روایات جن سے شیعہ کی کتب بھری پڑی ہیں اور ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض اور نفرت کرنے کا مواد ہے وہی لیے عقائد کو ایجاد کرنے اور عظمائے امت سے نفرت کرنے اور ان پر بہتان لگانے کا سبب ہیں جیسا کہ اللہ کی مشیئت سے اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

جبکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو ابو الغادیہ کے قتل کرنے کا واقعہ (قطع نظر اس بات کے کہ ان کو اس نے قتل کیا یا کسی اور نے) وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ لڑ رہا تھا اور دونوں لشکر میں حضرت عمار اور ان کے علاوہ لڑائی میں حصہ لینے والے صحابہ رضی اللہ عنہم قتل ہو گئے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں بھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں بھی اور جو کوئی تاویل کی وجہ سے لڑا، اس کی مغفرت کی امید ہے، ہم نہیں جانتے کہ ان کے دلوں میں کیا تھا، لیکن ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ تاویل کرنے والے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حق، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور اس کی گواہی وہ حدیث دیتی ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔

صحیح بخاری (ح: 442) میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: عمار کے بارے میں افسوس! اس کو باغی گروہ قتل کرے گا، یہ ان کو جنت کی طرف بلاتا ہو گا اور وہ اسے آگ کی طرف بلاتے ہوں گے۔

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کرنے والے گروہ کو باغی قرار دیا ہے اور کافر قرار نہیں دیا، سو کیا تمہارے لیے جائز ہے کہ تم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ غیرت مند ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

خطاوار قرار دو کہ آپ ﷺ اس گروہ کو کافر نہیں قرار دیا جس نے حضرت عمار کو قتل کیا تھا اور تم ابو الغادیہ کو کافر قرار دو؟! (حضرت عمار کو قتل کرنے والے شخص کے بارے میں سخت اضطراب ہے معارف ابن قتیبہ میں اس کا نام ابو العاریہ ہے اور نسخہ صاوی میں ابو العامریہ ہے اور واقعے میں بھی اضطراب ہے کہ ابو العاریہ یا ابو العامریہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے لڑ رہا تھا یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے۔ زیادہ امکان یہی ہے آپ رضی اللہ عنہ کو قل کرنے والا وہی شر نگیز گروہ تھا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں گھس گیا تھا۔ (ع، ج، س)

بہر حال دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک کی طرف سے بغاوت اسے اسلام سے خارج نہیں کرتی جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ الحجرات (آیت: 9) میں فرمایا:

﴿ وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ ﴾[الحجرات: 9]

”اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اگر (صلح کے بعد) ایک جماعت دوسری جماعت کے خلاف بغاوت کرتی ہے تو بغاوت کرنے والی جماعت سے لڑو۔“

پھر فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۠ ﴾

[الحجرات: 10]

”بے شک مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروا دیا کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پا سکو۔“

چنانچہ اللہ عزوجل نے آپس میں لڑنے والے مومنین کو بھائی بھائی قرار دیا ہے حالانکہ ان میں ایک کو باغی کے نام سے متصف کیا ہے اور ان پر ایمانی اخوت کا اطلاق کیا ہے لیکن باغی کے خلاف لڑنے کی ترغیب دلائی ہے۔

چنانچہ مومن انسان کو عمداً قتل کرنے والا آگ کی دھمکی کی زد میں ہے۔ جب کہ اس کے پاس

(کسی مومن کو قتل کرنے کا) شبہ نہ ہو اور ان مقاتلین نے ظلماً قتل ہونے والے خلیفہ راشد (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے خون کا مطالبہ ظاہر کیا لہٰذا اگر ان کے معاملے کا باطن ان کے ظاہر کے مطابق تھا تو وہ تاویل کرنے والے تھے اور ہمارے لیے ظاہر قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں اور اگر اس کے علاوہ کوئی ارادہ تھا تو اللہ عزوجل چھپے رازوں کا والی ہے اس دن تک جس دن چھپے راز آشکارا ہو جائیں گے۔

الکیا طبری فرماتے ہیں: اور جو ان کے درمیان جنگیں اور فتنے برپا ہوئے سو وہ اجتہاد پر مبنی امور تھے۔ ❶

امام محمد بن علی شوکانی بعض صحابہ کی بعض کے ساتھ جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے اور معتزلہ کی ایک جماعت کا اور شیعہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہ کرام تمام کے تمام عادل ہیں سوائے ان کے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑے، کا ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اور ان کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ انہوں نے جس شبہے کو تھاما ہوا تھا وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے یہ اقدام اللہ پر جرأت اور اس کے دین میں سستی کی وجہ نہیں کیا تھا اور صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف بڑا عظیم شرف ہے لہٰذا جس کسی نے ان میں سے کسی کی شان میں گستاخی کی وہ ایسے گہرے کھڈ میں گرا جس سے وہ صحیح سلامت نہ نکل سکے گا۔ ❷

41۔ تم نے (ص: 8) پر کہا ہے: کیا صحابہ کے عمل کو اجتہاد کے سائے میں ان کی تمام مغالتوں کو نیک نیتی کی سند دی جا سکتی ہے جو ان سے قطعی احکام کے خلاف صادر ہوئی اور انہیں ہر حرام کے ارتکاب اور ہر واجب کے ترک کا سرٹیفکیٹ حاصل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: اس انوکھی گفتگو: (ہر حرام کے ارتکاب اور ہر واجب کے ترک) پر حیرانی ہے، یہ بازاری اسلوب بیان اس بات کا غماز ہے کہ وہ فاجر قوم تھے جنہوں نے دین کو ضائع کر دیا اور محرمات کو پامال کیا، کیا ہم ان کے لیے تاویل کریں؟!

---

❶ دیکھیے: ارشاد الفحول، ص: 127

❷ ایضًا، ص: 128

یہ تلخ پھل ہے ان باطل روایات کا جن پر شیعہ نے پرورش پائی اور اگر اللہ نے ان کے دلوں کو حق قبول کرنے کے لیے نہ کھولا، تو وہ عظیم ترین خطرے میں ہیں۔

ثانیاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وہ قوم ہیں جن کی اللہ عزوجل نے دسیوں آیات میں تعریف کی ہے اور ان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے پسند فرمایا اور انہوں نے ہی دین کی نصرت کی اور انہوں نے ہی ہمارے دین کو روایت کیا اور تا قیامت امت کی ہر خیر کے ثواب کے برابر ان کو ثواب ملے گا اور اجتہاد کے سائے میں ان سے سرزد ہونے والی چند لغزشیں ان شاء اللہ بخش دی جا چکی ہیں۔

چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ بقرہ کی آخری آیت کی تفسیر کے بارے میں خبر دی اور جسے اللہ عزوجل نے مومنوں کو پڑھنے کی تعلیم دی کہ وہ پڑھا کریں:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾[البقرة: 286]

”اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہماری گرفت نہ فرمانا۔“

پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اللہ نے فرمایا: ”تحقیق میں نے ایسا کر دیا۔“ یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان پر سے اس غلطی پر مواخذے کو اٹھا لیا جس میں وہ عمداً واقع نہیں ہوئے جبکہ ان کے بارے میں خطاکاری کے مفروضے کا سبب وہ روایات ہیں جو (سوچے سمجھے منصوبے کے تحت) صدیوں سے ان کے بارے میں کثرت سے پھیلائی گئی ہیں، یہاں تک کہ عالم بشریت کے افضل معاشرے کا تصور بدنما صورت کا روپ دھار گیا (کہ عیاذاً باللہ) وہ معاشرہ کافر تھا یا وہ فاسق تھا۔ پس اہل تشیع کو قیامت کے دن ان سے جھگڑے کی تیاری کر لینی چاہیے (کیونکہ ان کی جانب سے ان کے آقا اور مولیٰ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کے سامنے ان سے جھگڑنا ہے۔)

جبکہ ہم: تو ان کے حق میں رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور ان کی اسی طرح تعریف کرتے ہیں جس طرح ان کا رب عزوجل ان کی تعریف کرتا ہے اور ان کے لیے نیک جزا کی دعا کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے ہمارے دین کی پہرہ داری کا حق ادا کیا اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی اور ہم اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے سوال کرتے ہیں کہ وہ ان کی خطائیں معاف فرمائے۔ (بمطابق نص قرآنی):

﴿ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

[الحشر: 10]

”اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے چلے گئے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے بارے میں کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے، اے ہمارے رب تو شفقت کرنے والا مہربان ہے۔“

ثالثاً: وہ کون سی خلاف ورزیاں ہیں جن کے ساتھ انہوں نے قطعی احکام کی مخالفت کی؟!

اگر وہ احکام قرآن کریم میں موجود ہیں تو وہ کون سے ہیں؟!

اور کیا وہ قطعی المعنی ہیں؟! اور کس نے حکم لگایا ہے کہ وہ قطعی ہیں؟!

رابعًا: کتاب اللہ میں دسیوں آیات ہیں جو عام اور خاص لفظ کے ساتھ ان کی تعریف بیان کرتی ہیں اور تم نے طرح طرح کی تاویلات سے ان کی تاویل کی ہے اور ان کو ان کی مراد سے نکال دیا ہے، سو کس نے تمہارے لیے تاویل مباح کر دی ہے اور تمہارے سوا دوسروں پر حرام کر دی ہے؟!

خامساً: اگر وہ سنت میں وارد ہوئی ہیں تو انہوں نے ہی سنت کو بیان کیا ہے تو جب وہ ایک سنت کے درست ہونے کا اعتقاد رکھ کر اسے بیان کرتے ہیں، پھر کیا وہ اس کی مخالفت کر سکتے ہیں؟!

پھر تم: کیا اس سنت پر ایمان رکھتے جو اہل السنہ کے محدثین کی کتابوں میں صحت سے مروی ہے پھر تم ان سے اس حدیث کو چن لیتے ہو، جو تمہارے خیال میں تمہارے مذہب کے موافق ہو اگرچہ وہ ضعیف ہی ہو اور تم اس روایت کو ردّ کر دیتے ہو جو تمہارے خیال میں تمہارے مذہب کے خلاف ہو، اگرچہ اس کی سند صحیح ہی ہو؟!

42۔ تم نے (ص: 8) پر کہا ہے: حتیٰ کہ وہ اپنے دور کے امام پر خروج کریں اور بہت سی روحوں کی تڑپائیں اور بے بہا خون بہائیں۔

اس کا جواب گزر چکا ہے کہ وہ صحابہ کرام خروج کی نیت سے نہیں نکلے تھے (جس طرح کہ

قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دور کے امام پر خروج کے لیے مصر اور کوفہ سے نکلے تھے) بلکہ وہ تو مقتول خلیفہ راشد کے خون کے مطالبے کے لیے نکلے تھے چنانچہ امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ (260/7) میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابودرداء اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر داخل ہوئے اور ان سے کہا: تو کس وجہ سے اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے لڑتا ہے؟ اللہ کی قسم وہ تجھ سے اور تیرے باپ سے بھی قدیم الاسلام ہے اور تجھ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہے اور اس امر (خلافت) کا تجھ سے زیادہ حق دار ہے؟!

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں حضرت عثمان کے قصاص کے لیے لڑ رہا ہوں اور اس نے ان کے قاتلوں کو ٹھکانا دیا ہوا ہے، لہٰذا تم اس کی طرف جاؤ اور اسے کہو کہ وہ ہمیں حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص لے دے تو میں اہل شام میں سے پہلا شخص ہوں گا جو اس کی بیعت کروں گا۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے یہی بات کہی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو تم دیکھ رہے ہو، تو بہت سے لوگ نکل کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہم سب قاتلان عثمان ہیں، جن کو چاہے وہ ہمارا قصد کر۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما لوٹ آئے اور دونوں لڑائی میں شامل نہیں ہوئے یہ ان کا ظاہر ہے باقی رہے ان کے اندرونی ارادے سو اللہ انہیں جانتا ہے کیا یہ خروج تھا یا شبہے کی بنا پر قتال؟!

43۔ تم نے (ص: 8) پر کہا ہے (کیا یہ اجتہاد بعض (صحابہ) کے ساتھ مختص ہے یا ان سب کے لیے ہے اور اس میں بعد میں آنے والے بھی شامل ہیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ پر عمل کرتے ہوئے کہ میرے صحابہ، ستاروں کی طرح ہیں، تم جس کی بھی اقتدار کروگے ہدایت پاؤ گے۔ میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

اولاً: تم نے یہ بات بطور تہکم و تمسخر کے کہی ہے نہ کہ بعغرض دریافت، یہ ایسی روایات کے اثرات میں سے ہے جنہوں نے اس امت کی بنیاد رکھنے والے معاشرے کے بارے میں اس طرح کی سوچوں کو ڈھالا ہے۔

ثانیاً: خطا کا صدور بشری صفات میں سے ہے اور قرآن کریم اور سنت نبویہ نے اس طرح کی صفات کو وضاحت سے بیان کیا ہے اس بارے گزشتہ نصوص ملاحظہ کر لیجیے اور اللہ تعالیٰ کا قول بیان ہو چکا ہے اس میں اس نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم اس سے دعا کریں کہ وہ ہماری خطاؤں پر ہمارا مواخذہ نہ کرے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ [البقرۃ: 286]

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے (مواخذہ ترک) کر دیا۔ [1]

چنانچہ اس ذات باری تعالیٰ نے ہمیں سکھایا ہے کہ جب ہم غلطی کر بیٹھیں تو اسے پکاریں اور اس سے معذرت کریں اور اس نے ہمارا عذر قبول فرمایا ہے، تو کیا شیعہ، بشر سے خطا کی صفت کی نفیف کر سکتے ہیں؟!

پھر کس نے کہا ہے کہ خطاکار کی غلطی میں بھی اس کی اقتدا کی جائے؟!

ثالثاً: جس روایت (اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ۔۔۔) کا تم نے ذکر کیا ہے اس کو تم نے اپنی عادت کے موافق بغیر حوالے کے ذکر کیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ تم پر یہ بات مخفی ہو کہ یہ مکذوبہ روایت ہے اور تم تو محدث آدمی ہو!!

اس روایت کو ابن عبد البر نے "جامع البیان العلم" (91/2) میں اور ابن حزم نے "الاحکام" (82/6) میں سلام بن سلیم۔ یا باب اختلاف اسم سلیمان سے روایت کیا ہے اور ابن حزم نے کہا ہے کہ (یہ روایت ساقط ہے اور سلام بن سلیمان من گھڑت روایات بیان کرتا ہے اور بلاشبہ یہ روایت انہی من گھڑت روایات میں سے ہے) اور ابن خراش نے سلام مذکور کے بارے میں کہا ہے۔ (کذاب) تو کیا اس سے استشہاد کرنا درست ہے اور تم محدث ہو اور مصدر (حوالہ) بھی ذکر نہیں کرتے۔

44۔ تم نے کہا ہے: تیسری بات یہ کہ قرآنی آیات، دلوں کے مریضوں کے بارے میں ہیں جو گھروں کے صحنوں اور ڈیروں میں منافقین کو پیچھے لگاتے تھے۔ اللہ سبحانہ نے ان کے حق میں فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، ح: 289

﴿ وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲﴾[الاحزاب: 12]

”اور جب منافقین کہہ رہے تھے اور وہ لوگ بھی جن کے دلوں میں شک تھا کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے محض مبنی پر دھوکہ وعدہ کیا۔“

سو کس طرح ان لوگوں کو تقویٰ اور عدالت سے متصف کیا جاسکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر وعدہ خلافی کی نسبت کر رہے تھے؟

چوتھی بات: تشکیک اور فتنہ بھڑکانے اور دشمنوں کے لیے جاسوسی کرنے والوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیات:

﴿ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝۴۵﴾[التوبۃ: 45]

”صرف وہی لوگ آپ سے اجازت مانگ رہے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک و ارتیاب میں پڑ گئے سو وہ اپنے شک میں حیران پھرتے ہیں۔“

پانچویں بات: ان لوگوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیات جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، وہ اس بنا پر عذاب الیم کے مستحق ہیں:

﴿وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ﴾[التوبۃ: 61]

”اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں وہ کان کا کچا ہے۔“

کیا عقل سلیم ان لوگوں پر عادل ہونے کا حکم لگاسکتی ہے جن کو اللہ نے عذاب کی وعید سنائی اور ن پر لعنت کی:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۵۷﴾[الاحزاب: 57]

چھٹی بات: تم نے اللہ کا قول بیان کیا ہے:

﴿ وَ طَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ﴾ [آل عمران: 154]

”اور ایک گروہ کی جانوں نے پھرنے کا ارادہ بنایا وہ اللہ کے بارے میں جاہلیت والا ناحق گمان کرنے لگے۔“

پھر تم نے کہا ہے: کیا ممکن ہے کہ ان لوگوں کو ثقہ اور عادل لوگوں میں شمار کیا جائے جو اللہ کے بارے میں شک وارتیاب رکھتے تھے؟!

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: مذکورہ بالا آیات منافقین کے گروہوں کے بارے میں ہیں اور بحمد اللہ مومن مہاجرین اور انصار کے بارے میں نہیں ہیں اور کتبِ سیر مومن صحابہ کرام کے ناموں سے بھری پڑی ہیں اور بعض احادیث اور آثار میں بعض منافقین کے نام آئے ہیں اور ان میں مومن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی کو نفاق سے موسوم نہیں کیا گیا۔

ثانیاً: ہم نہیں جانتے کہ وہ کون لوگ ہیں جو ان منافقین کو تقویٰ اور عدالت سے متصف کرتے ہیں؟ اور اس طرح تم نے بھی ہمارے لیے ان منافقین کا تذکرہ نہیں کیا جن پر اہل السنہ نے اس بات کا اطلاق کیا ہو کہ وہ عدالت اور تقویٰ والے ہیں۔

ثالثاً: ہم مہاجرین اور انصار کے سرداروں کے ایمان اور ان کے مومن بھائیوں کو ضعیف اور مکذوبہ روایات سے نہیں جانتے بلکہ صرف صحیح احادیث اور آثار سے جانتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور علی اور ان کے بھائیوں کے ایمان کا پتا فقط انہی کے واسطے سے چلتا ہے، سو اگر ان کا ایمان ثابت ہے تو ہم مومنین اور منافقین کے درمیان فرق کر سکتے ہیں، اگر ان کا ایمان ثابت نہیں تو ہم ان کا ایمان بھی ثابت نہیں کر سکتے۔

رابعًا: اگر شیعہ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ صحابہ کرام میں سے ان منافقین کی تفریق کریں جو ان کے ساتھ ہی زندگی گزار رہے تھے تو وہ بھی نہیں کر سکتے اور یہ ان کے کائنات کے بہترین انسانوں کو

بد ترین انسانوں سے خلط ملط کرنے کی وجہ سے ہے اور یہ عمل، طالب حق پر پوشیدہ نہیں ہے۔ جبکہ اہل السنہ مہاجرین اور انصار کے سردار مومنین اور اہل بدر اور اہل بیعت رضوان کے ناموں کو کتب سیر میں جانتے پہچانتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی ایسی دلیل سامنے آئے جو اس کو توڑتی یا باطل کرتی ہو۔

خامسًا: ان تمام آیات کے اہل نفاق کے بارے میں نازل ہونے کے اسباب کو مفسرین نے بیان کیا ہے اور تمام مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ منافقین کے بارے میں ہیں اور کسی ایک مفسر نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ مومنین کے بارے میں ہیں اور اگر تم ان کے اقوال کی طرف مراجعت کرو تو دیکھو گے کہ وہ اقوال کسی ایک صحابی کی طرف بھی منسوب نہیں اور نہ ہی اس بارے میں تفسیر کی روایات کے بیان میں کسی مفسر نے ذرہ برابر شک کیا ہے۔

اور ہم اس کی مثالیں بیان کرتے ہیں:

امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی سند سے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنگ احد کے دن ہم اپنی صفوں میں تھے کہ ہمیں اونگھ نے ڈھانپ لیا، چنانچہ میری تلوار میرے ہاتھ سے بار بار گرتی اور میں اسے بار بار پکڑتا۔ فرمایا: اور گروہ یعنی منافقین کو فقط اپنی جانوں کی فکر ہی تھی جو حق کے معاملے میں بزدل اور بے دھیان اور اس کی نصرت سے عین موقعہ پر دست کش ہو جانے والے تھے۔ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ اَهْلُ شَكٍّ وَ رَيْبَةٍ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ "وہ اللہ کے بارے میں جاہلیت والے ناحق گمان کرتے تھے، وہ اللہ کے بارے میں شک اور شبہے والے تھے۔ [1]

اس کی سند حسن ہے اور اس کا اصل صحیح بخاری (ح: 4068) میں ہے اس روایت کو ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔ تم نے اسے کیوں ذکر نہیں کیا یا تمہیں بیان کر دینی چاہیے تھی کیونکہ تم نے اس کی طرف منسوب کی ہے؟! اور اس طرح اس نے حضرت زبیر بن عوام سے صحیح سند سے حدیث بیان کی ہے اس میں انہوں نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت خوف کے موقعہ پر دیکھا کہ اللہ نے ہم پر نیند طاری کر دی ہم میں سے کوئی آدمی ایسا نہ تھا جس کی ٹھوڑی اس کے سینے پر نہ ہو۔ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم میں معتب بن قشیر کا قول سن رہا تھا، ایسے ہی جیسے خواب دیکھا جاتا ہے۔ اگر معاملہ ہمارے بس میں ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ چنانچہ میں نے اس کی

[1] دیکھیے: دلائل النبوة: 273/3

بات یاد کر لی اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی۔ ﴿يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا﴾ معتب کے قول کی وجہ سے۔ [1]

کیا یہ ان صحابہ میں سے ہے جن کی عدالت کے ہم قائل ہیں؟!

سادسًا: کیا تم ہمارے لیے ایک نص بھی ذکر کر سکتے ہو کہ ان مہاجرین اور انصار میں سے جو حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایمان لائے، کوئی ایک بھی ایسا ہو جس کے متعلق ان آیات میں کوئی چیز بیان ہوئی ہو جو تم نے بیان کی ہیں؟!

45۔ پھر تم نے اپنے اس قول سے مبحث کو ختم کیا ہے: ان آیات کے ملاحظے سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ میں بلاشک وشبہ عادل اور ثقات بھی ہیں اور ان میں سے غیر عادل اور ضعیف بھی ہیں۔

اس کا جواب کئی وجوہات سے ہے:

اولًا: تم اس بات پر اصرار کرتے چلے آرہے ہو کہ مدینہ منورہ میں رہنے والے تمام مومنین اور منافقین کا نام (اصحاب) ہے اور یہ در حقیقت تم حضرت رسول اللہ ﷺ پر تہمت لگا رہے ہو، کیونکہ تم منافقین کو ان کے اصحاب قرار دے رہے ہو جو ان کی طرف منسوب کیے جائیں گے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ ہی پہچانے جائیں گے، کیونکہ کسی شخص کو اس کے ساتھیوں سے تولا جاتا ہے، جس شخص کے ساتھی باکمال ہوں وہ باکمال سمجھا جاتا ہے اور جس شخص کے ہم مجلس اور طرح کے ہوں اسے بھی اس طرح کا شخص سمجھا جاتا ہے اور اثنیٰ عشری شیعہ منافقوں کی نسبت حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرنے سے نہیں چوکتے اور یہ انتہا درجے کی رسوائی ہے۔

ثانیًا: علمائے امت میں سے کسی ایک نے بھی یہ بات نہیں کہی اور نہ اس کے جہلاء نے کہ منافقین، حضرت نبی کریم ﷺ کے اصحاب ہیں اور اگر تم یہ بات امت محمدیہ کے کسی عام شخص کے پاس یہ بات کہتے تو ممکن تھا کہ تم سزا سے نہ بچتے، تو اس وقت کیا حال ہو گا جب امت کے علماء اور باکمال اشخاص کے پاس یہ بات کہیں۔ گزشتہ سطور میں ہم دو جلیل القدر صحابہ: حضرت ابوطلحہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ یہ بات منافقین کی طرف سے صادر ہوئی تھی۔

[1] تفسیر ابن کثیر: 162/2۔ سیرت ابن ہشام: 130/2

ثالثًا: تمہاری یہ بات کہ (اصحاب میں عادل بھی تھے اور غیر عادل بھی) تو کیا آپ ہمیں ان میں سے ایسے لوگوں کے نام بتا سکتے ہیں کہ وہ اور وہ عادل تھے اور وہ، وہ غیر عادل تھے؟ تمہارے نزدیک سوائے چار کے کوئی عادل ہے؟! اللہ کا وہ دین جس سے اس نے ادیان کو ختم کیا اور اس مقصد کے لیے قرآن نازل فرمایا، اس کے نزول کے عرصے میں سوائے چار اشخاص کے اور کوئی فائدہ اٹھا سکا، ارے یہ کیسا مذاق ہے، جسے عقلاء بیان کرنے سے بھی حیا کرتے ہیں!! اصحاب النبی ﷺ منافق ہیں یا فاسق، حرام کا ارتکاب کرنے والے!!

اس کی بیویاں کافریا فاسق ہیں جیسا کہ اگلے صفحات میں بیان ہو گا!!

اس کے تمام اہل بیت کافر ہیں سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی بعض ذریت کے!!

قرآن تحریف شدہ ہے یا ناقص ہے!!

یہ کیا دین ہوا؟! اللہ نے اس کے ساتھ عالم بشریت کو ہدایت دینے کا ارادہ کیا، لیکن وہ پہلے مرحلے میں ناکام ہو گیا؟!

اللہ کے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں، جس نے ہمیں (اس طرح کے گمراہ کن خیالات سے) محفوظ رکھا۔

46۔ تم نے کہا ہے: صحابہ کا مقام ازواج النبی ﷺ سے زیادہ ممتاز تو نہ تھا اور نہ ان کے مقام سے بلند تر تھا۔

میں کہتا ہوں: سبحان اللہ تم عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم میں شک کرنے کے بعد امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی طرف پھر گئے ہو، تاکہ ان کی طہارت اور ایمان میں شک کرنے لگو۔ یہ عجیب جسارت ہے۔

پھر ان مطاعن (تہمتوں) کے ثابت کرنے سے شیعہ حضرات کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں سوائے اس تہمت کے جو وہ من گھڑت روایات کے سہارے پر حضرت نبی کریم ﷺ پر لگاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کے گمان کے مطابق اپنے وصی کی نصرت نہیں کی، اللہ کی مشیئت سے ان کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

47۔ تم نے کہا ہے: صحبت نبی کا شرف، نبی سے شادی کے شرف سے زیادہ امتیاز اور تاثیر تو نہیں رکھتا

اور اللہ سبحانہ نے اس کی بیویوں کے بارے میں کہا ہے:

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ ﴾[الاحزاب: 30]

"اے نبی کی بیویو! تم میں سے جس نے برائی کا واضح ارتکاب کیا اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ (عذاب دینا) اللہ پر آسان ہے۔"

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: جب حضرت نبی کریم ﷺ کا نام لیا جائے تو ادباً ان پر درود پڑھا جائے کیونکہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا عظیم مرتبہ اور مقام ہے۔

ثانیاً: تمہارا یہ دعویٰ کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت اور ان سے شادی کے شرف کی کوئی حیثیت نہیں، اس بات پر اللہ سے استغفار کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ کی صحبت کا شرف، صحابی کو اس قدر شرف عطا کرتا ہے کہ کسی بشر کی صحبت اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اخیار کے اصحاب کو ان کی خیر اور برکت حاصل ہوتی ہے اور اشرار کے ہم نشینوں کو ان کی شر اور خرابی سے تلویث ملتی ہے۔

اللہ عزوجل نے بعض جگہوں کو فضیلت عطا کی ہے، جو شخص ان جگہوں میں عبادت کرے گا وہ اللہ سبحانہ کی برکت حاصل کرے گا اور اس نے بعض اوقات کو فضیلت عطا کی ہے ان میں اعمال کرنے کا دگنا اجر ملتا ہے۔

چنانچہ مدینہ کو ہمارے نبی مکرم ﷺ کی وجہ سے شرف ملا ہے اور مومنین کے دل وہاں بسنے والے اور وہاں دفن ہونے والے کی بڑی تکریم و تعظیم کرتے ہیں۔

اور مکہ معظمہ کو بیت اللہ الحرام کے ساتھ شرف نصیب ہوا ہے اور دونوں شہروں (حرمین شریفین) کی دونوں مسجدوں میں نماز ادا کرنے کا اجر کئی گنا زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ ﴾[الانعام: 92]

"یہ کتاب جسے ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [آل عمران: 96]

”بے شک پہلا گھر، جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے، مبارک ہے اور جہاں والوں کے لیے ہدایت (کا مینار) ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ﴾ [الاسراء: 1]

”پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی، جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی ہے۔“

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات کے بارے میں خبر دی:

﴿ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ﴾ [مریم: 31]

”اور اس (اللہ تبارک و تعالیٰ) نے مجھے برکت والا بنایا، میں جہاں کہیں بھی رہوں۔“

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ﴾ [الدخان: 3]

”بے شک ہم نے اس (قرآن) کو برکت والی رات میں نازل کیا۔“

جبکہ ہمارے نبی حضرت محمد بن عبد اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبارک ہستی ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے وضو اور بالوں اور ملبوسات کے ساتھ برکت حاصل کرتے تھے اور جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا ہاتھ مبارک پانی یا کھانے میں رکھتے تو وہ برکت والا ہو جاتا اور بڑھ جاتا ہے، پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے کھانا اور پانی برکت والا ہو جاتا تو کیا وہ شخص برکت والا نہیں ہو سکتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا یا آپ کے ساتھ امہات المومنین میں سے کسی کی شادی کرے اور اس کا جسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے ساتھ لگ چکا ہو؟!

فرض کیجیے کہ تم خمینی کے سامنے کھڑے ہو کر کہو: جو تمہارے ساتھ بیٹھتا ہے اور جو ابلیس کے

پاس بیٹھتا ہے دونوں برابر ہیں، یا وہ جو تیرا مصاحب ہے اور جو فرعون کا مصاحب ہے وہ برابر ہیں، تو تجھے کیا جواب ملے گا؟!

ارے بھائی جب خمینی کسی شیعہ کی نابالغ بچی سے استمتاع کرتا تو وہ کیوں خوش ہوتا ہے؟! کیا (اس کی یہ خوشی) اس کے اعتقاد میں اس کی برکت کی وجہ سے نہیں؟!

اب وہ قصہ سنیے جسے سید حسین موسوی نے بیان کیا ہے اور وہ اس واقعے کا گواہ ہے۔ خمینی جب عراق میں مقیم تھا تو اس کے شہروں میں سے ایک شہر میں اسے دعوت دی گئی، تو اس نے موسوی سے اپنے ساتھ چلنے کی خواہش کی اور دورہ مکمل ہوا، واپسی کے وقت راستے میں انہوں نے سفر کی تھکاوٹ سے آرام کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ خمینی نے عطفیہ کے علاقے میں جانے کا حکم دیا، وہاں ایک ایرانی نژاد آدمی رہتا تھا اس کا نام (سید صاحب) تھا اس کے اور امام (خمینی) کے درمیان مضبوط تعارف تھا موسوی کہتا ہے:

> ”سید صاحب ہماری آمد پر خوش ہوا، سید صاحب نے اس رات اپنے ہاں رات بسر کرنے کی فرمائش کر دی، امام (خمینی) نے اس سے موافقت کر لی، جب سونے کا وقت آیا تو خمینی نے چار یا پانچ سال کی بچی دیکھی، جو نہایت خوبرو تھی، امام (خمینی) نے اس کے باپ سید سے اسے متعہ کے لیے طلب کر لیا، اس نے باپ نے انتہائی خوشی کے ساتھ اس مطالبے سے اتفاق کر لیا، چنانچہ خمینی نے اسے اپنی آغوش میں لے کر رات بسر کی اور ہم اس بچی کے رونے اور چیخنے کی آواز سنتے رہے۔“ [1]

بعض شیعہ اس واقعے کا انکار کرتے ہیں لیکن میں اس کو اس کتاب کے حوالے سے درج کیا ہے اور وہ تاکیداً کہتا ہے کہ وہ اس قصے کا گواہ ہے اور جب مجھے اس کا کذب ہونا یقینی طور پر ثابت ہو گیا تو میں اسے حذف کر دوں گا۔ (د، ا، احمد سعد حمدان)

فرمائیے آپ کی کیا رائے ہے اس باپ کی خوشی کے بارے میں کہ اس کی نابالغ بچی کا جسم خمینی کے جسم سے متعہ کے ذریعے ملا، کیا اس گمان کی وجہ سے نہیں کہ امام کا قرب شرف ہے، اگرچہ اس بھیانک شکل میں ہی سہی؟! ہم اللہ عزوجل سے معافی کے خواستگار ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی صحبت

[1] دیکھیے کتاب: للّٰہ ثم للتاریخ، ص: 35-36

کو حقیر سمجھیں اور پھر اس پر حکم لگائیں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی صحبت ایسا شرف اور امتیاز ہے کہ جس کو یہ حاصل ہو گی وہ سب کے سب اعلیٰ و اولیٰ بن گئے اور ہم ان تمام لوگوں کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں جن کے صاحب آنحضرت صلوات اللہ و سلامہ علیہ ہیں اور ہم اس صحبت پر رشک کرتے ہیں جو اسلام کی بنیاد اور ان کے لیے اور پوری انسانیت کے لیے خیر و بھلائی کی اساس ہے۔

امام شوکانی (صنعانی، یمانی) فرماتے ہیں: صحابیت کا مرتبہ عظیم الشان ہے (جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔)

اور آپ ﷺ کی صحبت کی برکت، مبارک آثار میں آشکارا ہوئی جن سے زمین جگمگا اٹھی۔

ثالثًا: حضرت نبی کریم ﷺ سے رشتہ ازدواج کرنا شرف اور رفعت ہے اور جس کسی خاتون نے آپ ﷺ سے شادی کی، اس کی شان بلند ہو گئی اور اس کا مرتبہ بڑھ گیا اور اس کو وہ مقام مل گیا جو کسی اور خاتون کو نہ ملا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ [الاحزاب: 30-32]

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝﴾

[الاحزاب: 33]

”اے نبی کی بیویو! جو کوئی تم سے صریح بد اخلاقی کا ارتکاف کرے گی اس کے لیے دگنا عذاب کیا جائے گا اور یہ اللہ پر آسان معاملہ ہے اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی تو ہم اس کو اس کا اجر دو مرتبہ دیں

گے اور ہم نے اس کے لیے کریمانہ روزی تیار کی ہے۔ اے نبی ﷺ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو۔"

یہاں تک فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ وہ تم اہل بیت سے میل دور کر دے اور تمہیں مکمل طور پر پاک کر دے۔"

کیا تم نے غور کیا کہ کس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان کیا، کہ وہ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں اگر وہ تقویٰ اختایر کریں اور کس طرح ان سے دگنے اجر کا وعدہ کیا اور کس طرح انہیں دگنے عذاب کی وعید سنائی؟ ارے بھائی کس لیے: کیا وہ عورت ہونے کے اعتبار سے دیگر عورتوں کی طرح عورتیں نہیں ہیں اور بشر ہونے کے اعتبار سے دیگر بشر کی طرح بشر نہیں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ کے قول ﴿لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ کا مقصود کیا ہے۔ کیا یہ اس سبب کی وجہ سے نہیں ہے کہ انہیں سید البشر علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ازدواج کا شرف حاصل ہے؟!

پھر کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنا ارادہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ ان قوانین کے ذریعے ارادہ کرتا ہے کہ ان سے میل کچیل دور کر دے اور انہیں مکمل طور پر پاک کر دے؟ اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے بارے میں اللہ کا ارادہ پورا ہوا۔

رابعًا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حال کو حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں سے تشبیہ دینا غلط درجے کی تشبیہ ہے، اس کا سبب وہ بہتان ہے جو شیعہ کے ذہنوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کفر اور خیانت کے عقیدے کی صورت میں گھر کر چکا ہے، جس طرح کہ ان دونوں بیویوں نے اپنے شوہروں کی (بھید افشاء کر کے) خیانت کا ارتکاب کیا تو ان پر کفر کا حکم لگایا گیا تھا۔ اس تشبیہ پر تعجب ہے۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (عیاذا باللہ) کفر کیا یا انہوں نے خیانت کی؟! ارے بھائی جب صحابہ کرام، کافر اور خائن قرار پائے تو ان کے بعد مومن اور امین کون ہو گا؟!

خامسًا: کفر، انبیاء کرام سے استفادے سے محروم کر دیتا ہے جبکہ اسلام میں (ایمانی کمزوری یا بشری لغزش کی وجہ سے) معصیت داخل ہو جائے تو وہ استفادے سے محروم نہیں کرتا۔ چنانچہ

مسلمان خطاکار کو حضرت نبی کریم ﷺ کی پیروی کی برکت نصیب ہو گی، چنانچہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی مکرم ﷺ سے ان کی سفارش سے مشرف ہونے والے سعادت مند انسان کے بارے میں پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میری سفارش سے سب لوگوں سے بڑھ کر خوش نصیب وہ شخص ہو گا جس نے دلی خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا۔ [1]

جبکہ خوارج، معتزلہ اور امامی شیعہ اس سفارش سے محروم رہیں گے کیونکہ وہ اس سفارش کا انکار کرتے ہیں۔

اور قیامت کے دن حضرت نبی مکرم ﷺ اپنی امت کے موحدین کے لیے سفارش کریں گے اور اس سے پہلے تمام محشر والوں کے لیے سفارش کریں گے اور اس طرح آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کی برکت نصیب ہو گی یہاں تک کہ غیر مسلموں کو بھی اور یہ ہے مطلب، اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ﴿عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ [الاسراء: 79] "اور قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود پر فائز کرے۔"

سادسا: تمہاری کتابیں ہر اس شخص کو مغفورًا لہ قرار دیتی ہیں جو اپنے آپ کو اماموں کی طرف منسوب کرے اگرچہ وہ اللہ عزوجل کا نافرمان ہو! اور اس شخص کو آگ میں ڈالے گا جو ان سے وابستگی کا اظہار کرے گا اگرچہ وہ اللہ عزوجل کا عبادت گزار ہو، کیا وہ (ائمہ) حضرت رسول اللہ ﷺ سے افضل ہیں؟!

کلینی نے (الکافی، الروضۃ: 36/2) حضرت نبی مکرم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: پس اگر ایک آدمی دنیا کی عمر برابر اللہ کی عبادت کرے، پھر وہ میرے اہل بیت اور میرے شیعوں سے بغض کی حالت میں اللہ کی ملاقات کرے تو اللہ اس کے سینے کو سوائے نفاق کے کسی چیز کے لیے نہیں کھولے گا۔

اور کلینی، امام کاظم سے (الکافی: 162) میں روایت کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اس مخلوق نے ہم پر پیش ہونا ہے اور ہمارے اوپر ان کا حساب ہے، پس ان کا جو گناہ اللہ اور ان کے درمیان ہو گا ہم نے اللہ پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے! تو اس نے اس معاملے میں ہماری فرمائش پوری

[1] دیکھیے: صحیح البخاری، ح: 6423

کر دی اور جو ان کے اور لوگوں کے درمیان ہیں وہ ہم نے ان سے طلب کر لیے ہیں اور انہوں نے اس بات کو قبول کر لیا اور اللہ نے ان کو عوض دے دیا۔ اللہ تعالیٰ اہل بیت پر رحم فرمائے انہوں نے کذابین کے کس قدر بہتانات کا سامنا کیا۔

سابعًا: ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ حضرات لوہے کی اس جالی کو چھونے پر اصرار کرتے ہیں آپ ﷺ کے دروازے پر لگی ہوئی ہے تاکہ اس کی برکت حاصل کریں حالانکہ وہ لوہا ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کے جسم سے لگا ہی نہیں، وہ محض اس لیے اس کے ساتھ برکت حاصل کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کے جسد اطہر کے قریب ہے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ لوہا تو آپ ﷺ کے جسم شریف کے نزدیک ہونے کی وجہ سے متبرک ہو اور وہ جسم مبارک نہ ہو جو آپ ﷺ کے جسم کے ساتھ چپکا ہو؟!

ثامنًا: ہم شیعہ حضرات کو دیکھتے ہیں کہ وہ جن لوگوں کو امام قرار دیتے ہیں ان کی قبروں کو چھونے میں سبقت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ برکت حاصل کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ مریضوں کو شفا دیتے ہیں تو وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟! وہ اپنے اس اعتقاد کی وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ چیز بھی برکت والی ہے جو اس قبر والے کے پڑوس میں ہے۔ جب وہ مٹی برکت والی ہو گئی جو امام کی قبر کے پوس میں ہے اور وہ امام بھی برکت والا ہو گیا ہے جو سید البشر علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف منسوب ہے تو وہ جسم اس مٹی سے برکت میں اولیٰ کیوں نہ ہو جو سید البشر ﷺ کے جسد اطہر سے ملا ہو، جبکہ وہ مٹی تو اصلاً امام کے جسم سے لگی بھی نہیں۔

تاسعًا: کیا خیال ہے اگر کوئی شخص کہے: اے رسول اللہ! تیرا کپڑا گھٹیا ہے اور وہ لوگوں کو اس کے ساتھ برکت حاصل کرنے سے ڈرائے تو مسلمان اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

حضرت نبی مکرم ﷺ کی اس بیوی کے بارے میں گندا اعتقاد رکھنا جسے آنحضرت ﷺ نے اپنی بیوی بنانا پسند فرمایا اور اپنی وفات تک اس کے ساتھ زندگی بسر کی اور اس بات کو پسند کیا کہ وہ اس کی بیوی رہے اور امہات المومنین میں داخل رہے تو وہ اس کپڑے کو گندا کہنے سے بھیانک ترین جرم ہے جو بوسیدہ ہو گیا اور ناپید ہو گیا اور وہ امت کے دین کا جزو نہ بن سکا۔

48۔ تم نے کہا ہے: اے میرے بھائی ہم تمہارے ساتھ وہ کچھ پڑھتے ہیں، جو اس آیت شریفہ کی تفسیر میں اکابر علمائے اہل السنہ نے بیان کیا ہے۔ ابن جوزی نے اللہ کے قول: ﴿فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللهِ شَيْئًا﴾ [التحریم: 10] کی تفسیر میں لکھا ہے یعنی ان کو اللہ کے عذاب سے دفاع سے کوئی چیز کام نہ دے سکی اور یہ آیت اس شخص کے طمع کو کاٹ دیتی ہے جو گناہ پر سوار ہو اور وہ امید کرے کہ اسے دوسروں کی درستی نفع دے گی، پھر اس نے خبر دی کہ غیر کی معصیت، مطیع کو نقصان نہ دے گی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَضَرَبَ اللهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ﴾ [التحریم: 11] اور اللہ نے ایمان لانے والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی اور وہ آسیہ بنت مزاحم تھی۔

اور یحیٰ بن سلام نے کہا کہ اللہ نے پہلی مثال حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو ڈرانے کے لے ی بیان کی پھر اس نے اطاعت کے دامن کو تھامے رکھنے کی ترغیب دینے کی خاطر یہ مثال بیان کی اور آسیہ حضرت موسیٰ کے ساتھ ایمان لائی تھی۔ [1]

پھر تم نے طبری کا کلام نقل کیا ہے جو ابن جوزی کے قول کی تائید کرتا ہے۔

اس کا جواب کئی وجوہات سے ہے:

اولاً: قرآن کریم تربیت کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ عزوجل نے یہاں فرمایا: ﴿ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا﴾ اور اس کے بعد فرمایا: ﴿ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ چنانچہ یہ کافر مردوں اور کافر عورتوں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے دو مثالیں ہیں، وہ معصیت سے ڈراتا ہے اور اطاعت کی ترغیب دیتا ہے اور اس مثال میں ایسی کوئی چیز نہیں جو سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کو کفر یا معصیت سے متصف کرتی ہو وہ تو صرف تحذیر اور ترغیب دلاتا ہے اور تربیت کے سلسلے میں یہ قرآنی اسلوب بیان ہے۔

ثانیاً: اللہ عزوجل نے دو مثالیں بیان کی ہیں ان میں سے ایک کفار کے لیے اور دوسری مومنین کے لیے اور دونوں ایک ہی سیاق میں ہیں اور ایک ہی واقعے کے بارے میں ہیں تو تم نے کفار کی مثال کو امہات المومنین کے لیے کیوں بنایا اور مومنین کی مثال سے تغافل کیوں برتا؟!

---

[1] زاد المسیر ابن جوزی: 56/8

پھر کیا ان دونوں مثالوں کا بیان کرنا، امہات المومنین کو ایک یا دونوں سے متصف کرنے کے لیے ہے یا ان کو خیر کی ترغیب دینے اور اس کے الٹ کرنے سے ڈرانے کے لیے ہے؟!

ثالثًا: ابن جوزی رحمہ اللہ کا قول کہ آیت: (اس شخص کی طمع کو کاٹ دیتی ہے جو معصیت کے اوپر سوار ہو اور امید رکھے کہ اسے کسی دوسرے کی درستی نفع دے گی) یہ صحیح ہے اور وہ قابل اعتماد استنباط ہے اور ہم ان کی فہم پر اعتماد کرتے ہیں اور اللہ کے سامنے جواب دہی انفرادی ہو گی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعثت کے پہلے دن سے ہی اس بات کی تاکید کی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم اور اپنے چچا عباس، اپنی پھوپھی صفیہ اور اپنی بیٹی فاطمہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ((انْقُذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ فَاِنَّنِيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا)) ”اپنی جانوں کو آگ سے بچا لو کیونکہ میں تمہارے لیے اللہ کے سامنے کسی چیز کا مالک نہیں۔“ [1]

اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سفارش کے منافی نہیں جو موحد گنہگاروں کے حق میں ثابت ہے کیونکہ نفع نہ دینے کا سبب کفر ہے جیسا کہ اس پر آیت دلالت کر رہی ہے نہ کہ (ایمان) جس کے ساتھ معصیت بھی ہو، کیونکہ اس کو قیامت کے دن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش نفع دے گی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور ایمان کی حالت میں (حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) صحبت اور ازدواج کی فضیلت (شفاعت کا) عظیم ترین سبب ہے۔

رابعًا: امہات المومنین رضی اللہ عنہن بشریت کے دائرے سے خارج نہیں ہیں، وہ بھی تربیت اور راہنمائی کی محتاج ہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ بس ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہو چکی ہے، اس لیے ان کی طبیعت اور ان کے جذبات صبح سے شام تک کے درمیان تبدیل ہو جاتے بلکہ تربیت ہونا ضروری ہے۔

اور ایسا دو امور کی وجہ سے ہے۔

پہلا امر تو اس لیے کہ بشری جان کو اللہ عزوجل نے پیدا ہی اس طرح کیا ہے کہ وہ تربیت، راہنمائی اور یاد دہانی کی محتاج ہے۔ دوسرا امر یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی شریعت ہے،

[1] دیکھیے: صحیح مسلم، ح: 204۔ بخاری باب التفسیر: 382/5 و انذر عشیرتك الاقربین

اس لیے آپ ﷺ کی امت کے لیے ان کاموں کا اظہار ضروری قرار پایا جن میں واضح راستہ اور اسباق ہوں، ورنہ اگر ہر چیز خوارق سے پوری ہوتی تو آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اسوہ قرار نہ پاتی، اس لیے ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ بلاشبہ اس سبق کے نتائج ثابت ہوئے اور ان کی زندگیوں میں اس کے ثمرات سامنے آئے، اللہ ان سے راضی ہو۔ جیسا کہ شوکانی کے قول کے ضمن میں آئے گا۔

خامسًا: ابن جوزی رحمہ اللہ کے کلام نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ازدواج کے شرف کے حصول کی نفی نہیں کی بلکہ وہ تو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ انسان اپنے عمل کا حساب دینے والا ہے خواہ اچھا عمل ہو یا برا عمل، لیکن اللہ عزوجل نے ان کو دیگر عورتوں پر فضیلت عطا کی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ احزاب میں ان کی تخییر کی آیت میں طلاق حاصل کرنے یا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ صبر کرنے کے اختیار کا ذکر کیا ہے اور بلاشبہ انہوں نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کر لیا، چنانچہ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مفسرین نے کہا ہے: جب انہوں نے آپ ﷺ کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تین شرف عطا کیے ایک تو یہ کہ تمام عورتوں پر ان کو فضیلت عطا کی۔ دوسرا یہ کہ انہیں امہات المومنین بنا دیا۔

تیسرا یہ کہ ان کو طلاق دینا آپ ﷺ پر ممنوع قرار دیا۔ [1]

سادسًا: ابن جوزی کے قول ((جَعَلَهُنَّ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ)) میں اشارہ ہے کہ اللہ نے ان سب کو تکریم عطا کی کہ ان کو اس مرتبے پر فائز کیا کہ ان کو امہات المومنین کی صفت سے موصوف کیا اور یہ تکریمی وصف ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ عزوجل تو انہیں اس وصف سے موصوف کرے اور وہ سب کی سب یا ان میں سے کوئی ایک اس وصف کے برعکس ہو، چنانچہ اس وصف کے بارے میں یا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ تکریمی ہے یا تحقیری۔

چنانچہ یہ کہنا کہ یہ تکریمی وصف ہے تو یہ آیت کی دلالت کے مطابق ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کے مقام و مرتبے کو بلند کرتا ہے اور اس نے ان کے مقام کو آپ ﷺ کے مرتبے سے منسلک کر دیا ہے۔ چنانچہ رب العزت نے فرمایا:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ﴾[الاحزاب: 6]

---

[1] دیکھیے: زاد المسیر، سورۃ الاحزاب

”نبی (ﷺ) مومنوں کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ پیارا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“

جب کہ دوسرا احتمال (کہ یہ تحقیری وصف ہے) اس کا قائل کوئی مسلمان بھی نہیں، نہ سنی نہ شیعہ۔

جب کہ تیسرا احتمال کہ وہ ایسا وصف ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں، سو یہ امامی شیعوں کے مذہب کا مقتضٰی ہے اور یہ قول رب العالمین کے بارے میں طعن ہے جو گمان کرتا ہے کہ وہ بلا معنی وصف بیان کر رہا ہے جو نہ مذمت ہے نہ مدح، عالم بشریت کے عقلاء اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے، ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بارے میں کوئی ناحق بات کہیں۔

49۔ پھر تم نے کہا ہے: ابن قیم نے کہا: پھر ان مثالوں میں انوکھے اسرار ہیں جو سورت کے سیاق سے مناسبت رکھتے ہیں وہ اس طرح کہ اس سورت میں ازواج النبی ﷺ کے تذکرے اور ان کو احتجاج سے ڈرانے کے سلسلے میں گزر چکا ہے کہ اگر انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کی اور آخرت کے گھر کا ارادہ نہ کیا تو ان کو رسول اللہ ﷺ سے اتصال کا شرف فائدہ نہ دے گا۔ پھر تم نے یحیٰ بن سالم کا ابن جوزی کے حوالے سے کلام درج کیا ہے۔ [1]

پھر تم نے کہا ہے: اور اس سے واضح ترین وہ کلام ہے جو شوکانی نے اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے: ”اس شخص نے کیا خوب کہا جس نے یہ کہا: رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے قصے اور ان کے رسول اللہ پر احتجاج کے ذکر کے بعد نبی کی دو بیویوں کا تذکرہ پوری طرح راہنمائی کرتا ہے اور آفتاب نیم روز کی طرح آشکارا کرتا ہے کہ اس سے مراد ان دونوں کو بمع تمام امہات المومنین ڈرانا ہے اور اس حقیقت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اگرچہ وہ اللہ کی مخلوق سے افضل اور اس کے خاتم الرسل پیغمبر کی عصمت میں ہیں تو یہ مرتبہ انہیں اللہ کے ہاں کچھ بھی نفع نہ دے گا۔ [2]

اس بات کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: یہ بات امہات المومنین کی تربیت کے مسئلے سے خارج نہیں ہے اور ان کو اس غیرت کے

---

[1] الامثال فی القرآن، ص: 57
[2] فتح القدیر: 255/5

تجاوز سے ڈرانا مقصود ہے جو حضرت رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایذا تک پہنچتی ہے اور بلاشبہ حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف انتساب، آخرت کے عذاب سے نجات میں کافی نہیں ہے، لیکن اس سے آنحضرت ﷺ سے ازدواج کی فضیلت کو کالعدم کرنا نہیں ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے۔

ثانیاً: تمہارے کلام کے نقل کرنے میں قصور ہے اور یہ اس عبارت کو بیان کرنے سے آشکارا ہوگا جو تم نے ترک کر دی ہے اور وہ یہ ہے:

i۔ تم نے ابن قیم کی عبارت کا بقیہ حصہ چھوڑ دیا ہے، چنانچہ ابن قیم نے یحیٰ بن سلام کے کلام کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے اور اس میں: اور مومنوں کے لیے مریم کی مثال بیان کرنے میں بھی ایک اور اعتبار ہے وہ یہ کہ: اسے اللہ کے نزدیک، اللہ کے دشمن یہودیوں کا بہتان کچھ نقصان نہ دے گا جو انہوں نے اس پر اور اس کے بیٹے کی نسبت کے بارے میں لگایا جس سے اللہ نے ان دونوں کو پاک رکھا تھا اس کے باوجود وہ دنیا کی تمام عورتوں سے چنیدہ اور صدیقہ کبریٰ تھیں۔ لہٰذا نیک آدمی کے بارے میں فاجروں اور فاسقوں کی بدگوئی اسے کچھ نقصان نہ دے گی اور اگر یہ سورت واقعہ افک کے بعد نازل ہوئی ہے تو اس میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے تسلی بھی ہے اور اگر اس سے پہلے نازل ہوئی ہے تو کذاب لوگوں نے ان کے بارے میں جو کہنا تھا اس سے ان کی طبیعت کی دل جمعی مقصود ہے۔ [1]

تم نے باقی عبارت کو کس وجہ سے ترک کیا؟! کیا یہ استدلال میں (مطلب کی بات کے) چناؤ سے تعلق نہیں رکھتی؟! اور تم نے اس شخص پر تشنیع کی ہے جو استدلال کرنے میں (اپنے مطلب کی بات) چنتا ہے؟!

ii۔ تم نے امام شوکانی کی عبارت کاٹ کر بیان کی ہے اور یہ انصاف پسندوں کا طریقہ نہیں جو عبارت تم نقل کی وہ اس کے اس قول پر ختم ہوئی ہے (فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا) اور اس کے بعد بلافاصلہ عبارت یہ ہے (اور اللہ نے ان دونوں کو اس احتجاج کے گناہ سے پاک قرار دیا کیونکہ ان سے صحیح اور خالص توبہ وقوع پذیر ہوئی تھی) پس تم نے اس عبارت کو نقل نہیں کیا جس میں اس عالم نے ان دونوں کا تزکیہ ثابت کیا، باوجود اس کے کہ امام شوکانی پہلے

[1] الامثال فی القرآن، ص: 57-58۔ اعلام الموقعین: 1/255-228

زیدی شیعہ تھا پھر اللہ نے اسے حق قبول کرنے کی ہدایت دی اور جب وہ آیات کی تفسیر کرتا تھا تو شیعہ مذہب کو ذہن میں حاضر رکھتا تھا اور وہ یہاں امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے بارے میں امامیہ کا ردّ کر رہا ہے۔ کیا تمہارا یہ فعل، استدلال میں انتقاء (مطلب کی بات اخذ کرنے) کے طریق سے نہیں ؟!

50۔ تم نے کہا ہے: 5۔ عدالت صحابہ کے بارے میں علماء کے اقوال۔

اس کے بعد تم نے میرا قول بیان کیا ہے: اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی وہ اہل السنہ ہیں اور شیعہ نہیں ہیں، کیونکہ شیعہ میں سے تو کچھ تو انہیں کافر سمجھنے والے ہیں اور کچھ ان کی مذمت کرنے والے ہیں، میری مراد متاخرین امامی شیعہ ہیں بغیر استثنا کے۔ پھر تم نے کہا ہے: اے میرے عزیز بھائی! میں کہتا ہوں، تم میرے نزدیک نہایت عزیز تھے کیونکہ میں نے تم میں انصاف دیکھا۔۔۔ یہاں تک کہ تم نے کہا: کس طرح تم پر عدالت صحابہ کے بارے میں اہل السنہ اور شیعہ کا کلام مخفی رہ گیا؟

جواب اس مسئلہ میں مجھ پر اہل السنہ کا کلام پوشیدہ ہے نہ شیعہ کا، اور میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے، اس پر اہل السنہ کی اکثریت متفق ہے، بلکہ محقق علماء نے بیان کیا ہے کہ (عدالت صحابہ) اجماعی مسئلہ ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ سوائے مبتدعین کے کوئی عالم بھی اس سے الگ نہیں ہے اور اس بات کو ابن حجر عسقلانی نے بیان کرتے ہوئے کہا: اہل السنہ نے بالاتفاق کہا ہے کہ تمام (صحابہ) عادل ہیں اور اس مسئلے میں سوائے مبتدعین کے کسی نے علاحدگی اختیار نہیں کی۔ [1]

اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ (الاجوبۃ الوافیۃ: 471/2) میں لکھا ہے کہ جان لو کہ سوائے کسی شاذ شخص کے تمام اہل السنہ نے اس مسئلہ پر اجماع کیا ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور امت پر ان کی تعظیم واجب ہے۔

اور جو اقوال تم نے بیان کیے ہیں ان سے بسا اوقات گمان ہوتا ہے کہ وہ مذہب اہل السنہ کے خلاف ہیں حالانکہ وہ ایسے نہیں ہیں۔

ابن حاجب مخالف اقوال کو تمریض (بودے) صیغے سے بیان کیا ہے۔

---

[1] الاصابۃ: 10/1

چنانچہ اس نے کہا: (قِيْلَ: كَغَيْرِهَمْ اور قِيْلَ اِلٰى حِيْنِ الْفِتَنِ ---)اور اس نے قول کو علمائے اہل السنہ میں سے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔

اور اسی طرح صاحب جمع الجوامع کی روایت ہے اس نے کہا(وَ الْاَكْثَر ---)ضعیف اقوال کے وارد ہونے کی وجہ سے کہ اجماع کے بیان سے حرج سے نکلنے کے لیے اور اختلاف میں ضعیف اقوال کسی شمار میں نہیں لائے جاتے۔ عدالت صحابہ کا مقصد ان کی روایت کو بغیر بحث و تمحیص کے قبول کرنا ہے اور اس پر تمام محدثین نے اجماع کیا ہے اور ان میں سے کسی کی طرف سے ایسی بات نہیں آئی کہ اس نے جہالت یا عدم عدالت کی بنا پر کسی ایسے صحابی کی روایت کو ردّ کیا جس کی صحابیت ثابت ہو چکی ہو۔

اس طرح فقہاء کرام اور اصولیین اور مفسرین کی طرف سے یہ بات سامنے نہیں آئی کہ ان تمام شخصیات میں سے کسی نے صحابی کی روایت کو ردّ کیا ہو یا عدم عدالت کے شبہے کی وجہ سے اسے قبول کرنے میں توقف کیا ہو اور ان کے حالات پر مشتمل کتب کا مطالعہ کرنے والا اس چیز کو وضاحت سے لکھا ہوا پائے گا۔

امام شوکانی صنعانی (ارشاد الفحول، ص: 126) پر لکھتے ہیں: جان لو کہ جو کچھ ہم نے راوی کی عدالت کی تقدیم کے وجوب کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ غیر صحابیہ کے بارے میں ہے جہاں تک صحابہ کرام کا معاملہ ان کے بارے (میں عدالت کے ثبوت) میں کوئی شرط نہیں کیونکہ ان کے بارے میں اصلاً عدالت ہے لہٰذا ان کی روایت کو ان کے احوال کی پڑتال کیے بغیر قبول کرنے کا سبب یہ ہو کہ وہ شریعت کے ناقل ہیں اگر ان کی روایت کے قبول کرنے میں توقف کیا جائے تو شریعت حضرت رسول اللہ ﷺ کے عہد تک محدود ہو جائے اور وہ سارے ممالک تک نہ پہنچ سکے۔ [1]

51۔ آنجناب نے تفتازانی کے قول کو (ص: 10، 11) میں مختصراً اور مطولاً وارد کیا ہے اور وہ عن قریب آگے درج کیا جائے گا اور اس میں اس کا قول ہے: صحابہ رضی اللہ عنہم میں جس طرح کہ کتب تاریخ میں لکھا گیا ہے کہ ان میں باہمی لڑائیاں اور جھگڑے ہوئے اور ثقہ لوگوں کی زبانی مروی ہے کہ یہ سب کچھ ظاہری طور پر دلالت کرتا ہے کہ ان میں کچھ صحابہ حق کے راستے سے ہٹ

[1] شرح المقاصد: 3/530۔531

گئے اور وہ ظلم اور فسق کی حد تک پہنچ گئے اور اس کا سبب کینہ، عناد، حسد، جھگڑا اور حکومت اور ریاست کی طلب تھی۔

پھر وہ کہتا ہے: حضرت نبی کی ملاقات کرنے والا ہر آدمی خیر سے موسوم نہیں ہے البتہ علماء نے اصحاب رسول ﷺ کے بارے میں اپنے حسن ظن کی وجہ سے ان کے شایان شان عذر اور تاویلات بیان کی ہیں اور وہ اس طرف گئے ہیں کہ وہ محدود (حفاظتی دیواروں) میں ہیں اس چیز سے جو تضلیل اور تفسیق کو واجب کرتی ہے، مسلمانوں کی عدالت کو کبار صحابہ کے حق میں لغزشوں اور ضلالت سے بچانے کے لیے خصوصاً ان میں سے مہاجرین اور انصار کو جنہیں دار القرار میں ثواب کی بشارت دی جا چکی ہے۔ [1]

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: اس سے قبل تفتازانی نے کہا ہے: ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے رفعت شان پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔۔۔

اور یہاں تک کہا ہے: اور روافض میں خصوصاً غالی رافضوں کی طرف سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں مبالغات ہیں اور ان پر طعن و تشنیع ہے، ان کی بنیاد وہ حکایات اور بہتانات ہیں جن کا دوسری اور تیسری صدی میں وجود نہ تھا، خبر دار ان کی طرف کان نہ دھرنا۔۔۔ [2]

یہ قول صحابہ کرام کے بارے میں اس کے عقیدے کو آشکارا کرتا ہے۔

ثانیاً: تفتانی نے اس قول کے ساتھ اہل السنہ کے ان اقوال کا خلاف کیا ہے جو تمام صحابہ کی عدالت کو مضبوط کرتے ہیں اور سوائے اہل البدع کے کسی نے ان سے الگ رائے نہیں دی، جیسا کہ امام ابن حجر (عسقلانی) اور امام آلوسی (بغدادی) کا قول گزر چکا ہے۔

ثالثاً: تفتازانی نے اپنے کلام میں صحابہ کے اعلیٰ طبقہ پر طعن کا ارادہ نہیں کیا بلکہ جیسا کہ اس کے کلام سے واضح ہے، اس نے ان کو بری قرار دیا ہے البتہ اس کی مراد خلفائے ثلاثہ کے بعد ان کے باہمی اختلافات اور قتال میں حصہ لینے والے اصحاب ہیں۔

---

[1] شرح المقاصد: 310/3

[2] شرح العقاید: 531/3

رابعًا: اس کے کلام میں طعن ان صحابہ کے بارے میں ہے جو دور علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں قتال میں شریک تھے اور اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ دو فریقوں کے بارے میں ہو اور ہم دونوں فریقوں کو اس کے قول سے بری سمجھتے ہیں، اگرچہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس قتال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطا پر تھے اور ہم اس مقدار سے آگے نہیں بڑھتے۔

خامسًا: اس نے اپنے حکم میں کتب تاریخ پر اعتماد کیا ہے اور وہ اس بات کی استطاعت نہ پا سکا کہ معتبر کتب حدیث میں سے کسی کتاب کا حوالہ دیتا اور کتب تواریخ کے بارے میں مشہور و معروف بات ہے کہ وہ ضعیف اور مکذوب روایات سے بھری ہوئی ہیں بلکہ بعض روایات، دیگر روایات کے برخلاف ہیں اور جو قول صریح، صحیح دلائل پر مبنی نہ ہو وہ کسی شمار میں نہیں ہوتا اگرچہ وہ علماء میں سے کسی بڑے عالم کا بھی ہو۔

یہ ہے اہل السنہ کا منہج!!

52۔ آنجناب نے کہا ہے: اور یہ ہے ابو حامد الغزالی (المتوفی: 505ھ) اس نے اس کے بعد کہا ہے:

بے شک ان کی عدالت، خود اللہ تعالیٰ کی تعدیل کے ساتھ معلوم ہے اور اس نے اپنی کتاب میں ان کی تعریف کی ہے، لہٰذا ان کے بارے میں ہمارا اعتقاد یہی ہے۔

اس نے اپنے قول کے ساتھ صحابہ کے بارے میں حکم کے معاملے میں علماء کا اختلاف بیان کیا ہے: اور ایک قوم نے گمان کیا ہے کہ ان کا حال بھی دیگر لوگوں کے حال کی طرح ہے کہ ان کے بارے میں بھی بحث واجب ہے اور ایک قوم نے کہا ہے کہ ان کی عدالت کا حال ابتداء (اسلام) سے جنگوں کے ظہور اور باہمی خصومات تک تو برقرار رہے پھر حال بدل گیا اور خون بہائے گئے لہٰذا بحث کرنا ضروری ہے اور جمہور معتزلہ نے کہا ہے: عائشہ، طلحہ، زبیر اور تمام اہل عراق اور شام برحق امام سے قتال کرنے کی وجہ سے فاسق ہیں۔

اور قدریہ کے اسلاف میں سے ایک قوم نے کہا ہے: علی، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم کی شہادت ردّ کرنا واجب ہے اکٹھے ہوں خواہ جدا جدا۔۔ الخ۔ [1]

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

[1] المستصفٰی، الباب الثالث فی الجرح و التعدیل الفصل الرابع فی عدالة الصحابة: 130

اولاً: امام غزالی رحمہ اللہ نے اہل السنہ کا وہ مذہب بیان کیا ہے جس پر ان کے علماء اور ان میں سے محققین اعتقاد رکھتے ہیں، اس کے بعد اس نے ان لوگوں کے اقوال بیان کیے ہیں جن کے بارے میں پتا نہیں چل سکا کہ وہ کون تھے اور اس نے اپنے اس قول کے ساتھ ان کا آغاز کیا ہے: وَ قَدْ زَعَمَ قَوْمٌ۔۔۔ اور اس لفظ سے اس قول کو ذکر کیا جاتا ہے جس قول کو ضعیف اور ردّ کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس نے معتزلہ کا قول بیان کیا ہے اور وہ اہل السنہ کے قول سے خارج ہے۔

ثانیاً: یہ اقوال، حدیث کو روایت کرنے والے تمام محدثین اور احکام کے لیے استنباط کرنے والے فقہاء اور کتاب اللہ کی تفسیر کرنے والے مفسرین کے ہاں کوئی حیثیت حاصل نہ کر سکے، یہ اقوال تو اس غرض کی خاطر ذکر کیے گئے ہیں کہ پڑھنے والے کو محتاط کیا جا سکے کہ ان اقوال کے قائلین نے امت کے جمہور (اہل علم و فضل) سے الگ راہ اختیار کی ہے، تو ایسے اقوال کی کیا حیثیت رہی جن کا ہم عملی طور پر کوئی اثر نہیں دیکھتے، جبکہ ان کے خلاف عمل (کالاثر اظہر من الشمس) ہے۔

کیا مفرد اور شاذ اقوال، ہزاروں علماء کے اقوال کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟!

ثالثاً: ان میں سے بعض اقوال تمام جنگ بازوں پر طعن لگاتے ہیں اور ان کی شہادت کو ردّ کرتے ہیں، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی بھی، تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم ان کا اعتبار کریں یا ان کا احترام کریں؟!

شذوذ (خلاف اصول نظریے) سے کوئی گروہ بھی خالی نہیں، حتیٰ مذہب وہ قرار پاتا ہے جس پر کسی گروہ کے علماء اور محققین اتفاق کریں نہ وہ اقوال جو شاذ ہوتے ہیں چنانچہ حدیث کے انسائیکلوپیڈیا حافظ ابن حجر عسقلانی کا گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے اور اسے اپنے دور کا امام قرار دیا جا چکا ہے، اس نے فرمایا:

”اِتَّفَقَ اَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى اَنَّ الْجَمِيْعَ عَدُوْلٌ، وَ لَمْ يُخَالِفْ فِىْ ذٰلِكَ اِلَّا شُذُوْذٌ مِّنَ الْمُبْتَدِعَةِ۔“

”اہل السنہ نے اتفاق کیا ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں اور اس بات میں سوائے مبتدعین کے شذوذ کے کسی نے خلاف نہیں کیا، چنانچہ اہل السنہ کے نزدیک یہ (عبارت)

اس مسئلے کا خلاصہ ہے۔"

53۔ آنجناب نے (ص: 11) پر کہا ہے: اہل السنہ کے متقدمین اور متاخرین اکابر علماء کی جماعت نے تصریح کی ہے کہ صحابہ معصوم نہیں ہیں، ان میں عادل بھی ہیں اور غیر عادل بھی اور پیش خدمت ہے ان کے کلمات کی اصل عبارت۔۔۔ میں کہتا ہوں، ان میں سے بعض پھر آنجناب نے ان کے اقوال بیان کیے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ جناب کی گفتگو اشارہ کر رہی ہے کہ جن کے اقوال تم نے بیان کیے ہیں وہ صحابہ کی عدالت پر طعن کرتے ہیں اور یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ تم نے جن کے نام ذکر کیے ہیں وہ ان کی عدم عصمت اور ان کے فتاویٰ کی پیروی کی عدم اتباع پر گفتگو کر رہے ہیں۔ ان کا عدالت صحابہ کے موضوع کے ساتھ تعلق کہاں ہے؟ اللہ کی مشیئت سے اس کی وضاحت آگے بیان ہو گی۔"

ثالثاً: تم نے مستشرقین کے ان دم چھلوں کے نام بیان کیے ہیں جنہوں نے دین کے ساتھ برا سلوک کیا اور اس کے دشمنوں کی آراء کی جگالی کی اور ان کو اہل السنہ کے اکابر علماء قرار دیا، یہ ہے اس میں تساہل۔ میں نہیں جانتا کہ کس نے آپ کو خبر دی کہ وہ (اہل السنہ کے اکابر ہیں)۔

54۔ پھر آنجناب نے (ص: 11) پر ابن حزم کا کلام ذکر کیا ہے (یہ تو ناممکن بات ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر قائل کے قول کی اتباع کا حکم دیں اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو کسی چیز کو حلال کہتا ہے اور اس کا غیر اسے حرام کہتا ہے۔۔۔ اس نے یہاں تک کہا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے دور میں اپنی رائے کے مطابق کوئی بات کہتے اور وہ آپ ﷺ تک پہنچتی تو آپ ﷺ درست کہنے والے کی بات کو درست ٹھہراتے اور غلط کہنے والے کی بات کو غلط قرار دیتے تھے۔ [1]

اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

اولاً: ابن حزم کی اس عبارت یا اس کے باقی قول میں عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم کی نفی کہاں ہے؟ ابن حزم رحمہ اللہ اتباع کے مسئلے پر بحث کر رہا ہے، کہ کیا ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی کہی ہوئی تمام باتوں کی

[1] دیکھیے: الاحکام: 810/6

اتباع کے مامور ہیں؟!

یہ ہے ان کی بحث کا موضوع، اللہ ان پر رحم فرمائے، یہ اختلاف مسئلہ ہے اس کے متعلق علماء کے تفصیلی مباحث ہیں جن کا عدالت کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔

ثانیاً: ہم کسی بھی صحابی کی عصمت کا دعویٰ نہیں کرتے، صحابی رضی اللہ عنہ استنباط یا استدلال میں اجتہاد کرتا ہے اور اس میں غلطی کر بیٹھتا ہے تو اس کا دوسرا صحابی بھائی اس کو ردّ کر دیتا ہے اور یہ واقعی حقیقت ہے۔

جب صحابی اپنی رائے کے ساتھ نص کی مخالفت کرتا ہے تو ہمارے نزدیک اس کی روایت کا اعتبار ہے اس کی رائے کا نہیں، ہو سکتا ہے اسے وہ حدیث نہ پہنچی ہو یا کوئی دیگر سبب ہو۔

55۔ آنجناب نے (ص: 11) پر امام مازری کا قول ذکر کیا ہے کہ ہم اپنے قول الصحابة عدول سے یہ مراد نہیں لیتے کہ جس کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دن دیکھ لیا، یا مختصر وقت میں ملاقات کی یا کسی مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دن دیکھ لیا، یا مختصر وقت میں ملاقات کی یا کسی مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دین دیکھ لیا، یا مختصر وقت میں ملاقات کی یا کسی مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکٹھا ہوا اور قریب ہو کر واپس لوٹ آیا ہو، بلکہ ہم (تو صحابہ سے) مراد ان لوگوں کو لیتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدت تک ٹھہرے اور آپ کی عزت اور نصرت کی ہو اور اس نور (قرآن) کی پیروی کی ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر نازل کیا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ [1]

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: جب ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ قول ذکر کیا ہے تو اپنے اس قول سے اس کا تعاقب کیا ہے:

”وَ أَمَّا كَلَامُ الْمَازَرِيِّ فَلَمْ يُوَافِقْ عَلَيْهِ، بَلِ اعْتَرَضَهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الْفُضَلَاءِ۔“ [2]

”رہا مازری کا کلام، تو اس کی موافقت نہیں کی گئی، بلکہ فضلاء کی ایک جماعت نے اس پر

---

[1] الاصابة: 163/1

[2] ایضًا: 12/1

اعتراض کیا ہے۔ چنانچہ اس قول کو علماء نے ردّ کر دیا ہے۔"

ثانیاً: جب بات کو مازری نے بیان کیا ہے وہ مضمون کی حیثیت سے اہل السنہ کے مذہب سے نہیں نکلتا، ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم وہ ہیں جو آپ ﷺ کے ساتھ نازل ہوا، بتائیے کون سا صحابی ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ نہ رہا یا اس نے آپ ﷺ کی نصرت نہیں کی ای اس نے اس نور کی پیروی نہیں کی جو آپ ﷺ کے ساتھ نازل کیا گیا، لہٰذا وہ صحابی نہ ہوا، اختلاف تو مدت عرصہ میں ہے نہ کہ باقی پابندیوں میں۔

ثالثاً: اہل السنہ کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے اور وہ سارے ہی صحابہ کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں اور وہ عظماء صحابہ کے بارے میں امامی اعتقاد کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے۔

رابعًا: مازری نے کہا ہے: "وَ اِنَّمَا نَعْنِی الَّذِیْنَ لَازَمُوْہُ وَ عَزَّرُوْہُ وَ نَصَرُوْہُ" اور ان لوگوں کو صحابی قرار دیتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ رہے اور آپ ﷺ کو تقویت دی اور آپ ﷺ کی مدد کی۔ تو کیا آنجناب اول تا آخر ان کے کلام سے موافقت رکھتے ہیں یا صرف اتنا ہی اخذ کرتے ہیں جو آپ کے مذہب کے موافق ہے؟!

56۔ پھر آنجناب نے ابن عقیل کا کلام نقل کیا ہے کہ اس نے مازری کا گزشتہ کلام ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ سید آلوسی نے کہا ہے اور شذرات الذہب میں ابن العماد بھی اس طرف گیا ہے۔ [1]

میں کہتا ہوں، اس میں چند تصریحات ہیں:

اولاً: یہ شخص (ابن عقیل) معروف حنبلی عالم ابن عقیل نہیں ہے وہ قدیم عالم ہے اور یہ معاصر شخص مجہول اور اہل السنہ کے ہاں غیر معروف ہے اور جناب نے دو مرتبہ اس کے کلام سے دو مرتبہ استدلال کیا ہے۔

ثانیاً: اس نے آلوسی کا کلام نقل کیا ہے اور اس کے اشارے کو ترک کر دیا ہے کہ اس کا تعاقب کیا گیا ہے، چنانچہ سید آلوسی رحمہ اللہ نے کہا ہے: "وَ تَعَقَّبَہُ الشَّیْخُ صَلَاحُ الدِّیْنِ الْعَلَائِیُّ" [2]

---

[1] النصائح الکافیة: 168

[2] الاجوبة الکافیة: 474/2

کہ شیخ صلاح الدین علائی نے اس کا تعاقب کیا ہے۔ لہٰذا یہ قول متعقب ہوا اور ابن عقیل نے یہ تکملہ ذکر نہیں کیا، یہ طرز عمل اس کے مذہب (جیسا کہ آگے بیان ہوگا) پر اور نقل میں اس کی خیانت پر دلالت کرتا ہے۔

ثالثًا: ابن العماد نے تین شخصوں کے نام ذکر کیے ہیں اور وہ ہیں مروان اور ولید بن عقبہ او حکم بن ابی العاص، پھر اس نے کہا ہے: اور ان مذکورین اور ان جیسوں کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے جو روز محشر کے بارے میں بیان ہوئی ہے اور اس میں ہے کہ میں کہوں گا: اے میرے رب، میرے صحابہ۔ تو کہا جائے گا: تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا ایجاد کیا۔ اور یہ اس اجماع پر منطبق نہیں جو علماء نے عدالت صحابہ پر کیا ہے اور اس سے مراد غالب افراد ہیں اور اس نادر تعداد کو خاطر میں نہ لانا ہے جن کے احوال برے ہوگئے اور انہوں نے بغیر تاویل اور شبہے کے فتنے میں حصہ لیا۔

میں کہتا ہوں کہ جہاں تک مروان کا معاملہ ہے وہ صحابیہ نہیں ہے: لیکن پھر وہ عادل اور ثقہ تھا اور فقہائے سبعہ اور سید التابعین حضرت زین العابدینن علی بن حسین ہاشمی ایسے روایت کرتے تھے۔ جبکہ حکم بن ابی العاص کے بارے میں تاریخی روایات ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔

البتہ ولید بن عقبہ کے بارے میں قرآن نے حکم لگا دیا ہے کیونکہ اس کے بارے میں آیت ﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ [الحجرات: 6] نازل ہوئی اور اس کا فسق صحیح روایت سے ثابت ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس نے کس حالت میں اللہ کی ملاقات کی۔ [1]

---

[1] العواصم من القواصم (ط المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، لبنان، ص: 90 تا 99) میں ام حکیم بیضاء بنت عبد المطلب بن ہاشم کے نواسے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مفسرین کی روایات اور حکایات کی قلعی کھول دی گئی ہے کہ وہ روایات واہی ہیں کیونکہ مسند احمد (32/4) میں صحیح روایت ہے کہ ولید بن عقبہ فتح مکہ کے دن بچوں کے ساتھ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کو برکت کی دعا دی لیکن اس کا سر (غفرانی خوشبو سے تر تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ نہ پھیرا۔ اس عمر کے بچے کو اتنی اہم ذمہ داری کس طرح سونپی جا سکتی ہے؟!

اگر یہ فاسق ہوتا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ کام سونپا ہی نہ تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے ملٹری سیکرٹری تھے اور حضرت عمر بن خطاب کے دور میں جزیرہ کے گورنر تھے، لہٰذا نا ممکن ہے کہ یہ فاسق ہوں اور اس کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہو چکی ہو اور پھر بھی حضرت ابو بکر الصدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اس کو اپنا ملٹری سیکرٹری اور گورنر بنائیں؟ اسی وجہ سے علامہ ابو بکر ابن العربی اور علامہ محب الدین الخطیب

اور ابن العماد تو کہہ رہے ہے کہ اس طرح کے صحابی کا وجود نادر ہے اور النادر کالمعدوم ہوتا ہے لہٰذا چند افراد کو نامزد کر کے ہزاروں خوبیوں کو کس طرح رائیگاں قرار دیا جا سکتا ہے یا ہزاروں افراد کے بارے میں کیسے توقف کیا جا سکتا ہے؟! درحقیقت یہ ان منصفین کا منہج نہیں ہے جو حقیقت کے جویا ہیں۔

رابعًا: ابن العماد ان صحابہ کے درمیان فرق کر رہا ہے جو خطا میں عمداً واقع ہوئے اور جو تاویل یا شبہ کی وجہ سے واقع ہوئے، یہ اہل السنہ کا مذہب جیسا کہ ایک سے زائد علماء نے تائید کی ہے۔

عمرانی علوم کے موسس اور نابغۃ الدہور علامہ ابن خلدون اپنے مقدمۃ التاریخ (ص: 205) میں فرماتے ہیں: اور جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان فتنہ برپا ہوا تو یہ قرابت دارانہ طرف داری کا مقتضٰی تھا اور اس میں ان کا طریقہ حق اور اجتہاد کا طریقہ تھا اور وہ اپنی لڑائیوں میں دنیاوی مقصد کے طالب نہ تھے اور نہ ہی باطل کو ترجیح دینے والے اور کینے کا احساس دلانے والے تھے جیسا کہ وہم کرنے والا وہم کرتا ہے اور ملحد اس کی طرف کھینچتا ہے، بلکہ ان کا اجتہاد حق میں تھا اور ان میں سے ہر ایک نے حق کے معاملے میں ایک دوسرے کے نکتہ نظر کو سفاہت قرار دیا اور اس پر قتال کیا۔ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ارادتاً باطل پر قائم نہ تھے بلکہ انہوں نے حق کا ارادہ کیا لیکن خطا کر بیٹھے اور تمام مقاتلین اپنے مقاصد میں حق پر تھے۔

ان کی مثال حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی طرح ہے کہ ایک مقدمے کے فیصلے میں حضرت داؤد کر بیٹھے اور حضرت سلیمان نے درست فیصلہ دیا تو اللہ نے حضرت داؤد کی مذمت نہیں کی اور حضرت سلیمان کی تعریف فرمائی۔

الحسنی والحسینی اور مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے حضرت ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس آیت کے شان نزول کی تردیک کی ہے، باقی اس کو شراب نوشی کے الزام میں حد خمر لگنا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر سے قرابت کی پاس داری کی تہمت کو دور کرنے کے لیے جھوٹے کوفی گواہوں کی شہادت پر ان کو حد لگوائی اور پھر فرمایا: ہم تجھ پر اللہ کی حد نافذ کرتے ہیں اور جھوٹوں کی جھوٹی گواہی ان کو دوزخ میں لے جائے گی۔ ہمارے علماء کو نقل پر اعتماد کرنے کے ساتھ ساتھ خداداد عقل سے سوچنا چاہیے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ (نعوذ باللہ) فاسق ہو اور شیخین ان کو اپنا ملٹری سیکرٹری اور گورنر مقرر کریں، اللہ کے بندے ذرا سوچیے کہ حضرت ولید رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ کردار اور جہاد کی گواہی تو امام عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ نے دی تھی جس نے حضرت یزید بن انس اسدی کے ہمراہ مل کر ابراہیم بن اشتر نخعی کو عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ جنگ میں شامل کر کے شہدائے کربلا کے خون کا بدلہ لیا تھا۔

خامسًا: ابن العماد نے ان تینوں کے نام ذکر کیے اور اپنی گفتگو میں ان کی طرف اشارہ کیا، اس کی گفتگو میں ایسی چیز کہاں ہے جو عموم پر دلالت کرتی ہے؟! اور جناب کے لیے ان کا حال واضح ہو چکا ہے۔ یہ ہے اہل السنہ کے اس گروہ کے اعتقاد کا خلاصہ۔ ❶

57۔ آنجناب نے امام ذہبی کا قول ذکر کیا: اور اگر ہم (جرح وتعدیل کا) باب اپنے آپ پر کھول دیں تو اس میں صحابہ کرام اور تابعین کرام اور ائمہ کی خاصی تعداد داخل ہو جائے گی۔ چنانچہ بعض صحابہ نے کسی نہ کسی تاویل کی بنا پر بعض صحابہ کو کافر قرار دیا اور اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور ان کو بخش دے گا، وہ معصوم نہ تھے اور ہمارے نزدیک ان کا اختلاف اور باہمی قتال ان کی شان کو نرم کرتا ہے۔ ❷

یہاں چند تصریحات ہیں:

اولًا: ذہبی کی مراد یہ ہے کہ اگر ہم تاویل وغیرہ کی وجہ سے ہر خطاکارانہ عمل کی وجہ سے تنقید کا دروازہ کھول دیں تو عالم بشر میں سے کوئی بھی سلامت نہیں رہ سکتا، نہ کوئی صحابہ اور نہ کوئی ان کے علاوہ۔ اور اس کی یہ بات صحیح ہے جیسا کہ اس کا یہ قول وضاحت کر رہا ہے: ''چنانچہ بعض صحابہ نے بعض کو تاویل کی وجہ سے کافر قرار دیا۔''

اور اس طرح کی باتیں فضلاء زمان وغیرہ سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ ❸

کیا آنجناب نہیں دیکھتے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے اجتہاد کی وجہ سے اور اس کے ظاہری فعل کی وجہ سے فرمایا: فَقَدْ نَافَقَ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ آپ رضی اللہ عنہ کو سزا دی اور نہ آپ رضی اللہ عنہ کو ملامت کی کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے شبہ کی بنا پر کہا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ پر اہل بدر کے بارے میں اللہ کا حکم مخفی تھا حتی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کو

---

❶ ابن العماد اپنی گفتگو میں ان لوگوں کی مثال بھی کرنی چاہیے تھی جنھوں نے اذان نبوی، نماز پنجگانہ کے اوقات اور ان کی ادائیگی کا طریقہ بدل دیا اور حب اہل بیت کی آڑ میں اہل اسلام پر یہود ونصاریٰ او ہلاکو خاں سے حملے کروائے اور ہاشمی عباسی خانوادے کو تہہ تیغ کروایا۔

❷ اضواء علی السنة المحمدية، ص: 342 منقول از رسالة عن الثقات للذهبی: 21/3

❶ جیسا کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ کی زبان سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے اموال فدک کے تصرف میں اختلاف کی وجہ سے ہو گئی تھیں لیکن اہل السنہ کی بلند اخلاقی دیکھیے کہ دونوں کو محترم ومکرم اہل بیت سمجھتے ہیں اور ان کے باہم جھگڑے کو وقتی غصہ قرار دے کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

واضح کیا۔

ثانیاً: ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بشریت کا انکار نہیں کرتے لیکن ہم ان کی (قبول اسلام میں) سبقت اور (حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی) صحبت اور دین کی نصرت کی خاطر ان کے جہاد کا اعتراف کرتے ہیں اور یہ سارے اعمال اور احوال ان کے مرتبے کو بلند کرتے ہیں۔ کیا آپ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں دیکھتے کہ انہوں نے ایک بڑے معاملے کا ارتکاب کیا تو غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں ان کی گزشتہ عظیم فضیلت نے ان کی شفاعت کر دی۔

ثالثاً: امام ذہبی نے اپنی گفتگو اپنے اس قول پر ختم کی ہے۔ (امت کا) عمل، ان کی عدالت اور ان کی بیان کردہ روایات کو قبول کرنے پر ہے۔ یہ ہے اختلاف کا ثمرہ، چنانچہ امت نے عملی اعتبار سے بغیر کسی توقف اور بحث و کرید کے ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔ باقی رہا ان کا غلطی سے معصوم ہونا تو اہل السنہ میں اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

58۔ آنجناب نے تفتازانی کلام درج کرنے کے بعد لکھا ہے: اور اس بات کی تائید وہ خطاب بھی کرتا ہے جو ابو بکر نے مہاجرین کو کیا تھا کہ تم دنای اور ریشمی پردوں اور دیباج کے کپڑوں اور ریاست کے خواہاں ہو اور تم میں ہر ایک اپنی ذات کے ریاست چاہتا ہے اور تم سب نے اپنی ناک متورم کر لی ہے۔ [1]

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: امام ہیثمی نے اس روایت کے ایراد کے بعد لکھا ہے: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں علوان بن داؤد بجلی ہے اور وہ ضعیف ہے اور یہ وہ اثر ہے جس کی وجہ سے اس پر نکیر کی گئی ہے۔ اور آنجناب نے اسے بیان نہیں کیا اور علمی دیانت داری تقاضا کرتی ہے کہ آپ اس روایت کی تضعیف بھی بیان کرتے ہیں بلکہ آپ تو محدث ہیں اور آپ نے اس ضعیف روایت سے استدلال ہی نہ کرتا تھا۔

ثانیاً: آنجناب نے منقول روایت کے الفاظ میں بھی تصرف کیا ہے چنانچہ اس کے الفاظ اس طرح ہیں (۔۔۔ اور میں نے اپنے بعد تمہارے لیے (اولی الامر) کے بارے میں عہد لیا ہے اور میں

[1] مجمع الزوائد: 202/5۔ معجم طبرانی الکبیر: 162/1

نے اپنی دانست میں تمہارے لیے تم میں سے بہتر انسان کو پسند کیا ہے، پس تم سب کے اس امید کے لیے ناک سوج گئے کہ امیر خلافت اس کے لیے ہوتا اور میں نے دنیا کو کہ و در آئی ہے اور جب وہ آتی ہے تو خیانت کے لیے آتی ہے اور تم عنقریب اپنے گھروں کو ریشمی پردوں سے سجاؤ گے۔۔۔)

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تم دنیا اور ریشمی پردوں کے خواہاں ہو تو آنجناب (تُرِیْدُوْنَ) کہاں سے لے آئے؟! کیا یہ پر علمی امانت میں خلل نہیں ہے؟!

ثالثًا: اس روایت کی سند میں علوان بن داؤد ہے اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں (منکر الحدیث) اور اسی طرح ابو سعید بن یونس نے کہا ہے اور امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی روایت کی متابعت نہیں جاتی اور یہ اس کے بغیر پہنچانا بھی نہیں جاتا۔ (1)

جس راوی کا یہ حال ہے اس کی روایت سے عظمائے صحابہ کے بارے میں استدلال کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟!

رابعًا: جو شخص حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو جانتا ہے اور صحیح روایات سے ان کے لوگوں سے خطاب سے واقف ہے وہ ادراک کر لیتا ہے کہ اس کا ان کے طرز خطاب سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ اس اثر کے الفاظ میں جس قدر خشکی، سختی اور بہتان ہے اس کی مثال ان کے کلام سے معلوم نہیں ہوئی، بلکہ فضلاء صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال میں بھی ایسا اسلوب بیان نہیں ملتا۔

59۔ آنجناب ابن خلدون کا قول بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے: بے شک تمام کے تمام صحابہ اہل فتاویٰ میں سے نہیں تھے اور نہ ہی ان تمام سے دین حاصل کیا گیا ہے بلکہ وہ حاملین قرآن سے خاص تھا جو اس کے ناسخ اور منسوخ اور اس کے متشابہ اور محکم کو جاننے والے تھے۔ (2)

میں کہتا ہوں کہ ابن خلدون کا کلام عدالت صحابہ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ فتویٰ کے بارے میں ہے اور یہ درست ہے کہ وہ سب کے سب فتوی دینے والے علماء نہیں تھے اور اہل السنہ میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ وہ تمام فتویٰ دینے والے فقہاء تھے۔ اس لیے جب فتویٰ دینے والے صحابہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان کی قلیل تعداد ہی بیان کی جاتی ہے اور اس بات کا عدالت صحابہ سے کوئی تعلق

---

(2) الضعفاء الكبير: 419/3۔ ميزان الاعتدال: 108/3

(1) تاريخ ابن خلدون: 446/1

ہی نہیں۔ پھر آپ لوگوں کے ہاں سوائے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قرآن کے حامل اور اس کے ناسخ اور منسوخ۔۔۔الخ کو جاننے والا کون ہے؟!

60۔ آنجناب نے الفتنۃ الکبری (170۔173) کے حوالے سے طہ حسین کے حوالے سے بہت کچھ بیان کیا ہے جس میں اس نے (صحابہ کرام) کے درمیان فتنوں اور اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور جو کچھ روایات میں بیان ہوا ہے وہ ان کی تکذیب جائز نہیں سمجھتا اس دعویٰ کی بنیاد پر کہ یہ بات تاریخی پہلو سے ان کی باقی روایات پر بھی اثرانداز ہو گی۔

میں کہتا ہوں کہ طہ حسین ملحد ادیب ہے، اس پورے دین پر طعن و تشنیع کی ہے اور قرآن کو جھٹلایا ہے اور اس پر حیلہ سازی کی تہمت دھری ہے، اس کے بعد کسی بھی دینی مسئلے پر اس (بے بصیرت اور بصارت) کے قول سے کس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے؟!

اس کا الحاد اس کی بہت سی کتابوں سے عیاں ہے، اس کی کتابوں میں سے مشہور کتاب جاہلی شعر کے بارے میں ہے جو 1926ء میں طبع ہوئی اور اس نے بہت بڑا ہنگامہ کھڑا کر دیا اور مصر کی پارلیمنٹ میں اس کا مواخذہ کیا گیا اور بازار سے اس کے نسخے اکٹھے کیے گئے۔ اس کتاب میں وہ کہتا ہے۔

تورات کو حق حاصل ہے کہ وہ ہمیں ابراہیم اور اسماعیل کے بارے میں بیان کرے اور قرآن کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ بھی ان دونوں کے بارے میں بیان کرے لیکن تورات اور قرآن میں ان دونوں کے ناموں کا ورود ان کے تاریخی وجود کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، چہ جائے کہ اس قصے کو ثابت کیا جائے جو اسماعیل بن ابراہیم کی مکہ کی طرف ہجرت کی بنیاد بنا اور اس میں عرب مستعربہ کا وجود میں آنا اور ہم اس بارے میں اعتقاد رکھنے پر مجبور ہیں کہ یہ قصہ دین اسلام اور دین یہودیت کی جانب سے عربوں اور یہودیوں کے درمیان تعلق جوڑنے کے حیلے کی ایک قسم ہے اور دوسری جانب سے قرآن اور تورات کے درمیان تعلق ثابت کرنے کا بھی۔

یہ اور اس طرح کی دیگر عبارتوں کو ڈاکٹر محمد محمد حسین نے: اتجاہات الادبیہ الوطنیہ فی الادب المعاصر (299/2) میں ذکر کیا ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایسا آدمی مسلمان ہو اور پھر وہ اللہ کے دین کے بارے میں فتویٰ دینے والا مفتی ہو؟!

جب قرآن کے بارے میں اس کا یہ کلام ہے تو وہ اس کے حاملین کے بارے کیا کہتا ہوگا؟!

تعجب ہے کہ جو شخص ان لوگوں میں ہے جو اسلام کی طرف منسوب ہیں اور وہ اپنے دین میں متہم ہے اس کا کلام آپ کو راس آیا ہے، کیونکہ اس نے آپ کے مذہب کی موافقت کی ہے!!

61۔ آنجناب نے (ص: 13) پر کہا ہے: ڈاکٹر احمد امین (ت: 1373ھ) نے کہا ہے: ہم نے دیکھا ہے کہ صحابہ بذات خود ایک دوسرے پر تنقید کرتے تھے بلکہ بعض صحابہ بعض پر لعنت کرتے تھے۔۔۔ الخ۔ ❶

جواب: آنجناب نے ایسے طریقے سے عبارت کو کاٹا اور ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے جو آپ کی ذات کے مناسب نہ تھا: عبارت محولہ احمد امین کی نہیں ہے، وہ تو معتزلہ کی بات بیان کر رہے ہیں اور آپ نے جو عبارت نقل کی ہے اس سے فقط پانچ سطریں قبل اس نے کہا ہے: اور اس کے بعد معتزلہ کی امامت اور تاریخی حادثات کے بارے میں آراء ہیں۔۔۔ الخ۔ اس نے یہاں تک کہا کہ ان کی کلام میں ایسی چیزیں ہیں جو واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ انہوں نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو عام لوگوں کے مقام پر رکھا ہے۔۔۔ بلکہ انہوں نے کہا ہے۔

ہم نے صحابہ کو دیکھا ہے کہ وہ بذات خود ایک دوسرے پر تنقید کرتے تھے بلکہ ان میں سے بعض، بعض پر لعنت کرتے تھے۔ ❷

چنانچہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں وہ معتزلہ کا مذہب بیان کر رہا ہے اور جیسا گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ ان کے منہج سے مشہور ہے کہ وہ صحابہ کے بارے میں طرح طرح کے مذاہب رکھتے ہیں، کوئی تو بعض مقاتلین پر طعن و تشیع کرتے ہیں اور کوئی تمام مقاتلین پر طعن کرتے ہیں اور معتزلہ کے مذاہب اہل السنہ کے نزدیک مہجور اور مقہور ہیں اور ان کے مذاہب کو مستشرقین سے متاثر لوگوں نے زندہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اور ان میں سے احمد امین بھی ہے اور وہ طہ حسین کا ہم مشرب ہے اور اس نے ہی اس کی کتاب فجر الاسلام کا مقدمہ لکھا ہے۔ (دیکھیے: مقدمۃ فجر الاسلام) (ل)

اور طہ حسین نے ثابت کیا ہے کہ وہ اور احمد امین اور عبدالحمید عبادی نظریے اور منہج میں

---

❶ ضحی الاسلام: 75/3

❶ ضحی الاسلام: 75/1

شریک ہیں۔(بحوالہ مقدمہ فجر الاسلام) (ل)

اور احمد امین طہ حسین سے خفیف تر ہے کیونکہ احمد امین کا جھکاؤ مستشرقین کی بنسبت معتزلہ کے قریب ترین ہے لہٰذا احمد امین نے وہ بات نہیں کہیں جو آنجناب نے اس کی طرف منسوب کی ہے اس نے تو اسے معتزلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان سے بیان کیا ہے۔

معتزلہ کے مختلف نظریات ہیں ان میں سے بعض تو (صحابہ پر) طعن کرتے ہیں حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی تو کیا آپ ان کے ساتھ موافقت کریں گے یا اپنے مطلب کی بات نکالیں گے ؟!

63۔ آنجناب نے ابن عقیل (متوفی 1350ھ) سے کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس نے کہا: اور ان کا ہر اس شخص کی تعدیل کرنا جس کو وہ اصطلاحاً صحابی کا نام دیتے ہیں اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرے اور اس کے کام کی تعدیل کرنے کو واجب سمجھے تو یہ ناقابل تسلیم ہے، کیونکہ اسلام کے ساتھ صحبت (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) باتفاق عصمت کا تقاضا نہیں کرتی یہاں تک کہ تعدیل ثابت نہ ہو جائے اور اس بات کی تاویل واجب ہے کہ انہوں نے اس تعدیل میں بہت سا اختلاف کیا ہے اور جمہور، عدالت کے قائل ہیں۔ [1]

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: یہ شخص اہل السنہ کے ہاں معروف نہیں ہے اور اس کے حالات زندگی اس کے شیعہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ زرکلی نے اس کی کتابوں میں سے ایک کتاب اَلنَّصَائِحُ الْکَافِيَةُ لِمَنْ تَوَلّٰى مُعَاوِيَہَ کا تذکرہ کیا ہے اور اہل السنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے براءت نہیں کرتے اور وہ صحابی (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، وہ تو انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ کرنے اور اپنے بیٹے کو سلطنت کا والی بنانے کے اقدام پر خطا کا مرتکب ٹھہراتے ہیں، لیکن وہ تاویل کرنے والے تھے اور اللہ دلوں کے بھیدوں کا والی ہے۔

ثانیاً: اس کی عبارت ہی اس طرح ہے کہ وہ گویا اپنے گروہ کے سوا کسی گروہ کے بارے میں بیان کر رہا ہے کیونکہ وہ ان کو دیگر گروہ کی ضمیر سے یاد کر رہا ہے۔ (تَعْدِيْلُهُمْ --- سَمُّوْهُ ---) یہ طرز تحریر اشارہ کر رہا ہے کہ وہ (بذات خود) شیعی ہے اور وہ اپنے گروہ کے سوا کسی گروہ کے بارے میں

[1] النصائح الكافية، ص: 166

بیان کر رہا ہے۔

ثالثاً: اس کا گناہ کے منکر کو صحابی کے نام سے موسوم کرنے کو غیر موزون قرار دینا، یہ تو اہل السنہ کا مذہب ہی نہیں، تو یہ ان کی منسوب کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ (شرف) صحبت کو محض گناہ کی وجہ کالعدم نہیں قرار دیا جا سکتا، چنانچہ صحبت باقی رہتی ہے لیکن گناہ جب عمداً ہو تو وہ اپنے صاحب کے مرتبے کو اس صحابی کے مرتبے سے گھٹا دیتا ہے جو گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا اس لے ی اہل السنہ کے ہاں صحابہ کے مرتبے ہیں۔

رابعًا: اس کا یہ گمان کرنا کہ وہ (اہل السنہ) صحابیہ کے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کی تاویل کرتے ہیں، یہ مردود (گمان) ہے کیونکہ کسی عالم نے بھی شراب نوشی، زناکاری جیسے کبیرہ گناہ کے مرتکب کے ارتکاب کی تاویل نہیں کی اور بحمد اللہ صحابہ میں سے قلیل سے اقل صحابی بھی نہیں پایا گیا جس نے ایسا کیا ہو اور جنہوں نے ایسا کیا ان کی تعداد اکائیوں سے بھی تجاوز نہیں کر سکی۔

بتایئے ان لوگوں کی تعداد کتنی ہے جو ان کبائر گناہوں کے مرتکب ہوئے؟ اور وہ کون ہے جس نے ان کے لیے تاویل کی؟

اور جس دعویٰ کی تائید، دلیل ہی نہ کرے وہ دعویٰ مردود ہے۔ اگر کبائر سے مراد وہ جنگ ہے جو ان کے درمیان واقع ہوئی تو یہ تاویل سے واقع ہوئی، کیونکہ ہر فریق گمان کرتا تھا کہ وہ حق پر ہے اروہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے ارادتاً گناہ کا ارتکاب کرنے والے نہ تھے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں۔

خامسًا: اس نے گمان کیا ہے کہ انہوں (یعنی اہل السنہ) نے تعدل (صحابہ) میں بہت سا اختلاف کیا ہے، یہ تسلیم سے باہر ہے تمام اسلاف کرام نے ان کی تعدیل پر اتفاق کیا ہے البتہ چھٹی صدی ہجری کے بعد کے افراد نے اختلاف کیا ہے اور افراد کے اقوال کی علماء کے جم غفیر کے اتفاق کے مقابلے کیا حیثیت ہے اور ان مذکورین کے بارے میں تامل کرتے ہوئے ہمیں نظر آتا ہے کہ متکلمین کا تو احادیث و آثار سے کوئی تعلق نہیں (وہ تو فلاسفہ یونان کے پرستار ہیں) باقی رہے افراد تو وہ اہل

امت کا کبار صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر پر اجماع ہے۔

63۔ آنجناب نے علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے: ہمارے لیے کس طرح جائز ہے کہ ہم تصور کریں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے جائز قرار دیں کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر آدمی کی اقتدا کریں حالانکہ ان میں عالم بھی تھے اور علم میں متوسط بھی تھے اور کوئی ان سے بھی علم سے کم تھے۔۔۔ [1]

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اہل السنہ والجماعۃ کا اعتقاد بیان کر رہے ہیں کہ وہ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم ہر صحابی کی اقتدا جائز ہے اور نہ ہی اہل علم میں سے کسی کو جانتے ہیں اس نے ہر صحابی کی اقتدا کے جواز کا فتویٰ دیا ہو۔

ثانیاً: عظمائے صحابہ جیسے حضرت ابو بکر الصدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی ابو السبطین رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے قریب قریب علم و فضل والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا کی جائے گی اور ان کے علم و فضل کی وجہ سے ان کے فتاویٰ جات کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

ثالثاً: عدالت صحابہ کا اس موضوع سے تعلق ہی نہیں ہے کسی عادل ہونے کا معنی یہ نہیں کہ اس کی اقتدا کی جائے گی، عدالت تو شخصی مسئلہ ہے اس کا تعلق کردار اور معاملے سے ہے، اس کی یہ شرط نہیں کہ وہ عالم اور مفتی ہو۔

چنانچہ ایسا کوئی شخص نہیں کہ اس کے بارے میں (عدل) کہا گیا ہو اور اس کا معنی (قدوۃ) ہو، میں نہیں سمجھ پایا کہ جناب نے کہاں سے سمجھ لیا کہ عدالت کا معنی (اقتدا) ہے اور جو حدیث جناب نے درج کی ہے اس کا بطلان آپ کے لیے واضح ہو چکا ہے اور آنجناب نے ہمارے لیے کی عالم کا نام ذکر نہیں کیا جس نے وہ بات کہی ہو جو آپ نے کہی ہے۔ جبکہ مذکورہ بالا عدالت سے مراد ان کی روایات پر اعتماد ہے نہ کہ ان کی آراء کو درست قرار دینا۔

64۔ آنجناب نے گزشتہ قول کے بعد کہا ہے: اور اس کے قریب قریب ہی ارشاد الفحول (158) میں امام شوکانی (متوفی: 1255ھ) سے اور اضواء علی السنۃ المحمدیہ (356) میں شیخ محمود ابوریہ

---

[1] سلسلة الاحاديث الضعيفة: 82/1

(متوفی: 1370ھ) اسے اور شیخ محمد عبدہ (متوفی: 1322ھ) سے اور تفسیر المنار (375/10) میں سید محمد رشید رضا (متوفی 1354ھ) سے اور اعجاز القرآن (141) میں علامہ رافعی (متوفی 1356ھ) سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: آنجنابنے متضادات کو اکٹھا کر دیا ہے: ان لوگوں کو سنت کا دفاع کرتے ہیں اور اس کی پیروی کی حرص رکھتے ہیں اواس آدمی کو جو سنت محمدیہ سے محاذ آرائی کرتا ہے اور اس پر خروج کرتا ہے جیسا کہ آگے بیان ہو گا اور آنجناب نے اسے شیخ کے لقب سے ملقب کیا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ جناب اس کے بارے میں جانتے بھی ہیں یا نہیں ؟!

ثانیاً: جبکہ امام شوکانی رحمہ اللہ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس بات کے برعکس ہے جو جناب نے بیان کیا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا: خوب جان لے کہ جو کچھ ہم نے راوی کی عدالت کے بارے میں جانچ پڑتال کے وجوب کو جو اولیت دی ہے، وہ صحابہ کرام کے سوا راویوں کے بارے میں ہے، صحابہ کرام کے بارے میں نہیں، کیونکہ ان کے متعلق بنیادی نظریہ عدالت ہے لہٰذا ان کی روایات بغیر بحث تمحیص کے قبول کی جائیں گی، ابن حاجب اسے بہت سے ائمہ اصول کے حوالے سے بیان کیا ہے اور قاضی نے کہا ہے: یہ قول سلف اور جمہور خلف کا ہے اور جوینی نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے۔ [1]

پھر انہوں نے تین اور اقوال ذکر کیے ہیں اور ان کا رد کیا ہے۔

ثالثاً: ابوریہ اہل السنہ میں سے نہیں ہے بلکہ وہ تو ان کے خلاف خروج کرنے والا ہے اس نے ایک کتاب بعنوان اضواء علی السنۃ المحمدیۃ لکھی اور 1951ء کو شائع کی اور علماء نے اس کا رد لکھا اور رد لکھنے والوں میں ڈاکٹر محمد ابوشہبہ، ڈاکٹر محمد سماجی، ڈاکٹر محمد سماجی، ڈاکٹر سباعی، ڈاکٹر سلیمان ندوی اور علامہ محب الدین خطیب (الحسینی) وغیرہ ہیں۔ اللہ ان سب پر رحم فرمائے۔

اور مشہور ترین کتابیں جو اس کے رد میں لکھی گئیں ان میں سے عبدالرزاق حمزہ کی کتاب ظلمات ابی ریہ امام اضواء السنۃ المحمدیہ اورالانوار الکاشفۃ لما فی اضواء السنۃ من الزلل و التضلیل و المجازفۃ ہیں۔

[1] ارشاد الفحول، ص: 26

ڈاکٹر مصطفی سباعی نے اپنی کتاب السنة و مکاناتها فی التشریع الاسلامی کے ضمن میں ان جوابات کا قدرے ذکر کیا اور انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمے میں ابوریہ کی کتاب کے مصادر بیان کیے ہیں اور وہ درج ذیل مصادر میں منحصر ہیں۔

(i)معتزلی ائمہ کے نظریات (ii) غالی شیعی ائمہ کے نظریات (iii) مستشرقین کے نظریات، مستشرقین سے مراد وہ یورپین عیسائی لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں تشکیک پھیلانے کی غرض سے مشرقی علوم پڑھے ہیں۔ (iv) بعض ادبی کتابوں میں درج شدہ حکایات (v) مولف ابوریہ کے سینے میں دفن شدہ خواہشات جو سالہا سال سے کھٹک رہی تھیں السنة و مکانتها فی التشریع (ص18) کیا اس قماش کا آدمی اس لائق ہے کہ اس کے کلام سے شہادت لی جائے ؟!

رابعًا: شیخ محمد عبدہ اور سید رشید رضا کا کلام۔

میں نے اس مجلد میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جس کا اس موضوع سے کوئی تعلق ہو، میں نے اس میں جو کچھ پایا ہے وہ شیعہ کی مذمت اور ان کے مذہب کی عدم سلامتی کی تاکید ہے۔ (الخ، ص: 11، 135)

65۔ آنجناب نے کہا ہے: بعینہ یہی امامی شیعوں کی رائے ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ کلام جو آنجناب نے بیان کیا ہے میں نہیں سمجھ سکا کہ اس سے مقصد کیا ہے ؟! آیا یہ گزشتہ کلام کا حوالہ ہے، ان میں سے کئی تو اسلام کے برخلاف خروج کرنے والے ہیں اور کوئی ائمہ اعلام ہیں اور یہ متضادات کو اکٹھا کرنا ہے کاش کہ آنجناب جو چاہتے ہیں اسے واضح کر دیتے، کیونکہ جناب نے متناقض اقوال کا حوالہ دیا ہے۔

ان میں سے بعض کبار صحابہ کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے سوا کے بارے میں توقف کرتے ہیں اور ان میں سے بعض علماء صحابہ کی آراء پر گفتگو کرتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کو واجب نہیں سمجھتے ۔۔۔الخ۔ کیا آپ ان تمام کی آراء سے اتفاق کرتے ہیں ؟!

باقی آپ کا دعویٰ کہ یہ شیعہ امامیہ کی رائے ہے یہ وضاحت کا محتاج ہے تاکہ آپ کی مراد کا پتا چل سکے، کیونکہ جو آپ نے اپنے جواب میں درج کیا ہے وہ آپ کے ہاں مقبول بھی ہے اور مردود

بھی، تو کیا آپ ان تمام باتوں کے قائل ہیں۔

66۔ آنجناب نے کہا ہے: بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ جو کوئی صحابہ کے بعد آئے گا وہ ان سے افضل ہو گا جیسا کہ قرطبی نے کہا ہے اور ابن عبد البر (متوفی 463ھ) اس طرف گیا ہے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جو آدمی صحابہ کے بعد میں آئے گا وہ جملہ صحابہ میں سے کسی سے افضل ہو گا اور حضرت رسول اللہ ﷺ کا فرمان: خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ---اپنے عموم پر نہیں اس دلیل میں جو فاضل اور مفضول دور کو جمع کر دے اور آپ کے دور نے ایمان کو ظاہر کرنے والے منافقین اور کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کو اکٹھا کیا ہے جن پر یا ان میں سے بعض پر آپ ﷺ نے حدود کا نفاذ کیا۔۔۔ [1]

جواب: ابن عبد البر رحمہ اللہ صحابہ کو دو قسموں میں تقسیم کرتا ہے:

پہلی قسم: وہ سابقوں الاولون جو اسلام لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور غزوہ بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔

دوسری قسم: جو ان کے بعد شرف صحبت سے مشرف ہوئے۔ وہ سمجھتا ہے کہ پہلی قسم کے صحابہ کے درجے کو نہیں پہنچا جا سکتا۔ لیکن بعد والوں کے ساتھ عمل کے اجر کی حد تک پہنچنا ممکن ہے۔ (شرف صحبت نبوی ﷺ میں نہیں) اور یہ لوگوں کے بگاڑ کے دور میں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد میں آنے والے مومنین کی تعریف میں وارد ہونے والی احادیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: ایک قوم نے ان احادیث کا اس حدیث سے معارضہ کیا ہے جو حضرت رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ اور یہ حدیث جید اور حسن المخرج ہے اور یہ میرے نزدیک معارض نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کا قول: خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ

اس دلیل کے ساتھ جو اسے جمع کرتا ہے اپنے عمومی معنی میں نہیں ہے۔ الخ

گزشتہ کلام کے مطابق پھر اس نے حدیث بیان کی ہے: لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ اور آیت درج کی ہے: ﴿﴾ [آل عمران: 110] اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے، پھر کہا ہے: اور ابن

[1] تفسیر قرطبی: 171/4

عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ کے بارے میں کہا ہے: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور غزوہ بدر اور حدیبیہ میں شامل ہوئے۔ یہ گواہی دے رہا ہے کہ فضیلت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بہتر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ عموم کے اعتبار سے نکلا ہے اور اس کا معنی خصوصی ہے۔ ❶

ابن عبد البر نے (قرنی) سے مراد اصحابی کو واضح کرنے کا ارادہ کیا ہے کہ یہ لفظ عام ہے اور اس کا معنی خاص ہے تاکہ اس سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے) منافقین وغیرہ خارج ہو جائیں۔

اور شاید آپ رحمہ اللہ اس طرح اشارہ کر رہے ہوں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد والے امتیوں کا عمل صحابہ کے عمل کے برابر ہو جائے گا) جب زمانے کے لوگ خراب ہو جائیں گے اور مومنین پر آزمائش لوٹ آئے گی، تو ان کے اجر دگنے ہو جائیں گے جس طرح ابتدائے اسلام میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجر دگنے ہوئے سوائے بدر اور حدیبیہ والوں کے۔ چنانچہ آپ نے اپنے کلام کے آخر میں فرمایا: تو اس صورت میں اس امت کے اول دور عمل کی فضیلت میں اس کے آخری دور کے برابر ہو جائے گا سوائے اہل بدر اور حدیبیہ والے صحابہ کے واللہ اعلم۔ ❷

اس اعتبار سے جناب کی عبارت جناب کے کلام اور مذہب پر منطبق نہ ہوئی کیونکہ جناب نے پوری نص بیان نہیں کی ہے۔

67۔ آنجناب نے کہا: اور اسی طرح نووی نے قاضی عیاض سے اور اس نے ابن عبد البر سے (صحیح مسلم: 124/3) میں اور مناوی نے فتح القدیر میں اور مبارک پوری نے تحفۃ الاحوذی میں اور ابن حجر نے فتح الباری میں بیان کیا ہے پھر اس میں مناقشہ کیا ہے۔ ❸

میں کہتا ہوں کہ یہاں چند غور طلب امور ہیں:

اولاً: امام نووی نے حدیث: وَوَدِدْتُ اَنَّا قَدْ رَاَیْنَا اِخْوَانَنَا، قَالُوْا: اَوَ لَسْنَا اِخْوَانُكَ

---

❶ دیکھیے: التمهيد: 314/2۔315

❶ التمهيد: 321/2

❷ فيض القدير: 368/4۔ تحفة الاحوذی: 336/8۔ فتح الباری: 6/7

يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ: بَلْ اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ وَ اِخْوَانُنَا الَّذِیْنَ لَمْ یَأْتُوْا بَعْدُ لکھنے کے بعد ابن عبد البر کی گفتگو کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کی عبارت نقل نہیں کی اور بل انتم اصحابی کی شرح میں امام ابو الولید باجی اندلسی کا قول درج کیا ہے کہ اس نے کہا: یہ ان کی اخوت کی نفی نہیں ہے لیکن آپ نے ان کا اضافی رتبہ بیان ہے اور وہ ہے ان کا صحابی ہونا چنانچہ یہ بھائی صحابی ہیں اور جو ابھی تک نہیں آئے وہ بھائی ہیں، صحابہ نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ [الحجرات: 10] کہ مومنین آپس میں بھائی ہیں پھر اس نے قاضی عیاض کی بحث درج کی ہے اس نے کہا: ابن عبد البر رحمہ اللہ آخر الزمان میں آنے والے اہل ایمان کی فضیلت میں مروی اس حدیث او اس کے علاوہ احادیث میں اس طرف گیا ہے کہ صحابہ کے بعد میں آنے والے اہل ایمان میں کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے جو جملہ صحابہ میں سے کسی سے افضل ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان خیر کم قرنی سے خصوصی معنی مراد ہے: اس کا معنی ہے: لوگوں میں سے افضل میرا دور ہے یعنی مہاجرین اور انصار اور ان کی پیروی کرنے والے اس امت کے افضل انسان ہیں اور حدیث سے وہی مراد ہیں۔ البتہ جو کوئی آپ کے زمانے میں خلط ملط ہو گیا ہو اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہو یا اس کو قبول اسلام میں سبقت اور دین میں اثر حاصل نہ ہوا ہو تو آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ قرن اول کے بعد والے قرون میں کوئی ایسا (مومن) بھی ہو سکتا ہے جو اس سے افضل ہو۔ قاضی (عیاض) کہتے ہیں کہ اس طرف اس کے علاوہ معانی پر کلام کرنے والے بھی گئے ہیں۔ پھر اس نے کہا ہے: اور علماء کا جم غفیر اس کے بر خلاف گیا ہے کہ جو مومن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی بنا اور اس نے اپنی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا، اس کو صحبت کا رتبہ حاصل ہو گیا وہ بعد میں آنے والے تمام لوگوں سے افضل ہے کیونکہ صحابیت کی فضیلت کے برابر کوئی عمل نہیں۔ وہ کہتے ہیں وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اور انہوں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے دلیل دی ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کر دے تو وہ (میرے صحابہ کے) مد (512 گرام) بلکہ نصف مد (256 گرام) کے خرچ کرنے کے ثواب کو نہ پہنچ سکے گا۔ [1]

چنانچہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کی گفتگو (جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ابن عبد البر کے کلام کی تفسیر ہے

[1] دیکھیے: شرح امام نووی بر صحیح مسلم: 141/3

اور انہوں نے صحابہ کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا طبقہ: سابقون الاولون اور جو ان کے منہج پر چلے اور ان کے بعد والوں میں ان کے رتبے کو نہیں پہنچا جا سکتا۔

دوسرا طبقہ: جو خلط ملط ہو گئے اور وہ سبقت کا مرتبہ حاصل کر سکے اور بحمد اللہ سابقون میں کوئی بھی خلط نہیں ہوا اور علمائے اہل السنہ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ بعد والوں میں سے کسی کا سابقوں کے ساتھ ملنا ممکن ہے (جیسا کہ چوتھے ملاحظے میں آ رہا ہے)۔

ثانیاً: میں نے مناوی کو ابن عبدالبر وغیرہ سے حدیث وَدِدْتُّ اَنِّیْ لَقِیْتُ اِخْوَانِیْ (فیض القدیر، ح: 961) کے بارے میں کچھ بھی نقل کرتے ہوئے پایا اور جس نسخے پر آپ نے اعتماد کیا ہے وہ میرے نزدیک غیر معروف ہے اور اس حدیث کے بارے میں وہاں جو کچھ اس نے کہا ہے، وہ یہ ہے اور ان کی اخوت کو ثابت کرنا، ان کے بلند مرتبے کو ثابت کرتا ہے اور انہوں نے اخروی فضیلت حاصل کر لی جس طرح حضرت مصطفیٰ ﷺ نے اولیت کی فضیلت حاصل کی اور وہی غرباء ہیں۔

ثالثاً: میں نے آیت کریمہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: 110] پر تحفۃ الاحوذی میں ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے منقول کوئی چیز نہیں پائی اور نہ ہی اس جگہ میں جس کی طرف جناب نے اشارہ کیا ہے اور میں نے تو اس میں اس آیت پر امام ابن کثیر سے ان کا نقل کردہ کلام پایا ہے اور اس میں وہ قرن اول کی فضیلت ثابت کرتے ہیں۔ [1]

رابعاً: باقی رہا ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ تو اس نے ابن عبدالبر کے قول کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان احادیث کی تضعیف پر اس کا تعاقب کیا ہے جو اس نے اپنے مذہب کی تقویت کے لیے تمہید میں بیان کی ہیں۔ پھر کہا ہے: ہاں، جس طرف جمہور علماء گئے ہیں کہ صحابیت کی فضیلت ایسا درجہ ہے کہ کوئی اس کے برابر نہیں، کیونکہ (ایمان کی حالت میں) حضرت رسول اللہ ﷺ کا دیدار نصیب ہونا بلند ترین سعادت کا ثبوت ہے۔

اور جس صحابی کو آپ ﷺ کے دفاع کی توفیق نصیب ہوئی اور اسے آپ کی طرف ہجرت یا آپ کی نصرت کی سعادت ملی اور اس نے آپ ﷺ سے حاصل کردہ شریعت کو ضبط کیا اور اسے بعد

[1] دیکھیے: تحفۃ الاحوذی: 278/8

والوں تک پہنچایا تو بعد میں آنے والوں میں سے اس کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا، کیونکہ خصال مذکورہ بالا میں سے کوئی اسی خصلت نہیں جس پر بعد میں عمل کرنے والے کے ثواب کے برابر پہلے صحابی کو نہ ملے چنانچہ ان کی فضیلت آشکارا ہوئی۔ نزاع والی بات کا خلاصہ تو یہ ہے کہ محض مشاہدہ کا اتفاق ہوا ہو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

خامسًا: گزشتہ ملاحظات سے آشکارا ہو گیا کہ آپ نے جن علماء کے نام درج کیے ہیں ان میں سے کسی نے بھی ابن عبدالبر کے قول پر موافقت نہیں کی باوجود اس کے کہ اس نے کسی شخص یا چند اشخاص کے آنے کے امکان کی قید لگائی ہے جو: جملہ صحابہ سے افضل ہوں، یعنی ان میں چند صحابی میں سے نہ کہ سابقون الاولون سے افضل ہوں گے جیسا کہ اس کی اس عبارت سے واضح ہے جسے قاضی عیاض اور نووی نے ذکر کیا جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے۔

سادسًا: امت مسلمہ (اپنے آغاز سے لے کر) قیام حشر تک جس قدر (نیک) اعمال کر کے اجر حاصل کرے گی، اس کے ثواب کے برابر صحابہ کرام کو (اضافی) اجر ملے گا، کیونکہ صحابہ کرام ہی اسلام کی نصرت اور اس کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت کا سبب ہیں، لہٰذا کس طرح ممکن ہے کہ ان کا غیر ان کی گردِ پا کو پہنچ سکے؟!

68۔ آں جناب نے کہا ہے: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد صحابہ کی تاریخ کا جو شخص گہرائی سے مطالعہ کرے گا وہ اس طرح طرح کی کشمکش اور باہمی جھگڑوں سے بھرے ہوئے صفحات پائے گا، وہ باہمی سب و شتم سے بھری ہوئی ہے بلکہ معاملہ باہمی قتال اور خون ریزی تک تجاوز کر گیا، پس کتنے بدریوں اور احدیوں کی حرمتیں پامال کی گئیں یا دوسرے صحابی کے ہاتھوں ان کا خون بہایا گیا اور یہ ایسی حقیقت ہے جس میں دو شخص بھی اختلاف نہیں کرتے۔

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولًا: تاریخ صحابہ پر جناب کی شہادت حد سے تجاوز ہے جو آپ جیسے حضرت کے لیے زیبا نہیں، صحابہ کی تاریخ ایسی نہیں جیسی آپ نے بیان کی۔

بلاشک وشبہ صحابہ کی تاریخ روشن اور (آفتاب نیمروز سے زیادہ) چمک دار ہے اور ان کی تاریخ کو اس امت کی تاریخ میں افضل سمجھا جاتا ہے بلکہ عالم بشریت کی تاریخ سے اعلیٰ تاریخ تسلیم کیا گیا ہے، اگر اس پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے آخری دور کی گرد نہ اڑائی جائے تو انہوں نے زمین کو فتح کیا اور ان کے ہاتھوں پر لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئے اور انہوں نے ہمارے لیے اللہ کے دین کی حفاظت کی اور اسے (بعینہ) ایسے نقل کیا جیسے وہ نازل کیا گیا تھا اور انہوں نے شیخین کریمین حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت سے لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور خلافت تک شیر وشکر بھائی بن کر رہے اور یہ عرصہ تینتیس یا چونتیس سال رہا اس کے بعد فتنے کی چنگاری بھڑک اٹھی جیسا کہ امام ابن کثیر نے ذکر کیا ہے۔

اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس فتنے کی ابتدا کے دو اسباب بیان کیے ہیں:

پہلا سبب: چند قراء (اپنی عبادت گزاری پر ناز کرنے والے) یہ کوفہ میں نو یا دس کی تعداد میں تھے اور دوسرے بصرہ میں تھے۔ یہ بظاہر) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض صحابہ کو گورنری سے معزول کرنے اور اپنے ساتھیوں کو ان عہدوں پر تعینات کرنے کی وجہ سے ان پر طعن و تشنیع کرنے لگے اور ان میں سے بعض شام اور مصر کی طرف چلے گئے۔

دوسرا سبب: امام ابن کثیر رحمہ اللہ البدایۃ والنہایۃ (7/166۔168) میں بیان کرتے ہیں: سیف بن عمر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے برخلاف احزاب (باغی گروہوں) کی شورش کا سبب بیان کیا ہے کہ آدمی جس کو عبد اللہ بن سبا کہا جاتا ہے وہ یہودی تھا، اس نے اسلام کا اظہار کیا اور مصر چلا گیا وہاں اس نے اپنے دل سے گھڑی ہوئی ایک بات لوگوں کے ایک گروہ کے کانوں میں ڈالنا شروع کر دی۔ اس نے اس کی جانب سے یہ بات بیان کی کہ حضرت علی بن ابی طالب کی طرف وصیت کی گئی تھی، چنانچہ محمد، خاتم الانبیاء ہیں اور علی خاتم الاوصیاء ہیں، پھر وہ کہنے لگا: وہ عثمان سے امارت کے زیادہ حق دار ہیں اور عثمان اس کی ولایت میں زیادتی کرنے والا ہے۔ چنانچہ (وہاں کے) بہت سے لوگ اس کی طرف مائل ہو گئے اور فتنہ برپا ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان خارجیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے اور اس وقت سے امت میں فتنے کی ابتدا ہو گئی۔

اس پس منظر سے بات واضح ہو گئی کہ صحابہ کی تاریخ کے بارے میں مطلقاً کہنا کہ وہ کشمکش سے بھری ہوئی ہے اور اس روشن دور کو بھلا دینا جس کی برکت سے دین محفوظ ہوا اور دنیا فتح ہوئی یہاں تک کہ فتوحات (اسلامیہ) کا سلسلہ ہندوستان اور جزیرۃ العرب اور براعظم افریقہ کے شمال تک پہنچ گیا۔ یہ حد درجہ کی زیادتی ہے۔

آپ اس چمک دار عرصے کو بھول جاتے ہیں اور اس عرصے کو اجاگر کرتے ہیں جس میں دشمنانِ اسلام کی دسیسہ کاریوں سے فتنہ برپا ہوا تھا؟ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ بعد میں رونما ہونے والے ہر فتنے کا دروازہ تھی۔

ثانیاً: جو باہمی قتال برپا ہوا اس کا سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خوارج کا بھڑکایا ہوا فتنہ تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خاطئانہ اجتہاد تک برپا رہا اور اللہ عزوجل نے واضح کر دیا ہے کہ مومنی بسا اوقات آپس میں لڑائی میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور اس نے ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا اور ظالمانہ گروہ پر (باغیہ) کا اطلاق کیا اور اس سے ایمانی اخوت کی نفی نہیں کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَهُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىهُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ۝۹ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ﴾

[الحجرات: 8-9]

”اور اگر مومنین میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو، اگر ایک گروہ دوسرے پر چڑھائی کرے تو چڑھائی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم طرف لوٹ آئے پس اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو اور انصاف تھامے رکھو، اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ بے شک مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“

ثالثاً: آپ نے کہا ہے: سب وشتم سے بھری ہوئی۔

سبحان اللہ! (بھری ہوئی) کیا یہ انفرادی حالات نہ تھے؟! وہ لوگ کتنے ہیں جنہوں نے سب و

شتم کیا؟! ہاں بعض سے اس کا صدور ہوا بلکہ ان میں سے چند افراد سے صدور ہوا۔(جس طرح چچے، بھتیجے کے درمیان وقتی طور پر ہوا تھا۔[دیکھیے: صحیح مسلم]) جو اکثریت کے سامنے کسی شمار میں نہیں اور یہ خطاکارانہ فعل ہے لیکن اسے (بھری ہوئی) کا نام دینے میں غلو ہے اور یونیورسٹی کے پروفیسر اور محقق کی طرف سے غیر مقبول ظلم ہے، اس کا مزید بیان درج ذیل فقرے میں آ رہا ہے۔(ان شاء اللہ)

69۔ آنجناب نے (اپنے رسالہ کے ص: 15) نے کہا ہے: پس جب صحابی اپنے کسی مخالف صحابی کے بارے میں اعتقاد رکھے کہ وہ حق سے منحرف ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی شریعت سے مائل ہے اور وہ باغی ہے، قتل کا مستحق ہے اور وہ اس بنیاد رپ اس پر تلوار سونتا اور اسے قتل کرنا جائز سمجھتا ہے تو کس طرح جائز ہے کہ ہم ان کی عدالت اور ان کی طہارت کا حکم لگائیں اور حال یہ ہے کہ صحابہ ہم سے زیادہ اپنے دلی رجحانات اور اپنے معاشرے بیٹوں کی نفسیات کو جاننے والے تھے اور کیا آپ نے کبھی سنا کہ مرضعہ ماں سے بڑھ کر اس کے بیٹے سے مہربان ہے؟!

یہاں ہمارے لے ی وضاحت طلب مقامات ہیں۔

اولًا: یہ گفتگو بھی سابقہ گفتگو کی طرح ہے جو صحابہ کی زندگی کو فقط ایک پہلو سے دیکھتی ہے اور جو شخص کلام کی قیمت کو جانتا ہے اس کے یلے زیبا نہیں کہ وہ معاملات کو عمومی انداز میں پیش کرنے میں مبالغہ کرے۔

ثانیًا: صحابہ کرام کی زندگی میں کون سا ایسا صحابی ہے جو اپنے مخالف صحابی کو جہنمی اور قتل کا مستحق سمجھتا ہو؟ کیا آپ ان کی نام بنام مثالیں پیش کر سکتے ہیں؟! ان کے کلام سے دلیل پیش کرتے ہوئے۔

ثالثًا: البتہ جو معاملہ ان کے اختلاف سے باہمی قتال تک پہنچا وہ معاملہ ان کے ارادے سے خارج ہے اور انہوں نے باہمی قتال کا قصد نہیں کیا اور ذیل میں ان حوادث کا اختصار پیش خدمت ہے جو ان کے درمیان واقع ہوئے۔i۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد ان کی خون سے رنگی ہوئی

گئیں۔ جنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر پر رکھ دیا اور لوگوں کو آپ کے خون کا قصاص لینے کی طرف بلایا۔ii۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے معاملہ بر قرار ہو گیا تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ پر داخل ہوئے اور ان سے اللہ کی حدیں نافذ کرنے اور خون عثمان کا قصاص لینے کا مطالبہ کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے عذر پیش کیا کہ ان قاتلین کے مدد گار اور حمایتی ہیں اور میرے لیے ممکن نہیں کہ میں اس دن ان سے قصاص لوں۔iii۔

حضرت عثمان کے قتل کی وجہ سے تمام شہروں میں اضطراب پھیل گیا اور سارے لوگ ان کے قاتلوں کے قتل کا مطالبہ کرنے لگے۔

iv۔ اس صورت حال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے سیدنا حسن کے درمیان نصیحتوں کا تبادلہ بھی ہوا۔

v۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بصرہ کی طرف نکل گئے اور ان کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ کی طرف نکل گئے اور ان کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی پڑیں تا کہ وہ لوگوں کو قاتلین عثمان سے قصاص لینے پر ابھاریں۔

vi۔ ان کے بصرہ پہنچنے پر ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گورنر بصرہ سے اختلاف ہوا جو طرفین میں لڑائی تک جا پہنچا۔

vii۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شام کی طرف لشکر کشی کا ارادہ رکھتے تھے جب ان کو حضرت طلحہ اور زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے بصرہ پہنچنے کا علم ہوا تو آپ نے اپنی جہت بدل لی اور بصرہ کی طرف چل پڑے۔

Viii۔ حضرت علی اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کے مابین مراسلت ہوئی اور طرفین کا صلح پر اتفاق ہو گیا۔

ix۔ جب قاتلین عثمان کو اس صلح کا علم ہوا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں تھے اور انہوں نے ادراک کر لیا کہ صلح کا اجرا ان سے قصاص لینے پر ہوا ہے تو انہوں نے حیلہ گری کی کہ رات کے پچھلے پہر جنگ چھیڑ دی اور اس بات کا چرچا کر دیا کہ اہل بصرہ نے ان کو دھوکہ دیا ہے۔ چنانچہ

انہوں نے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا اور جنگ برپا ہوگئی۔

یہ خلاصہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کا۔ جیسا کہ امام ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔ [1] اس حادثے میں خون ریزی کو کہاں حلال کہا گیا ہے؟! یہ تو فتنہ تھا جس کا دونوں فریقوں نے ارادہ نہ کیا تھا۔

رابعًا: صفین کا حادثہ اس وقت سامنے آیا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حادثہ جمل سے فارغ ہو چکے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ بیعت کریں، انہوں نے قاتلین عثمان کی حوالگی کے بغیر بیعت کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لشکر تیار کیا اور اسے لے کر شام کی طرف چل پڑے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی لشکر تیار کیا اور صفین میں آمنے سامنے ہوگئے اور باہمی پیغامات کے بعد کوئی مفید بات برآمد نہ ہوئی تو جنگ چھڑ گئی۔ [2]

بتائیے جناب اس حادثے میں خون ریزی کو کہاں حلال کہا گیا ہے؟! کیا معاملہ واضح نہیں ہے کہ ہر فریق سمجھتا تھا کہ حق اس کے ساتھ ہے؟! اور ان کا باہمی قتال ایک قضیے (قصاص عثمان رضی اللہ عنہ) پر تھا نہ کہ بعینہ کسی شخص کو قتل کرنے کا تھا؟!

خامسًا: جو کچھ تاریخی روایات میں پایا جاتا ہے ان میں بیشتر صحیح ثابت نہیں ہو سکا اور جو شخص اپنے دین کو بچانا چاہے اس کو زیبا نہیں کہ ان روایات کی طرف کان دھرے کیونکہ ان میں جھوٹی روایات بہت سی تعداد میں ملی ہوئی ہیں۔ اس مختصر بیانیے سے واضح ہے کہ (جناب کا دعویٰ) غیر دقیق ہے اور اللہ ہی حقیقی مددگار ہے۔

سادسًا: اس طرح کے (بے بنیاد) دعووں کی وجہ سے عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم کو توڑنے کی حرص کے برے نتائج برآمد ہوں گے جو اس معاشرے پر اعتماد کو گم کر دیں گے اور اس دین کو بھی جو انہوں نے ہماری طرف منتقل کیا، بلکہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مجروح کر دیں گے کہ اس نے اپنے پیچھے ایسا معاشرہ چھوڑا جو دین پر ٹوٹ پڑا اور اس نے حرمات کو مباح کر دیا۔۔۔ واللہ المستعان

کیونکہ جس طرح درخت کی قدر و قیمت اس کے پھل سے لگائی جاتی ہے اس طرح استاد کی قدر و

---

[1] دیکھیے: البداية و النهاية: 230/7۔ 235۔ تاریخ طبری حوادث: 36ھ۔

[1] دیکھیے: البداية: 253/7۔276

قیمت اس کے تربیت یافتہ شاگردوں سے لگائی جاتی ہے۔(عیاذاًباللہ)

اگر صحابہ کی عدالت داغ دار ہوگئی تو ان کا معلم اور مربی کس طرح بے داغ ہوسکے گا۔

70۔ آنجناب نے ابن عقیل کے حوالے سے لکھاہے کہ اس نے کہا: ہم (اہل سنت) شیعہ کے دعویٰ عصمت ائمہ پر انکار کرتے ہیں۔۔۔ اس نے یہاں تک کہا: اس کے بعد ہمیں کس طرح زیب دیتاہے کہ ہم ایک لاکھ بیس ہزار شہریوں اور دیہاتیوں کے بارے میں دعویٰ کریں کہ وہ سب کے سب معصوم تھے۔

میں کہتا ہوں یہ ابن عقیل نامی شخص مجہول اور جانب دار ہے اور اس کے بہت سے دعوے جھوٹے ہیں۔

اس کا جھوٹ دیکھیے اس نے تہمت دھری ہے کہ اہل السنہ ان کی عصمت اور ان کی حفاظت کا عقیدہ رکھتے ہیں، یہ جھوٹ ہے۔ اہل السنہ کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں اس طرح کا قول نہیں پایا گیا اور یہ بات اس کے سنی نہ ہونے کی تائید کرتی ہے کیونکہ اگر یہ سنی ہوتا تو یہ ان کے مذہب کو پہچانتا۔

پھر حوالہ دینے اور نسبت کرنے میں اس کی قلت امانت کا بھی پتا دیتی ہے کیونکہ سنت کی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب میں ان کی عصمت کا قول نہیں پایا جاتا۔

اہل السنہ تو کہتے ہیں کہ ان میں اصلاً خیر ہے کیونکہ وہ برضاء ورغبت اسلام میں داخل ہوئے حتیٰ کہ ہمارے لیے اس کے برخلاف کوئی بات ظاہر ہو، اس بنا پر کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔

پھر اس نے اسی لہجے میں گزشتہ بات کو دہرایا جیسے آپ نے نقل کیا ہے چنانچہ اس نے کہا: بلکہ جو ان کے بارے میں تواتر سے منقول ہے کہ ان میں سے بعض افراد کا ایسے کاموں میں مرتکب ہونا جو عدالت میں شگاف ڈالتے ہیں اور اس کے منافی ہیں۔ بغاوت کرنا ناحق قتل کرنا، شراب نوشی کرنا اور اس طرح کے دیگر کاموں پر اصرار کرنا۔

ان امور کے بارے میں مطالبہ بیان ہو چکا ہے کہ ایسے کاموں کا ارتکاب کرنے والوں کے

ناموں کی تعداد بتائی جائے اور ثبوت کے ساتھ اصرار ثابت کیا جائے۔

بلاشبہ دین کی رقت اور دل کا روگ، جھوٹ بولنے اور اس پر جرأت کرنے کے دو عظیم اسباب ہیں۔

71۔ جناب نے کہا ہے: یہ سب کچھ ہونے کے ساتھ: ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ صحابہ پر تنقید کرنے والے پر زندیقیت اور دین سے خروج اور الحاد کی تہمت لگاتے ہیں۔ جیسا کہ سرخسی نے کہا: جو صحابہ پر طعن و تشنیع کرے وہ ملحد ہے اور اسلام کے ساتھ جنگ کرنے والا ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی دوا تلوار ہے۔ [1]

اور آپ نے خطیب بغدادی کے حوالے سے ابوزرعہ کی روایت درج کی ہے کہ اس نے کہا: جب تو دیکھے کہ کوئی آدمی حضرت رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو خوب جان لے کہ وہ زندیق (ملحد اور بے دین) ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ برحق ہے اور قرآن برحق ہے اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہی ہماری طرف یہ قرآن اور سنت پہنچائی ہے اور وہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنے کی نیت کرتے ہیں تاکہ وہ کتاب و سنت کو باطل قرار دیں، لہٰذا ان پر جرح کرنا اولیٰ ہے اور وہ زندیق ہیں۔ [2]

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: شیعہ حضرات کس مقصد کے لیے صحابہ کو مجروح کرتے ہیں اور ان کی عدالت کا انکار کرتے ہیں؟! اس سے ان کا مقصد کیا ہے؟ کیا اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ان مرویات پر اعتماد گنوا دیا جائے اور ان کے ایمان اور اخلاص میں تشکیک پیدا کی جائے؟

ان مواقف کے سوا تو ہم لوگ شیعہ کا کوئی مقصد نہیں سمجھتے۔

ثانیاً: صحابہ پر جرح اور ان کی عدالت میں تشکیک پر کیا مرتب ہوتا ہے؟ اس پر درج ذیل امور مرتب ہوں گے:

i۔ صحابہ کرام، شریعت کے امین نہیں ہیں، کیونکہ وہ جارحین کے نزدیک (عیاذاً باللہ) قاتلین،

---

[1] اصول سرخسی: 124/2

[1] الکفایۃ: 167

شراب نوش، زانی اور خائنین ہیں جیسا کہ آپ لوگ اور جن کا آپ لوگ کلام نقل کرتے ہیں، سمجھتے ہیں اور یہ نظریہ شریعت (مصطفویہ) کو باطل کرنے تک پہنچا دیتا ہے اور اگر شریعت (محمدیہ) کے دشمن، دین کو باطل کرنا چاہیں تو وہ شیعہ کے اس طریقے سے زیادہ کارگر طریقہ نہ پائیں گے۔

ii۔ یہ دین (اسلام) صحیح نہیں کیونکہ وہ اولین معاشرے کی صحیح ایمانی تربیت نہیں کر سکا، جوں ہی رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی وہ اس پر ٹوٹ پڑے اور ہر حرام کام کا ارتکاب کرنے لگے۔

iii۔ (نعوذ باللہ) حضرت رسول اللہ ﷺ تیئیس سال کے قریب مجرم گروہ کی تربیت کرتے رہے اور اسے پتا نہ چل سکا کہ وہ مجرم اور دھوکے باز ہیں اور وہ (صحابہ) اس کے ساتھ نفاق اور دھوکے کے ساتھ رہتے رہے۔ پس جب وہ فوت ہوا تو پوشیدہ نیتیں آشکارا ہوئیں اور چھپے ہوئے (منافقین) ظاہر ہو گئے۔

iv۔ اللہ تعالیٰ اس دور کے لوگوں کی حقیقت کو جانتا تھا کہ (نعوذ باللہ) وہ شریر لوگ ہیں اور اس نے اپنے رسول کو اس کے بارے میں خبر نہ دی تا کہ وہ ان کو تبدیل کرے اور یہ باطل کو ثبات اور لوگوں کے ساتھ دھوکہ ہے، کیونکہ لوگ دیکھتے تھے یہ لوگ حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہیں اور اس کو گھیرے میں لیے ہوئے ہیں اور رسول ان کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور اس سے مشورے کرتا ہے اور اپنی بیٹیوں کی ان کے ساتھ شادیاں کرتا ہے اور ان کی بیٹیوں سے شادی کرتا ہے اور ان کی تعریف کرتا ہے اور ان کے فضائل و کمالات بیان کرتا ہے اور یہ اولاً تو اللہ پر تہمت ہے کہ اس نے اپنے پر ان کی حقیقت واضح نہیں کی اور ثانیاً امت پر بھی کہ وہ ان سے دھوکہ نہ کھائے۔

بلکہ اللہ نے ان کی عمومی اور خصوصی تعریف کی اور اس میں (آپ کے گمان کے مطابق) لوگوں کے ساتھ دھوکہ ہے یہ نتیجہ ہے امامی شیعوں کی صحابہ پر جرح کا۔

v۔ امامی

جاری نہیں کیا جس نے معاملے کو مختلف کر دیا ہے یا تو اشرار کو پاک قرار دیا جائے گا اور یا پھر اختیار پر تہمت دھری جائے گی کیونکہ (اس معاملے کے لیے) کوئی اسپیشل وضاحتی بیان موجود نہیں۔

پھر اس پر ان کی مرویات پر بے اعتماد مرتب ہوتی ہے کیونکہ ہم ان میں شک کریں گے او رڈریں گے کہ وہ ہم پر جھوٹ بولیں گے۔

یا پھر یہ نہ جان پائیں گے کہ مومن کون ہے جس کی ہم روایت قبول کریں اور منافق کون ہے جس کی روایت کو ہم رد کر دیں، معاملہ گڈمڈ ہے اور قرآن نے حدبندی نہیں کی اور سنت کو ان لوگوں نے بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ ہم قرآن اور سنت پر اعتماد بھی گنوا بیٹھیں گے کہ ان کے ناقل یہی لوگ ہیں۔

ثالثاً: اگر ہم شیعی منہج کے مطابق صحابہ کا ایمان ثابت کرنا چاہیں تو ہم نہیں کر سکتے۔

ہم حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان کی دلیل کہاں سے لائیں گے ؟!

ا: کیونکہ قرآن نے بہت سی عام اور خاص آیات بیان کی ہیں اور شیعہ نے ان سب کی (عینی) دلالت کو باطل قرار دیا ہے ماسوائے ان آیات کے جن کی تفسیر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی ہے یعنی انہوں نے ان آیات کو باطل قرار دیا ہے جو فلاں اور فلاں پر دلالت کرتی ہیں اور کہا ہے کہ وہ عام ہیں ان کی عظماء صحابہ کے بارے میں تفسیر کرنا ممکن نہیں، کیونکہ وہ عام ہیں اور یا وہ مقید ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ وہ کون (صحابی) ہے جس میں شیعی قید پوری ہوتی ہے۔

چنانچہ اگر دشمنان دین میں کوئی کہنے والا کہے کہ میں ان خلفائے اربعہ کے ایمان کے بارے میں شک کرتا ہوں کیونکہ نفاق کی آیات، ان کے بارے میں ہیں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ ابو بکر، عمر اور عثمان نے خلافت چھینی اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عینی طور پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے متعین تھے اور انہوں نے وصیت کی خیانت کی اور اسے نافذ کرنے میں رکاوٹ بنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی بچانے کی خاطر وصیت کو ضائع کر

دیا۔

یہ ان کے نفاق کی دلیل ہے لہٰذا میں ان کے ایمان میں شک کرتا ہوں، وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور اپنا نفاق چھپائے ہوئے تھے اور اب نفاق ظاہر ہو گیا، تو اس کو آپ کیا جواب دیں گے ؟!

پھر وہ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہے: قرآن کریم نے حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کے ایمان کی توصیف بیان کی اور ساتھ ہی ان کو نفاق سے موصوف کیا اور ہمیں خبر نہیں دی کہ کون مومن ہے اور کون منافق اور یہ اعمال جو ان تمام سے صادر ہوئے وہ ان کے نفاق پر دلالت کرتے ہیں۔

ب: اگر آپ اسے کہیں کہ ہم تجھے سنت کی طرف فیصلے کے لیے لے جائیں گے تو وہ کہے کہ سنت کو ان شخصوں نے روایت کیا ہے جن کے ایمان میں ہم شک کرتے ہیں اور ہم اسے قبول نہیں کرتے وہ (باہم ایک دوسرے کے لیے) شہادت دیتے ہیں اور یہ شہادت مردود ہے۔

ج: پھر وہ کہے: اس وجہ سے ہم نہ قرآن کی تصدیق کرتے ہیں نہ سنت کی۔ پس دین (اسلام) باطل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ ابوزرعہ پر رحم فرمائے جس نے کہا: وہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ کتاب و سنت کو باطل قرار دیں اور ان (جارحین) پر جرح کرنا اولیٰ ہے اور وہ زندیق ہیں۔

یہ ہے وہ سبب جس کی بنا پر علماء نے پورے وثوق سے کہا ہے کہ شیعہ کا مذہب، دین کو گرانے کا پھاٹک (بڑا دروازہ) ہے اور جو کوئی دین کو گرانے کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کے ساتھ مل جاتا ہے۔

رابعًا: شیعہ کی افسانوی کتابیں: سوائے چار اشخاص کے عقائد یا تفاسیر یا رجال پر لکھی گئی تقریباً کوئی ایسی کتاب نہ ہو گی جو صحابہ کرام کی تضلیل یا تکفیر سے خالی ہو۔

امامی اثنا عشری کتب میں صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کی مثالیں:

ا: کتاب الکافی:

i۔ اس نے اپنی سند سے ابو جعفر رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ اس نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ﴾ [الاسراء: 71] (کہ اس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے نامہ اعمال بلائیں گے) تو مسلمانوں نے کہا: (اے اللہ کے رسول! کیا آپ تمام لوگوں کے امام نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے کہا: حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ لیکن میرے بعد میرے اہل بیت سے اللہ کی طرف سے لوگوں پر امام ہوں گے، وہ لوگوں میں کھڑے ہوں گے، سو وہ جھٹلائے جائیں گے اور ان پر کفر اور گمراہی کے امام اور ان کے تابع لوگ ظلم کریں گے، پس جو کوئی ان سے وابستہ رہے اور ان کی پیروی کرے اور ان کی تصدیق کرے وہ مجھ سے ہے اور میرے ساتھ ہے اور عنقریب وہ میری ملاقات کرے گا۔ ❶

ii۔ اور امیر المومنین سے روایت ہے کہ اس نے کہا: ان اقوام کو کیا ہو گیا جو جنہوں نے رسول اللہ کی سنت کو بدل دیا اور اس کے وصی سے روگردانی کی۔ ❷

iii۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۱۳﴾ [سورۃ الرحمن] کی تفسیر میں مرفوع حدیث روایت کی ہے: کیا تم نبی کو جھٹلاتے ہو یا وصی کو۔

حتیٰ کہ انہوں نے اس کی طرف وصیت کا اضافہ کر دیا۔

iv۔ ابو عبداللہ سے اللہ کے فرمان ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ [ابراھیم: 18] کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس نے کہا: اس سے تمام قریش کو مراد لیا ہے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کی اور ان کے ساتھ جنگ قائم کی اور اس کے وصی کا انکار کیا۔ ❸

اس طرح وہ وصیت اور امامت کے اثبات کے سلسلے میں تسلسل کے ساتھ ایسی احادیث و آثار درج کرتا جاتا ہے جنہیں صحابہ نے نہیں پہچانا اور نہ اس پر عمل کیا اور اس کے گمان کے مطابق نعوذ باللہ وہ گمراہ ہو گئے۔

v۔ اور اس میں حمران بن اعین سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں ابو جعفر علیہ السلام سے کہا: میں تجھ پر

---

❶ الکافی: 217/1

❷ ایضًا: 217/1

❶ الکافی: 217/1

قربان کر دیا جاؤں، ہماری تعداد کس قدر کم ہے! اگر ہم ایک بکری پر جمع ہو جائیں تو اسے تناول کر کے ختم کر پائیں! اس نے فرمایا: میں تجھے اس سے عجیب تر بات نہ بیان کروں: مہاجرین اور انصارف چلے گئے مگر (اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کر کے بتایا) تین، یعنی سوائے تین کے باقی سارے مرتد ہو گئے۔(عیاذاً باللہ)

ب: رجال کشی:

i۔ حنان بن سدیر اپنے باپ سے اور وہ ابو جعفر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا: حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ مرتد ہو گئے سوائے تین، میں نے پوچھا: اور وہ تین کون تھے؟! اس نے کہا: مقداد بن اسود، ابوذر اور سلمان فارسی۔ [1]

ii۔ ابو بصیر سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابو عبداللہ (علیہ السلام) سے کہا: لوگ مرتد ہو گئے سوائے تین کے: ابوذر، سلمان اور مقداد کے؟ اس نے کہا: ابو عبداللہ (علیہ السلام) نے فرمایا: تو ابو ساسان اور ابو عمرہ انصاری کہاں گئے؟ [2]

ابو جعفر تین کو مستثنٰی کرتا ہے اور ابو عبداللہ دو کا اضافہ کرتا ہے۔اس کی تصدیق کون کرے گا؟!

ج: تفسیر صافی اور قمی:

تفسیر صافی (359/2) اور قمی (301/1) میں ہے کہ صادق (علیہ السلام) فرماتے ہیں (جب غدیر خم والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو ان کے برابر سات منافقین کھڑے تھے، ابو بکر اور عمر۔ قمی کے نزدیک پہلا اور دوسرا اور عبدالرحمان بن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور مغیرہ بن شعبہ۔

عمر نے کہا: کیا تم اس کی آنکھ نہیں دیکھتے جیسے مجنون کی کی آنکھ ہے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استغفر اللہ من نقل ہذا الکذب) اس کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے: میرے رب نے مجھے کہا ہے: پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! تمہاری جانوں سے بڑھ تمہیں محبوب کون ہے؟

---

[2] رجال کشی: 6/1۔ اور اسے کافی نے 321/12 مع شرح جامع مازندرانی میں روایت کیا ہے۔

[3] ایضًا: 7/1

انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ گواہ ہو جا، پھر فرمایا: آگاہ رہنا جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے اور انہوں نے اس کو سلامت امارت کیا، چنانچہ جبرئیل نازل ہوا اور رسول اللہ کو قوم کی بات بتائی، چنانچہ آپ نے ان کو بلایا اور ان سے پوچھا تو انہوں نے انکار کر دیا اور قسم اٹھائی تو اللہ نے فرمایا: ﴿ يَحۡلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا ؕ وَ لَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ ﴾ [التوبة: 74] اور یہ سورت مکمل طور پر حجۃ الوداع سے پہلے نازل ہوئی اور غدیر خم کا قصہ اس کے بعد کا ہے اس پر مفسرین کرام کا اجماع ہے۔ اللہ جھوٹ کو نیست و نابود کرے اس کی رسی کس قدر چھوٹی ہے۔

یہ آیت غزوہ تبوک یا اس سے پہلے غزوہ کے موقعہ پر منافقین کے بارے میں نازل ہوئی اور حجۃ الوداع کے بعد صرف ایک آیت نازل ہوئی۔

اگر ہم ان کتابوں میں تلاش کرنا شروع کر دیں تو ہم دسیوں اور سیکڑوں روایات دیکھیں گے جو صحابہ پر طعن و تشنیع سے پر ہیں اور ان کو ہر برے وصف سے متصف کرتی ہیں اور یہ روایات دو باتوں کے درمیان ہیں۔

پہلی بات: یہ روایات شیعہ کے ہاں معتبر ہیں۔

دوسری بات: یہ معتبر نہیں ہیں۔

اگر معتبر ہیں تو یہ اس معتقد کے برا ہونے کی وضاحت کے لیے کافی ہیں۔ اگر غیر معتبر ہیں تو یہ اس طرح اس نظریے کی دلیل ہیں کہ زندیقوں نے اس مذہب کو اصحاب رسول ﷺ پر طعن و تشنیع کے لیے استعمال کیا ہے بلکہ قرآن پر بھی اور یہ اس بات کی مبرہن دلیل ہے اس مذہب میں زندیقوں کے گھسنے کی صلاحیت ہے اور اس کے ساتھ ہی اہل السنہ کے اس مذہب کے بارے میں صحیح قول کی دلیل ہے۔

خامسًا: ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ تمام آثار اہل بیت کے نام پر کذبًا روایت کیے گئے ہیں، انہوں نے ایک سے زائد کذابوں سے روایت لینے سے بچنے کی تاکید کی ہے چنانچہ کشی نے ابو عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم اہل بیت سچے ہیں لیکن کسی کذاب کے اپنے اوپر کذب سے

بچے ہوئے نہیں ہیں اور ہمارا صدق، ان کے ہم پر کذب کی وجہ سے لوگوں کے ہاں گر جاتا ہے پھر انہوں نے اہل بیت پر جھوٹ گھڑنے والوں کا (نام بنام) ذکر کیا اور وہ ہیں: (1) مسلمہ (2) عبداللہ بن سبا (3) مختار (4) حارث شامی (5) بنان (6) مغیرہ بن سعید (7) بریغ (8) السری ابو الخطاب (8) معمر (8) بشار الشعیری (8) حمزیہ بربری (8) صاید نہدی اور دیگر روایات میں ان کے علاوہ راویوں کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ صراحت اس تناقض کو پختہ کرتی ہے کہ اس کا سبب یہ کذابین اور ان کے بھائی ہیں جنہوں نے شیعہ کے عقائد کو خراب کیا ہے۔

72۔ آنجناب نے ایک مرفوع حدیث درج کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: اللّٰہ اللّٰہ فِیْ اَصْحَابِیْ [1] پھر آپ نے اس کا ضعف بیان کیا ہے اور اس کی تھوڑی سی شرح کی ہے اور اس کی نسبت ترمذی (358/5) کی طرف کی ہے اور السنہ ابن ابی عاصم کی تحقیق میں البانی کا حوالہ دیا ہے۔

میں کہتا ہوں میں نہیں سمجھ پایا کہ اس حدیث کو درج کرنے اور اس کی تضعیف بیان کرنے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟!

اگر آپ کا ارادہ یہ ہے کہ یہ حدیث جو صحابہ کو ایذا پہنچانے سے روکتی ہے، یہ ضعیف ہے، لہٰذا ان کو ایذا پہنچانا جائز ہے کیونکہ اس مسئلے میں دیگر احادیث نہیں ہیں تو آپ درست استدلال نہیں کر سکتے۔

اور اگر آپ اس پر اعتماد کا ہے کیونکہ اس کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے تو استدلال میں ضعیف احادیث کے محتاج نہیں ہیں۔

تعجب ہے کہ آپ حدیث کے بارے میں علماء کی تضعیف ذکر کرتے ہیں پھر اس سے استشہاد کرنے اور شارحین سے مناظرہ درج کرتے ہیں بہتر یہ تھا کہ اس سے اعراض کرتے کیونکہ اس کی صحت ثابت نہیں ہے۔

73۔ آنجناب نے کہا ہے: روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس صحابی سے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتے تھے اس سے محبت کرنا واجب ہے اور جس صحابی سے بغض رکھتے تھے اس سے بغض

[1] الاصابۃ: 110/1

رکھنا واجب ہے۔

میں کہتا ہوں یہ ٹھیک بات ہے لیکن وہ کون لوگ تھے جن سے حضرت نبی کریم ﷺ محبت رکھتے تھے؟ اور آپ ﷺ کی ان کے ساتھ محبت کیسے ثابت ہوگئی؟ یہ بات تو احادیث کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی اور احادیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، اگر وہ ثقہ ہیں تو انہوں نے ان لوگوں کی فضیلت میں احادیث روایت کی ہیں جن کو آپ لوگ کافر یا گمراہ قرار دے چکے بلکہ وہ لوگ جو کافر یا گمراہ قرار دیئے گئے انہوں نے ہی ہمارے لیے وہ احادیث روایت کی ہیں۔ لہٰذا تمہارے لیے استدلال تب ہی درست ہو سکتا ہے جب تم انہیں عادل سمجھو۔ (نوٹ: جس شخص سے حضرت نبی ﷺ کو بغض ہو اس کو شرعاً صحابی کا نام دینا ایسے ہی غلط ہے جیسے کسی مجوسی کو حجۃ اللہ، آیت اللہ کا نام دینا۔)

74۔ آنجناب نے کہا ہے: اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام صحابہ سے محبت رکھنا، اگرچہ ان میں کوئی ایسا بھی ہو جس نبی ﷺ بغض رکھتے تھے یا آپ ﷺ کو غصہ دلایا ہو یا آپ ﷺ اس پر لعنت کی ہو اس کا نبی ﷺ کی محبت میں کوئی حصہ نہیں جیسا کہ شرح نہج البلاغہ (200/19) ینابیع المودۃ (247/2) میں حضرت علی سے مروی ہے: تیرے دوست تین ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: یہ عمومی کلام ہے اور آپ نے اس کا مقصود واضح کیا؟

ثانیاً: ہمارے نزدیک ثابت شدہ (حقیقت) ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے تمام صحابہ سے محبت کرتے تھے اور ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہو سکا کہ آپ ﷺ ان سے بغض رکھتے تھے خصوصاً اہل بدر اور بیعت رضوان۔ چنانچہ ان کے بارے میں قرآنی اور نبوی قطعی دلائل ثابت ہیں جن کے بارے میں ہم شک کی گنجائش نہیں رکھتے، جو کوئی ان کی مخالفت کرے گا، وہ ہمارے نزدیک بدعتی اور کلام اللہ کے سامنے کٹ حجتی کرنے والا اور حضرت رسول کریم ﷺ کا رد کرنے والا ہے۔

اور اللہ کی مشیئت سے اس کی مزید وضاحت آگے آئے گی۔

ثالثاً: مذکورہ بالا روایت اسلام کی کتابوں میں معروف نہیں ہے۔ اس کے وضع کرنے والے کے

بارے میں اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ نہج البلاغہ نامی کتاب کی کوئی سند نہیں، اس کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان تقریباچار صدیوں کا عرصہ دراز ہے، جس کتاب کا یہ حال ہو آپ اس پر کیسے اعتماد کرسکتے ہیں اور ان شاء اللہ اس کا تعارف جلد ہی آرہا ہے۔

75۔ آنجناب نے "آراء الشيعة الإمامية في الصحابة" کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض اہل بیت کے اقوال درج کیے ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس عنوان کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول درج کرنا ناقابل تسلیم ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیعہ میں سے نہ تھے اور ہم اعتقاد بھی نہیں رکھتے کہ ان کا بنیادی اعتبار سے شیعہ کے ساتھ کسی طرح کا تعلق ہو بلکہ ہم تو اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعہ کے اقوال نے آپ رضی اللہ عنہ کو داغ دار کیا ہے وش نما نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے ان کی طرف وہ بات منسوب کی ہے جو انہوں نے نہیں کہی اور نہ کبھی اس کا دعویٰ کیا علاوہ ازیں ان کے مذہب سے لازم ملزوم ہے کہ ان کو ہر مذموم صفت سے متصف کیا جائے اگرچہ وہ اس کی صراحت نہ کریں لیکن ان کے اقوال کا نتیجہ یہی نکلتا ہے۔

درج ذیل سطور میں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

اولاً: انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وصی ہیں اور یہ دعویٰ قرآن اور سنت کی نص سے ثابت ہے، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں وہ خلیفہ بنے، پھر وہ (تقیہ) کے دعویٰ پر وصیت کے حق کے لیے کھڑے نہ ہوئے اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ وصیت سے دستبردار ہو گئے اور اسے قائم کرنے میں کمزور ہو گئے۔ اس کی مثال (نبوت) کی طرح سمجھو کہ اللہ نے کسی انسان کو نبوت دی اور اسے لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانے کا حکم دیا لیکن وہ پہنچا نہ سکا، کیا آپ نے کسی نبی کو دیکھا جس نے ایسا کام کیا؟!

اور ہم نہیں سمجھتے کہ آپ وصیت کے وجوب کے لیے کیوں کھڑے نہ ہوئے؟! آیا اپنی زندگی کی حفاظت کے لیے اور موت کے ڈر کی وجہ سے؟! پھر اس زندگی کا کیا فائدہ جس کی وجہ سے اللہ عزوجل کا دین ناقص ہو گیا۔

پھر کیا یہ خالق جل وعلا کے بارے میں طعن نہیں ہے کہ اس نے ایسے انسان کو امامت کے لیے پسند کیا جو اسے قائم کرنے کی ہمت نہیں رکھتا؟! پھر اس امامت کا کیا فائدہ جسے قائم کرنے سے دستبرداری کر لی جائے؟! اس (امامت کا جو قائم نہ ہو سکی) بشریت کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بہت سے علمائے اہل سنت نے اپنے عقاید کو زندہ رکھنے کے لیے جانیں قربان کر دیں بلکہ ان کے چھوٹے پیروکاروں نے بھی؟ (علی سبیل المثال یہودی النسل معزباللہ خلیفہ کے سپہ سالار جوہر صقلی کا یہودی قصاب سے امام ابو بکر نابلسی کی زندہ کھال اتروانا اور امام ابو بکر کا وکان امر اللّٰہ مفعولا پڑھتے ہوئے شہید ہو جانا) کیا خندق والوں کے قصے میں اس (بچے) کا تذکرہ نہیں ہے جو مرنے پر راضی ہو گیا تاکہ اس کا دین زندہ رہے؟!

کیا یہ خمینی جس نے جدوجہد کی یہاں تک کہ وہ اپنے مذہب کی حکومت قائم کرنے میں قائم ہو گیا۔

کیا اس دور فلسطین اور چیچنیا میں عورتیں نہیں ہیں جو اپنے مسائل کی نظرت کی خاطر شہادت قبول کر لیتی ہیں؟! بے شک یہ بات دو امور میں سے ایک پر دلالت کرتی ہے۔ ایک تو یہ کہ وصیت کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے اور یہ بات صحیح ہے۔ دوسری یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بزدل تھے (اور اللہ کی پناہ کہ ان کو بزدل سمجھا جائے۔)

طبقات ابن سعد (235/5) میں بحوالہ التشیع بین مفہوم الائمہ والمفہوم الفارسی حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے کہا گیا: کیا رسول اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ نہیں فرمایا تھا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر ان کا مطلب امارت اور سلطان ہوتا تو وہ تمہارے لیے اس کی یوں ہی وضاحت کرتے جس طرح انہوں نے تمہارے لیے نماز، زکاۃ، روزے اور حج کی وضاحت کی۔۔۔ اور اگر معاملہ ایسے ہوتا جیسے تم کہتے ہو تو وہ (یعنی علی رضی اللہ عنہ) اس بارے میں تمام لوگوں سے بڑھ کر خطاکار اور قصوروار تھے کیونکہ اس نے اس کام کو ترک کر دیا جس کا اسے حضرت رسول اللہ نے کرنے کا حکم دیا تھا (بلکہ طبقات ابن سعد حصہ پنجم میں فضیل بن مرزوق سے مروی ہے کہ اس نے حضرت عمر بن علی (زین العابدین) سے کہا: اللہ آپ پر رحمت کرے، کیا

آپ لوگوں کے گمان میں یہ منصب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وصیت کی تھی، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے تھا کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی، پھر یہ منصب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے تھا کہ انہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی، پھر حضرت (زین العابدین) علی رحمہ اللہ کے لیے تھا کہ انہیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی پھر محمد بن علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھا کہ انہیں (زین العابدین) علی رحمہ اللہ نے وصیت کی تھی، انہوں نے کہا: واللہ میرے والد کا انتقال ہو گیا مگر انہوں نے دو حرف کی بھی وصیت نہیں کی۔ اللہ ان (بہتان باندھنے والوں) کو غارت کرے اللہ کی قسم یہ صرف ہم اہل بیت کے ذریعے پیٹ بھرنے والے ہیں۔ ایزاد از مترجم)

ثانیاً: شیعہ نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دکھ دی گئی اور اس کا حق روک دیا گیا اور عمر نے اس کو اس کا گھر جلانے کی دھمکی دی۔

کیا یہ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی تنقیص نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو دکھ اور عذاب کی حالت دیکھے یہاں تک کہ اس کا جنین ساقط ہو رہا ہو اور (وہ خاموشی سے) دیکھتا رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مشہور عالم شجاعت کہاں گئی؟! ان کی اپنی بیوی کے بارے میں غیرت کہاں گئی؟!

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی کی توہین کی جارہی ہو اور اسے پیٹا جارہا ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے دیکھ رہے ہوں؟! کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی بیوی پر غیرت نہیں کر رہے تھے؟!

اللہ ان کو پناہ میں رکھے واللہ آپ رضی اللہ عنہا اس معاملے میں عظیم تر تھے کہ وہ اپنے والوں کی (توہین اور ان کی پٹائی) پر تمہارے گمان کے مطابق چپ سادھے کھڑے ہوں!!

اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ وہ سلوک ہوتا جو انہیں ناگوار تھا یا ان کی حرمت کو میلا کرتا تو جنگوں کا شہسوار اور بنوہاشم کا دلیر ترین اور اس دین پر ایمان لانے والا پہلا نوجوان اس پر خاموش نہ رہتا کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہو کہ ان کی بیوی کی ان کے سامنے توہین کی جارہی ہو اور اسے مارا جارہا ہو اور وہ بے بس کھڑا رہے، اس طرح کی سستی زندگی جس کی منظر کشی آپ کی کتابوں نے کی ہے اس سے تو موت بہتر ہے (اللہ تعالیٰ فارس الاسلام حضرت علی سے راضی ہو) اور تعجب ہے کہ (امام متشیّعین) کا قول ہے: وَ يَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ الْإِمَامُ اَشْجَعُ رَعِيَّتِهٖ [1] کہ واجب ہے کہ امام اپنی

[1] الاقتصاد، ص: 312، مولفہ مفید امامی

یر عیت سے دلیر ترین ہو، پھر وہ گمان کرتے ہیں کہ علی اس کے برعس (بے بس) تھا!! باقی رہا (وراثت) کا معاملہ تو اگر آپ رضی اللہ عنہ اسے حضرت سید رضی اللہ عنہ کا اجتہاد نہ سمجھتے جو حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی نص کے برعکس تھا تو آپ رضی اللہ عنہ اس کا مطالبہ کرنے میں پہل کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ اس کے بعد خلیفہ بنے تو آپ نے فدک کی جاگیر کو وراثت کے قانون کے مطابق تقسیم نہیں کیا، اگر آپ کا اعتقاد ہوتا کہ حضرت نبی کریم ﷺ وارث بنائے جاتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کی وراثت کو تقسیم کیوں نہ کیا؟!

پھر آپ رضی اللہ عنہا وراثت سے اپنے حصے کا مطالبہ کس طرح کرتیں اور اس کے لیے ناراض کیوں ہوتیں حالانکہ یہ ایک دنیاوی معاملہ تھا اور ان سے یہ منقول بھی ہے اور اس سے عظیم تر دینی معاملے پر ناراض نہیں ہوئیں (جو تمہارے گمان کے مطابق) فانی مال سے زیادہ اہم ہے اور وہ ہے (امامت) اور آپ رضی اللہ عنہا اس بارے میں مطلق گفتگو نہیں کرتیں یہاں تک کہ ان کے بارے میں یہ نہ کہا جائے کہ وہ تقیہ نہیں بولیں اگر ایسا تسلیم کیا جائے تو آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی وراثت کے حصے کے مطالبے میں تقیم کیوں نہ کیا؟! (حقیقت یہ ہے کہ فدک کی جاگیر میں آپ اکیلی حصہ دار تو نہ تھیں بلکہ اس میں عم رسول حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما اور جملہ امہات المسلمین رضی اللہ عنہن بھی حصہ دار تھیں جب انہوں نے فرمان رسول ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے بھی سر تسلیم خم کر دیا اور مطالبہ ترک کر دیا تھا۔ ایزاد از مترجم۔

ثالثاً: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحب زادی ام کلثوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیاہ دی تھی اور تمہاری نظر میں (عیاذًا باللہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کافر یا فاسق ہیں اور تم نے گمان کیا کہ رشتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چھینا گیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کا دفاع نہیں کیا اور وہ بغیر حق کے اس کی عصمت کو حلال کرنے پر راضی ہو گئے اور یہ عظیم ترین ہتک عزت ہے!! اس طرح کی صورت حال میں رضامندی کو بزدلی کہا جاتا ہے اور اللہ عزوجل نے آپ رضی اللہ عنہ کو پاک رکھا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہو جاتے۔

اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مومن نہ ہوتے تو آپ اس سے اپنی صاحب زادی کا نکاح نہ کرتے۔

رابعًا: (آپ حضرات کے گمان کے مطابق) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان ید ستبرداریوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ (تقیہ) اپنی اولاد کے نام بھی (عیاذًا باللہ) ان کفار یا فساق کے ناموں پر رکھے؟! لاحول و لا قوۃ الا باللہ!

کیا ان کے لیے کافی نہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے الغار پر خاموش ہو گئے اور اپنی آنکھوں کے سامنے سیدہ فاطمہ کی بے حرمتی پر بے بس کھڑے رہے اور غیر مومنین یا غیر صالحین سے اپنی صاحب زادی کے نکاح کے دفاع سے عاجز ہو گئے یہاں تک کہ اپنی اولاد کے نام بھی (نعوذ باللہ) ان کفار یا فساق کے ناموں پر رکھنے لگے: ابو بکر بن علی، عمر بن علی، عثمان بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین ؟!

اس قوم کو کس چیز نے مصیبت میں ڈال رکھا ہے؟!

کیا یہ صفات امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو زیب دیتی ہیں؟!

ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ الہل سے بہت ڈرنے والے اور ان آثار پر مطلع ہونے اور رامامی شیعوں کے عقائد سے آگاہی رکھنے والے کے ذہن میں مرتسم ہونے والی مرتضوی تصویر سے نہایت پاک تھے۔ لالکائی نے دو سندوں سے سیدنا علی زین العابدین سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے اہل عراق! ہم سے اسلام والی محبت رکھو، اللہ کی قسم تمہاری محبت ہمارے حق عیب بن گئی ہے۔ [1]

خامسًا: سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ اس سرزمین میں کس لیے سکونت پذیر رہے جہاں (نعوذ باللہ) انہیں ذلیل کیا جاتا تھا اور ان کی توہین کی جاتی تھی یہاں تک کہ ان کے دین اور عزت کے سلسلے میں بھی اور نہ آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں سے ہجرت کی اور نہ اس زمین سے نکلے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ ﴾ [النسآء: 97-98]

”بے شک جن لوگوں کو فرشتے فوت کیا وہ اپنے آپ ظلم کرنے والے تھے۔ وہ ان سے

---

[1] شرح اصول اعتقاد اهل السنة و الجماعة، ح: 2683، 2684

کہتے: تم کن میں تھے، انہوں نے کہا: ہم زمین کمزور سمجھے جاتے تھے، انہوں نے کہا: کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی، تم نے اس میں ہجرت کرنی تھی، ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے، البتہ مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کمزور ہیں جو کسی چارے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ انہیں (خلاصی کی کوئی) راہ نہیں دکھائی نہیں دیتی تھی۔"

تو کیا سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ ان معذورین میں سے تھے؟! اور وہ رب العالمین کی طرف سے وصیت شدہ امام ہوں اور وہ جانتا بھی ہو کہ وہ وصیت کے نفاذ کی طاقت بھی نہیں رکھتا؟!

کیا آپ نے کوئی ایسا بادشاہ بھی دیکھا ہے جو اس شخص کو امیر مقرر کرے جو امارت کو قائم کرنے سے عاجز اور بے بس ہو؟

ہم (اہل السنہ) اعتقاد رکھتے ہیں کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ جانتے ہوتے کہ وہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام ہیں تو اللہ کی قسم آپ رضی اللہ عنہ اس بات پر مداہنت سے کام نہ لیتے اور جو امامت کی خلاف ورزی کرتا اس کے خلاف آپ کے واضح معرکے ہوتے اور اگر آپ رضی اللہ عنہ کی عزت و آبرو پر حملہ ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ ضرور دفاع کرتے خصوصاً حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ام کلثوم کا دفاع تو ضرور کرتے (علامہ وحید الزمان اپنی کتاب لغات الحدیث جلد اول (ص: 498) میں لکھتے ہیں: اِنَّهٗ بَعَثَ ابْنَتَهٗ اُمَّ كُلْثُوْمَ اِلٰى عُمَرَ لَمَّا خَطَبَهَا، فَقَالَ لَهَا قُوْلِيْ لَهٗ اِنَّ اَبِيْ يَقُوْلُ لَكَ هَلْ رَضِيْتَ الْحُلَّةَ اور حلہ سے مراد بیوی کو لیا جیسے قرآن میں ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ۔

اللہ آپ سے راضی ہو اور ان کو راضی کر دے، آپ کو ان جھوٹے دعوؤں کے ذریعے ایذا پہنچائی گئی، ان کے دعوے آپ رضی اللہ عنہ کی شان کو داغ دار تو کرتے ہیں، عزت نہیں بڑھاتے۔

76۔ آنجناب نے (ص: 17) پر کہا ہے: جو شخص صحابہ کے بارے شیعہ کی رائے سے آگاہ ہونا چاہتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ان کے بارے میں امام المسلمین علی علیہ السلام کی رائے پڑھے۔

میں کہتا ہوں: متعارف اصطلاح تو یہ ہے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے بعد ہر خلیفہ پر (امیر المومنین) کا اطلاق کیا جاتا ہے لہٰذا ہر دور کا خلیفہ اپنے دور کا امیر تھا۔

البتہ (امام المسلمین) کے اطلاق میں وہم ہے اور ہو سکتا ہے کہ ارادتاً ہو کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے لے ی مفروض الطاعت امام ہیں جن میں ان کے پیشرو بھائی خلفاء بھی شامل ہیں اور یہ امامی شیعوں کا مذہب ہے۔

جبکہ ہم (اہل السنہ) اعتقاد رکھتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ بھی اپنے خلفاء بھائیوں کی طرح امام تھے اور اعتقاد نہیں رکھتے کہ وہ مفروض الطاعت امام ہیں اور نہ ہی ان کے دیگر خلفاء بھائی، اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو راضی کر دے۔

بلکہ آپ رضی اللہ عنہ بذات خود اپنے امام ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور آگے ان کے اقوال بھی ذکر کیے جائیں گے البتہ علی الاطلاق مسلمانوں کے امام فقط ایک ہی ہیں اور وہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور جو شخص اپنے دور میں مسلمانوں پر حکومت کر رہا ہو اسے مسلمانوں کا امام کہنا جائز ہے۔

77۔ آنجناب نے نہج البلاغہ کے حوالے حضرت رضی اللہ عنہ کا قول درج کیا ہے اور وہ ہے: (ترجمہ) کہاں ہیں میرے وہ بھائی جو راستے پر سوا ہوئے اور حق پر چلے گئے؟ کہاں ہے عمار؟ کہاں ہے ابن التیہان؟ اور کہاں ہے دو گواہیوں والا؟ اور کہاں ہیں ان بھائیوں جیسے جنہوں نے موت پر تہیہ کیا تھا اور فاجروں نے ان کے سروں کو ٹھنڈا کیا؟ والے افسوس ان بھائیوں پر جنہوں نے قرآن پڑھا اور اسے محکم کیا، اور فرائض پر غور کیا تو انہیں قائم کیا تو انہیں قائم کیا، انہوں نے سنت زندہ کی اور بدعت ختم کی، جہاد کے لیے بلائے گئے تو انہوں نے لبیک کہا اور قائد پر بھروسہ کیا اور اس کی پیروی کی۔ [1]

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: کتاب (نہج البلاغہ) مقطوع الواسطہ کتاب ہے نہ اس کی سند ہے، نہ کوئی بنیاد اسے کسی شیعی ادیب نے چوتھی صدی ہجری یعنی چار سو سال بعد لکھا اور اس کو مکمل طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا، اس کی سند کہاں ہے جس کے ساتھ یہ کتاب شیعی مولف تک پہنچی؟ میری مراد اس میں مندرج اقوال ہیں۔

---

[1] نهج البلاغة: 182

اور بغیر سند کے اس طرح کی کتاب کو شیعہ کا قبول کر لینا، ان کے پاس علمی منہج کے نہ ہونے پر عظیم دلائل میں سے ہے جس پر علم کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

کیا اس کتاب کے مولف (شریف رضی) یا اس کے بھائی (مرتضی)

"اللہ ہی جانتا ہے کہ ان دونوں میں اس کا مولف کون ہے؟ اور نہ ہمیں اس کی زیادہ فکر ہے" کو آسمان سے وحی آئی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اقوال بیان کیے ہیں؟! اس نے وہ اسانید کیوں نہیں لکھیں جس سے اس نے یہ اقوال نقل کیے ہیں یا ان کتابوں کا حوالہ کیوں نہیں دیا جن سے اس نے یہ اقوال بیان کیے ہیں؟

اہل السنہ کے ہاں کوئی بڑا عالم بھی (قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ) کہتا، تو وہ اس سے ضرور کہتے کہ اس کی پیش کرو اور بغیر سند کے اس کی حدیث قبول نہ کرتے۔

یہ اثنا عشری شیعی منہج دین کے ضیاع تک پہنچا دیتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے وقت سے حضرت رسول اللہ ﷺ کے نام پر جھوٹ بیان کرنا ظاہر ہو چکا تھا اور کذابوں نے باطل حدیثیں گھڑنا شروع کر دی تھیں اگر صحیح احادیث کا ضعیف احادیث سے امتیاز کا منہج مقرر نہ ہوتا تو دین بگڑ چکا ہوتا۔

اور بذات خود شیعہ نے رجال پر کتابیں لکھیں ہیں اور جو چیز ان کے لیے ظاہر ہوئی اس کے مطابق انہوں رواۃ کے نام ذکر کیے ہیں ان میں سے کچھ رواۃ کی توثیق کی ہے اور کچھ رواۃ کی تکذیب کی ہے ہمیں کیسے معلوم ہو گا کہ ان اقوال کو کذابوں نے روایت کیا ہے؟!

اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے اثنی عشری شیعہ علماء تصحیح اور تضعیف کا منہج نہیں جانتے اور جب کوئی موضوع ان کے مذہب کو ثابت کرتا ہو تو شاہد ہی آپ کو اس کا اثر ملے!! بلکہ ان کے لیے آٹھویں صدی سے پہلے تصحیح اور تضعیف کا منہج ظاہر ہی نہیں ہوا۔

اگرچہ رجال کی کتابیں پہلے وقت میں منظر عام پر آئین لیکن اس فن کے قواعد وضوابط ابن مطہر حلی کے دور میں وضع کیے گئے۔ محسن عاملی نے اعیان الشیعہ (104/5) میں کہا ہے کہ پہلا شیخ جس نے اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے وہ ہے۔ (علامہ الحلی) اس نے حدیث کو صحیح، حسن، موثق، ضعیف اور مرسل میں تقسیم کیا یعنی اس طویل مدت تک تصحیح اور تضعیف پر عمل نہیں کیا گیا۔ اس عرصے میں

ان کے علماء صحیح حدیث کو ضویف حدیث سے پرکھنے کے اصول و ضوابط نہ ہونے کی وجہ سے ہر روایت سے استدلال کر لیتے تھے اور گزشتہ کلام اسی بات پر دلالت کرتی ہے اس صورت میں ضروری ہے کہ اس عرصے کی تمام (شیعی) مرویات کی مراجعت کی جائے تا کہ انہیں جدید قواعد و ضوابط (تحقیق) پر پیش کر کے ذمہ داری سے بریٔ الذمہ ہوا جاسکے، کیا آپ ایسا کرنے والے ہیں ؟!

ثانیاً: اس خطبہ میں اصحاب الرسول رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعریف نہیں بلکہ مذمت ہے کیونکہ (ان کی زبان سے) ان کے بھائیوں میں سے صرف حضرت عمار اور دیگر دو اشخاص رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے عظیم بھائیوں حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا ذکر نہیں کیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان سے راضی نہیں تھے اور نہ ہی وہ ان کے بھائی تھے۔ اللہ اس شخص کو رسوا کرے جس نے آپ رضی اللہ عنہ پر جھوٹ باندھا اور ان کے نام پر یہ متکلف اور نہایت مسجع اور باطل المعانی خطبے تصنیف کیے۔

(آپ کے مذہب کے مطابق) وہ ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کس طرح کر سکتے تھے جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کا حق چھین لیا تھا؟!

اگر وہ پسندیدہ تھے (اور اللہ کی قسم وہ ایسے ہی تھے) تو وہ ان کا حق کیسے روک سکتے تھے (جو آپ کے گمان کے مطابق) قرآن اور سنت سے ثابت ہے ؟!

اگر وہ (عیاذاً باللہ) اشرار تھے تو وہ ان کی تعریف کیسے کر سکتے تھے۔

نہج البلاغہ کے شیعی شارح (ہیثم بن علی بحرانی، متوفی 679ھ) نے جب دیکھا کہ نہج البلاغہ میں ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی مدح ہے، تو اس نے اس کو منکشف کر کے کہا: یہ مدح تو شیعہ کے عقیدے کے موافق نہیں ہے اور اس میں ان دونوں کی مذمت بھی ہے تو یہ تناقض کیسے در آیا؟! تو اس نے کہا: جان لو کہ شیعہ نے یہاں سوال پیش کیا ہے کہ دونوں آدمیوں کے حق میں یہ ثناخوانیاں جو اس نے بیان کی ہیں، یہ منافی ہیں اس عقیدے کے جس پر ہم اجماع کیا ہے کہ وہ قصوروار ہیں اور انہوں نے خلافت کا منصب (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے) چھینا ہے۔

یا تو یہ حضرت علی علیہ السلام کے کلام میں سے نہیں۔

یا پھر (ان کے غاصب ہونے پر) ہمارا اجماع غلط ہے۔

پھر اس نے اس خلش کا یہ جواب نیند کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخین کی خلافت کی صحت کا اعتقاد رکھنے والوں سے مصالحت اور ان کے دلوں کو اپنی طرف جذب کرنے کے لیے اس طرح کا کلام کیا ہو گا۔ [1]

یعنی اس شارح کے گمان کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ بلکہ دبے لفظوں میں کذباان کی ثنا کی، تاکہ وہ لوگوں کو اپنی خلافت پر جمع کریں، اگرچہ جھوٹ بھول کر ہی سہی۔ (حاشاہ اللہ عزوجل) اللہ نے آپ کو اس داغ سے محفوظ رکھا۔ کیا آنجناب نے باطل پر اصرار دیکھ لیا؟!

اگر (نعوذ باللہ) آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ماننے والوں کے سامنے تقیہ یہ ثنا کی تھی تو یہ ان کے ساتھ دھوکہ دہی نہیں بنتی؟!

ہم کہتے ہیں کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے شیخین کی ثنا کی تھی، تو آپ کے متبعین میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس بات ایمان رکھتا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ مسلوب الحق وصی ہیں اور شیخین نے آپ رضی اللہ عنہ پر ظلم کرنے والے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے متعبین میں سے کوئی ایک بھی نہ اٹھا جو یہ کہتا: آپ کیسے ان کی ثنا کر رہے ہیں جبکہ انہوں نے آپ پر ظلم کیا اور وصیت میں خیانت کی؟ کیا سارے کے سارے متبعین تقیہ کر رہے تھے؟! سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ

68۔ آنجناب نے صحیفہ سجادیہ سے سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی دعا درج کی ہے: (ترجمہ: اے اللہ، اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خصوصاً وہ لوگ جنہوں نے صحبت کو اچھا کیا اور وہ لوگ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں اچھا کردار ادا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے سے کندھا ملایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر مقدم کرنے میں سرعت کی الخ جو آپ نے ان کے صحیح خصائص بیان کیے۔

(الصحيفة السجادية)

اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے۔

اولاً: یہ خطبہ تاریخ کی کتابوں سے اکٹھا کیا گیا ہے جیسا کہ اس کے مصادر میں بیان کیا گیا ہے اور اس کی سند کی صحت کا پتا نہیں چلا۔ واللہ اعلم

ثانیاً: اس کوئی شک نہیں کہ یہ خطبہ خوبصورت اسلوب اور صحیح معانی سے بھرپور ہے لیکن اس

[1] دیکھیے: شرح نهج البلاغة: 4/97-98

پر دھول پڑتی ہے کہ بحرانی کے قول کے مطابق یہ شیعہ کے اعتقاد کے موافق نہیں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں سے ایک اعتقاد برحق ہے (شیخین وغیرہم کی ثنا یا شیعہ کا اجماع)۔

ثالثاً: ممکن ہے کہ شیعہ اس کی تفسیر اسے اعتقاد کے مطابق کریں اور اہل السنہ اپنے اعتقاد کے مطابق! کیونکہ اس میں اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الصُّحْبَۃَ کا جملہ ہے جو دو مذہبوں کا احتمال رکھتا ہے۔

79۔ آنجناب نے حضرت علی بن موسیٰ الرضا کے آبا کے حوالے سے حضرت رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی ہے: ((مَنْ سَبَّ نَبِیًّا قُتِلَ وَ مَنْ سَبَّ صَاحِبًا جُلِدَ)) [1] کہ "جو کسی نبی کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے اور جو صحابی کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں۔"

میں کہتا ہوں اگر اس حدیث کو نافذ کر دیا جائے تو بہت سے شیعہ قتل کر دیئے جائیں گے اور ان سے زیادہ کو کوڑے مارے جائیں گے، کیونکہ شیعہ کے عقائد حضرت نبی کریم ﷺ پر تہمت تک جا پہنچتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ولایت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں واضح پیغام نہیں پہنچایا اور اس سے بڑھ کر کون کون سی گالی ہو سکتی ہے۔

ایرانی انقلاب کے بانی روح اللہ خمینی نے کشف الاسرار (ص: 155) میں کہا ہے:

"وَ وَاضِحٌ بِاَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَوْ کَانَ قَدْ بَلَغَ بِاَمْرِ الْاِمَامَۃِ طَبَقًا لِمَا اَمَرَ بِهِ اللّٰهُ، وَ بَذَلَ الْمَسَاعِيَ فِيْ هٰذَا الْمَجَالِ، لَمَا نَشِبَتْ فِی الْبُلْدَانِ الْإِسْلَامِیَۃِ کُلُّ هٰذِهِ الْاِخْتِلَافَاتِ وَ الْمُشَاحِنَاتِ وَ الْمَعَارِكِ، وَ لَمَا ظَهَرَتْ ثَمَّہ خِلَافَاتُ فِيْ اُصُوْلِ الدِّیْنِ وَ فُرُوْعِهٖ"

"اور واضح ہے کہ اگر نبی ﷺ نے امامت کے حکم کو اس طرح پہنچایا ہوتا بمطابق اس حکم کے جس کا اللہ نے حکم دیا تھا اور اس میدان میں کوششیں خرچ کی ہوتیں تو اسلامی شہروں میں یہ سارے اختلافات اور کینے اور معرکے برپا نہ ہوتے اور نہ ہی دین کے اصول اور فروع میں اختلافات ظاہر ہوتے۔"

(بتایئے) ہمارے نبی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر (خمینی کے) اس بہتان کے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے؟!

---

[1] صحیفة الرضا و مسند زید بن علی، ص: 464۔ بحار الانوار: 222/76

شیعہ نے وصیت کا عقیدہ تراشا یا ان کے لیے تراشا گیا اور انہوں نے اس کے لیے دسیوں دلائل اکٹھے کیے جو براہ راست اس پر دلالت نہ کرتے تھے اور نہ ان سے وہ کچھ سمجھا جاتا ہے جو وہ چاہتے ہیں الا یہ کہ تکلف کیا جائے اور انہوں نے قرار دیا ہے کہ امامت نص کے لیے ساتھ ثابت ہے اور جب انہیں صحیح صریح نص نہ ملی تو انہوں نے سید البشر صلوات اللہ و سلامہ علیہ پر بہتان لگا دیا، کیونکہ آپ ﷺ نے ان کے مطلب کو سچا نہیں کیا، جو کہ اللہ کا مطلب نہیں ہے لہٰذا انہوں نے آپ ﷺ پر کوتاہی کا اتہام لگا دیا۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ یہ بہتان صرف حضرت رسول اللہ ﷺ تک ہی نہیں ٹھہرتا بلکہ اللہ عزوجل تک جا پہنچتا ہے، کیونکہ وہ (نعوذ باللہ) اپنے رسول کو دیکھتا ہے کہ وہ واضح طور پر اس کا پیغام نہیں پہنچا رہا پھر وہ اسے سزا نہیں دیتا حالانکہ اس نے اس کے حکم کی تبلیغ میں کوتاہی کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۖ﴿۴۶﴾ ﴾[الحاقة: 44-46]

”اور اگر (ہمارا پیغمبر ﷺ) ہم پر اپنی طرف سے کوئی بات بنا لاتا تو ہم اس کو اپنے مضبوط ہاتھ سے پکڑ لیتے، پھر اس کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔“

اور فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ ﴾[المائدة: 67]

”اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے (لوگوں تک) اچھی طرح پہنچا دیجیے، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے الہٰی کی رسالت (کی تبلیغ) کا حق ادا نہ کیا اور (دشمن) لوگوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔“

(خمینی کے مذکورہ بالا) افتراء کے بارے میں آپ کیا کہیں گے ؟!

کیا آپ عقاب کے مستحق ہیں یا نہیں ؟!

پھر شیعہ کے تمام عقائد حضرت نبی ﷺ پر سب و شتم پر ختم ہوتے ہیں۔ چنانچہ

آپ ﷺ کی بیویاں، یا تو (عیاذاً باللہ) کافر ہیں یا فاسق ہیں یا ان میں کوئی فحش کاری کی مرتکب ہوئی یا مرتب ہونے کی کوشش کی۔ بتایئے اس سے بڑی گالی کیا ہو سکتی ہے کہ کسی آدمی کی عزت و آبرو پر تہمت لگائی جائے۔ [1]

معاذ اللہ، یہ تربیت کی عدم سلامتی کی دلیل ہے۔

باقی رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کا مسئلہ تو ان کے بارے میں شیعہ نے کفر یا فسق کا اعتقاد ٹھہرایا۔

چنانچہ ان کے کفر کے تذکرے سے ان کی مسندات بھری ہوئی ہیں اور عقائد کے سلسلے میں شاید ان کی کوئی کتاب بھی ایسی نہ ہو جو صراحتاً یا اشارتاً (ان کی تکفیر یا تفسیق سے) خالی ہو۔

جبکہ آنحضرت ﷺ کی عزت و آبرو پر طعن و تشنیع کے بارے میں مجلسی نے قمی سے اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا﴾ [التحریم: 10] کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ کی قسم اس نے اپنے قول ﴿فَخَانَتٰهُمَا﴾ سے زنا مراد لیا ہے اور وہ ضرور فلاں عورت پر (اس گناہ کی) حد قائم کرے گا جس کا اس بصرہ کے راستے میں ارتکاب کیا اور فلاں مرد سے اس محبت کرتا تھا، جب اس نے بصرہ کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو فلاں نے اس سے کہا: تیرے لیے اس طرح (بغیر محرم کے) نکلنا جائز نہیں تو اس نے فلاں سے اپنا نکاح کر لیا اور فلاں عورت سے مراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہے اور فلاں مرد سے مراد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہے۔ [2]

اور یہ بات تفسیر قمی میں ہے لیکن اس نے بعض کی تصریح کی جرأت نہیں کی جس طرح مجلسی

---

[1] اسی وجہ سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے تیبر زادہ حضرت حسن بن زید حاکم طبرستان کے مجلس میں کسی نے ام المومنین سیدہ عائشہ کا برے الفاظ میں تذکرہ کیا تو آپ نے اس کی گردن کاٹنے کا حکم دیا۔ جب نام کے علویوں نے کہا کہ یہ تو ہمارے شیعوں میں سے ہے۔ آپ نے فرمایا: معاذ اللہ، اس نے حضرت نبی کریم ﷺ پر طعن کیا ہے: اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ [النور: 26] اگر عائشہ رضی اللہ عنہا (عیاذاً باللہ) خبیث ہے تو حضرت نبی کریم ﷺ کیا ہوئے؟ یہ شخص کافر ہے، اس کی گردن مار دو، چنانچہ (جلادوں نے تلوار سے) اس کی گردن اڑا دی رواہ ابامام لالکائی بسندہ)

[2] بحار الانوار: 240/22

نے تصریح کی ہے۔ ❶

سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و آبرو پر دھبہ لگانے والوں کو اللہ ہلاک کرے اور ان کے منہ بگاڑ دے۔ (آمین)

گزشتہ آیت درج کرنے کے بعد مجلسی کہتا ہے: بصیرت رکھنے والے ناقد اور خبر رکھنے والے فطین پر ان آیات میں عائشہ اور حفصہ کے نفاق اور کفر پر تعریض مخفی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ﴾ [النور: 11]

اور یہاں تک فرمایا:

﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾﴾ [النور: 26]

''بے شک جو لوگ بہتان گھڑ کر لائے ہیں وہ تم میں سے ایک جماعت ہے۔''

آگے فرمایا:

''خبیث عورتیں، خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد، خبیث عورتوں کے لیے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔ وہ (عائشہ اور صفوان) پاک ہیں اس (بہتان) سے جو وہ لوگ کہہ رہے ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت مندانہ رزق ہے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی اور اس کے ایمان ثابت کرنے کے بعد ان سے بخشش اور آبرو مندانہ صلے کا وعدہ فرمایا، تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ عزوجل تعیین کے ساتھ کسی شخص سے اجر کریم کا وعدہ کرے اور پھر وہ پورا نہ ہو؟

اور کیا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کو مقید کرے اور کہے کہ ''جب اس سے وہ فعل سرزد نہ ہو جو اس وعدے کے برخلاف ہو۔''

اس کی مراد یہ ہوئی کہ (العیاذ باللہ) اللہ عزوجل آئندہ رونما ہونے والے حالات کو نہیں

❷ تفسير قمي: 377/2

جانتا؟!

پھر وہ اپنے آپ کا نکاح فلاں سے کیسے کر سکتی ہے اور وہ بھی جانتی ہے اور فلاں بھی جانتا ہے اور حضرت علی بن ابی طالب اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جانتے ہیں کہ ازواج النبی، امہات المومنین رضی اللہ عنہن ہیں اور ان سے نکاح حرام ہے۔ پھر ہم تک کسی صحابی کی طرف سے اور نہ ہی حضرت علی اور ان کے علاوہ کسی سے یہ بات نہیں پہنچی کہ انہوں نے اس کام کو انوکھا قرار دیا ہو؟! اگر یہ نکاح اس (فلان) سے ان کا نکاح علانیۃً ہوا تھا تو انکار کہاں گیا؟! اگر پوشیدہ ہوا تھا تو تمہیں کیسے پتا چلا؟

اللہ عزیز ذوانتقام جھوٹ کو ہلاک کرے اور اس شخص کو بھی جس نے اس افترا سے اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کو داغ دار کرنے کی خباثت کی (ہم اللہ عزوجل سے عافیت کا سوال کرتے ہیں)۔ باقی رہیں دیگر امہات المومنی نے بھی دیگر صحابہ کرام کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں کچھ نہیں کہا اور تمہارے نزدیک جو کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا اقرار نہ کرے وہ دو حکموں کے درمیان ہے یا وہ کافر ہے یا فاسق۔

مفید امامی (متوفی 413ھ) نے اوائل المقالات (41/1) میں کہا ہے: امامیہ اور بہت سے زیدیہ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پر متقدمین گمراہ اور فاسق ہیں اور وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے امیر المومنین کو موخر کرنے والے ظالم نافرمان ہیں اور ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہیں۔ (عیاذاباللہ)

اس طرح مفید امامی نے ایک اور کتاب ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' (ص: 358) میں لکھا ہے کہ امامت کے ظاہر مذہب کے مطابق حضرت امیر المومنین پر خروج کرنے اور ان کے ساتھ جنگ لڑنے والا برحق فرقہ کے اجماع کی دلیل سے کافر ہے۔۔۔ اور امامت کو دھکیلنے والا اور اس کا انکار کرنے والا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مَنْ مَّاتَ وَ هُوَ لَا يَعْرِفُ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً کی دلیل سے نبوت کو دھکیلنے اور اس کے انکار کرنے کے برابر ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت سفید جھوٹ ہے۔

مشہور اسلامی دواوین میں اس کا کوئی وجود نہیں؟!

خمینی اپنی تناقضات سے بھری ہوئی کتاب "کشف الاسرار" (ص: 126) میں لکھتا ہے: یہاں ہمیں شیخین سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ان کی قرآن مخالف سرگرمیوں سے اور نہ ان کے احکام الٰہی سے کھیلنے سے اور نہ ان چیزوں سے جو انہوں نے اپنی طرف سے حلال اور حرام قرار دیں اور اس مشق ستم سے جو انہوں نے فاطمہ بنت النبی ﷺ اور اس کی اولاد کے بر خلاف روا رکھی۔۔۔

اس طرح اس نے اسی کتاب (ص: 130) میں لکھا: یہاں تک کہ اگر قرآن میں امام کا ذکر وارد ہو جاتا تو اس بات کی کون ضمانت دیتا کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات نہیں اٹھیں گے؟

اس صورت میں وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو دین اور نبی سے چپکایا ہوا تھا اور انہوں نے دھڑے کھڑے کر دیئے تھے وہ اقوال قرآن کی پابندی نہیں کرتی تھی۔

چنانچہ وہ احکام الٰہی کے ساتھ کھیلنے والے اور اپنے آپ کو دین سے چپکانے والے تھے اور وہ دین دار نہ تھے۔

یہ ہے امامیہ کا عقیدہ حضرت نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی ازواج اور آپ ﷺ کے اصحاب کے بارے میں۔

اگر گزشتہ مکذوب روایت نافذ کر دی جائے تو (امامی شیعہ) سب سے پہلے اس حکم کے مستحق ہیں۔

آنجناب کا کیا خیال ہے کہ اگر کسی خالی الذہن شخص کے سامنے کسی شخص کے بارے میں یہ بات بیان کی جائے کہ اس کے دوست خبیث اور منافق یا کفار اور فاسق ہیں اور اس کی بیویاں منافق یا کافر ہیں اور وہ تقریباً اپنے دس ہزار پیروکاروں کو تربیت دینے میں ناکام ثابت ہوا سوائے چار آدمیوں کے!!

پھر وہ اس سے پوچھے: اس شخصیت (استاد) کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟

آنجناب اس کی طرف سے کس جواب کی توقع رکھتے ہیں؟!

80۔ آنجناب نے عاملی کا قول درج کیا ہے: مذہب شیعہ میں صحابہ کو گالی دینا واجب نہیں ہے۔۔۔ اس کے یہاں تک کہا ہے: اگر کوئی شخص ہزار سال زندہ رہے اور وہ اہل بیت علیہم السلام کے مذہب کو

اختیار کیے رکھے اور ان سے وابستہ رہے اور ان کے دشمنوں سے تبرا کرے اور کسی صحابی کو کبھی گال ینہ دے تو وہ خطاکار نہ ہو گا اور نہ ہی اس کے ایمان میں قصور ہو گا۔ [1]

میں کہتا ہوں کہ شیعہ صاحبان الفاظ کی میناکاری کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اہل السنہ پر یہ تدبیر کارگر ہو گی (اہل بیت کے دشمنوں) کے الفاظ ثابت کر رہے ہیں کہ اہل بیت کے دشمن ہیں اور اس سے مراد واضح ہے یعنی وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کے بعد خلیفہ بنے اور انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہیں بنایا اور ان کے گمان کے مطابق سوائے چار کے باقی سارے صحابہ ہیں لہذا یہ ان کے نزدیک اہل بیت کے دشمن ہیں۔

اور ان سے تبرا کرنا، ایمان کے اثبات کے لیے کافی ہے، اس کی مثال شیطان، فرعون، ابولہب اور ابو جہل کے ساتھ ہماری مثال کی طرح ہے کہ اگر ہم ہزار سال زندہ رہیں اور ان میں سے کسی کو گالی نہ دیں تو ہمارا ایمان کامل ہے لیکن ان سے لاتعلقی ضروری ہے بتائیں ان دونوں مثالوں میں کیا فرق ہے؟

مسئلہ پھر اسی طرف لوٹتا ہے جو بحرانی امامی نے کہا: یا تو امامت کو ثابت کرنا اور یا پھر اہل بیت کا صحابہ سے دوستی رکھنا۔

81۔ پھر آنجناب نے سید علی خاں شیرازی (متوفی: 1130ھ) کا قول وارد کیا ہے اور وہ ہے: عدالت کے بارے میں ہمارے ہاں صحابہ کا حکم بھی ان کے غیر کی طرح ہے کہ محض صحبت سے ایمان اور عدالت کا حکم لگانا کافی نہیں اور نہ ہی اس سے آگ سے نجات اور جبار کے غضب سے نجات حاصل ہو گی الا یہ کہ وہ ایمان کے یقین اور جنان کے خلوص کے ساتھ ہو لہذا ہم جس کی عدالت اور ایمان اور حضرت رسول اللہ کے اہل بیت کے بارے میں وصیت کو یاد رکھنا جانیں گے اور وہ اس پر ہی مرے گا جیسا کہ سلمان فارسی، ابوذر تو ہم اس سے وابستگی اختیار کریں گے اور اس کی محبت سے اللہ کا قرب حاصل کریں گے۔۔۔ الخ جیسا کہ جناب نے "الدرجات الرفیقہ" (ص: 11) سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہاں مذہب (شیعہ) واضح ہوتا ہے اور اس کا چہرہ واضح طور پر نظر آتا ہے: مَنْ

[1] بحواله مناظرات مولفه مقاتل بن عطيه بتحقيق وردانی، ص: 77

حَفِظَ الْوَصِيَّةَ كَسَلْمَانَ وَ اَبُوْذَرٍّ۔۔۔ فقط، جبکہ ابو بکر، عمر اور کبار صحابہ نے حق سے عناد کیا جس طرح کہ باقی کلام سے واضح ہوتا ہے۔

شیعہ کے نزدیک یہ ہے حقیقی معیار کہ صحابہ کرام پر ارتداد اور گمراہی کا بہتان لگاتا۔ اس عبارت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کہاں سے ثابت ہوئی ؟!

پھر آنجناب نے گزشتہ (صفحات) میں سابقوں الاولون کی تعریف کہاں بیان کی ہے ؟! اور بعض علمائے اہل السنہ سے عظمائے صحابہ کی تعظیم میں موافق کہاں ذکر کی ہے ؟!

82۔ آنجناب نے "مروج الذہب" سے مسعودی کا قول درج کیا ہے: اصحاب بدر میں سے جنگ صفین میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ستاسی صحابہ شریک ہوئے ان میں سات صحابہ مہاجرین میں سے تھے اور ستر صحابہ انصار میں سے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ درخت کے نیچے بیعت رضوان کرنے والے مہاجرین اور انصار اور باقی صحابہ میں سے نو صد شریک ہوئے۔۔۔ الخ۔ یہ عبارت آپ نے کتاب "الدرجات الرفیعہ" (ص: 39) کے حوالے سے درج کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے۔

اوّلاً: مروج الذہب تاریخ کی کتاب ہے متنازعہ مسائل کے ثبوت میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا بلکہ مسند کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

ثانیًا: کتاب کے مولف مسعودی کے بارے میں "لسان المیزان" (225/4) میں (جرح و تعدیل کے امام) ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ اس کی کتابیں جھاگ سے لبریز ہیں کیونکہ وہ معتزلی شیعہ تھا۔

ثالثًا: اگر یہ اثر صحیح ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عداوت نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ ان سے وابستہ تھے اور اگر وہ جانتے ہوتے کہ آپ رضی اللہ عنہ (وصی) ہیں تو اس سے قبل ان کی آواز سنی جاتی پھر ان میں سے کسی ایک سے بھی مروی نہیں کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے تھے۔

رابعًا:

تعداد بیان کی ہے، باقی کہاں گئے ؟! اور ہم نہیں جان سکے کہ وہ کون کون صحابہ تھے جن کی تعداد مسعودی نے درج کی ہے۔ کیا وہ (وصیت) کے قائل تھے یا اس کے معارض تھے ؟!

خامسًا: صحابہ کرام کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصرت کرنے اور ان کے آپ کی بیعت کرنے میں فقط شرعی خلافت کا ثبوت ہے۔ اس میں وصیت کی تو کوئی دلیل نہیں ؟!

سادسًا: پھر صحابہ کرام کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصرت کرنا ان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی دلیل ہے اگر ان کے پاس آپ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے بارے میں علم ہوتا تو وہ اس سے پہلے اس کا اعلان کر دیئے۔

اگر وہ وصیت کے قائل تھے تو انہوں نے اس سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کی نصرت کیوں نہ کی ؟!

83۔ آنجناب نے کہا: سید محسن الامین عاملی (متوفی: 1371ھ) نے شیعہ کے عقیدے کی تصویر پیش کرتے ہوئے کہا: عدالت کے مسئلے میں صحابہ کے بارے میں وہی حکم ہے جو دیگر کے بارے میں ہے، جس کی عدالت کا ہمیں علم ہو گا ہم اس کی عدالت کا حکم لگائیں گے اور اس کی روایت کو قبول کریں گے اور شرف صحبت کی وجہ سے اس کی تعظیم و توقیر کو لازم کر دیں گے اور جس کے بارے میں ہم اس کے برخلاف جان لیں گے اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ جیسے مروان بن حکم اور مغیرہ بن شعبہ اور ولید بن عقبہ اور بسر بن ارطاۃ اور بعض بنو امیہ اور ان کے اعوان و انصار اور جس کی عدالت کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہو گا ہم اس کی روایت قبول کرنے میں توقف کریں گے۔۔۔ الخ۔ [1]

یہاں چند توجہ طلب امور ہیں:

اولًا: ہمیں شیعہ مذہب پر صحابہ کی عدالت کا کیسے پتا چلے گا ؟!

کیا ان احادیث کی روشنی میں پتا نہ چلے گا جو ان کی فضیلت کی شہادت دیتی ہیں، چنانچہ ان کی طہارت قلب کے بارے میں اور خصوصًا خلفائے راشدین کے تزکیے کے بارے میں احادیث بیان ہوئی ہیں، تو کیا وہ تمہارے نزدیک قابل تعظیم ہیں ؟

ثانیًا: عاملی نے اس صنف کے اشخاص کے نام لکھے ہیں جن کی عدم عدالت کا اسے علم ہے اور ان

[1] بحوالہ اعیان الشیعۃ: 113/1

لوگوں کے نام پیش نہیں کیے جن کی عدالت کا اسے علم ہے: فرمایئے کس لیے پیش نہیں کیے؟!

وہ امت کے عظماء کے نام ہرگز نہیں پیش کرے گا وہ تو صرف حضرت سلمان، عمار، مقداد اور ابوذر کے نام پیش کرے گا اور وہ اس قول کے ذریعے اپنی مراد سے انکشاف کر رہا ہے جس کے بارے میں وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ اہل السنہ کو دھوکہ دے سکتا ہے؟!

ثالثًا: وہ کون سے صحابہ ہیں جن کی عدالت مجہول ہے اس نے ان میں سے کسی کی مثال پیش نہیں کی!

رابعًا: تقیہ کے راستے کے سوا ممکن ہی نہیں کہ (مکذوبہ) وصیت کا اعتقاد اور تعظیم صحابہ ایک دل میں جمع ہو سکیں۔

خامسًا: یہ کون سی صحبت ہے جس کو شرف حاصل ہے، آپ لوگ حضرت رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر تہمت دھر چکے، آپ لوگوں کے نزدیک صحبت کے شرف (کا معیار) کیا ہے؟

سادسًا: کون سے دین کی نفرت کی گئی، آپ لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد وصیت کی خیانت کی؟ آپ لوگوں کے نزدیک وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے دین کی نصرت کی؟!

84۔ آنجناب نے عاملی کے کلام پر تعلیق لکھی ہے: اس سے بہت سی باتیں مقبول ہیں لیکن اس کا آخری حصہ انوکھا ہے اور وہ یہ ہے (اس کے ساتھ ہی ان میں سے بعض سے ایسے اعمال کا صدور دیکھا گیا ہے جو ان کی عدالت سے متفق نہیں۔ جیسے عادل اماموں کے برخلاف خروج کرنا، مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنا اور محترم جانوں کو قتل کرنا اور معصوم اموال کو لوٹنا، سب وشتم کرنا، مسلمانوں سے جنگ کرنا اور انہیں دھوکہ دینا اور فتنے برپا کرنا اور دنیا میں رغبت کرنا اور امارت اور سرداری پر مزاحمت کرنا اور ان جیسے دیگر جرائم جن سے مشرق و مغرب کی کتب آثار اور تاریخ بھری پڑی ہیں، پھر جناب اس کی ذمہ داری "اعیان الشیعہ" (113/1) پر ڈال دی اور میں نہیں سمجھ پایا کہ یہ جناب کا قول ہے یا یہ منقول کلام ہے؟!

بہر حال یہاں چند توجہ طلب امور ہیں۔

اولًا: گزشتہ (موقف کی) تاکید میں اس صورت میں صحابہ کے معاشرے کی ان لفظوں میں منظر کشی کرنا (لوگوں کو) اس وہم میں ڈالنا ہے کہ ان کا معاشرہ، ایسا معاشرہ تھا جس میں ہر طرح کی برائی جمع تھی اور آپ لوگوں نے ان کی نصرت اسلام اور ان کے جہاد عظیم کو بھلا دیا اور (نعوذ باللہ) ان کی تاریخ بری تاریخ تھی، (قتل کرنا اور لوٹنا، گالی دینا، دھوکہ دینا اور دنیا کی حرص رکھنا، جس نے مشرق و مغرب کو بھر دیا!) اس کے ساتھ آپ نے ان صحابہ کی تعظیم کرنے کے سلسلے میں عاملی کا قول ذکر کیا جن کو صحبت (نبوی) اور نصرت اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ کا شرف حاصل ہے، بتائیے صاحب! وہ کون ہیں؟

اور اس طرح کی بات کا جواب گزر چکا ہے۔

ثانیًا: میں نہیں سمجھ پایا کہ ائمہ عدل پر خروج سے آپ لوگوں کی مراد کیا ہے؟

کیا یہ خلفائے ثلاثہ (خصوصًا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بر خلاف لسانی یا مسلح) خروج کرنے والوں پر منطبق ہے، یا اس سے مراد (معاویہ رضی اللہ عنہ) ہے اس طرح کے دونوں احتمالات کا جواب دیا جا چکا ہے۔

85۔ آنجناب نے کہا ہے: لبنان کے اکابر علمائے شیعہ میں سے (ایک شیعی عالم) سید شرف الدین عاملی (متوفی: 1377ھ) نے کہا ہے: جو شخص صحابہ کے بارے میں ہماری رائے سے آگاہی حاصل کرے گا وہ جان لے گا کہ ان کی رائے معتدل ہے کیونکہ ہم نہ تو غالی شیعوں کی طرح تفریط کرتے ہیں جو تمام (صحابہ) کو کافر قرار دیتے ہیں اور نہ ہم جمہور کی طرح افراط کرتے ہیں جو سب کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔۔۔ چنانچہ صحابہ بھی دیگر آدمیوں کی طرح ہیں، ان میں عادل بھی ہیں اور وہ ہیں ان میں علماء اور عظماء اور ان میں باغی بھی ہیں اور ان میں منافقوں سے تعلق رکھنے والے جرائم پیشہ بھی ہیں اور ان میں مجہول الحال بھی ہیں، چنانچہ ہم ان میں عادلین کو حجت سمجھتے ہیں اور دنیا اور آخرت میں ان سے وابستہ ہیں، جبکہ وصی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی پر بغاوت کرنے والے اور ابن ہند (معاویہ) اور ابن نابغہ (عمرو بن عاص) اور ان جیسے تمام اہل جرائم اور عظائم کا نہ تو کوئی وزن ہے اور نہ ان کی حدیثوں کا (اس نے یہاں

تک کہا): اور جب ہم شرعی واجب اور دینی حقائق کے پرکھنے اور صحیح آثار نبویہ کے سلسلے ان پر جرح کرتے ہوئے بہت سے مجہول الحادل صحابہ کی احادیث کو ردّ کرتے ہیں تو اہل السنہ کا ہم پر انکار کس قدر شدید ہوتا ہے اور اگر ان کی عقلیں ثابت ہوں اور وہ علم کے قواعد کی طرح رجوع کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ صحابہ کی عدالت پر سرے سے کوئی دلیل ہی نہیں اور اگر وہ قرآن میں غور کرتے تو اسے منافقوں کے ذکر سے بھرا ہوا پاتے اور تجھے سورہ توبہ اور احزاب ہی کافی ہے اور اس کی محکم آیات میں سے تجھے: ﴿إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُنَٰفِقُونَ﴾ [المنافقون: 1] اور ﴿ٱلْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا﴾ [التوبة: 97]

اور وہ اس اسلوب میں صحابہ کرام پر بہتان اور دعاوی پر مسلسل لکھتا چلا جاتا ہے اور یہاں تک لکھ جاتا ہے کہ امت اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والوں اور فضیلت والوں سے بے نیاز ہے۔ اور ان میں بھاری اکثریت ہے خصوصًا ان کے علماء اور عظماء۔۔ اور یہاں تک کہا کہ ہم صحابہ سے ان کے ساتھ وابستہ ہیں جو ظاہری طور پر (وصی) سے رخ موڑنے یا حکمرانوں کے ساتھ چلنے پر مجبور تھے۔۔۔ اور وہ صحابہ میں سے سواد اعظم ہیں۔ [1]

اللہ کی قسم اس کا ہر فقرہ دلیل کے ساتھ بطلان اور توڑ کا محتاج ہے لیکن ہم جواب کو مختصر کرتے ہیں۔

اولاً: اس کا دعویٰ کہ اس کا مذہب معتدل ہے یہ حقیقت سے مختلف ہے، اس کا مذہب امامی شیعہ کا مذہب ہے اور جو چیز مختلف ہے وہ صرف عبارت کا اختلاف ہے چنانچہ جو کوئی شیعہ عقیدے کا معتقد ہے وہ معتدل نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ انہوں نے وصیت کے دعوے میں مسلمانوں کی اکثرت کی مخالفت کی ہے اور جو کوئی وصیت کا دعویٰ کرتا ہے اس کے لیے محال ہے کہ وہ معتدل ہو اور ذیل میں یہ بات واضح ہو جائے گی۔

ثانیاً: اس نے کہا: صحابہ بھی دیگر آدمیوں کی طرح ہیں، ان میں عادل بھی ہیں اور وہ ان کے عظماء اور علماء ہیں۔

میں کہتا ہوں۔ ان کے عظماء اور علماء کون ہیں؟!

---

[1] اجوبة مسائل جار اللّٰه، ص: 14

علی، سلمان فارسی، مقداد اور عمار اور بعض نے ان کی نصوص کی مخالفت کرتے ہوئے تھوڑی سے تعداد کا اضافہ کیا ہے۔

کیا ان کے سوا کوئی اور بھی ہے ؟! یقیناً نہیں، اور کوئی ان میں ان عظماء کو داخل کر بھی نہیں سکتا جو حقیقت میں ان سے عظیم ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے اور تمام مسلمانوں کے نزدیک (ماسوائے شاذ لوگوں کے) وہ اعظم العظماء ہیں۔

ثالثاً: پھر اس نے باغیوں کی تفسیر کی ہے کہ وہ (وصی اور اخی النبی) کے خلاف بغاوت کرنے والے ہیں، یہ ہے دراصل شیعہ کا عقیدہ جو سر نکالے بغیر نہیں رہ سکتا اور پھر شیعہ کے گمان کے مطابق وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے (وصی) کے خلاف بغاوت کی ؟! کیا وہ ان کے گمان کے مطابق ان کے دور کے خلفائے ثلاثہ اور تمام صحابہ نہیں ہیں ؟!

اس صورت حال میں معتدلین کے ترازو میں صحابہ میں سے کون باقی رہا جسے عدل سے متصف کیا جائے گا۔

رابعًا: پھر اس نے بڑ ہانک دی (کہ صحابہ کے بارے ٹھوس موقف رکھتا کہ وہ عادل ہیں اس پر کوئی دلیل نہیں اور اگر وہ قرآن حکیم پر غور کرتے تو اسے منافقین کے تذکرے سے بھرا ہوا پاتے۔)

اس باطل دعوے پر تعجب ہے: (عدالت صحابہ کرام نہ تو قرآن میں کوئی دلیل ہے اور نہ سنت میں۔)

کیا دسیوں آیات اور دسیوں بلکہ سیکڑوں احادیث صحیحہ (ان کی) عدالت پر کافی نہیں ہیں ؟! نہیں، وہ صحابہ کے بارے جانتا کیا ہے ؟

قرآن، منافقین کے ذکر سے پھرا ہوا ہے، کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے وہ منافقین، صحابہ میں سے تھے جن کی تعریف عظماء اسلام یوں کی ہے کہ صحابیہ (وہ ہوتا ہے) جس نے حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو اور اسی حالت میں وہ فوت ہوا ہو۔

کیا منافقین نے (دل سے) مومنین ہونے کی حالت میں حضرت نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی تھی ؟!

اور کیا منافقین چھپے رہ سکتے تھے کہ ایسی باتیں کہتے پھرتے ہوں یا ایسے کام کرتے رہتے ہیں جو اسلام کے مخالف ہیں اور مومن ان کو دیکھتے رہتے ہوں، کیونکہ نفاق قول یا فعل سے ظاہر ہو کر رہتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو منافق کی دوسروں سے شناخت کیسے ہو؟!

عظماء امت کے بارے میں اس کینہ توز عقیدے پر تعجب ہے!!

خامسًا: اس نے منافقین کے متعلق کہا ہے: کاش کہ میں جان لیتا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے بعد منافق کہاں گئے جنہوں نے آپ ﷺ کو ساری زندگی کوڑے گھونٹ پلائے۔

تب تو ان کے اعمال و اقوال آشکارا تھے جن سے وہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتے تھے، سو وہ عیاں اور معلوم تھے تو پھر کس تم گمان کرتے ہو کہ مومنین اور منافقین کے درمیان فرق نہیں کیا جا سکتا؟ کیا آپ ﷺ کو کڑوے گھونٹ پلانے والے مشہور نہ تھے؟!

(کیا آپ کو غزوہ احد کے موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ باہر نکل کر واپس لوٹ آنے والوں کا پتا نہیں۔[ایزاد از مترجم])

پھر ہم دکتر قزوینی سے پوچھتے ہیں: وہ منافق کہاں گئے؟! کیا آپ ان کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں؟ کیا آپ کے پاس ان کا علم ہے یا صرف ظن اور تخمین ہی؟

سادسًا: اس کلام کا بعض حصہ، بعض سے متضاد اور متناقض ہے اس نے اہل عدل کا ذکر کیا ہے کہ وہ ان کے عظماء اور علماء تھے اور مستقیم صحابہ کے بارے میں کہتا ہے: وہ اہل سوابق اور مناقب ہیں (یعنی وہ قبول اسلام اور فعل خیرات میں پہل کرنے والے اور فضیلت رکھنے والے ہیں اور ان میں بھاری اکثریت ہے اور خصوصاً ان کے علماء اور آثار نبویہ کے حاملین ہیں اور اس کے بالمقابل اس کا یہ قول ہے: بغاۃ سے مراد وصی اور نبی ﷺ کے اخی کے خلاف بغاوت کرنے والے ہیں، نہ تو ان کو تکریم حاصل ہے نہ ان کی حدیث کا کوئی وزن ہے) اور (اس کے ساتھ ہی) کہتا ہے (ہم صحابہ میں سے ان سے ولاء رکھتے ہیں جو ظاہر طور وصی سے غیر جانب داری پر مجبور ہوئے یا اہل سلطنت کے ساتھ، دین کے احتیاط کے ارادے اور مسلمانوں کی شوکت کی حفاظت کی خاطر چلنے میں پناہ حاصل کی اور وہ صحابہ میں سواد اعظم ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس نے گمان کیا کہ اہل سوابق اور مناقب: (بھاری اکثریت تھی) پھر یہاں ان کا ذکر کیا جو اہل سلطنت کے ساتھ چلے اور (وہ سواد اعظم ہیں)۔

اس صورت میں عظماء کون ہیں؟ اور غیر جانب دار کون ہیں؟! اور اہل سلطنت کون ہیں؟!

چنانچہ ان کے بارے میں معاملہ تمام صحابہ پر بہتان کی طرف لوٹ آیا!!

اہل سلطنت: ابو بکر، عمر اور عثمان تھے (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور جانب دار، سوائے چار کے باقی تمام صحابہ تھے۔

اور عظماء اور علماء وہ حضرت علی اور چار صحابہ تھے۔ اس طرح عبارتوں طوالت اور جانب داری (شیعہ قوم) کے اصل عقیدے پر ختم ہوتی ہے۔

سابعًا: اس نے بے بنیاد دعویٰ کیا ہے کہ اس نے حقائق دینیہ کی تمحیص اور صحیح آثار نبویہ کی تلاش کی خاطر بہت سے صحابہ کی احادیث کو رڈ کر دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح آثار نبویہ جو تمہارے ہاں صحیح ہیں یا ہمارے ہاں اگر تم کہو کہ جو ہمارے نزدیک صحیح ہیں، تو ہم کہیں گے:

تم اپنی کتابوں میں سے کون کتاب پر اعتماد کرتے ہو جبکہ تمہارے تمام روایات پوشیدہ طور پر لکھی گئیں اور تقریباً ہزار سال تک علماء نے ان کی تدریس و تحقیق اور ان کی طرف مراجعت کرنا گوارا نہیں کیا تو جن کتابوں کا یہ حال ہو ان کی روایات یا ان کتابوں کی توثیق کس طرح کی جا سکتی ہے اور اس طرح کی کتابوں پر اطمینان کیسے کیا جائے گا اور ہم گزشتہ صفحات میں تمہارے ائمہ کا اعتراف بیان کر چکے ہیں کہ (ان کے رواۃ میں) کذاب موجود ہیں جو ان کے نام پر جھوٹ بولتے ہیں۔

روایات میں سے مکذوبہ روایات کی شناخت مشکل ہے کیونکہ وہ سب پوشیدگی میں لکھی گئیں۔

پھر تمہارے قدیم علماء ساتویں صدی ہجری تک حدیث کی تصحیح اور تضعیف کا علم نہیں رکھتے تھے تمہارے متاخرین علماء کے بقول عامۃ الناس کی عار کو دور ہٹانے کے لیے اس علم کو ایجاد کیا ہے جیسا کہ اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے اور اللہ کی مشیت سے آگے بھی آئے گا۔

اگر تم کہو کہ تمہاری (اہل السنہ) کی کتابوں سے، تو تم سے کہا جائے گا جو کچھ تم نے وصیت کی

تصریح کے بارے میں درج کیا ہے وہ ہمارے نزدیک ضعیف یا مکذوب ہے اور ہم نے دور صحابہ سے لے کر آج کے دن تک روایات کی چھان پھٹک کی ہے اور ہماری کتابیں آفتاب نیم وز کی روشنی میں لکھی گئی ہیں اور انہیں صحابہ نے علانیۃً روایت کیا ہے اور پھر ان سے تابعین علانیۃً اور اس طرح ہمارے دور حاضر تک۔

جو کچھ تم نے وصیت کی تصریح کے بارے میں درج کیا ہے وہ ہمارے نزدیک ضعیف یا مکذوب ہے اور ہم نے دور صحابہ سے لے کر آج کے دن تک روایات کی چھان پھٹک کی ہے اور ہماری کتابیں آفتاب نیمروز کی روشنی میں لکھی گئی ہیں اور انہیں صحابہ نے علانیۃً روایت کیا ہے اور پھر ان سے تابعین علانیۃً اور اس طرح ہمارے دور حاضر تک۔

اور جس کسی نے اس میں کوئی چیز داخل کرنے کا ارادہ کیا، انہوں نے اس کا انکشاف کر دیا اور اس کے باوجود ہماری مرویات، ضعیف اور موضوع روایات کے داخل ہنے سے بچ نہ سکیں لیکن ہمارے علماء کرام نے ان کو پہچانا اور ان کا حال کھول دیا۔

لہٰذا آپ لوگ اس روایت سے استدلال کر سکتے ہو جس کا ضعیف یا کذب ہمارے نزدیک ثابت ہ چکا ہے اور آپ لوگ ان صحیح روایات کو چھوڑ دیتے ہیں جو آپ حضرات کے عقیدے کو باطل ثابت کرتی ہیں اور ان کی تعداد آپ کی بیان کردہ (موضوع یا ضعیف) روایات سے دگنی ہے۔

کیا یہ مطلب کا چناؤ نہیں ہے جو حق کے متلاشی کو زیبا نہیں؟!

ثامنًا: آپ لوگوں کے نزدیک دوسری صدی کے نصف تک لگاتار امام مقرر ہوئے اور ہر امام سے پہلے حدیثیں لکھی گئیں، لہٰذا جو احادیث ہر امام سے پہلے روایت کی گئی ہیں اس پر لازم ہے کہ وہ ان کو باطل قرار دے یا ان کی تصحیح کرے کیونکہ امامت کی رو سے اس کا فرض بنتا ہے پس جب اس نے ان سے آگاہ نہیں کیا یا ان کی تائید نہیں کی، تو اس کا مطلب ہوا کہ وہ ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا اور یہ لاعلمی اس کام کے منافی ہے جس کے لیے امام بنایا جاتا ہے۔

یا وہ آپ لوگوں کے بلا دلیل دعویٰ کے مطابق ان کو باطل قرار دے، کیونکہ وہ غیب جانتا ہے تو اس سے قبل دین کے نام پر جھوٹ بولا گیا اور جان نہ سکا! یا پھر وہ ایسا امام ہی نہیں جس کی طرف رجوع

کیا جائے۔ تو اس امام کیا کیا فائدہ کہ جس کے ماننے والے اس کے دور تک جھوٹ نقل کرتے رہے پھر وہ ان کو اس جھوٹ سے آگاہ نہ کرے کیا آپ لوگ غور نہیں کرتے کہ تمہاری تصحیح امام پر استدراک ہے۔ اس بحث سے واضح ہو گیا کہ تمہارا تصحیح کا دعویٰ مردود ہے اور اس کا مزید بیان (بمشیئة اللّٰه) درج ذل فقرے میں آرہا ہے۔ پھر میں سمجھ نہیں پایا کہ وہ کون سا شرعی منہج ہے جس سے دینی حقائق کو پرکھا جاتا ہے اور اس سے آثار کی تصحیح کی جاتی ہے؟ اور (شیعی) سید محمد صدر نے اعتراف کیا ہے کہ شیعی عقیدے اور تاریخ کے رواۃ مجہول ہیں۔ جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔ تو وہ اپنے عقائد کے بارے میں اپنے مذہب کے راویوں کی تصحیح تک کیسے پہنچے گا جس رواۃ ہی مجہول ہیں؟!

باقی رہیں اہل السنہ کی کتابوں کی وہ روایات جن پر شیعہ نے اعتماد کیا ہے تو ان میں کوئی روایت بھی (ضعف یا کذب سے) خالی نہیں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ تو علمی منہج کہاں گیا؟ و اللہ المستعان

86۔ آنجناب نے سماحۃ الشیخ سبحانی کا قول درج کیا ہے اور وہ بھی گزشتہ موقف کی فوٹو اسٹیٹ ہے البتہ اس نے مزید کھوکھلا دعویٰ کیا ہے کہ اس نے قرآنی آیات اور صحیح احادیث اور قطعی تاریخ اور غیر جانب دارانہ عقل پر اعتماد کیا ہے۔ [1]

میں کہتا ہوں: قرآن سے اس کا استدلال کرنا، شیعی طریقے پر ہے: یعنی طرح طرح کی تاویلات کر کے قرآن کو اس کے مدلول سے نکالنا۔

باقی رہا صحیح احادیث سے استدلال کرنا، تو ہم کسی قدیم صحیح شیعی مصدر کو نہیں پہچانتے، چنانچہ یہ (الکافی) جو ان کے نزدیک صحیح ترین کتاب ہے جو ایسی انوکھی روایات سے بھری ہوئی جنہیں اللہ عزوجل کے دین کی طرف منسوب کرنے سے شرم آتی ہے اگرچہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ باطل ہیں اور اس طرح بہت سے شیعہ علماء بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ باطل ہیں لیکن بہت سے لوگوں کے نزدیک باطل روایات سے صحیح روایات کی تمیز کرنا نہایت دشوار ہے، اگرچہ آخری وقت میں کوئی محقق سامنے آیا ہے جو اس کی روایات کا کھوج لگا رہا ہے اور امامی منہج کے مطابق اس کی صحیح روایات کو سقیم روایات سے جدا کر رہا ہے چنانچہ یہ مقید توجہ ہے جب یہ بار آور ہو جائے تو۔

[1] العقيدة الاسلامية: 298

باقی رہا غیر جانب دار تاریخ پر اعتماد کا دعویٰ۔ تو ہم نہیں جانتے کہ یہ غیر جانب دار تاریخ کہاں ملے گی اور تاریخ کی کون سی کتاب ہے جس کا حجت ہونا ممکن ہے؟! تاریخ تو جھوٹے قصوں اور باطل روایات سے بھرپور ہے۔

پھر شیعہ کے نزدیک عقیدہ اور تاریخ کی روایات کا دار و مدار مجہول راویوں پر ہے اور (ان کے محققین کے اعتراف کے مطابق) مجہول راویوں کی سند سے صحیح احادیث تک رسائی حاصل کرنا کیسے ممکن ہے؟!

سید محمد صدر غیبت الصغریٰ کی تاریخ کے مقدمے میں "تمہید" کے عنوان کے تحت، (شیعی) اسلامی تاریخ میں ابہام کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتا ہے، چنانچہ کئی نقاط ذکر کیے اور پانچویں نقطے کے تحت لکھتا ہے (پانچواں سبب) روایات کی اسناد کا نقطہ، اس اعتبار سے امامی مصنّفین نے اپنی کتابوں میں وہ سب کچھ جمع کر دیا جو ان کی طرف ائمہ علیہم السلام یا ان کے اصحاب کی طرف سے پہنچا، اس کی صحت یا ضعف سے آنکھیں بند کر کے اور امامی شیعہ علماء جنہوں نے رجال کے بارے میں تالیفات لکھی ہیں انہوں نے اپنی کتابوں میں تشریعی فقہی احادیث کے راویوں کے ترجمے پر اکتفا کیا ہے اور ان پر خصوصی توجہ کو اولیت دی ہے کیونکہ لوگوں کی عملی زندگی میں ان کو جگہ دینے کی ضرورت تھی لیکن کتابوں میں ان رجال کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے جن کی روایات معارف اسلامیہ کے دوسرے کھیتوں میں پائی گئیں مثلاً عقاید، تاریخ اور گھمسان کی جنگیں، جو فقہی کتابوں پر نشوونما پاتی ہیں۔

اگر حسن اتفاق سے کسی راوی نے تاریخ اور فقہ میں کوئی بات بیک وقت بیان کر دی تو ہم اس کا ذکر ان کی کتابوں میں پائیں گے اور جب وہ فقہ میں کوئی چیز بیان نہ کرے تو وہ مجہول ہو گا۔ (دیکھیے: مقدمه تحقيق كتاب الغيبة الصغرى)

کیا آنجناب نے یہ خطرناک اعتراف دیکھا، اس نے کس طرح حقیقت سے انکشاف کر دیا جو (شیعی) مذہب کو اس کی بنیاد سے دھڑام گرا رہا ہے اور زندہ دلوں کو جو حق کے متلاشی ہیں بیدار کر رہا ہے کہ وہ اعلان کریں جیسا کہ دسیوں علماء مذہب (امامی) نے کیا اور وہ اسے خیر باد کہہ کر عقیدہ کی

طرف پلٹ آئے۔

حر العاملی (متوفی: 1104ھ) جس کے بارے میں عباس القمی اپنی کتاب "الکنی و الالقاب" (176/2) میں کہتا ہے: شیخ المحدثین وافضل المتبحرین وہ (امامی) مذہب میں جدید ترقی پر اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ روش شیعی روایات کو نقد وجرح کے تابع کرنے کی دعوت دیتی ہے اور اس کا گمان ہے کہ روایات کا شیعی مصادر (کتابوں) میں وارد ہونا ہی کافی ہے اور یہ کہ اگر ان پر فقط امامی جرح اور تعدیل کے قواعد لاگو کر دیئے جائیں تو (امامی) مذہب کے تمام راوی ضعیف قرار دیئے جائیں گے اور یہ حکم صدر کے گزشتہ قول کی تائید کرتا ہے۔

چنانچہ حر العاملی وسائل الشیعہ (251-230/3) میں کہتا ہے: اور یہ کلام احادیث کی چاروں کتابوں میں موجود احادیث کی صحت کو مستلزم ہے اور ان جیسی دیگر معتمد کتابوں کی احادیث کو بھی، جن کے مولفین اور محققین نے ان کی صحت کی صراحت کی ہے اور انہوں نے ان کے نقل کرنے اور روایت کرنے کا اہتمام کیا ہے اور انہوں نے اپنے دین کے بارے میں ان پر اعتماد کیا ہے اور اس کی مثال ان جلیل القدر ثقات (جیسے اصحاب الاجماع وغیرہ) کا ضعفاء اور کذابین اور مجاہیل سے روایت کرنے پر آئے گی کیونکہ وہ ان کے حال کو جانتے تھے اور ان سے حدیثیں روایت کرتے تھے اور ان کی حدیثوں پر عمل کرتے تھے اور ان کی صحت کی شہادت دیتے تھے۔ خصوصاً ان کے کثرت طرق کے علم ہونے کے، ان کے نزدیک صحیح اصول کی کثرت اور ان کو اصول پر پیش کرتے بلکہ ائمہ علیہم السلام پر پیش کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود بھی۔

لہٰذا ان کے فعل کو برداشت کرتے اور کسی صحیح وجہ سے ان کی صحت کی شہادت دینے کی وجہ سے لازم ہے کہ ان کی طرف طعن کو خاطر میں نہ لایا جائے ورنہ ان کے ضعف اور کذب کے ظہور کی وجہ سے ان کی تمام روایات کا ضعیف ہونا حتمی قرار پائے گا۔ پس جدید اصطلاح پوری نہ ہو گی اور اس سے حدیث کو صحیح، حسن، موثوق اور ضعیف میں تقسیم کرنے کی اصطلاح کا ضعیف ظاہر ہو گیا، جو علامہ اور اس کے شیخ احمد بن طاؤس کے زمانے میں معرض وجود میں آئی تھی۔ پروفیسر محمد صاحب آپ نے غور کیا، اس ریفرنس پر کہ اگر فقط امامی شیعی جرح وتعدیل کا منہج منطبق کر دیا جائے تو تمام

شیعی روایات ضعیف قرار پائیں گی کیونکہ ان کے راوی کذاب اور ضعیف نظر آئیں گے ؟!

ہم اس بات کا فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں اور ہر عقل مند اپنے دین اور عقل کا احترام کرتا ہے اور آیت اللہ العظمٰی ابوالفضل برقعی کی بات پر کان دھرے وہ شیعی روایات کی نشوونما کے بارے میں بیان کرتا ہے اور کہتا ہے (اور صدی یا دو صدیاں گزرنے کے بعد دین کے نام پر روایات منظر عام پر آئیں اور محدثین اور مفسرین کے ناموں پر کچھ اشخاص پائے گئے جو حضرت نبی کریم ﷺ سے مسند احادیث درج کرنے لگے) اس نے یہاں تک کہا کہ میں اپنی اس کتاب کو اس حقیقت کی وضاحت کے لیے تالیف کیا کہ یہ اختلافات ان گھڑی ہوئی روایات کی وجہ سے پھوٹے جو ہم شیعہ حضرات کی کتابوں میں درج ہیں۔ اس نے یہاں تک کہا کہ متعلمین اور اہل خرافات قسم کے وضاعین نے دوسری یا تیسری صدی ہجری میں ان روایات کا اکثر حصہ از خود گھڑا، کیونکہ وہاں کوئی علمی ادارہ تو موجود نہ تھا۔۔۔ پھر اس نے وضاحت کی کہ شیخ صدوق کاروباری آدمی تھا جو (قم) میں چاول فروخت کرتا تھا اس نے ایک رجسٹر لکھا جس میں وہ سب کچھ اکٹھا کر دیا جو اس نے اس شخص سے سنا جس کو اس نے اچھا سمجھا اور محمد بن یعقوب کلینی بھی بغداد میں سبزیاں فروخت کرتا تھا اور اس نے بیس سال کے طویل عرصے تک اپنے مذہب کے جس فرد پر اعتماد کیا اور اس سے جو کچھ سنا اسے اکٹھا کر کے مدوّن کر دیا، کیونکہ اس عرصے میں معروف معنوں میں کوئی مذہبی عالم نہ تھے۔۔۔ آگے لکھتا ہے: کاش کہ میں جان لیتا کہ کتاب الکافی ان کے لیے کس طرح کافی ہو سکتی ہے جو سیکڑوں روایات اور من گھڑت خرافات سے بھرپور ہے جو دین کے دشمنوں سے مروی ہیں اور اس نے ان کو برقرار رکھا ہے جیسا کہ ہم اس بات کو تفصیل سے بیان کریں گے۔۔۔ آگے لکھتے ہیں: کتاب الکافی میں بہت سے عیب ہیں خواہ ان کا تعلق سند اور راویوں سے ہے یا متن اور موضوع کے ساتھ ہے اور سند کے اعتبار سے اس کے اکثر راوی ضعفاء اور مجاہیل میں سے ہیں اور ردی قسم کے لوگوں سے ہیں اور کھوٹے عقائد والے ہیں اور یہ وہ قول ہے جو شیعہ کے علماء رجال نے کہا ہے۔

پھر اس نے اپنی کتاب ''کسر الصنم'' کی تالیف سے اپنے ہدف کی حد بندی کی اور کہا:

i۔ دین کے نام پر اسلام میں خرافات داخل ہوئیں۔

ii۔ ان روایات کی وجہ سے شیعہ کے سو کے قریب بڑے بڑے گروہوں کی بنیاد رکھی گئی۔۔۔

iii۔ ان روایات کے راستے سے انہوں نے قرآن سے کھیلا اور اس کے سیدھے صاف مسائل کو بدل دیا۔

میں کہتا ہوں خمینی کو سننا چاہیے تاکہ اسے پتا چلے کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے آیات کے ساتھ کھیل کھیلا: عظمائے صحابہ کرام نے یا اس کے (شیعی) شیوخ نے؟!

iv۔ مزید برآں یہ من گھڑت روایات جمہور علماء مسلمین کا شیعہ کے بارے سوء ظن اور ان میں، ان کے طعن کا سبب بنیں اللہ کی قسم اس نے سچ کہا: بے شک یہی روایات علماء المسلمین کے اس اعتقاد کا سبب بنیں کہ جن لوگوں یہ احادیث گھڑیں وہ زندیق تھے۔

اگرچہ بہت سے (شیعہ) مذہب کے متبعین، دین اور اہل دین کے بارے میں شر پوشیدہ نہیں رکھتے لیکن وہ اس مذہب میں موجودہ (قباحتوں) سے جہالت کی بنا پر اسے اپنائے ہوئے ہیں۔

اور برقعی رحمہ اللہ نے ان کی مثالیں بھی بیان کی ہیں۔ چنانچہ وہ ایک مجتہد کے ساتھ اپنے مکالمے کے متعلق بیان کرتا ہے جس نے کہا کہ الکافی کی تمام احادیث صحیح ہیں اور ان کے بارے میں کبھی شک نہیں کیا جاسکتا اور جو کوئی اس کے سوا کچھ کہے وہ خود غرض ہے۔

چنانچہ میں نے اس مجتہد سے کہا: جب تو اس کی تمام احادیث کو صحیح کہتا ہے تو پھر تو تیرہ اماموں کا عقیدہ کیوں نہیں رکھتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے کافی کی پہلی جلد میں (بَابُ عَدَدِ الْأَئِمَّةِ) میں چار روایات درج کی ہیں کہ امام تیرہ ہیں؟!

اس نے کہا: مجھے وہ دکھاؤ، جب میں نے اسے دکھائیں تو تو اس نے تعجب کیا اور کہا: میں نے اس سے پہلے یہ نہیں دیکھیں! [1]

اللہ ہمیں اور آپ کو خصوصاً توفیق عطا فرمائے۔ آپ نے دیکھا کہ اس نے کس طرح اس صادق امام کے ساتھ بحث میں ان روایات کے فساد کی حقیقت سے پردہ اٹھایا جنہوں نے امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے؟!

اعتقاد کی احادیث میں راویوں کی جہالت کی مثالیں:

[1] دیکھیے: کسر الصنم، ص: 38

اور شاید کہ ہم اس معنی کو مزید واضح کریں جو (اس عنوان کے تحت) ہے (عقائد اور تاریخ کی کتب میں روایات کی جہالت کی وضاحت)۔

شیعہ کے ہاں معتمد بات ہے کہ امامت، گزشتہ امام کی نص کے بغیر کسی کے لیے ثابت نہیں ہوتی اور کلینی نے حسن عسکری جو کہ (معدوم) امام مہدی کا والد ہے، کی امامت کو ثابت کرنے کے لیے باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت تیرہ روایات درج کی ہیں۔[1] ان میں سے شیعہ کے اپنے ائمہ جرح و تعدیل کے کلام کی روشنی میں کوئی ایک روایت بھی صحیح نہیں۔

آپ کے سامنے اختصار کے ساتھ ان طرف اشارہ پیش خدمت ہے۔

پہلی حدیث (853): اس کی سند میں یحیٰ بن یسار قنبری ہے۔ کافی کی شرح شافی (371/3) میں ہے کہ یہ مجہول ہے اور معجم الرجال (116/20) میں خوئی نے اس راوی کو نہیں پہچانا۔

دوسری حدیث (854): اس کو اس نے اپنی سند سے جعفر بن محمد کوفی سے اور اس نے بشار بن احمد بصری سے اور اس نے علی بن عمر نوفلی سے روایت کیا ہے۔

شافی شرح کافی میں ہے کہ جعفر بن محمد کوفی: اس کے حال کا پتا نہیں ہے مگر اتنا کچھ ہی کہ اس سے بہت سے روایت کرنے والے ہیں اور بشار بن احمد کا نام مترجمین کی کتابوں میں بیان نہیں ہوا اور یہی حال نوفلی کا ہے سوائے اس بات کے کہ اس سے یہی روایت مروی ہے۔

تیسری حدیث (855): اس کی سند میں عبداللہ بن محمد اصفہانی ہے اس کے بارے میں شافی میں ہے (اس کی سند بھی گزشتہ سند کی طرح ہے اس میں عبداللہ بن محمد اصفہانی ہے جس کا اس روایت کے سوا کتب رجال میں کہیں ذکر نہیں ہے یعنی وہ مجہول ہے اور سید خوئی نے جب اس کا ترجمہ کرنا چاہا تو اس روایت کے حوالے سے آگے نہ بڑھ سکا جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ یہ راوی مجہول ہے۔

چوتھی حدیث (856): اس کی سند میں موسی بن جعفر بن وہب ہے اس کے بارے میں شافی کے مصنف نے کہا ہے کہ وہ مجہول ہے۔

پانچویں حدیث (857): اور اس کی سند میں احمد بن محمد بن عبداللہ بن مروان انباری ہے۔ اس کے بارے میں شافی شرح کافی میں ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے انباری ابو جعفر اور ابوالحسن کے

---

[1] دیکھیے: الکافی: 325/1

ساتھیوں میں سے ہے اور وہ مجہول ہے۔

چھٹی حدیث (858): اس کی سند میں محمد بن احمد قلانسی اور علی بن حسین بن عمرو ہے، شافی شرح کافی کے مصنف نے کہا ہے: اس کی سند بھی گزشتہ سند کی طرح (ضعیف ہے) کتب رجال میں اس کا کوئی پتا نہیں لکھا گیا اور ابن عمرو جو کہ علی بن حسین ہے اس کو شیخ نے اپنے رجال میں شمار کر کے یہ عنوان دیتا ہے کہ اس کا حال مجہول ہے۔

ساتویں حدیث (859): اس کی سند میں ابو محمد اسبار قینی ہے۔ شافی میں ہے یہ بھی گزشتہ کی طرح ہے (یعنی مجہول ہے) اور تراجم رجال کے مولفین کی کتابوں میں اس کا نام درج نہیں ہے۔

آٹھویں حدیث (860): اس کی سند میں سعد بن عبد اللہ ہے جو بنو ہاشم کی جماعت سے روایت کرتا ہے ان میں حسن بن حسن افطس ہے۔

شافی میں ہے: یہ مجہول ہے لیکن صحیح کی طرح، سعد بن عبد اللہ بن خلف قمی جلیل القدر ہے اور یہ طائفہ (شیعہ) کے شیوخ میں شمار کیا جاتا ہے اور بعض اصحاب نے اس کی ابو محمد سے ملاقات کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کی تاریخ وفات میں اختلاف کیا ہے اور افطس کا سوائے اس روایت کے کہیں ترجمہ ذکر نہیں کیا گیا۔

میں کہتا ہوں: تعجب ہے (اس بات پر) کہ مجہول ہے صحیح کی طرح! (الحمد للّٰہ علی العافیۃ)

نویں حدیث (861): اور اس کی سند میں علی بن محمد اور اسحاق بن محمد ہے شافی میں اس کے بارے میں ہے کہ یہ بھی گزشتہ کی طرح ہے (یعنی مجہول ہے)۔

جبکہ خوئی نے کہا ہے: وہ اسحاق بن محمد نخعی ہے اور اس نے اس کے متعلق مترجمین کے اقوال نقل کیے ہیں اور ان میں سے ایک قول اس طرح ہے: وہ تخلیط (بے تکی اور بے سجدہ مرویات) کا گھڑا ہے۔ تخلیط میں اس کی کتابیں بھی ہیں، وہ فاسد المذہب اور روایت میں کذاب اور حدیث وضع کرنے والا تھا۔ الخ [1]

دسویں حدیث (862): اور اس کی سند میں علی بن محمد عن اسحاق بن محمد ہے۔ شافی کے

[1] دیکھیے: معجم الخوئی: 3/70۔71

مصنف نے کہا ہے: جیسا کہ گزر چکا ہے اس کی سند بھی مجہول ہے اور ان دونوں کے بارے ابھی بیان ہو چکا ہے۔

گیارہویں حدیث (863): اور اس کی سند میں علی بن محمد عن اسحاق بن محمد ہے۔ شافی کے مصنف نے شافی شرح کافی میں کہا ہے: اس کی سند بھی گزشتہ سند کی طرح ہے، اس کی علت، اسحاق بن محمد ہے۔

بارہویں حدیث (864): اس کی سند میں بھی علی بن محمد عن اسحاق بن محمد عن شاہویہ ہے۔ شافی شرح کافی میں ہے: اس کی سند گزشتہ سند کی طرح شاہویہ کا ترجمہ نہیں کیا گیا سوائے اس کے کہ اس روایت میں اس کا نام مذکور ہے اور اس کا حال مجہول ہے۔

تیرہویں حدیث (865): اور اس میں علی بن محمد ہے اس نے جس سے ذکر ہے اس نے محمد بن احمد علوی سے روایت کیا ہے۔

شافی شرح کافی میں ہے: اس کی سند جیسا کہ گزر چکا ہے: محمد بن احمد علوی کو شیخ نے ان میں ذکر کیا جن سے اس نے روایت نہیں کی اور کہا: اس سے احمد بن یونس نے روایت کیا ہے اور بلغہ میں ہے: علامہ نے اس سے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور داؤد کا تذکرہ ایک سے زائد مرتبہ گزر چکا ہے جبکہ سید خوئی نے اس کی ترجمے میں طوالت کی ہے شاید وہ اس کے بارے میں اشاروں کو کھول دے اور اس نے اس شخصیت کے بارے میں بہت سے احتمالات بیان کیے ہیں پھر اس قول پر اپنی بات ختم کی ہے اور کس طرح بھی ہو اس آدمی کی توثیق ثابت نہیں ہو سکی، لیکن وہ حسن ہے کیونکہ نجاشی کی کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہمارے اصحاب کے شیوخ میں سے ہے۔

چنانچہ حدیث مجہول راوی ہے اور وہ ہے: عَمَّنْ ذَكَرَهُ اور وہ ظاہر ہے کہ وہ سابق راوی (علی بن محمد) کا شیخ اسحاق بن محمد کذاب ہے لیکن کلینی نے شرمندگی سے ہیر پھیر کر دی کیونکہ وہ تو اس کے امام کا قصہ ہی ختم کر دے گا یا پھر راوی نے بذات خود تنوع پیدا کر دیا ہے بہر حال راوی مجہول ہے یہاں چند غور طلب امور ہیں:

اولاً: ہم نے دیکھ لیا کہ تمام اسانید میں مجہول رواۃ ہیں اور یہ چیز سید محمد صدر کے کلام کو مضبوط

کرتی ہے کہ تراجم کی کتابوں نے (عقاید اور تاریخ) کے راویوں کے ذکر کو اہمیت نہیں دی چنانچہ وہ مجہول ہیں۔

مزید بر آں یہ بات برقعی کے کلام کو بھی مضبوط کرتی ہے کہ (الکافی) کے راوی ضعفاء مجہولین، متروک اور کھوٹے عقائد والے ہیں۔ اس صورت حال میں ان مرویات پر اعتماد کہاں ہو گا جس پر مسلمان کی زندگی کے عظیم رکن (عقیدے) کی بنیاد رکھی جاتی ہے؟!

ثانیاً: جب ایک شخص جس کی امامت کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس کی امامت ہی ثابت نہیں ہوتی اور یہ عقیدے کا ایک بڑا قضیہ ہے، تو یہ بات مذہب کی بنیاد کو سرے سے اکھاڑ دیتی ہے۔

ثالثاً: جب (گیارھویں امام) کی امامت ہی ثابت نہیں سکی تو (بارھویں امام) کا وہمی ہونا واضح تر ہے۔

تو وہ صحیح احادیث کہاں ہیں جناب سماحۃ الشیخ سبحانی صاحب جن پر آپ نے اعتماد کیا ہے؟!

یہ اعترافی بیان (اثنا عشری شیعوں کے عقائد) کے بارے میں وثوق کو اٹھا دیتا ہے باقی رہے احکام تو ان کے بارے میں وثوق سرے سے ہی معدوم ہے کیونکہ ان کے بارے میں پتا چلانا مشکل ہے کہ ان میں سے کون سے احکام (تقیۃ) بیان ہوئے ہیں اور کون سے (حقیقۃً) بیان ہوئے ہیں اور اثنا عشری عالم یوسف بن احمد بحرانی (متوفی: 1186ھ) اسی بات کو ثابت کرتا ہوا کہتا ہے: احکام دین کے بارے سوائے چند احکام کے کوئی حکم یقینی طور پر نہیں جانا گیا، کیونکہ ان کی اخبار (روایات) تقیۃ کی اخبار سے ملی جلی ہیں، مزید بر آں ثقۃ الاسلام، علم الاعلام محمد بن یعقوب کلینی (نور اللہ مرقدہ) نے اپنی جامع (الکافی) میں اس بارے میں اعتراف کیا ہے اور فقط ائمہ الابرار کے ردّ اور تسلیم کرنے کی طرف مجبور ہوا ہے۔ چنانچہ (ائمہ صلوات اللہ علیہم) اپنی جانوں کے محافظ ہو گئے اور ان کے شیعہ احکام کے درمیان ان کی مخالفت کرنے لگے اگرچہ ان میں کوئی بھی حاضر نہیں تھا۔ چنانچہ تو ان کو دیکھے گا کہ وہ ایک مسئلہ میں متعدد جوابات دیتے ہیں اگرچہ مخالفین میں سے کوئی بھی ان کا قائل نہیں ہے جس طرح کہ اس شخص پر یہ بات واضح ہے جو ان کے قصوں اور خبروں کو تلاش کرتا ہے اور ان کی سیرتوں اور آثار پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ [1]

[1] دیکھیے: الحدائق الناضرۃ: 45/1

اور اس کے ساتھ ہم ایک اور اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: دین، عقائد، احکام اور اخلاق (پاک دامنی) کا نام ہے عقائد اور احکام کے بارے میں منہج کا بیان گزر چکا ہے اور میں یہاں اخلاق میں منہج کا اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہوں۔ زناکاری کی حرمت سے کوئی مسلمان جاہل نہیں ہے اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ زنا کرتا ہوا پایا جائے اور وہ کہے: میں اس سے متعہ کر رہا ہوں۔

تو اس کی حقیقت کو آپ کس طرح پہچانیں گے ؟!

احکام اور فتاوی میں کوئی خطا نہیں، کیونکہ تقیہ اسے حلال کرتا ہے! اور غیب کی خبروں میں کوئی کذب نہیں، کیونکہ "بدا" اسے حلال کرتا ہے! اور زمین میں کوئی زنا نہیں کیونکہ متعہ اسے حلال کرتا ہے۔

بتائیے محترم یہ کون سا دین ہے ؟!

باقی رہی غیر جانب دار عقل:

کیا شیعی عقل غیر جانب دار ہے ؟! اسی عقل جو ہزاروں انسانوں کے لیے خلفائے اربعہ کی زندگی کے طویل عرصے تک "وصیت" کے چھپانے کو جائز قرار دیتی ہے اور ان میں سے کوئی ایک شخص بھی اس کے اظہار کے لیے آواز بلند نہیں کرتا، حالانکہ وہ ایسے لوگ تھے جو دین قبول کرنے کی پاداش میں تکلیف سے دوچار کیے گئے اور انہوں نے اپنے گھروں اور مالوف وطنوں کو چھوڑا اور دین کی نصرت کی خاطر تلواریں اٹھائیں اور پھر وہ (مزعومہ شیعی وصیت کے) حق کے اعلان کرنے سے بزدل ہو گئے ؟! پھر کیا عقل اس بات کو جائز قرار دیتی ہے کہ وہ حق کے لیے چھپائے گئے راز کے متعلق بیان کرے جو اسے حق کے سوا ہو ہزاروں لوگوں کے ہاتھوں سے نکل چکا ہو ؟!

پھر کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام بزدل اور ناتواں ہو اور اللہ اسے (گراں بار) امانت اٹھانے کا مکلف بنا دے ؟!

پھر کیا عقل اس بات کو جائز قرار دیتی ہے کہ تمام صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کریں اور اس کی نصرت کے لیے آواز بلند نہ کریں ؟!

پھر کیا عقل اس بات کو مانتی ہے کہ خلفاء راشدین اپنے دین کو ناپسند کرتے ہوں اور پھر اس کی

نصرت کے لیے جنگ کرتے ہوں اور پھر زاہدانہ اور پاک دامنی سے زندگی بسر کرتے ہوں؟!

پھر کیا عقل اس بات کو مانتی ہے کہ سیدہ فاطمہ صلوات اللہ علیہا اپنے حق وراثت (دنیاوی مال) کا تو مطالبہ کر سکتی ہو اور اس سے عظیم تر معاملہ پر خاموش رہتی ہو اور وہ ہے وصیت کا ابطال؟!

پھر آخر میں: کیا غیر جانب دار عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اپنے اتباع کی تربیت کرنے میں فیل ہو گئے ہوں حالانکہ آپ رب العالمین کی طرف سے تائید شدہ افصح البشر اور نفوس کی طبائع کو عالم بشریت سے زیادہ جاننے والے تھے؟!

کتنے سارے معاملات ہیں جن کا شیعہ صاحبان نے دعویٰ کیا ہے اور عقل ان کے رونما ہونے کو تسلیم نہیں کرتی؟! بتایئے جناب وہ کون سی عقل ہے جس پر سبحانی صاحب نے عظماء امت پر طعن کرنے کے لیے اعتماد کیا ہے اور وہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ غیر جانب دار ہے؟

ہم (اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ) نعمت ہدایت پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ صحابہ کے بارے میں آپ کے سوالات کے جوابات سے قبل آپ کی گفتگو کے بارے میں یہ چند اشارات ہیں۔

87۔ آنجناب نے حدیث حوض (کوثر) کی طرف اشارہ کیا کہ اس میں الفاظ ہیں:

((اَلَا لَيُذَادَنَّ رِجَالٌ عَنْ حَوْضِي كَمَا يُذَادُ الْبَعِيرُ الضَّالُّ، فَأُنَادِيهِمْ، اَلَا هَلُمَّ! فَيُقَالُ: إِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ: سُحْقًا سُحْقًا)) [1]

"آگاہ رہنا کچھ لوگوں کو میرے حوض سے ہٹا دیا جائے گا جس طرح بھٹکا ہوا اونٹ ہٹا دیا جاتا ہے، تو میں ان کو پکاروں گا: ادھر آئو، تو کہا جائے گا بے شک وہ تیرے بعد بدل گئے۔ چنانچہ میں کہوں گا: دوری ہو، دوری ہو۔"

پھر آپ نے اس بارے میں بہت سی گفتگو درج کی ہے اور آپ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حدیث میں (باصحابی) سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ کے ساتھ رہے۔

اور آپ نے صحیح احادیث درج کی ہیں اور ان کے علاوہ ضعیف اور مکذوبہ روایات بھی اور ہم یہاں ضعیف اور مکذوبہ روایات کے درپے نہیں ہوں گے اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ آپ سے پوشیدہ ہیں۔ لیکن آپ لوگ اپنے مقصد کے لیے ہر طرح کی حدیث یا اثر سے استدلال کو جائز سمجھتے ہیں اور

[1] صحيح مسلم، ح: 111/3

ہمارے اسلامی منہج میں یہ طریق استدلال مردود و مرفوض ہے۔

لیکن میں یہاں آپ کے ساتھ عقلی طور پر توجہ طلب امور پر بحث کروں گا، تاکہ آپ کے منہج کا ٹھیک نہ ہونا واضح ہو جائے اور یہ کہ آپ کا منہج (استدلال) دین کو منہدم کرنے کے لیے سود مند ہے اس کی نصرت کے لیے نہیں اور یہ بات ایک سے زائد مرتبہ ہم واضح کر چکے ہیں، لیکن بسا اوقات کوئی مقام تکرار کا متقاضی ہوتا ہے:

اولاً: قرآن کریم میں دسیوں آیات وارد ہوئی ہیں جو صحابہ کے صدق ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں اور ان سے اللہ کی خوشی کو ثابت کرتی ہیں کہ اللہ نے ان کے (دلوں میں) ایمان محبوب کر دیا اور ان کی طرف کفر، فسوق اور نافرمانی کو مکروہ کر دیا۔ (اور قرار دیا) کہ وہ راشدون ہیں اور امت کے بہترین لوگ ہیں اور وہ (عادل اور پسندیدہ) امت ہیں اور اللہ اکو اس طرح خلیفہ بنائے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اللہ نے ان کو اپنے کیے وعدے کے مطابق خلیفہ بنایا اور یہ وعدہ ان کے ایمان پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فتنہ ارتداد کے برپا ہونے کے دور مومنین، مجاہدین مردوں کو کھڑا کرے گا۔۔۔ الخ۔ وہ تمام آیات قرآنیہ جو ان کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔

کیا یہ آیات قرآنہ برحق ہیں؟ اور کیا یہ کیے ہوئے وعدے کے مطابق برحق ثابت ہوئیں یا نہیں؟ یعنی فتنہ ارتداد میں مرتدین سے کن لوگوں نے مرتدین کے خلاف جہاد کیا؟!

ثانیاً: دسیوں احادیث نبویہ صحیحہ حضرت ابو بکر الصدیق، عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین وغیر ہم عظمائے صحابہ کی ثناء میں وارد ہوئی ہیں اور وہ ان کی فضیلت پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں اور ان کے ایمان اور حضرت نبی کریم ﷺ کے ان کی محبت کو ثابت کرتی ہیں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کا کلام متناقض نہیں ہوتا۔

آپ ان واضح، قطعی اور نامزد نصوف کا کس طرح انکار کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ صحابہ کرام کو نامزد کر کے ان کے فضائل کو ثابت کرتی ہیں، پھر آپ لوگ ان احادیث بلکہ ایک حدیث کی طرف جاتے ہو جو کسی بھی شخص پر محمول کی جا سکتی ہے پھر آپ لوگ اس کو اس صحابی پر چسپاں کرتے ہو جس کی فضیلت اور اس کا ایمان اور حضرت نبی کریم ﷺ سے اس کی محبت ثابت ہو چکی ہے اور تم

اسے اور اس کے بھائیوں کو اس حدیث میں داخل کرتے ہو؟!

اور محولہ حدیث اس شخص پر بھی چسپاں ہونے کا احتمال رکھتی ہے جو ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کی ثنا نہیں کی اور تم اس راجح احتمال کو چھوڑ دیتے ہو جس کا ان پر محمول کرنے کا کوئی مانع بھی نہیں! کیا یہ طرز عمل عظماء امت کے خلاف کینے اور بغض کی دلیل نہیں؟

ثالثاً: اگر کوئی (خارجی) شخص اس حدیث کو سیدنا علی بن ابی طالب پر محمول کرنے کا ارادہ کرے اور کہے اس حدیث سے علی مراد ہے اور اس کا لفظ بھی اس پر دلالت کر رہا ہے اور آنجناب نے صحیحین سے اس کی نص بھی ذکر کی ہے اس میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّھُمْ مِّنِّیْ کہ وہ مجھ سے ہیں اور یہ لفظ دلالت کر رہا ہے کہ اس سے مراد میرے اہل بیت سے، کیونکہ لفظ مِّنِّیْ اس کے سوا کسی پر محتمل نہیں ہے اور حضرت اسماء کی روایت میں ہے کہ میں کہوں گا: یَا رَبِّ مِنِّیْ وَ مِنْ اُمَّتِیْ اے رب! یہ مجھ سے اور میری امت سے ہیں اور یہ لفظ علی اور اس کے ساتھیوں پر محمول ہونے کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس کے ساتھ مل کر ناحق خون ریزی کی!! تو کیا آپ اس کے اس دعویٰ کا بغیر ان روایات کے ردّ کر سکتے ہیں جن کے بارے جناب کا اعتقاد ہے کہ وہ مرتد ہو گئے تھے اور ان روایات کے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ثنا پر اور آپ رضی اللہ عنہ کے اس تنقیص سے بری ہونے کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں؟!

رابعًا: اگر کوئی یہودی یا نصرانی اس دنیا (اسلام) میں طعن کرنے کا ارادہ کرے اور کہے کہ یہ دین ناکام ہے اور اس دین والے مرتد ہیں اور اس دین کے نااہل حاملین تو کیا ممکن ہے کہ وہ اس دین پر یلغار کرنے کے لیے شیعی فکر کے سوا کسی اور فکر کو بطور ہتھیار استعمال کرے؟!

اب ذرا اپنی بات پر کان دھریئے:

آنجناب نے کہا ہے: حوض وغیرہ کی روایات کا متن ثابت کرتا ہے کہ اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جو نبی ﷺ اس بات پر مطمئن نہیں تھے جس پر ان کے بعد ان کے صحابہ کا معاملہ پہنچا۔ (ص: 25)

اور آنجناب نے کہا: حوض (کوثر) کی روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ ((لَا تَدْرِیْ بِمَا اَحْدَثُوْا، اِنَّھُمُ ارْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِھِمْ)) کہ تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا برپا کیا، یہ

اپنی پیٹھوں کی طرف لوٹ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ﴾[آل عمران: 144]

''اور محمد اللہ کے رسول ہی ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔''

اور یہ احادیث اس آیت کی تفسیر کے مورد پر وارد ہوئی ہیں اور آپ کی وفات کے بعد والے مضمون کو پختہ کرنے والی ہیں۔(ص: 25)

یعنی ارتداد کے وقوع کو۔

اور آپ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا قول درج کیا جو تقصیر کا اعتراف کرتا ہے اور اپنے آپ کو پاک نہیں سمجھتا۔ پھر آنجناب نے کہا ہے: وہ اپنے اور اپنے علاوہ صحابہ پر گواہی دیتا ہے کہ انہوں نے وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (فتنے) برپا کیے تاکہ لوگ ان سے دھوکہ نہ کھائیں۔ (سبحان اللہ) اور وہ اکابر صحابہ میں سے اور سابقون الاولون میں سے ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے درخت کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ پھر آنجناب نے کہا ہے: بے شک اس کی صحبت اور بیعت، صحابی کی گمراہی اور ارتداد میں رکاوٹ نہیں ہیں۔

پھر آنجناب نے اس فکر کو پختہ کرتے ہوئے کہا کہ یہاں ارتداد کو ان لوگوں پر محمول کرنا ممکن نہیں جن سے خلیفہ ابو بکر نے جنگ کی (کیونکہ یہ ابوہریرہ کی روایت کی صراحت کے منافی ہے، وہ روایت اس قول سے صراحت کرتی ہے ''پس میں نہیں دیکھ رہا کہ اس سے نجات پائے گا مگر بلا نگران اونٹوں کی تعداد برابر یہ قلت کا بلیغ ترین کنایہ ہے اور اس کے معنی نے ان میں سے اکثر کے مرتد ہونے کو پختہ کر دیا اور معلوم ہے کہ جن مرتدین سے خلیفہ نے لڑائی کی تھی وہ نہایت کم تعداد میں تھے۔)

اور آخر میں جناب نے اپنی گفتگو سنن نسائی پر سندھی کے کلام کو کاٹ کر ختم کر دیا اور وہ اس طرح ہے: اِنَّ الْاِسْلَامَ لَنْ یا شاید لَمْ یَتَمَکَّنْ فِیْ قُلُوْبِهِمْ بے شک اسلام ہر گز جگہ نہ پائے گی

گا۔ یا شاید نہیں جگہ پکڑ سکا اس کے دلوں میں یعنی صحابہ کے دلوں میں۔

پھر جناب نے اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہوئے کہا: اس اضافے میں نص پر زیادتی ہے جو کہ صحیح نہیں، بلکہ یہ حدیث فتح مکہ پر اسلام قبول کرنے والوں کے متعلق ہے۔

اگر کوئی یہودی یا نصرانی یہ بات کہے کہ یہ رپورٹ جو میں نقل کر رہا ہوں یہ یونیورسٹی کے پروفیسر کی ہے اس نے میرے اس اعتماد کو مکمل طور پر ختم کر دیا ہے جو ان اصحاب رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کیونکہ میں نہیں جانتا کہ کون باقی رہا جو مرتد نہ ہوا ہو اور انہوں نے جتنی روایات بیان کی ہیں، میں ان پر اعتماد نہیں کرتا کیونکہ ہر روایت کے قبول کرنے میں (راوی کا اسلام اور اس کی عدالت شرط ہے اور میں یونیورسٹی کے اس پروفیسر سے نقل کردہ ریویو کی وجہ سے ان کے بارے میں شک کرتا ہوں۔ تو اس کافر کو آپ کیا جواب دیں گے اور اسے اپنے دین کی صحت پر کیسے مطمئن کریں گے؟

خامسًا: اس بات میں فرق کیجیے کہ شریعت آپ لوگوں پر حاکم ہے یا آپ لوگ شریعت پر حاکم ہیں اور جو شخص آنجناب کی گفتگو پر غور کرے گا وہ جان لے گا کہ آپ نصوص (قرآنیہ اور نبویہ) کو اپنے عقیدے کی طرف موڑتے ہیں اور آپ کا عقیدہ شریعت کے تابع نہیں ہے اور اس کی مثال یہ ہے: آپ نے اصحاب کی تعریف کے بارے میں کہا ہے کہ کلمہ "اصحاب" کے بارے میں لسان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس پر گفتگو ہے نہ کہ کئی سال گزرنے کے بعد لغت یا تابعین کی زبان سے وارد ہونے والے کلمے کے بارے میں۔۔۔

یہاں آپ چاہتے ہیں کہ حدیث ردہ میں وارد ہونے والے کلمہ (اصحاب) سے ان لوگوں کو متعین کرنا مقصود ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، تاکہ آپ اس شخص کے احتمال کو رد کریں جو اس سے مطلق ساتھی مراد لیتا ہے اور اس میں تمام امت شامل ہے۔ پھر جب آنجناب اس کلمے پر پہنچے: لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَدْبَارِهِمْ تو آپ نے ایسی شاذ آراء کو تلاش کرنا شروع کر دیا جو آپ کے عقیدے کو ثابت کرتی ہیں تو آپ کو اس شخص کا قول ملا، جو کہتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں (جنہوں نے بعض واجبات کو ترک کر دیا اور کفر کی طرف مرتد ہونے کا ارادہ نہیں کیا)۔

میں کہتا ہوں: یہ تفسیر شریعت میں نہیں پائی جاتی۔ شریعت میں کہاں لکھا ہے کہ واجبات دین

میں سے کسی واجب کو ترک کرنا ارتاد کہلات ہے؟ باجماع مفسرین کتاب اللہ میں نازل والی تمام آیات میں ارتداد سے مراد کفر اور ترک دین ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ﴾[المائدۃ: 54]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو جائے۔“

کون سے مفسر نے اس فرمان سے واجب کا ترک مراد لیا ہے؟!

اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ﴾ [البقرۃ: 217] ”اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور وہ اسی کفر پر مر جائے۔“ یہ آیت واضح نص ہے کہ ارتداد سے مراد کفر ہے۔

اور فتنوں کے بارے میں بعض احادیث میں یہ الفاظ وارد ہیں: وَ يَكُوْنُ عِنْدَ ذٰلِكَ رِدَّةٌ اور اس وقت ارتداد ہو گا اور صحیح بخاری میں حضرت نبی کریم ﷺ کے بارے میں (رومی بادشاہ) ہرقل کے سوال کے الفاظ اس طرح ہیں: وَ هَلْ يَرْتَدُّ اَحَدٌ سُخْطَةً لِدِيْنِهٖ ”اور کیا کوئی مسلمان اس کے دین سے ناراضی کی بنا پر مرتد بھی ہوا ہے۔“ اور دسیوں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بارے برپا ہونے والے امور کو ارتداد کا نام دیا گیا ہے اور اسی طرح دین سے خارج ہونے والے کو تابعین اور تمام فقہاء کی زبان میں مرتد کا نام دیا گیا ہے اور جو شخص دین کے متناقض کام کرے اس کے فعل کو انہوں نے ارتداد کا نام دیا ہے او فقہ میں باب مقرر کر کے اس کا نام رکھا ہے ”بَابُ الرِّدَةِ“ اور اس میں واجبات کے ترک کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اگر ہم (تقیہ پر مبنی) اس انوکھی تفسیر پر اعتماد کر لیں اور جو کوئی واجبات میں سے کسی واجب کو ترک کر دے اس کا نام مرتد رکھ دیں تو اکثر لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔

چنانچہ جو شخص داڑھی کو نہ بڑھائے اس نے واجب کو ترک کر دیا تو کیا اس کا نام مرتد رکھا جائے گا؟!

اور جو مسلمان سلام کا جواب نہ دے اس نے واجب کو ترک کر دیا تو کیا اس کا نام مرتد رکھا جائے گا؟وَ هَلُمَّ جَرًّا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ!!

سادسًا: اور کیا امامت کا حکم داڑھی بڑھانے کے حکم کی طرح ہے کہ (وہ فقط واجب ہے۔)

اور کیا آپ لوگ، واجب کی بنا پر امت کو دو گروہوں میں تقسیم کریں گے؟! اور کیا قیامت کے دن ترک واجب کی وجہ سے لوگوں کو حوض (کوثر) سے ہٹا دیا جائے گا؟! سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم

اور کیا شیعہ کی جانب سے صحابہ کرام اور عظماء امت پر یہ شدید ترین یلغار ترک واجب کی وجہ سے ہے؟!

کیا مسلمانوں کے تمام گروہوں میں کوئی ایسا ہے جو ترک واجب سے بچا ہوا ہو، تو کیا وہ ترک واجب کی وجہ سے تقسیم ہیں اور ایک دوسرے سے عداوت رکھتے ہیں؟!

الحمد للہ (اللہ نے ہمیں نصوص پر ثابت قدم رکھا ہے۔)

سابعًا: آنجناب نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا قول درج کیا ہے کہ حضرت مسیب نے ان سے کہا: آپ کو مبارک ہو آپ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور درخت کے نیچے ان سے بیعت کی! انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے تو نہیں جانتا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا ایجاد کر بیٹھے۔

اس کے بعد جناب نے اپنے قول کو درج کیا: وہ اپنی ذات اور دیگر صحابہ پر گواہی دے رہیں کہ وہ ایجاد کر بیٹھے۔۔۔ الخ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

میں کہتا ہوں: اس نص کے یہ نص بھی درج کیجیے پھر غور کیجیے: مسند امام احمد (200/1) میں قیس خارفی سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سَبَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَثَنّٰى اَبُوْبَكْرٍ، وَ ثَلَّثَ عُمَرُ، ثُمَّ خَبَطَتْنَا فِتْنَةٌ يَعْفُو اللّٰهُ عَمَّنْ يَّشَاءُ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزر گئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ دوسرے حاکم بنے اور عمر رضی اللہ عنہ تیسرے حاکم بنے پھر ہمیں فتنے نے پراگندہ خیال کر دیا اللہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا۔ ابو عبد الرحمٰن نے کہا: میرے باپ نے کہا: آپ کے قول ثم خبطتنا فتنۃ سے آپ رضی اللہ عنہ نے تواضع کا ارادہ کیا بحوالہ مذکورہ بالا (237/1) عمرو بن سفیان نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے۔

اور بحوالہ فضائل صحابہ (214/1) عبد خیر نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے

اور بحوالہ مذکورہ بالا (387/1) سعید بن قیس خارفی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ جادہ حق سے ہٹ گئے اور اس معاملے میں داخل ہو گئے جو معصیت تھا اور وہ اللہ سے سوال کر رہے تھے کہ وہ اسے معاف کر دے؟!

پھر اہل السنہ کی طرف دیکھیے جو صاف و شفاف دل والے ہیں وہ عظماء اسلام کے کلام کو اچھے معنوں پر محمول کرتے ہیں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث درج کرنے کے بعد اپنے اس قول سے اس پر تبصرہ کیا ہے اَرَادَہُ اَنْ یَتَوَاضَعَ یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات تَوَاضُعًا وَ تَذَلُّلًا لِلّٰہِ عزوجل کہی، اللہ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کہ ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲﴾ [النجم: 32] کہ تم اپنے آپ کو پاک نہ کرو وہ ان کو خوب جانتا ہے جو متقی ہیں۔ یہ ایک صحابی کا منہج ہے اور یہی تمام صحابہ کا منہج ہے یعنی تواضعًا اپنے آپ کو اصلی حیثیت سے کم قرار دینا۔

پھر حضرت براء بن عازب کا قول کہ اے بھتیجے تو نہیں جانتا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا ایجاد کیا۔

کیا جو اختلاف ظاہر ہوا تھا وہ پوشیدہ تھا کہ اسے کوئی نہیں جان سکا، یا وہ مشہور اور آشکارا تھا؟!

تو آپ رضی اللہ عنہ کیسے تھے: تو نہیں جانتا اور سب لوگ تو جانتے تھے جو کچھ رونما ہوا؟!

اگر آپ رضی اللہ عنہ علانیہ معاملے کی طرف اشارہ کرتے تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے: تو جانتا تو ہے جو کچھ ہم سے ظاہر ہوا۔

پھر یہ ایمانی احساسات ہیں جنہیں مریض دلوں والے اور اپنے رب سے جاہل لوگ چکھ نہیں رہے۔

پھر آپ اپنے متعلق خصوصی طور پر توجہ کریں اگر کوئی شخص آپ کی تعریف کرے، تو کیا آپ اسے قبول کریں گے اور اپنے آپ کی تعریف کرے، تو کیا آپ اسے قبول کریں گے اور اپنے نفس کو پاک صاف قرار دیں گے اور آپ اپنے بارے میں علانیۃً کسی معصیت کے ارتکاب کو جانتے بھی نہ ہوں، لیکن آپ اللہ کے حق کے سامنے قصور وار سمجھیں گے اور ہمارا آپ کے بارے میں گمان یہ ہے

کہ آپ تزکیے کو قبول نہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲﴾[النجم: 32]

پھر یہ دیکھیے یہ ہمارے نبی مکرم ﷺ سید البشر اور امام العظماء ہیں وہ فرمارہے ہیں: تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل سے نجات نہیں پا سکتا۔ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی نہیں؟! فرمایااور میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ نہ لے۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: اِلَّآ اَنْ يَّتَغَمَّدَنِىْ مِنْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَ رَحْمَةٍ۔ ❶

آپ ﷺ سے ان الفاظ کو ابوہریرہ، ابوسعید خدری اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ صحاح، سنن اور مسانید میں ہے۔ کیا ممکن ہے کہ آنجناب کہہ دیں: وہ اپنے آپ پر گواہی دے رہے تھے تاکہ لوگ اس کے بارے میں دھوکہ نہ کھا بیٹھیں؟! سبحان اللہ ہم اس خطرناک نظریے کی طرف مراجعت کے کس قدر محتاج تھے!

88۔ آنجناب نے کہا ہے: اور اللہ نے اپنی کتاب میں صحابہ کے گروہوں کی ثناء کی ہے اور ہم اسے تمہارے مراسلات کی ترتیب کے مطابق بیان کریں گے پھر ان کے حل پر کوشش صرف کریں گے: پہلی آیت:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰﴾[التوبة: 100]

”مہاجرین اور انصار میں سے (قبول ایمان میں) سبقت حاصل کرنے والوں میں پہلا درجہ حاصل کرنے والوں اور وہ (صحابہ) جنہوں نے سچے دل کے ساتھ (قبول ایمان میں) ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہو گیااور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے تلے نہریں چلتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں یہ عظیم کامیابی ہے۔“

---

❶ صحيح بخاري: 83/13۔ صحيح مسلم: 134/17

پھر آپ نے کہا ہے: پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تین گروہوں کی تعریف کی ہے۔

پہلا گروہ: مہاجرین میں سے وہ لوگ جنہوں نے (قبول ایمان میں) پہلے سبقت کی اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں ہجرت نبوی کے دنوں یا اس کے تھوڑے دنوں بعد ہجرت کی۔ اس لیے کہ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ میں لفظ مِنْ تبعیض کے لیے اور یہ متاخرین کو مہاجرین سے نکال رہا ہے، لہٰذا آیت مہاجرین میں سے سبقت حاصل کرنے والوں کی تعریف کر رہی ہے نہ کہ عام مہاجرین کے۔

دوسرے لفظوں میں اس آیت میں تمام مہاجرین اور انصار کی تعریف پر استدلال صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب قطعی دلیل سے ثابت ہو جائے کہ مِنْ بیانیہ ہے تبعیضیہ نہیں اور اس پر قطعی دلیل کہاں ہے؟

میں کہتا ہوں: اولاً: آپ نے قرار دیا ہے کہ آیت مہاجرین میں سے سابقین کی تعریف کرتی ہے نہ کہ عام مہاجرین کی۔ اور آپ نے اس سے پہلے کہا ہے: اور وہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہجرت نبوی کے دنوں یا تھوڑے سے بعد والے دنوں میں ہجرت کی۔

ہم یہاں خطاب میں آپ کے ساتھ موافقت کرتے ہیں، پس مہاجرین میں سے سبقت لے جانے والے کون ہیں جنہوں نے ہجرت نبوی کے ایام میں یا اس کے تھوڑے دنوں بعد ہجرت کی۔

ابو بکر، عمر، عثمان، سعد بن ابی وقاص اور زبیر رضی اللہ عنہم ۔۔۔ آخر تک وہ عشرہ مبشرہ جنہوں نے ہجرت نبوی سے چند ایام قبل یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ کیا وہ اس آیت میں داخل ہیں یا نہیں؟! یا اس سے مقصد، صرف عمار، ابوذر اور مقداد رضی اللہ عنہم ہیں، کیونکہ حضرت سلمان تو انصار میں سے ہے؟!

ثانیاً: آیت کریمہ ان کے ساتھ دو وعدے کرتی ہے:

پہلا وعدہ:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ [البينة: 8]

''اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔''

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ کسی انسان سے راضی ہونے کا وعدہ نہیں کرتا جب تک کہ

وہ جان نہ لے کہ وہ ایمان اور تقویٰ پر زندگی بسر کرے گا، ورنہ ہم (نعوذ باللہ) جرأت کریں گے اور کا تعاقب کریں گے اور کہیں گے: اے رب تو نے یہاں مطلقاً کہہ دیا ہے اور یہ رضوان کے حق دار نہیں ہیں کیونکہ یہ (تیرے اوپر اور تیرے نبی کے اوپر مکذوبہ) وصیت کو نافذ نہ کریں گے اور چاہیے تھا کہ تو قید لگاتا اور کہتا: جب وہ علی کے بارے میں میری وصیت کو نافذ کریں گے۔

یا ہم ابو مہدی کی طرح کہیں گے: جیسا کہ آگے آ رہا ہے: البتہ اللہ کا اچھائی کا وعدہ، عمل کے حسن خاتمہ کے ساتھ مشروط ہے اللہ تبارک و تعالیٰ ایک قوم کے بارے تعیین کر کے ان سے اپنی رضامندی کی خبر دے رہا ہے اور اس بات کی بھی کہ وہ بھی اس سے راضی ہیں۔ تو کیا کسی بشر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اللہ کے نام زد کردہ اشخاص کے بارے میں اس کے اطلاق کو مقید کریں؟! ہم ضلالت سے اس اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ (یہ بات تب درست ہو سکتی ہے) جب ہم (عیاذاً باللہ) یہ کہیں کہ اللہ عزوجل غیب نہیں جانتا اور اس نے علم غیب "ائمۃ" کو عطا کر دیا ہے لہٰذا وہ ماکان وما یکون کو جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی خاطر اپنے حق سے دستبردار ہو گیا ہے، اس بات پر قیاس کرتے ہوئے کہ وہ مخلوق کے لیے ان کی خاطر شریعت سے دست بردار ہو گیا ہے۔ جیسا کہ شیعہ کے ہاں اصح الکتب نے اسے ثابت کیا ہے اور ایرانی انقلاب کے قائد خمینی نے اس کی تائید کی ہے۔

کلینی نے کائنات کے انتظام کے بارے میں ابو جعفر الصادق سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ اپنی واحدانیت کے ساتھ منفرد رہا، پھر اس نے محمد، علی اور فاطمہ کو پیدا کیا چنانچہ وہ ہزار صدیاں ٹھہرے رہے پھر اس نے تمام اشیاء پیدا کیں اور ان کو اپنی مخلوق پر گواہ بنایا اور اس پر ان کی اطاعت جاری کر دی اور اس کے امور ان کے سپرد کر دیئے، پس وہ جو چاہیں حلال کر دیں اور جو چاہیں حرام کر دیں اور وہ وہی کچھ چاہیں گے جو اللہ تبارک و تعالیٰ چاہتا ہے۔ [1] اور اسے خمینی نے کشف الاسرار (ص: 92) میں درج کر کے برقرار رکھا ہے۔ یا پھر اللہ کو "بدا" ہو گا کہ وہ ان کے لیے اپنے وعدہ کو بدل دے کیونکہ یہ عبدالمطلب کا عقیدہ تھا جسے ایمان کی سعادت حاصل نہ ہوئی اور اس نے شیعہ کے لیے یہ عقیدہ مشروع کر دیا۔

چنانچہ شیعہ کی کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب الکافی (447/1) میں کلینی نے ابو عبداللہ کے

[1] الکافی: 44/1

حوالے سے روایت بیان کی ہے کہ عبدالمطلب پہلا شخص ہے جس نے "بدا" کا فتویٰ دیا اور وہ قیامت دن اکیلا امت بنا کر اٹھایا جائے اور اس پر بادشاہوں کی تروتازگی اور انبیاء کا نشانی ہو گی۔ لگتا ہے کہ تمام آل بیت ائمہ بن چکے ہیں اور صرف ابولہب (ہاشمی) باقی رہ گیا اور اگر اس کے بارے میں سورت نازل نہ ہو چکی ہوتی تو ہو سکتا تھا کہ اس کی طرف تقیہ یا رجعہ منسوب کر دیا جاتا، یہاں تک کہ شیعہ کے عقائد آل بیت کے ایمان قبول کرنے یا انکار کرنے والے سے ماخوذ ہو جاتے۔

اللہ عزوجل، عالم الغیب ہے وہ اپنے وعدے کو نہیں بدلتا اور جب وہ کسی قوم کے افراد کی (صفات کی) تعیین کہ کے ان سے رضوان کا وعدہ کرتا ہے تو اس کا پختہ ہونا لازمی ہے: ﴿اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝۱۰۸﴾ [الاسراء: 108]

دوسرا وعدہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰﴾

[التوبة: 100]

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے تلے نہریں چلتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ عظیم کامیابی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس وعدے کو پختہ کیا ہے کہ اَعَدَّ لَهُمْ تو کیا کوئی شخص اس کے بعد یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ اس کے لیے قید یا تخصیص ضروری ہے۔

امام رازی نے تفسیر (130/16) میں اس معنی پر بحث کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے وہ وصیت نافذ نہیں کی جس کا سوائے ان دھنوں کے وجود ہی نہیں جو مکذوبہ روایات کو قبول کرتے ہیں تاکہ ایسے عقیدے کی بنیاد رکھیں جو ہر ایسے شخص سے جنگ کریں جو اس (من گھڑت عقیدے) کا مخالف ہے بلکہ اگر وہ اس کا اعلان نہ کرے تو اس پر تہمت لگائے خواہ وہ حضرت رسول اللہ ﷺ ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ خمینی کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے۔ الحمد للّٰہ علی نعمة الهداية

89۔ آنجناب نے کہا ہے: دوسرا گروہ: انصار میں سے سبقت لے جانے والے اور ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے خرچ کرنے اور ٹھکانا فراہم کرنے میں حضرت نبی ﷺ کی نصرت میں

سبقت کی اور اس میں مطلق انصار مدینہ اور ان کے بیٹے اور ان کے حلیف داخل نہیں ہیں کیونکہ آیت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾[التوبة: 100]

چنانچہ آیت کریمہ انصار میں سے سابقون الاولون کی تعریف کر رہی ہے ان کے عام لوگوں کی نہیں۔

پھر آپ نے اس معنی کی تائید میں تقریر کی ہے۔

یہاں چند غور طلب امور ہیں:

پہلا امر: انصار میں سے وہ کون سے سابقون ہیں جو اس تکریم کے مستحق ٹھہرے؟ ہم صحابہ کے ضمن میں انصار میں کسی کو نہیں پاتے جنہیں شیعہ نے تمام صحابہ میں سے ہلاک ہونے والوں سے مستثنیٰ کیا ہے (ان کے گمان کے مطابق) جنہوں نے وصی کی مدد نہیں کی وہ ہلاک ہو گئے سوائے چار صحابہ کے ان میں سوائے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کوئی انصاری نہیں تھا اور سلمان رضی اللہ عنہ غلام تھے وہ ٹھکانا عطا کرنے والوں میں شریک نہ تھے کیونکہ وہ کسی چیز کے مالک نہ تھے، اس اعتبار سے ان انصاروں میں سے کوئی بھی نجات نہ پا سکا، جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کو ٹھکانا دیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ﴾ کا وعدہ کیا تھا کیونکہ یا تو اللہ تعالیٰ (عیاذاباللہ) جانتا نہ تھا کہ وہ وصی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے یا پھر اس کو "بداء" ہو گیا اور اس نے شیعہ کی توقیر کی خاطر اپنے وعدے سے رجوع کر لیا!!

استغفر اللّٰه، استغفر اللّٰه، استغفر اللّٰه

دوسرا امر: کیا شیعہ کی کتابیں، ان انصار کے ناموں کی وضاحت پر مشتمل ہیں، جن کی اللہ عزوجل نے تعریف کی ہے؟!

تیسرا امر: کیا شیعہ صاحبان انصاروں میں فرق کر سکتے ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نصرت کی اور جو نفاق سے موصوف ہوئے اور کس مصدر اور مرجع سے یہ تمام لیے ممکن ہے؟!

90۔ آنجناب نے کہا ہے: مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے سابقون الاولون کی سچے دل

کے ساتھ پیروی کی اس طائفہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو غزوہ بدر سے بیعت رضوان یا فتح مکہ تک کے عرصے میں مسلمان ہوئے، یہ آیت سن 9 ہجری میں وفد بن کر آنے والے عربوں کو اپنے ضمن میں نہیں لیتی۔۔۔ ان لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا کردار اور چال چلن درست ہو گیا اور وہ گناہوں اور برے اخلاق سے دور رہنے والے بن گئے پس انہی لوگوں نے سچے دل سے ان کی پیروی کی۔

میں کہتا ہوں: یہاں دو باتیں توجہ طلب ہیں:

پہلی بات: ان میں سے کون لوگ مراد ہیں جنہوں نے نیک کاموں میں ان کی پیروی کی؟! جبکہ آپ لوگ صرف چار شخصوں کی تعدیل کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنے مہاجرین اور انصار بھائیوں کی طرح (تمہارے گمان کے مطابق) وصی کی مدد نہیں کی بلکہ وہ اس وصیت کو جانتے ہی نہ تھے اور یہ بات عقل میں بھی نہیں آ سکتی کہ مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی ان میں سے کوئی ایک یا اس سے زیادہ اشخاص خلفائے ثلاثہ کی مکمل زندگی تک وصی کی نصرت کا اعلان نہ کریں۔

دوسری بات: آنجناب نے گواہی دی کہ (جن صحابہ نے) سابقین کی پیروی میں احسان کے ساتھ ان کے بعد ہجرت کی، ان (کا باطن اور چال چلن درست ہو گیا۔۔۔) کیا آنجناب اپنی کتابوں سے ایسے دس صحابہ کے نام بتا سکتے ہیں؟! اور آپ نے کیسے پہچان لیا کہ ان کے باطن اور چال چلن درست ہو گئے تھے؟!

91۔ آنجناب نے کہا: اور اس آیت دس ہزار صحابہ کی تعدیل کہاں ہے جن کے نام (تراجم رجال کے) معاجم میں درج کیے گئے ہیں یا ایک لاکھ صحابہ جو مختلف مواقع پر آپ ﷺ کے ساتھی بنے اور آپ ﷺ کو دیکھا یا انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ مل جل کر رہے؟ یہ مفہوم ہے آیت کا ان فوائد کے موافق جو تم نے شناخت کیے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہاں تعدیل صحابہ کے بارے میں تین مواقف ہیں:

پہلا موقف: وہ تمام لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھی بنے اور آپ ﷺ پر ایمان لائے وہ صحبت

رسول ﷺ کے شرف اور اپنے قبول اسلام اور آپ ﷺ کے ان سے راضی ہونے کی وجہ سے عادل ہیں۔

ہمارا یہ عقیدہ نصوص شرعیہ کے عموم سے آشکارا ہے مزید بر آں اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے دین کی حفاظت کی اور اپنی طاقت کے مطابق اس کے ہر میدان میں اس کی راہ میں جہاد کیا۔

اور یہ ہیں ان کے پائیدار کارنامے، محفوظ شریعت مصطفی ﷺ مفتوح ممالک، چنانچہ آج مسلمان لاکھوں ملین کی تعداد میں ہیں اور ان سے پہلے ان کے آباء و اجداد جو صحابہ کی کاوشوں کی بدولت اتنی کثیر تعداد میں اسلام میں داخل ہوئے کہ ان کی تعداد حد شمار سے باہر ہے، پھر وہ جتنی نیکیاں کر رہے ہیں ان کی ہر نیکی کا ثواب ان صحابہ کرام کے ترازو میں رکھا جارہا ہے، چنانچہ ان کی خیر اور فضیلت کی گواہی دیتے ہیں اور ان کے کارناموں کے گواہ ہیں اور ہمارے پاس کوئی مزعوم وصیت نہیں جس کی انہوں نے خلاف ورزی کی ہو یا اس سے عناد کیا ہو۔

دوسرا موقف: جو اس کے برعکس ہے، وہ کہتا ہے کہ تمام صحابہ جن کی تعداد دس ہزار تھی اور ان کے نام کتابوں میں درج ہیں اور ایک لاکھ انسان جو آپ ﷺ کے دور میں مسلمان ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے دیدار کا شرف حاصل کیا وہ ماسوائے چار کے (عیاذاً باللہ) سب مرتد ہو گئے تھے یا انہوں نے (خود ساختہ) وصیت کی خیانت کی یا وہ مرتد تو نہ ہوئے لیکن انہوں نے عناد کیا اور (واقعی موہوم) وصیت کے نفاذ کو روک دیا لہٰذا وہ عدالت کے اہل نہیں ہیں چنانچہ وہ (عیاذاً باللہ) یا تو کافر تھے یا فاسق تھے، تو اس کا رزلٹ یہ نکلا کہ انسانیت کی عظیم ترین ہستی اور سید البشر ﷺ کے مدرسے سے کامیاب ہونے والے طلبہ کی تعداد ایک لاکھ میں سے چار تھی اور شیعہ عقیدے کے مطابق 99996 طلبہ فیل ہو گئے تھے! (بتایئے دنیا ان کے استاد کے متعلق کیا کہے گی؟)

تیسرا موقف: جنہوں نے مہاجرین اور انصار کو عدالت سے مختص کیا ہے اور خصوصاً اولین سے لے کر بیعت رضوان یا فتح مکہ تک کے لوگوں کو یا ان لوگوں کو جو حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساری زندگی مل کر رہے اور بعض نے دیگر قیود بھی لگائی ہیں لیکن یہ ساری قیود مشہور اور عظیم صحابہ

اہل بدر اور اہل بیعت رضوان۔

یہ ہیں عدالت صحابہ کے بارے میں اقوال۔

پہلا قول: جمہور اہل السنہ اس کے قائل ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ جو کوئی اس قول سے نکلے گا وہ شاذ ہو گا یا مبتدع۔

دوسرا قول: شیعہ کا ہے اور خصوصًا امامیہ کا اور متفرق مقامات پر بحث میں بیان ہو چکا ہے جو شیعہ کے اس موقف کی تائید کرتا ہے۔

تیسرا قول: بعض اہل السنہ کا ہے جو مرجوح ہے اور امامی شیعہ اس کو دلیل نہیں بتا سکتے کیونکہ یہ ان کے عقیدہ امامت سے ٹکراتا ہے بتایئے جناب ان میں سے صحیح قول کون سا ہے؟!

92۔ آنجناب نے عدالت صحابہ پر میری گفتگو درج کی ہے اور وہ یہ ہے: اللہ عزوجل نے بغیر کسی قید کے تمام مہاجرین اور تمام انصار کی تعریف کی ہے کیونکہ ''ال'' جس پر داخل ہو وہ عموم پر دلالت کرتا ہے اور اس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ چنانچہ پیروی کرنے والوں کو دلی سچائی کے ساتھ مقید کیا ہے اور یہ اصل ہے، لہٰذا سوائے قطعی دلیل کے کسی مہاجر اور انصاری کو اس (ثنا) سے خارج نہیں کیا جا سکتا اور آیت کریمہ نہایت واضح المعنی ہے پھر اللہ عزوجل نے ان لوگوں کی تعریف کی جنہوں نے سچے دل کے ساتھ ان کی پیروی کی اور جنہوں نے ان کی پیروی کی وہ اہل السنہ ہیں، شیعہ نہیں ہیں کیونکہ شیعہ لوگ ان کو کافر قرار دینے اور ان کی مذمت کرنے کے درمیان ہیں میری مراد امامی شیعہ ہیں بغیر ان میں سے کسی کو مستثنیٰ کیے۔ پھر آنجناب نے میری گفتگو درج کرنے کے بعد کہا: اس سے ملاحظہ ہو رہا ہے کہ وہ عام مہاجرین کی تعریف نہیں کر رہا اور نہ عام انصار کی، بلکہ ان میں سے خاص صنف کی تعریف کر رہا ہے اور وہ صرف سابقوں الاولون ہیں۔۔۔

میں کہتا ہوں: آنجناب کا قول کہ اللہ عزوجل ان میں سے خاص صنف کی تعریف کر رہا ہے اور وہ ہیں سابقون الاولون میں کہتا ہوں، اس خاص صنف میں سے وہ کون لوگ مراد ہیں جن کی اس نے ثناء بیان کی ہے؟ اور کیا اس صنف میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

میں سے بقیہ صحابہ بھی داخل ہیں یا نہیں ؟!

اگر آپ کہیں کہ ان میں داخل ہیں، تو آپ ان پر اللہ کی ثناء کو اور اس اعتقاد کو کس طرح جمع کریں گے کہ انہوں نے وصیت میں خیانت کی ؟!

93۔ آنجناب نے میرے قول کا ایک فقرہ درج کیا ہے اور وہ ہے: اور یہ اصل ہے اس سے بغیر کسی قطعی دلیل کے کسی مہاجر اور انصاری کو خارج نہیں کیا جا سکتا۔

پھر آنجناب نے کہا ہے: ہاں، یہ اصل ہے لیکن عام مہاجرین اور انصار کے بارے میں نہیں بلکہ ان میں مخصوص سابقوں الاولون کے بارے میں ہے، چنانچہ بغیر کسی قطعی دلیل کے اس اصل سے کسی کی تعدیل نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً: جب کوئی دلیل ثابت کرے کہ سابقون الاولون سے کسی صحابی نے حق سے انحراف کیا تو اس کا دوسری دلیل سے مواخذہ کیا جائے گا۔ چنانچہ اصابہ میں حارث بن سوید کے تذکرے میں ہے کہ وہ بدری صحابہ میں سے تھا اور اس نے غزوہ احد کے دن جاہلی دور کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے مسلمان شخص مجذر بن زیاد کو قتل کر ڈالا، تو اس پر اس آیت سے خارج ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ یا کوئی دلیل ثابت کرے کہ قدامہ بن مظعون بدری نے شراب پی لی تھی۔ [1]

اس طرح اور بھی بہت سے لوگ۔

میں کہتا ہوں: یہاں چند توجہ طلب مد نظر رکھیں۔

اولاً: کیا امامت (علی رضی اللہ عنہ) کی دلیل قطعی ہے، جس کی بنا پر تمام صحابہ کو عدالت سے خارج کرنا ممکن ہو جس کے سبب انہوں نے امامت علی رضی اللہ عنہ کو تسلیم نہ کیا تھا یا نہیں ؟!

اگر قطعی دلیل ہے تو ان میں سے کوئی شخص باقی نہ رہا جس پر "ال" داخل ہوا ہو اور وہ عادل ہو اگر قطعی دلیل نہیں ہے تو امامت باطل ہو گئی۔۔۔ آپ ان میں سے کس بات کے قائل ہیں ؟!

ثانیاً: مجذر بن زیاد کو ایک شخص نے (جس کا نام حارث بن سوید بن صامت تھا) غزوہ احد والے دن دھوکے سے قتل کر دیا پھر وہ مرتد ہو گیا پھر وہ فتح مکہ والے دن مسلمان بن کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے قصاص میں قتل کرا دیا اس میں (عدالت صحابہ کے خلاف) کون سی دلیل ہے ؟!

---

[1] الاستیعاب: 1276/3

ایک آدمی نے خیانت کی اور مرتد ہو گیا (اور اسے قتل کر دیا گیا)۔ ❶ تو کیا ایک آدمی کے ارتداد کی وجہ سے عظماء امت اور ان کے ہزاروں بھائیوں کی عدالت میں شک کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا کسی نے کہا ہے کہ یہ آدمی عادل ہے؟!

اور ہم اسے عدالت سے ساقط کر دیں گے تو کیا آپ لوگ ایک شخص کو ساقط کرنے پر ہم سے راضی ہو جاؤ گے اور اس آدمی پر اکتفا کرو گے؟!

ثالثًا: اس بارے میں صحیح نص وارد نہیں ہوئی کہ اسی نے قتل کیا تھا اسی لیے علماء نے مجذر کے قاتل کے بارے میں اختلاف کیا ہے امام ابن حجر عسقلانی نے ابن اثیر کا قول کہ اہل نقل نے اتفاق کیا ہے کہ اسی شخص نے مجذر کو قتل کیا تھا) نقل کرنے کے بعد لکھا ہے (اس کے جزم میں اختلاف ہے، کیونکہ عدوی، ابن کلبی اور قاسم بن سلام نے پختہ یقین سے کہا ہے کہ یہ قصہ اس کے بھائی جلاس کا ہے لیکن مشہور یہ ہو گیا کہ یہ حارث کا ہے۔ ❷

رابعًا: حارث بن سوید کے اسلام قبول کرنے کے متعلق کوئی صحیح حدیث موجود نہیں اور سیرت نگاروں نے بنیادی طور اس کے اسلام قبول کرنے میں اختلاف کیا ہے۔

(امام المغازی) محمد بن اسحاق کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ اصلاً اسلام لایا ہی نہ تھا بلکہ اس نے اسلام کا اظہار کیا تھا۔

سیرت ابن ہشام (89/2) میں ہے کہ ابن اسحاق نے کہا: حارث بن سوید بن صامت منافق تھا یہ مسلمانوں کے ساتھ احد کے دن نکلا جب جنگ بازوں کے آپس میں مڈ بھیڑ ہوئی تو اس نے مجذر بن زیاد بلوی اور بنی ضبیعہ کے ایک شخص قیس بن زید پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا پھر یہ مکہ جا کر قریش سے مل گیا۔

یہ ہے (حارث بن سوید) جس کے قبول اسلام میں بھی اختلاف ہے اور یہ غزوہ بدر میں شامل نہ ہوا تھا، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان صحابہ کے نام بیان کیے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح سند سے ثابت ہیں اور وہ غزوہ بدر میں شریک تھے چنانچہ انہوں نے چوالیس صحابہ کے نام بیان کیے ہیں اور یہ ان میں سے

---

❷ اسد الغابة: 47/4

❶ اصابة: 158/2

نہیں ہے۔

اور امام ہیثمی نے ان کے نام دو اقسام میں بیان کیے ہیں، ایک قسم کے ناموں کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ ان کے راوی صحیح احادیث کے راوی ہیں اور دوسری قسم کے ناموں کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے اور شواہد کے اعتبار سے اس کی حدیث حسن ہے۔ [1]

اور یہ دونوں قسموں میں شامل نہیں ہے لہٰذا آنجناب کو کیسے پتا چلا کہ یہ بدری ہے؟!

کیا یہ حد سے بڑھ کر ظلم نہیں ہے جو کسی صورت میں جائز اور مناسب نہیں؟!

خامسًا: قدامہ بن مظعون، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن کا شوہر تھا۔ انہوں نے مکہ میں اسلام قبول کیا اور حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور غزوہ بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بحرین پر حاکم مقرر کیا، عبدالقیس کے سردار جارود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: قدامہ نے مے نوشی کی ہے آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تیرے ساتھ گواہی کون دے گا؟ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلب کر لیا پھر جارود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان پر حد نافذ کرنے کا مطالبہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: کیا تو فریق ہے یا گواہ؟

جب جارود نے بار بار حد لگانے کا مطالبہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی شہادت میں شک پڑ گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی بیوی سے شہادت طلب کی تو اس نے اپنے شوہر پر شرب خمر کی شہادت دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے حد لگاؤں گا، تو اس نے کہا اگر میں نے ان کے کہنے کے مطابق شراب پی ہے تو تم مجھے حد نہیں لگا سکتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں؟

قدامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ [المائدة: 93]

”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان پر کچھ کچھ گناہ نہیں اس چیز کے

---

[1] مجمع الزوائد: 93/6

بارے میں جو انہوں نے تناول کی جب وہ ڈرے اور ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے مفہوم سمجھنے میں غلطی کی بے شک تو جب اللہ سے ڈرتا تو اس چیز سے بچتا جو اس نے تجھ پر حرام کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے مریض ہونے کی وجہ سے حد موخر کر دی پھر آپ رضی اللہ عنہ اس بات سے ڈر گئے کہ وہ حد کے نفاذ سے پہلے کہیں مر نہ جائیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے لگوائے، پھر قدامہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے بول چال ترک کر دیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا پھر دونوں نے صلح کر لی او رقدامہ رضی اللہ عنہ 36ھ تک زندہ رہے۔

ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل بدر میں سے سوائے قدامہ بن مظعون کے کسی کو حد خمر نہیں لگی۔ [1]

یہ ہے قصہ حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ کا، انہوں نے مفہوم سمجھنے میں غلطی کی اور ایک مرتبہ شراب نوش کرلی اور وہ اس دین کی نصرت میں شریک ہوئے اور بدر اور بیعت رضوان میں حاضر ہوئے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کے مطابق ان دونوں مواقع پر حاضر ہونے والوں سے اللہ کے تجاوز کرنے کے بارے میں احادیث آئی ہیں اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے شرب خمر سے بھی بڑا جرم سرزد ہوا تو اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے صدق اور غزوہ بدر میں شمولیت کی وجہ سے اس کا عذر قبول فرمایا۔ کیا آنجناب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس درگزر کو رد کر دیں گے اور حضرت حاطب کو اس تکریم سے خارج کر دیں گے ؟!

اللہ نے قدامہ کو بخش دیا اور اس سے راضی ہو گیا۔ اللہ کی قسم آپ رضی اللہ عنہ عادل تھے، غلطی کر بیٹھے پھر توبہ کرلی اور حضرت آدم علیہ السلام سے غلطی سرزد ہو گئی اور انہوں نے توبہ کی تو اللہ نے توبہ قبول کر لی۔

سادسًا: یہ صحابہ کرام کی اکائیوں میں سے چند اشخاص کے اکا دکا حادثات ہیں جن سے ان کا صدور ہوا ان پر حد نافذ ہوئی اور اللہ تعالیٰ حد کے نفاذ سے گناہ کو مٹا دیتا ہے اور معصیت کے ارتکاب

---

[1] الاستیعاب: 100/3

پر حد برداشت کرنے والے کو عار دلانا روا نہیں۔ پھر دیگر صحابہ کی مثالیں کہاں ہیں جن کے معاصی کے ارتکاب کے بارے میں آپ نے ھٰکَذَا دَوَالِیْكَ کہا؟! پھر کیا آپ لوگوں کے نزدیک قدامہ رضی اللہ عنہ کے سوا باقی صحابہ عادل ہیں؟

سابعًا: شیعہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ برتاؤ منصفانہ نہیں ہے، وہ صرف ان کی خطائیں دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ خطائیں افراد میں محصور ہیں، وہ اس مومن، مجاہد معاشرے کی طرف نہیں دیکھتے جس کے ذریعے اللہ عزوجل نے اس دین کی نصرت کی اور اس کے ساتھ شریعت (مصطفویہ) کی حفاظت کی اور دنیا (کفر) کو فتح کیا وہ تو فقط کسی صحابی کی تلاش میں رہتے ہیں جس نے شراب پی ہو یا زنا کیا ہو یا کسی کو قتل کیا ہو۔۔۔ اور اشخاص کا اندازہ کرنے میں یہ (شرمناک) ظلم ہے اگر ہم پر ایسا انداز منطبق کر دیا جائے تو ہم دنیا اور آخرت میں ہلاک ہو جائیں۔

ثامنًا: زمین کی تمام تر خیر میں ہر اس صحابی کا حصہ ہے جو اس کے دفاع میں شریک ہوا یا اس نے خیر کو آگے منتقل کیا، کیونکہ وہ اس خیر کو نشر کرنے کا سبب بنا، چنانچہ اس خیر کے ذریعے نیکیوں کا سلسلہ کتنا وزنی ہو گا اور جب ایک خطا ایک پلڑے میں رکھ دی جائے اور دوسرے پلڑے میں عظیم نیکیاں رکھ دی جائیں تو ایک خطا وہاں کیا وزن رکھے گی؟

ذرا ایک ارب نیکیوں کو ایک پلڑے میں رکھنا اور ایک خطا کو دوسرے پلڑے میں رکھنا پھر راجح پلڑے کو دیکھنا۔

94۔ آنجناب نے میرا قول درج کیا ہے: پھر اللہ عزوجل نے ان لوگوں کی ثنا بیان جنہوں نے سچے دل سے ان کی پیروی کی اور جو لوگ جنہوں نے ان کی پیروی کی وہ اہل السنہ ہیں۔ پھر آنجناب نے کہا ہے: اس پر ملاحظہ ہو رہا ہے کہ اللہ سبحانہ کا قول ﴿وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ [التوبۃ:100] میں اتبعوا فعل ماضی ہے جو نزول آیت کے وقت سچے دل سے پیروی کے تحقق کی حکایت بیان کر رہا ہے، لہٰذا یہ ضروری ٹھہرا کہ سچے دل سے پیروی کرنے والے تمام صحابہ میں سے تھے لہٰذا تم کس طرح اس کی تفسیر قیامت تک آنے والے اہل السنہ سے کر سکتے ہو، پھر تم شیعہ کو نکال سکتے ہو، حالانکہ دونوں گروہ جملہ کے مفاد سے خارج ہیں، ورنہ ضروری تھا

کہ اللہ عزوجل فرماتا: ﴿وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ ”اور وہ لوگ جو سچے دل سے ان کی پیروی کریں گے۔“

اولاً: تمام مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ﴿وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ﴾ میں قیامت تک کی امت شامل ہے ہم کہیں کہ یہ غیر مہاجرین میں سے اسلام قبول کرنے والوں کو شامل کرتی ہے یا یہ تابعین پھر تبع تابعین کے ساتھ خاص ہے، دونوں باتیں برابر ہیں۔

ثانیاً: جناب کا یہ کہنا کہ ضروری ہے کہ سچے دل کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے تمام صحابہ میں سے ہوں ۔۔۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل کہتا: ﴿وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ سو یہ عربی زبان سے آگاہی میں قصور کا شاخسانہ ہے اور جناب کو اس جرأت کے ساتھ قرآن کریم کے چراگاہ میں نہیں گھسنا چاہیے تھا اور اس کی وضاحت چوتھے نمبر پر آئے گی۔

ثالثاً: عربی کے تمام اعلام مفسرین میں سے کسی نے بھی آپ جیسی بات نہیں کہی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر علمائے امت کے آخری مفسر تک، کیا وہ اس بات سے جاہل رہ گئے جو آنجناب نے پہچان لی؟! اور شاید کہ اللہ نے عربی زبان کو جو شرف بخشا ہے (وہ یہ ہے ض کہ وہ تمام ڈکشنریاں جنہوں نے اس کی حفاظت کی ہے اور اس طرح وہ کتابیں جنہوں نے اس کی حفاظت کی ہے اور اس طرح وہ کتابیں جنہوں نے اس کے قواعد ضبط کیے ہیں وہ اہل السنہ کی کوششیں ہیں اور اہل تشیع ان کی مصنّفات کے خوشہ چین ہیں۔

اگر اندازہ کر لیا جائے کہ اہل تشیع کو زمین کے ایک علاقے پر الگ کر دیا جائے اور اہل السنہ کو دوسرے علاقے میں کر دیا جائے اور ان دونوں میں سے ہر کوئی دین کی حفاظت کا بار اٹھائے تو شیعہ دین کی شناخت سے عاجز آ جائیں گے۔

قرآن کریم کو اہل السنہ نے جمع کیا، عربی زبان کے مفردات کو جمع کرنے والے وہ ہیں اور اس کے قواعد کی بنیاد رکھنے والے وہ ہیں۔

رابعاً: جناب کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے کہ فعل ماضی مستقبل پر دلالت نہیں کرتا، کتاب اللہ سے ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ﴾[النحل: 1]

امام طبری اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ فَقَرَبَ مِنْکُمْ اَیُّھَا النَّاسُ وَ دَنَا۔[1]

"اے لوگو! اللہ کا امر آنے والا ہے پس وہ تمہارے قریب اور نزدیک ہے۔"

امام قرطبی فرماتے ہیں: اتی بمعنی یاتی۔[2] کہ اتی یاتی کے معنی میں ہے۔

اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: یُخْبِرُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنِ اقْتِرَابِ السَّاعَۃِ وَ دَنُوِّھَا بِصِیْغَۃِ الْمَاضِی الدَّالُ عَلَی التَّحْقِیْقِ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے قرب کی خبر ماضی کے صیغے سے دے رہا ہے جو تحقیق (وعدہ) پر دلالت کرتا ہے اور اسی نہج پر باقی تفاسیر ہیں اور اس آیت کے نظائر کتاب اللہ میں ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ نَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ مِّنۡ غِلٍّ﴾ [الاعراف: 43] یعنی ہم قیامت کے دن ان کے سینوں سے کینہ کھینچ لیں گے (اور ہم اہل ایمان کو بھائی بھائی بنا کر پلنگوں پر ایک دوسرے کے سامنے بٹھائیں گے) اسی سورت میں ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہَدٰىنَا﴾ [الاعراف: 43] یعنی "(جنتی قیامت والے دن) کہیں گے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہدایت دی۔" اور اسی سورت میں ارشاد ربانی ہے: ﴿وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ﴾ [الاعراف: 50] (یعنی قیامت کے دن) دوزخی، جنت والوں کو پکاریں گے۔

اور اسی سورت میں ہے: ﴿وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا﴾ [الاعراف: 48] اور اعراف والے آدمیوں کو پکاریں گے۔ علاوہ ازیں بہت سی آیات۔۔۔ ان سے آشکارا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ﴾ ایسا فعل ہے جو مطلقاً مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور وہ ان تمام مومنوں کو شامل کرتا ہے جو قیامت تک ان کے بعد آئیں گے اور انتہا کے دعوائے کو لغت ضروری نہیں قرار دیتی۔

95۔ آنجناب نے میرا قول درج کیا ہے (اور آیت نہایت واضح المعنی ہے) پھر آنجناب نے کہا ہے:

---

[1] الجامع لأحکام القرآن: 65/10

[2] التفسیر: 476/4

بے شک آپ کی جانب سے یہ تعبیر نہایت انوکھی ہے، آپ کس طرح اسے وضاحت کا بام عروج قرار دیتے ہیں، حالانکہ مفسرین نے اس آیت سے مراد کی تعیین میں شدید اختلاف کیا ہے اور ہم آیت کے (نہایت تواضح المعنی) کے دعوے کے پر (ان کا اختلاف پیش کریں گے) تاکہ تمہارے فیصلے کی سطح آشکارا ہو جائے پھر آنجناب نے ابن الجوزی کا قول درج کیا ہے کہ اس آیت کے بارے میں چھ اقوال ہیں۔ [1] پھر اقوال کے اختتام پر آنجناب نے کہا: (بالآخر ہم ان اقوال کی تصدیق نہیں کرتے۔)

میں کہتا ہوں کیونکہ وہ جناب کے مقصد کو یقینی نہیں بنا سکے۔ اس تعجب کا جواب کئی طرح سے ہے۔

اولاً: آیت کریمہ ان صحابہ کرام کی تعریف میں نہایت واضح المعنی ہے جنہیں تم کافر یا فاسق قرار دیا ہے، خواہ وہ مہاجرین اور انصار میں سے سابقون الاولون کے طبقہ کی تعریف میں سے یا ان سب کی یا ان مومنین کی تعریف میں جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔

اہل السنہ نے طبقے کی تعیین میں اختلاف کیا ہے، تمام صحابہ کی تعریف میں اختلاف نہیں کیا جیسا کہ امام شیعہ کا اعتقاد ہے ماسوائے چار صحابہ کے، یہ ہمارا تمہارے ساتھ بنیادی اختلاف ہے۔

ثانیاً: ان اقوال میں سے کوئی ایک قول بھی امامی شیعہ کے حق میں نہیں ہے کیونکہ یہ تمام اقوال امامی شیعوں کے مقابلے میں ہیں۔

آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام مفسرین کے اقوال نے دیگر صحابہ کی عدالت پر قدغن نہیں لگایا۔

96۔ پھر آنجناب نے کہا: ان تمام باتوں کو چھوڑ کر اس طرف آتے ہیں کہ مفسرین اور مورخین کی ایک تعداد اس طرف گئی ہے کہ سابقین سے مراد: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ پہلے شخص ہیں جو اسلام لائے جیسا کہ ثعلبی، قرطبی، خطیب اور ابو نعیم وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور حاکم نیشاپوری نے کہا ہے: میں اس بارے مورخین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام لانے والوں میں پہلا شخص ہے۔ تفسیر ثعلبی، خ تفسیر قرطبی (236/8) مستدرک (183/3) اور ابن تیمیہ نے اپنے رسالے راس الحسین میں اپنے اس قول سے تصریح

[1] زاد المسیر: 333/3

کی ہے۔ ثم علی وحمزہ وجعفر وعبیدہ بن حارث یہ سابقون الاولون ہیں، وہ تمام قبائل سے طبقہ ثانیہ میں سے افضل ہیں۔ [1]

میں کہتا ہوں: یہاں چند غور طلب مقامات ہیں:

اولاً: آپ کا ان مفسرین کی طرف منسوب کرنا کہ انہوں نے کہا ہے: سابقین سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ صحیح نہیں اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ آپ نے جان بوجھ کر یہ غلطی کی ہے۔

امام ثعلبی کہتے ہیں: علماء نے اختلاف کیا ہے کہ سابقون الاولون سے مراد کون ہیں؟ حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت سعید بن مسیب اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قبلتین کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں: یہ وہ صحابہ ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہوئے اور شعبی نے کہا ہے: ان سے مراد وہ صحابہ ہیں جو بیعت رضوان میں پھر اس نے کہا: اور انہوں نے اس طرح اس باب میں بھی اختلاف کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کون ایمان لایا۔۔۔ بعض نے کہا ہے: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

تفسیر ثعلبی میں آیت کی تفسیر میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تعیین کہاں ہے؟ جبکہ امام قرطبی نے اس آیت کو درج کرنے کے بعد فرمایا: اس میں سات مسائل ہیں اس نے تین مسائل میں آیت کریمہ کا معنی درج کیا ہے اور ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا، اس نے تو دیگر مفسرین کی طرح انصار اور مہاجرین کا ذکر کیا ہے۔ پھر کہا ہے: چوتھا مسئلہ: ان میں سے پہلے پہل اسلام لانے والے کے بارے میں حضرت مجالد، حضرت شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: سب لوگوں میں سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ، کیا تو حسان کو نہیں سنا۔۔۔) پھر اس وہ اشعار درج کیے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اسبقیت اسلام پر دلالت کرتے ہیں پھر اس نے علماء کی اس جماعت کے اقوال درج کیے ہیں جو دوسروں پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی سبقت پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں پھر اس نے کہا: اور یہی بات ابراہیم نخعی نے کہی ہے اور کہا گیا ہے پہلے اسلام قبول کرنے والا حضرت علی رضی اللہ عنہ تھا۔ [2]

---

[1] رأس الحسین، ص: 23

[1] تفسیر قرطبی: 235/8

پھر اس نے پہلے پہل اسلام قبول کرنے والے کے بارے میں دیگر اقوال بیان کیے ہیں۔

بتائیے امام قرطبی رحمہ اللہ نے آیت کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کہاں تعیین کی ہے؟ پھر اسی امام نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا ہے، کیونکہ اس نے کہا ہے وہ سب سے پہلے اسلام لائے تھے، بھلا ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم کہیں کہ آیت فقط حضرت ابو بکر کی تفسیر کرتی ہے، ہم تو اس مسلک کو روا نہیں سمجھتے، کیونکہ اس معاملے میں عام ہے اور خطیب اور ابو نعیم کا قول پہلے پہل اسلام قبول کرنے والے کے ذکر اور اس کے بارے میں اقوال سے نہیں نکلتا۔

اس صورت میں کیا آپ کا دعویٰ صحیح ہے کہ علماء نے آیت کی تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی ہے؟!

ثانیاً: یہ شیعی عقل بڑی انوکھی عقل ہے جو کتاب اللہ میں مدح کی آیات کی تفسیر (ایک شخص) کے ساتھ کرتی ہے!

سیکڑوں اور ہزاروں مہاجرین و انصار پر ثنا کی ضیا پاشیاں کرنے والی آیت کو چھپا لیا جاتا ہے تاکہ اس کا مخاطب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ السابقون الاولون من المہاجرین و الانصار سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے۔ سبحان اللہ؟!

لیکن یہ انوکھی بات نہیں، جو شخص امامی شیعی کتب احادیث اور آثار پر نظر رکھتا ہے وہ دیکھے گا کہ قرآن سارے کا سارا ائمہ اور ان کے متبعین کی شان میں نازل ہوا ہے، میں نے اس مقام کے علاوہ اس کی مثالیں بیان کی ہیں اور اس بات میں کوئی ہرج نہیں کہ یہاں بھی امامی شیعوں کی اصح کتاب سے چند مثالیں پیش کر دی جائیں۔

کلینی نے الکافی (36/8) میں اپنی سند کے ساتھ ابو عبد اللہ سے طویل حدیث میں بیان کیا ہے کہ جو بھی آیت جنت کی طرف راہنمائی کرنے والی ہے اور وہاں داخل ہونے والوں کا خیر سے ذکر کرتی ہے وہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے بارے میں ہے اور جو آیت آگ کی طرف چلاتی ہے اور آگ والوں کا شر کے ساتھ تذکرہ کرتی وہ ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے۔ سبحان اللہ!!

ابن البطریق حلی نے العمدۃ (ص: 15) میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا

ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جس قدر کتاب اللہ نازل ہوئی ہے اتنی کسی اور کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ اس طرح مرزا نے صحیفۃ الابرار ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے طویل حدیث بیان کی ہے اور اس میں ہے کہ جبرائیل، رسول علیہ السلام پر اترا اور اس کے پاس سرخ بلور کا پیالہ تھا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: السلام علیک، اللہ تجھ پر سلام کہتا ہے اور اس کے ساتھ تجھے جواب لوٹاتا ہے اور تجھے حکم دیتا ہے کہ تو اس کے ساتھ علی اور اس کے دونوں بیٹوں کو سلام کہہ پھر اس نے دعویٰ کیا کہ بلور کا جام حضرت نبی علیہ السلام کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت حسن اور پھر حضرت حسین کے ہاتھ میں اور وہ آیات پڑھ رہا تھا اور امامی شیعہ کے کسی شخص نے ایک کتاب لکھی جو بیروت میں علی عاشور کی تحقیق کے ساتھ طبع ہوئی اور اس کا عنوان ہے، الدُّرُّ الثَّمِیْنَ فِیْ خَمْسِمِائَةِ آیَةٍ نَزَلَتْ فِیْ مَوْلٰنَا اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ علیہ السلام بِاتِّفَاقِ اَکْثَرِ الْمُفَسِّرِیْنَ، ﴿وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ﴾ [المائدۃ: 18] اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا، ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

97۔ آنجناب نے وہ آیت ذکر کی ہے جو میں نے آپ کی طرف ارسال کی تھی اور وہ ہے سورۃ فتح میں ارشاد باری تعالیٰ:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۠ ﴾[الفتح: 39]

”محمد رسول اللہ ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں نہایت سخت ہیں، لیکن آپس میں (بریشم کی طرح) نرم ہیں تو انہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرنے کی غرض سے رکوع اور سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا، ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر کی وجہ سے (نورانی) چمک ہے ان کی مثال تورات میں ھی اور انجیل میں

بھی اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپلیں نکالیں پھر وہ اپنے نالوں پر کھڑی ہو گئی پھر وہ موٹی ہو گئی پھر وہ اپنے تنے پر پھولی پھلی، وہ کاشت کار کو خوش نما لگنے لگی، تاکہ اللہ (ان کی شان کو بڑھا کر) کفار غصہ دلائے اللہ تعالیٰ نے ان تمام ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔"

پھر آپ نے میرا قول درج کیا ہے: اللہ عزوجل نے بیان کیا ہے کہ اس نے ان کی پرورش کی اور ان کی نگہبانی کی جیسے وہ اس بیج کی نگہداشت کرتا ہے جو زمین سے کونپل نکالتا ہے یہاں تک کہ وہ پختہ ہو جاتا ہے اور مکمل طور (پھل دار) ہو جاتا ہے اور وہ کفار کے غصے کا سبب بن جاتا ہے لہٰذا جو کوئی ان (صحابہ کرام) کو برا سمجھے یا (ان کی عظمت شان سن کر) دانت پیسے اس کو وعید لاحق ہو گی۔

پھر آپ نے کہا ہے: اس پر نظر آرہا ہے کہ تمہاری گفتگو کے مطابق اللہ تعالیٰ اس آیت میں تمام صحابہ کے اوصاف بیان کر رہا ہے کہ اس نے ان کی پرورش کی اور نگہبانی کی جیسے وہ زمین سے اگنے والی انگوری کی نگہبانی کرتا ہے، لیکن یہ درج ذیل وجوہات کی وجہ سے نامکمل ہے۔

1۔ کیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے قول: ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ سے مراد جسمانی معیت مراد ہے یا روحانی معیت مراد ہے، تاکہ یہ ان لوگوں پر منطبق ہو جائے جو ایمان، عقیدہ، عمل اور کردار کی پختگی کے اعتبار سے ان پر منطبق ہو جائے؟

اور اس وجہ سے بھی کہ جسمانی معیت کی تو کوئی قیمت نہیں جو آیت کو دوسرے گروہ سے خاص کر دے اور سارے صحابہ تو اس خط (لکیر) پر نہ تھے، ان دس اصناف و اقسام کی دلیل کے ساتھ جن کے عنوانات ہم پیش کر چکے ہیں اور ہم آیات کی جگہیں اور نمبر زبیان کر چکے ہیں۔

میں کہتا ہوں یہاں غور طلب امور ہیں:

اولاً: آیت کریمہ اس بات پر نص ہے کہ ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ کے یہ اوصاف ہیں اور ہم تمام احادیث اور مواقف میں دیکھتے ہیں کہ (وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں) ان میں داخل ہونے والوں میں پہلے نمبر پر حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ چنانچہ یہ تمام مواقف اور مشاہدہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے اور آپ کی

نصرت کی اور آپ ﷺ سے محبت کی اور آپ ﷺ نے ان سے محبت کی اور ان کی تعریف بیان کی اور آپ ﷺ ان سے مشورے لیتے اور ان کی بات سنتے اور سفر وحضر میں سوائے اکا دکا مواقع کے ان سے جدا نہ ہوئے اور ایمان نے ان کی مدد کی اور حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کے ایمان کی گواہی دی اور ان کے کردار کو سراہا اور ان کی ثنا بیان کی اور تمام صحابہ نے ان کی گواہی دی اور ان کی تعریف کی اور ان کے درمیان محبت اور مودت تھی یہ حقیقت ان کی زندگی میں باہمی تعاون اور ایک دوسرے رشتے ناتے اور ان کے ناموں پر اپنی اولادوں کے نام رکھنے سے عیاں ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے مابین اخوت ایمانیہ کے اور بھی ثبوت ہیں۔

تو کیا آیت کریمہ ان کو شامل ہے یا نہیں؟! کیونکہ اختلاف کی چابی ہے، صحابہ کرام ایک عظیم لشکر تھا اور ان کے آگے آگے یہ عظماء امت تھے اور ہم لوگ جب تمہارے ساتھ صحابہ کرام کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو پہلے پہل ہمارے ذہنوں میں پر عظماء ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے ان کے باقی اخوان کرام۔

ثانیاً: کیا اس سے مراد (جسمانی معیت ہے یا اس سے مراد روحانی معیت ہے تاکہ یہ ان لوگوں پر منطبق ہو جو ایمان، عقیدہ اور کردار کی پختگی میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے؟)

میں کہتا ہوں: وہ کون سی جماعت ہے جن کی قرآن کریم نے مدح کی ہے اور وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے؟

کیا اس میں حضرت ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں یا وہ آپ کے منہج کے مطابق فقط (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہی ہے؟!

قرآن، جماعت کا ذکر کرتا ہے، تو کیا یہ جماعت آپ کی حس اور فکر میں سکڑ گئی ہے کہ وہ ایک آدمی بن جائے یا وہ جماعت ہی رہے؟! تو کیا یہ وہی جماعت ہے جس کا ہم ذکر چکے ہیں یا یہ شیعی روایات کے مطابق (حضرت ابوذر، سلمان فارسی، عمار اور مقداد رضی اللہ عنہم) مراد ہیں۔

ثالثاً: آنجناب نے تاکیداً کہا ہے کہ آیت سے مراد روحانی معیت ہے۔ میں کہتا ہوں: خطاب واضح الدلالت ہے کیونکہ (وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں) سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے جسموں اور

روحوں کے ساتھ ان کے ساتھ تھے اور انہوں کے آپ ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کی اور ان کی آپ ﷺ سے ایمان، نصرت اور محبت کے معیت مشہور ہو گئی، ان میں سے پہلے درجے پر خلفائے اربعہ ہیں جو عظمائے امت بن گئے اور ان کی خلافت اور امامت برضا ور غبت تسلیم کی گئی اور انہوں نے نصرت کی اور جہاد کیا اور ممالک کو فتح کیا اور انہوں نے ایمان اور دین کی اشاعت کی اور منافق اور کافر ایمان کی نشر و اشاعت نہیں کرتا۔ کیا آپ اس حقیقت کا انکار کر سکتے ہیں؟

میں اس یقین پر ہوں کہ ان کی تعظیم او محبت او رمکذوبہ وصیت کا دعویٰ اکٹھے نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ دونوں عقیدے متضاد ہیں لہٰذا یا تو ان کی تعظیم اور ان کے بارے میں بسنے کی سلامتی اور ان کی نیکیوں کا اعتراف اور ان کے لیے دعائے مغفرت ہو گی۔

یا پھر وصیت کا دعویٰ اور ان سے نفرت اور ان پر بہتان لگانا ہو گا جو سید البشر صلوات اللہ علیہ و سلامہ سے لے کر رب العالمین تک جا پہنچے گا۔

رابعًا: آنجناب کا قول: اور سارے صحابہ اس خط پر نہ تھے جس کی دلیل وہ دس اصناف ہیں جن کے عنوانات ہم بیان کر چکے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ عجیب خیال تسلسل کے ساتھ آپ کے جذبات اور فکر کو جکڑے ہوئے ہے۔

دس اصناف کا تعلق منافقین کے ساتھ ہے ان کا مومنین کے ساتھ تو کوئی تعلق ہی نہیں اور ہماری گفتگو ان صحابہ کے بارے جنہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ جبکہ منافقین نے آپ ﷺ سے ملاقات تو کی لیکن آپ ﷺ کے ساتھ ایمان نہیں لائے! ہاں، انہوں نے ایمان لانے کا دعویٰ کیا۔ ذرا لفظ آمن اور ادعی کے درمیان فرق کیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾[البقرة: 8-9]

”اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور وہ لائے اور وہ مومن نہیں ہیں۔ وہ اللہ اور ایمان داروں کو دھوکہ دیتے ہیں اور

درحقیقت وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دیتے ہیں لیکن وہ سمجھ نہیں رہے۔"

چنانچہ اللہ نے ان سے ایمان کی نفی کر دی اور خبر دی کہ وہاں مومنین ہیں جن کو یہ منافقین دھوکہ دیتے ہیں، بتائیے وہ مومنین کون تھے جن کو یہ دھوکہ دیتے تھے ؟!

کیا وہ صرف چار صحابہ ہی تھے؟ یا وہ بڑی امت تھی جن سے منافق ڈرتے تھے اور اس قدر اس سے لرزتے تھے کہ انہیں اپنا نفاق چھپانا پڑا؟! اور کیا حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اور ان کے عظیم بھائیوں کا ایمان پوشیدہ تھا؟! اور کیا کوئی مسلمان گمان کر سکتا ہے کہ وہ منافق تھے ؟!اور کیا اللہ عزوجل مطلقاً ان لوگوں کی تعریف کر رہا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ان کی اگلی صفوں میں یہ (عظماء امت) تھے اور وہ ان لوگوں کی تعریف کر کے (عیاذاً باللہ) لوگوں کو دھوکہ دے رہا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہم ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اترنے میں بھی اور کوچ کرنے میں بھی اور آپ کے سفر کرنے میں بھی اور اقامت میں بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جنگ کرنے میں بھی اور صلح کرنے میں بھی اور ہمارے پاس کوئی دوربین نہیں ہے جو ان کے دلوں میں مخفی ارادوں کا انکشاف کر دے تاکہ ہم ان کے دلوں میں پوشیدہ عزائم کی تمیز کر سکیں اور یہ منافق ہوں اور ہم ان کی تعریف اور ان کی ثنا سے دھوکہ کھا کر ان کی تعظیم اور ثنا کرتے پھریں بلکہ م سے پہلے صحابہ کرام بھی ان کی تعظیم کرتے رہے اور ان کی تعریف کرتے رہے اور ان دونوں ہستیوں کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی جگہ دفن کیا، بتائیے ان دلائل سے بڑھ کر بھی کوئی عظیم دلیل ہے کہ وہ اس ثنا میں داخل ہیں؟ اگر ہم ان دلائل سے اعتماد کھو بیٹھیں تو ہم کتاب اللہ کے کسی بھی لفظ کی تصدیق نہ کر سکیں گے۔(الحمد للّٰہ الذی ھدنا لھذا و مان کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللّٰہ)

خامسًا: آیت کریمہ میں اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (تاکہ وہ ان کے ساتھ کفار کو غصہ دلائے) اللہ تعالیٰ نے اس تقویت کی علت بیان کی ہے اور وہ ہے (کفار کو غصہ دلانا) تو کیا کفار کو چار اشخاص: (ابوذر، سلمان، عمار اور مقداد) یا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ غصہ دلا سکتے ہیں یا بہت سی افواج جنہوں نے کفر اور کفار کو خوف زدہ کر دیا اور ممالک کو توڑ دیا اور ملکوں کو فتح کر

لیااور بندوں صراط مستقیم پر گامزن کر دیا؟

کیا(آیت کریمہ سے یہ لوگ مراد ہیں یاان کے علاوہ کوئی اور؟! اپنی بصیرت کی آنکھ سے غور کیجیے پھر ان لوگوں کی تعیین کیجیے کہ وہ کون لوگ تھے جن کے ذریعے اللہ نے کفار کو غصہ دلایا؟ کیاوہ صحابہ کرام اور ان کے متبعین اہل السنہ ہیں یا(ان کی کردار کشی کرنے والے) شیعہ؟! اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر الصدیق کی خلافت کی ابتدا لے کر خلافت (ہاشمیہ عباسیہ) اور خلافت اسلامیہ عثمانیہ کے زوال تک اسلامی تاریخ کے کس دور میں شیعہ کے ذریعے کفار کو غصہ دلایا۔۔۔؟!

98۔ آنجناب نے کہاہے: اللہ سبحانہ ان کی صفات بیان کرتا ہوا فرماتا ہے کہ وہ ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ [فتح: 29] کہ وہ آپس میں رحم دل تھے۔ تو کیاعام صحابہ اس وصف سے موصوف تھے؟ یا انہوں نے آپس میں لڑائی کی؟ کتنے بدری صحابہ، صحابہ کے ہاتھوں قتل ہوئے، خلیفہ ثالث کا مقتل دیکھ لیجیے اور بیعت توڑنے والوں اور منحرفین اور امام کی اطاعت سے نکل جانے والوں کی جنگیں جن میں بہت سے صحابہ، صحابہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

میں کہتاہوں: یہاں غور طلب امور ہیں:

اولاً: اگر کوئی کافر شخص اسلام پر طعن لگاناچاہے اور اس نے شیعی مذہب پڑھاہوا ہو اور وہ اس آیت پر ٹھہر جائے تو اس کے لیے کون ساسوال کرنا ممکن ہو گا جو قرآن یا اسلام میں شک پیدا کرنے کے لیے اس سوال کے سوا کوئی سوال کرے؟

یہ کافر کہے گا: قرآن نے تمہارے رسول اور اس کے ساتھیوں کاوصف ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ کے الفاظ سے بیان کیاہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے باہم ایک دوسرے کو قتل کیااور کس قدر بدر کی صحابہ، صحابہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ حرف بحرف آپ کی عبارت کے مطابق تو رحمت کہاں رہی؟!

یاتو قرآن سچانہیں ہے۔ یاپھر جن صحابہ کا قرآن نے وصف بیان کیاہے وہ ان لوگوں کے سوا کوئی اور ہوں گے جن کے بارے میں ہم نے شیعہ کی کتابوں میں پڑھاہے؟!

بتائیں، اللہ کے دین کے برخلاف ان گمراہ کن عقائد کے ساتھ کیاکریں گے؟

ثانیاً: پھر اگر کوئی ناصبی کہے کہ قرآن نے صحابہ کا وصف بیان کیا ہے کہ وہ آپس میں

﴿رُحَمَآءُ﴾ تھے اور ہم نے یہ رحمت خلفاء ثلاثہ کے عہد میں یا پہلے دو خلفاء کے عہد میں دیکھی اور ہم نے فقط چوتھے خلیفہ کے عہد میں نہیں دیکھی، ہم نے دیکھا ہے کہ علی بن ابی طالب، طلحہ، زبیر اور معاویہ نے آپس میں لڑائیاں لڑیں اور ایک دوسرے کے خون مباح کیے اور ہم نے ان میں رحمت نہیں دیکھی، جو ہمیں ان کے مدح میں داخل ہونے میں شک میں ڈالتی ہے اور یہ ہمیں یقین فراہم کرتی ہے یہ لوگ مدح میں شامل نہیں۔

کیا صحابہ کرام کے بارے میں شیعہ کا مبنی بر بہتان عقیدہ کہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا اور یہ کہ یہ وصف تمام صحابہ پر پورا فٹ نہیں ہوتا، اس طرح کے سوال کا سبب نہیں ہے؟! آپ کے پاس اس سوال کا کیا جواب ہو گا؟!

ثالثاً: جبکہ ہم اہل السنہ پر یہ دونوں سوالات وارد نہیں ہوتے کیونکہ اس شیعی فہم کے خلاف ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ہی تھے جیسا کہ ان کے بارے میں اللہ رب العزت نے خبر دی کہ وہ ﴿رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ﴾ تھے اور یہ بات درج ذیل تفصیل سے واضح ہو گی۔

بعثت نبوی کے آغاز سے لے کر دور فتنہ تک صحابہ کرام کی زندگی:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ میں تقریباً بیس سال زندگی بسر کی اور وہ باہم محبت کرنے والے بھائی تھے۔ ہم ان کے درمیان سوائے خیر اور ایمانی بھائی چارے کے کچھ نہیں دیکھتے اور یہ حقیقت ان کے دشمنوں پر ان کی نصرت اور اس ربانی ثنا کے حصول کا راز تھا جو اس حکیم و خبیر ذات کی طرف سے جاری ہوا جس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور اس دور پر ان لوگوں کے وجود کا غبار نہیں ڈالا جا سکتا جو مسلمان نہ تھے لیکن مدینہ میں رہائش رکھتے اور بعض غزوات میں شرکت کرتے تھے کیونکہ وہ سرے سے مومن نہیں تھے اور نہ وہ ثنا سے مقصود ہیں۔

ii: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضرت ابو بکر الصدیق ان کے خلیفہ بنے جو انبیاء کے بعد عالم بشریت میں سے افضل اور اعظم تھے، جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے (پہلے بھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے اور ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں آپ کے ہم مرقد تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا رتبہ بلند کر دیا تھا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

دین کی نصرت اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ان کے ساتھ ایسے ہی رہے جیسے وہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور ان کے کردار میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی اور اس کا معنی یہ نہیں کہ دو شخصوں یا اس سے زیادہ شخصوں میں اختلاف رائے یا جھگڑا نہیں ہوا لیکن للأکثر حکم الکل کے مطابق اکثریت پر تمام کا حکم لگایا جاتا ہے۔

پھر ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور زندگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی ڈگر پر چلتے رہے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ تقریباً 25ھ میں شہید کر دیئے گئے، اس کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ پندرہ سال پورے ہو گئے۔

پھر حضرت رسول اللہ ﷺ کے داماد اور آپ ﷺ کی دو بیٹوں کے شوہر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے تقریباً تیرہ سال حکومت کی اور آخری دو سالوں میں فتنہ اٹھا جو آپ ﷺ کی شہادت پر ختم ہوا۔

پس جب ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا عرصہ شامل کریں پہلے عرصے میں شامل کریں تو اڑتالیس سال بنے۔

صحابہ کرام اس عرصے میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے والے بھائی بن کر رہے اگر وہ باہم محبت کرنے والے ﴿رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ﴾ نہ ہوتے تو وہ اپنے دشمنوں میں غلبہ نہ پا سکتے۔

اس سنہری دور میں وہ باہمی لڑائیاں اور تنازعات کہاں ہیں جو سیاہ روشنائی سے لکھے گئے ہیں؟ کیا وہ ﴿رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ﴾ نہ تھے؟! قرآن اللہ کا کلام ہے اور وہ سب کلاموں سے سچا کلام ہے اور بلاشبہ صحابہ کرام ایسے ہی تھے جسے اللہ عزوجل نے بیان کیا۔

iii: 35ہجری میں فتنہ برپا ہو گیا اور اس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کر دیئے گئے اور اس کا سبب صحابہ کرام نہ تھے بلکہ اس کا سبب ایک یہودی شخص تھا جس کا نام (عبد اللہ بن سبا) تھا اس نے فتنہ بھڑکانے میں مرکزی کردار ادا کیا جیسا کہ امام طبری وغیرہ مورخین نے بیان کیا ہے۔

چنانچہ امام طبری نے اپنی سند سے یزید بن فقعسی سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا (یمن کے) صنعاء میں رہنے والوں میں سے تھا اس کی ماں کا نام سوداء تھا، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں

(بظاہر) مسلمان ہو گیا پھر یہ مسلمانوں کے شہروں میں ضلالت و گمراہی پھیلانے کی غرض سے گھومنے پھرنے لگا۔

اس نے حجاز سے ابتدا کی پھر بصرہ چلا گیا، پھر کوفہ پھر شام چلا گیا لیکن یہ اہل شام میں اپنے عزائم کو پورا کرنے میں ناکام رہا یہاں تک کہ یہ مصر چلا گیا اور ان میں ڈیرہ ڈال دیا۔

چنانچہ اس نے ان سے جو باتیں کہنا شروع کیں ان میں چند باتیں یہ ہیں: تعجب ہے اس شخص پر جو عیسیٰ کے دنیا میں لوٹنے کا دعویٰ کرتا ہے اور محمد کے لوٹ کر دنیا میں آنے کو جھٹلاتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ﴾[القصص: 85]

”بے شک جس ذات نے تجھ پر قرآن کی تبلیغ فرض کی ہے وہ ضرور تجھ کو انجام تک پہنچانے والا ہے۔“

یعنی کامیابی سے ہم کنار کرنے والا ہے۔

(اس آیت سے اس نے اپنی یہودیانہ تاویل کی اور کہا کہ) محمد، عیسیٰ سے اس دنیا میں دوبارہ آنے کا زیادہ حق دار ہے، چناچہ اس کی یہ تاویل مان لی گئی اور اس نے ان کے لیے رجعت کا عقیدہ اختراع کیا اور وہ اس پر گفتگو کرنے لگے پھر اس نے ان سے کہا: ہزار نبی ہوئے ہیں اور ہر نبی کا (وصی) ہوا ہے اور (علی، محمد کا وصی ہے) پھر اس نے کہا: محمد خاتم الانبیاء تھے اور علی خاتم الاوصیاء ہے۔ پھر اس کے بعد اس نے کہا: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس رسول اللہ ﷺ کی وصیت نافذ نہ کی اور وصی رسول اللہ پر پل پڑا اور امت کی باگ ڈور پکڑ لی۔ پھر اس نے ان سے کہا: عثمان نے اس خلافت کو ناحق طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور یہ (علی) رسول اللہ کا وصی ہے، لہٰذا اٹھو اور اس فکر کو پھیلاؤ اور اپنے امراء پر عیب لگاؤ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے روپ میں لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرو اور انہیں اس معاملے کی دعوت دو، چنانچہ اس نے اپنے داعی پھیلا دیئے اور اس نے شہروں میں بدامنی پھیلانے والوں سے خط و کتابت کی اور انہوں نے اسے خط لکھے اور پوشیدہ طور پر اپنی رائے کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور اس نہج پر وہ مسلسل کام کرتا رہا۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس معاملے کی خبر پہنچی تو انہوں نے اس معاملے کا پتا چلانے کے لیے شہروں میں اپنے قاصد بھیجے ان میں سے مصر بھی تھا اور تمام قاصدین واپس لوٹے سوائے مصر کے قاصد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے کہ بشرط صحت سند کے وہ نہ لوٹے۔ ❶

یہ ہے فتنے کی جڑ اور اس کے نتیجے میں حضرت عثمان کی شہادت رونما ہوئی اور رجعت اور وصیت کا عقیدہ ظاہر ہوا، لیکن یہ اپنے ابتدائی مرحلے میں تھا۔

i: پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے منصب پر فائز ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے تک بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (مدینہ سے) نکلیں اور ن کے ساتھ حواریِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت زبیر بن عوام، حضرت طلحہ اور ان کے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے وہ (خلیفہ راشد مظلوم) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے جنگ کرنے کے ارادے سے عراق کی طرف نکلے، پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ عراق کی طرف متوجہ ہوئے اس سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کا ارادہ شام جانے کا تھا اور جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو انہوں نے صلح پر اتفاق کر لیا، لیکن مفسدین جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں گھسے ہوئے تھے انہوں نے صلح کے خطرے کو بھانپ کر رات کے آخری حصے میں اعلان جنگ پر اور اس کا حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم پر بہتان لانے پر اتفاق کر لیا کہ انہوں نے لڑائی میں پہل کی اور اس طرح انہوں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا۔ ❷

یہ ہے فتنے کا خلاصہ۔

جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ برپا کیا انہوں نے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ برپا کیا۔

ان سانحات میں ارادتاً قتل کہاں ہے، کیا دونوں لشکروں کو بغیر ان کے ارادے اور رغبت کے فتنہ کی طرف کھینچا نہیں گیا؟!

یہ تاریخ کی کتابیں ہیں۔ کیا آپ لوگوں کے پاس ان زیادہ سچی اور صحیح روایات ہیں، جو کہتی ہوں

---

❶ دیکھیے: تاریخ طبری: 35ھ کے واقعات

❶ دیکھیے: تاریخ طبری: 36ھ کے سانحات، ص: 458-506

کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمداً قتال کیا اور بعض کے خون مباح سمجھے؟!

رابعًا: اس قتال میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل نہیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ فرمایا ہے اور انہوں نے صحابہ کو قتل کیا ہے؟!

جس چیز کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے وجہ عذر بنایا جا سکتا ہے اسی چیز کو ان کے بھائیوں کا عذر بنایا جا سکتا ہے۔

اگرچہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسروں کی نسبت زیادہ حق پر تھے لیکن دوسروں کو گنہگار نہیں سمجھتے اور نہ ہم دعوی کرتے ہیں کہ انہوں نے عمداً قتال کیا، اس بنا پر کہ ان سے حسن صحبت اور فضیلت ظاہر ہوئی اور جو ان کے بارے میں مدح وثنا بیان ہوئی ہے اور وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ اسلام کی بنیاد اور اس کے راوی اور مددگار تھے اور جو کچھ ان سے فتنہ میں مبتلا ہوا شاید اللہ ان کو معاف کر دے اور ان کو بخش دے (بلکہ اللہ نے اس کے باوجود ان کو بھائی بھائی بنا کر جنت میں پلنگوں پر آمنے سامنے بٹھانے کا وعدہ کر رکھا ہے) لہٰذا ہم ان کے بارے میں اعتقاد نہیں رکھتے کہ وہ عمداً ان سانحات میں داخل ہوئے۔

خامسًا: آنجناب نے (عہد توڑنے، ناانصافی کرنے اور امام کی اطاعت سے نکل جانے والوں سے) قتال کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور گویا آپ اس حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا ہے کہ میں ناکثین، قاسطین، مارقین سے لڑائی کروں۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث بھی دیگر احادیث کی طرح ہے جن سے اثنی عشری شیعہ استدلال کرتے ہیں اور جو کہ صحیح سند سے ثابت نہیں، اس حدیث کو ابویعلی نے مسند ابی یعلی (397/1) میں ایسی سند سے روایت کیا ہے جو صحیح نہیں ہے، اس نے ربیع بن سعید مجہول الحال ہے اور اس کو ابویعلی نے مسند ابی یعلی (194/3) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس میں خلیل بن مرہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ منکر الحدیث ہے اور ابن حبان نے کہا ہے: یہ بصریوں اور مدنی مجہولین

سے روایت کرتا ہے اور ابن عدی نے اس کے ترجمے میں طوالت کی ہے اور اس کی منکر روایات بیان کی ہیں۔ ❶

اور اس روایت کو امام ہیثمی نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے: اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے ربیع بن سعید کے جسے ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ❷

اور اس کو ہیثمی نے کئی اسناد سے روایت کیا ہے لیکن کوئی سند بھی علت سے خالی نہیں اور ہیثمی کے قول میں قصور ہے (کیونکہ) ابن حبان توثیق میں متساہل ہے اور محقق علماء اس کی توثیق کو خاطر میں نہیں لاتے، وہ کسی شخص کو ثقات میں ذکر کرتا ہے پھر اسے مجروحین میں شامل کر دیتا ہے اسی عمل نے اس کی توثیق کو محل نظر کر دیا ہے۔ ❸

سادسًا: بفرضِ محال اگر حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو جن لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا وہ سب مارقین نہ تھے بلکہ ان میں بیعت توڑنے والے بھی تھے اور قاسط یعنی ظالم بھی تھے اور مارق یعنی خوارج بھی تھے۔

چنانچہ حدیث مخالفین علی کے درمیان برابری نہیں کرتی اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ، وصی من اللہ ہوتے تو تمام کے بارے میں ایک ہی حکم ہوتا یعنی مارقین۔

99۔ آنجناب نے کہا ہے: اور ان کی صفات میں اس طرح ہے:

﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾[الفتح: 39]

"ان کے چہروں میں سجدوں کے اثر سے وقار کا نور ہے۔"

کیا یہ وصف عام صحابہ میں وافر تھا؟

---

❶ دیکھیے: تهذيب التهذيب

❷ مجمع الزوائد: 338/5

❸ 1: ذکر کی مثالیں: ابن حبان نے ہاشم بن لاحق کو ثقات میں ذکر کیا ہے پھر اسے مجروحین میں ذکر کر کے کہا ہے: منکر الحدیث

2: محرز بن عبداللہ کو ثقات میں ذکر کر کے لکھا ہے: يعتبر بحديثه۔ پھر اسے مجروحین میں ذکر کر کے کہا ہے: لا يجوز الاحتجاج بخبره اذا انفرد

3: مسلم بن عطیہ فقیمی کو ثقات میں ذکر کیا ہے پھر اسے مجروحین میں ذکر کر کے کہا ہے: منكر الحديث۔ یہ مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ بغیر بحث و تمحیص کے ابن حبان کی توثیق قبول نہ کرنا واجب ہے۔

ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ان صفات کا عام صحابہ میں وجود تھا لیکن آیت کا ذیل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ ثنا ان میں سے ایک قسم کی ہے جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾

[الفتح: 39]

"اس نے اپنے قول مِنْهُمْ میں لفظ مِنْ استعمال کیا ہے جو تبعیض (بعض لوگوں) کے لیے ہے اور جو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مِنْ بیانیہ ہے یہ نادرست ہے کیونکہ یہ عربوں کے کلام میں ضمیر پر مطلقاً داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے جیسے اللہ سبحانہ کے قول ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ [الحج: 30] میں ہے کہ (بتوں کی پلید گی سے بچو)۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں چند غور طلب معاملات ہیں:

اولاً: جناب کا سوال کہ سجود کی نشانیاں کیا تمام صحابہ میں وافر تھیں؟

میں پوچھتا ہوں: وہ کون سے صحابہ ہیں جن میں تمہارے ہاں یہ صفات وافر موجود ہیں؟

کیا یہ صفات حضرت ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ مشہور صحابہ میں وافر تھیں یا سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ یا ان کے علاوہ باقی چار صحابہ حضرت ابو ذر، سلمان، عمار اور مقداد رضی اللہ عنہم کے سوا کسی میں وافر نہ تھیں؟

رب العالمین کی ثنا اور مدح اس امت کے بارے میں بیان ہوئی ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں شمار کی جاتی ہے، ان میں سے آپ لوگوں کے ہاں یہ صفات کتنے لوگوں میں وافر تھیں؟

ثانیاً: آنجناب نے کہا ہے: لفظ "من" تبعیض کے لیے ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تبعیض (بعض) کے لیے نہیں ہے کیونکہ آیت کا سیاق اس کو روک رہا ہے۔

چنانچہ آیت کا سیاق ان لوگوں کی تعریف کر رہا ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں کہ وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں رحم دل ہیں تو انہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوش نودی کی تلاش میں سجدے اور رکوع کرتے ہوئے پائے گا، ان کے چہروں میں سجدوں کے اثر سے وقار و

شرافت کی علامات ہیں۔۔۔ تاکہ اللہ ان کے ساتھ کفار کو غصہ دلائے۔۔۔ پھر وہ ان میں سے بعض کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کرتا ہے سابقہ صفات کس کی صفات ہیں؟!

کیا یہ ایمان اور نیک عمل کی صفات نہیں ہیں؟!

کفار کے مقابلے میں سختی، آپس میں رحم دلی، رکوع سجود، اللہ سے فضل کی تلاش، سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نور کی دمکیں اور ان کے ساتھ کفار کو غصہ دلانا، کیا یہ ایسی صفات نہیں ہیں جن کی وجہ سے وہ سب بخشش اور اجر عظیم کے مستحق ہوں؟!

یہ دعویٰ کہ مِنْهُمْ میں لفظ مِنْ تبعض کے لیے ہے، آیت کا سیاق وسباق اس کا انکار کر رہا ہے کہ صفات حمیدہ تو سب میں موجود ہوں اور مغفرت اور اجر عظیم چند اشخاص کو ملے۔

ثالثاً: جمہور محققین نے قرار دیا ہے کہ مِنْهُمْ میں لفظ مِنْ بیانیہ (تشریعیہ) ہے، تبعیضیہ نہیں ہے اور اس کا بیانیہ ہونا آیت کے سیاق کے مطابق ہے۔

علامہ جار اللہ زمخشری (ت: 538ھ) اپنی تفسیر الکشاف (350/4) میں لکھتے ہیں: وَ مَعْنٰی مِنْهُمْ الْبَیَانُ کہ مِنْهُمْ میں مِنْ بیان کے لیے ہے۔

ابن عطیہ (ت: 541) المحرر الوجیز (480/13) میں لکھتے ہیں: مِنْهُمْ لِبَیَانِ الْجِنْسِ وَ لَیْسَ لِلتَّبْعِیْضِ کہ مِنْهُمْ میں مِنْ بیان جنس کے لیے ہے۔ تبعیض (چند) کے لیے نہیں ہے اور امام رازی تفسیر کبیر (480/13) میں بیان کرتے ہیں کہ یہ بیان جنس کے لیے ہے، تبعیض کے لیے نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں: یہ کہنے پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ تبعیض کے لیے ہے اور اس کا معنی یہ ہو گا: تاکہ کفار کو غصہ دلائے اور کفار میں سے جو ایمان لے آئیں ان کے لیے اجر عظیم ہے۔

لہٰذا ان کی مراد دوسرے معنی کے ساتھ ہے ان کی مراد وہ نہیں ہے جو ابومہدی نے بیان کی ہے اور اسی طرح ان کے علاوہ بہت سے مفسرین نے یہی مراد متعین کی ہے جیسے امام قرطبی (ت: 671ھ) نے جلد 6 اور ص 195 میں اور امام ابن کثیر (ت: 774ھ) نے جلد 7 ص: 366 میں اور امام شوکانی (ت: 1250ھ) نے جلد 5، ص: 75 میں اور ان کے علاہ مفسرین کرام نے بھی۔

قرار دے رہے ہیں کہ مِنْهُمْ میں حرف من بیانیہ ہے اور آپ دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ حرف اسم ضمیر پر مطلقاً داخل نہیں ہوتا۔ بتائیں کن کی بات مانی جائے گی؟!

رابعًا: جس مراد ائمہ تسیر نے متعین کیا ہے بعینہ اسی کو علمائے لغت نے متعین کیا ہے چنانچہ ابن ہشام من بیانیہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ابن الانباری نے کتاب المصاحف میں اس آیت کو بیان کرنے کے بعد قرار دیا ہے کہ اس آیت میں من تبیین کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے یہ وہی ہیں جن کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اور اس کی مثال سورۂ آل عمران کی آیت 172 ہے۔ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾[آل عمران: 172]

”جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد اللہ اور رسول کی دعوت پر لبیک کہا ان تمام (زخم خوردہ) محسنین اور متقین کے لیے اجر عظیم ہے۔“

وہ سب ہی محسن اور متقی تھے (نہ کہ ان میں سے چند ایک)۔

﴿وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

[المائدۃ: 73]

”اور اگر وہ اس بات کے کہنے سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے ہر ہر شخص کو جو کفر کرتا ہے دردناک عذاب چھوئے گا۔“

چنانچہ اس آیت میں ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ کہنے والے تمام کفار مراد ہیں۔

خامسًا: بفرضِ محال مان لیا جائے کہ یہ تبعیض کے لیے ہے تو یہ بعض لوگ کون ہیں جن کی اصحاب محمد ﷺ میں سے اللہ تعالیٰ تورات اور انجیل میں مدح کی ہے اور ان کی صفات بیان کی ہیں اور ان کی نگہبانی کی ہے تاکہ وہ کفار کو غصہ دلائے؟!

کیا وہ چار یا چھ اشخاص ہیں یا وہ عظیم امت ہے؟!

100۔ آنجناب نے کہا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا﴾ [الانفال: 82] سے وہ انصار مراد ہیں

جنہوں نے ٹھکانا دیا اور یہ مختص ہے ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے مدد کی اور ٹھکانا دیا اور یہ 4ھ میں بنو نضیر کے یثرب کی اراضی سے کوچ کر جانے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا، کیونکہ اس سال حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کی زمینیں مہاجرین میں تقسیم کر دی تھیں اور وہ ان کے ساتھ انصار کے ٹھکانوں سے بے نیاز ہو گئے تھے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ﴾ [الانفال: 75] سے مراد وہ لوگ ہیں جو سابقون الاولون کے بعد ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا، آیت کا یہ مقطع پہلی آیت ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ [التوبة: 100] میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہو گئی۔ لہٰذا یہ آیت طلقاء کی مدح کرتی ہے نہ ان کے بیٹوں کی اور نہ اعرابیوں کی اور نہ ان لوگوں کی جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ لہٰذا اس کا مفاد اللہ سبحانہ کے قول ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ کے ساتھ متحد ہو گیا یہ تینوں آیات ثابت کرتی ہیں کہ صحابہ بھی تابعین کی طرح ہیں ان میں عادل بھی ہیں اور غیر عادل بھی، نہ تو سارے عادل ہیں نہ سارے فاسق ہیں۔ آنجناب نے یہاں تک کہا: کیا یہ اللہ عزوجل کی طرف سے مہاجرین اور انصار کی تعریف نہیں ہے اور ان کے ایمان کی توثیق و تاکید نہیں ہے، تو یہ تمام مہاجرین اور انصار کی ثنا کیسے بن گئی بلکہ یہ ان دونوں اقسام میں سے سابقون کی اور ان لوگوں کی تعریف ہے جنہوں نے سچے دل سے ان کی پیروی کی، یہاں پر اگر کوئی دلیل عدم متابعت پر دلالت کرے یا ہم اس کے سچے دل سے متابعت کرنے میں شک کریں تو آیت شک کے مواد پر اس کی عدالت کی دلیل نہیں بنتی، پس جب (سچے دل) کی قید مشکوک فیہ ہے تو اس کے داخل ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا کیونکہ حکم اس کے موضوع کو ثابت نہیں کرتا، جیسا کہ علم الاصول میں واضح ہے، ہاں: اگر متابعت دلی سچائی کو پالے تو آیت اس کو اپنے عموم میں لے لے گی۔

میں کہتا ہوں: یہاں چند غور طلب مقامات ہیں:

اولاً: آنجناب نے کہا ہے: آیت سے مراد وہ انصار ہیں جنہوں نے ٹھکانا دیا۔۔۔ کیا یہ انصار جن کے نام کتب حدیث اور تراجم رجال میں آئے ہیں اور وہ سیکڑوں کی تعداد میں شمار کیے جاتے ہیں، کیا

آپ اقرار کرتے ہیں کہ وہ (سچے مومن ہیں) نہ ان میں فسق تھا نہ ان کے ایمان میں کوئی نقص تھا اور وہ عادل ہیں اور ان کی شہادت اور ان کی روایات ان کے پہلے مہاجرین کے ساتھ ہی قبول کی جائیں گی یا اللہ عزوجل کی شہادت میں تمہارے ہاں فکر کی ضرورت ہے اور وہ اطلاق کو مقید کرنے کی محتاج ہے کہ ان سے مراد (وہ انصار اور مہاجرین) ہیں جو (بدلے نہ ہو) پھر ہم ان پر منطبق کریں کہ انہوں نے (خیانت کی اور امام کی نصرت نہ کی) لہٰذا اللہ تعالیٰ کو (استغفر اللہ) چاہیے تھا کہ وہ قید لگاتا۔

پس کیا آپ اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے بعد جو اشخاص ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور انہوں نے جہاد کیا اور وہ اپنے ایمان پر ثابت رہے اور اللہ کا وعدہ ان کے لیے یقینی ہے یا وہ اس اطلاق کی قید کا محتاج ہے کہ (صرف وہ صحابہ) جو نہ بدلے اور نہ تبدیل ہوئے؟ وہ تمام شرعی نصوص جو مومنین کے گروہوں کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، میں نہیں گمان کرتا کہ وہ آپ کے مذہب میں قید اور تاویل سے سلامت رہی ہوں، کیونکہ وصیت کا عقیدہ سوائے چار اشخاص کے کسی کی ثنا کو قبول نہیں کرتا۔۔ اسی لیے آپ نے دعویٰ کر دیا کہ اس آیت کو دوسری آیت سے مقید کرنا لازمی ہے گویا کہ (استغفر اللہ) اللہ عزوجل اس وقت نہیں جانتا جب تک اسے شیعہ یاد نہ دلائیں۔

ثالثًا: آنجناب نے کہا: پس آیت نہ تو طلقاء (مکہ) کی تعریف کرتی ہے اور نہ طلقاء کے بیٹوں کی اور نہ اعرابیوں کی اور نہ ان لوگوں کی جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔

میں کہتا ہوں: اور وہ لوگ جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے (جیسے حضرت عمرو بن العاص، حضرت خالد بن ولید، حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم) اور وہ طلقاء میں سے نہیں ہیں، کیا یہ آیت ان کو شامل کرتی ہے اور آپ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ عادل ہیں، ہمارا تمہارے ساتھ طلقاء یا طلقاء کے بیٹوں کے بارے میں اختلاف نہیں ہے بلکہ عظماء امت حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور باقی عشرہ رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھ رہنے والے اخیار کے بارے میں ہے اور جو ان کے بعد والے صحابہ ہیں ان کے بارے میں پریشانیاں ان سے آسان ہیں۔

اور غور وفکر سے کام لیتے وقت پتا چلتا ہے کہ (شیعہ) کے نزدیک ممکن ہی نہیں کہ وہ اس آیت کو قبول کریں جس میں (صحابہ کی) مدح وثنا ہو، کیونکہ ان کے ہاں وہ تمام (آیات اصل سے) پھیری

ہوئی مقید ہیں۔ جب حقیقت میں قرآن کی شہادتیں قبول نہیں کی جاتیں اگرچہ شیعہ حضرات پیچیدہ اور محتمل الفاظ میں انہیں قبول کرنے کا اظہار بھی کریں اور اسی طرح ان کے نزدیک سنت مردود ہے وہ یقین کا فائدہ نہیں دیتی اگرچہ وہ صحیح سند سے ثابت ہو، ہاں وہ روایت جو وصیت کو ثابت کرتی ہو اگرچہ وہ مکذوبہ بھی ہو، تو حقیقت کہاں سے پہچانی جائے گی؟

ہم منہج کی صحت اور (صحابہ کرام کے بارے میں) لینے کی سلامتی پر اللہ عزوجل کی حمد بیان کرتے ہیں۔

یہ عقیدہ (وصیت) ان کے ہاں اصل اور بنیاد ہے جو چیز اس کے موافق ہو قبول کر لی جائے گی اور چیز اس کے خلاف ہو وہ رد کر دی جائے گی یا اس کی تاویل کی جائے گی اگرچہ وہ اللہ عزوجل کا کلام ہی ہو۔

101۔ آنجناب نے کہاہے: تیسری آیت: اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾[الانفال: 72]

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾﴾[الانفال: 74]

(اب دونوں آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو ٹھکانا دیا اور ان کی مدد کی وہ باہم ایک دوسرے کے والی ہیں۔“

آگے مزید فرمایا:

”اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ

اور اجر عظیم ہے۔"

میں (ابو مہدی) کہتا ہوں کہ آیت کا مفاد اس آیت کے قریب ہے جو سورہ حشر میں ہے جسے ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں اور وہ صحابہ کے گروہ کی بیان صفت کر رہی ہے اور ان پر ثنا کر رہی ہے، لیکن سب کی نہیں اور آپ کے پیش خدمت ہیں ٹکڑے اس آیت کے جو ہماری بات کی وضاحت کرتے ہیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ سے مراد سابقون الاولون ہیں نہ کہ مطلقاً وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا، اس کی گواہی میں تیسری قسم کی ہجرت کا ذکر ہے جیسا کہ وہ عنقریب تمہیں ملے گا۔ یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہجرت میں پہل کی نہ کہ مطلق ہجرت کرنے والے۔

میں (احمد بن سعد) کہتا ہوں: یہاں غور طلب مقامات ہیں:

اولاً: اللہ عزوجل نے ان لوگوں کی توصیف بیان کی ہے جنہوں نے ہجرت کی اور فی سبیل اللہ عزوجل جہاد کیا، اس نے قید لگائی کہ ان کی ہجرت اور جہاد اس کی راہ میں ہو (اور ان کے متعلق شہادت دی) کہ وہ سچے مومن ہیں، بتایئے جناب آپ کے نزدیک وہ کون لوگ ہیں جن پر یہ صفات منطبق ہوئی ہیں؟ پھر اس نے اس قید کے بغیر ان لوگوں کا ذکر کیا جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانا دیا اور ان کی نصرت کی پس کیا آپ کے لیے ممکن ہے کہ ان پر قید لگائیں؟!

اور کیا وہاں کے منافقین میں کوئی منافق تھا جس نے کسی مہاجر کو ٹھکانا دیا ہو؟!

بے شک آیت نے اطلاق کیا ہے اور قید نہیں لگائی جو اس بات کو پختہ کرتی ہے کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانا دیا وہ اس وصف اور وعدے میں داخل ہیں۔ ہاں، یہ قید تب لگائی جا سکتی تھی جب آپ لوگ اللہ کو وہ بات یاد کرا دیتے جاتے وہ (استغفر اللہ) بھول گیا تھا کہ وہاں منافقین بھی ہیں جن کے بارے میں ممکن ہے کہ کسی نے مہاجر کو ٹھکانا دیا ہو، لہٰذا قید لگانا ضروری ہے۔

ثانیاً: آنجناب نے کہا: اس سے مراد، ہجرت میں سبقت کرنے والے ہیں نہ کہ وہ جنہوں نے مطلقاً ہجرت کی۔

میں کہتا ہوں: سبحان اللہ، یہاں سابقین کی قید کہاں ہے؟!

اللہ عزوجل نے مطلقاً فرمایا کہ جو شخص ایمان لایا اور اس نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ سچا مومن ہے اور اللہ اپنی مخلوق کو سب سے بڑھ کر جاننے والا ہے، وہ فضل والا ہے جس سے چاہے وعدہ کرے اور جس کو چاہے وعید سنائے اس کے حکم کے سامنے کوئی رکاوٹیں کھڑی کرنے والا نہیں۔ چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بسا اوقات کسی حکمت کے تحت قید لگاتا ہے اور بسا اوقات کسی حکمت کے تحت اطلاق کر دیتا ہے، پس جب وہ قید لگا دے تو اطلاق نہیں ہوتا اور جب وہ کسی شخص یا گروہ کے بارے میں حکم کو عام کر دے تو اس کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ عزوجل کے ساتھ ادب کا تقاضا یہی ہے۔

ہمارے لیے روا نہیں کہ ہم کوئی تصور ایجاد کریں اور اسے اللہ کے احکام کے لیے پیمائشی آلہ قرار دیں اور اس کے سائے میں تمام آیات کی تفسیر کریں، جب یہ پیمائشی آلہ مطالبہ کرے کہ ہم قید لگائیں تو ہم اس آیت کو مقید کر دیں اور جب وہ عموم کا مطالبہ کرے تو ہم عام کر دیں اور قرآن کو اپنے پیمانوں اور عقائد کے تابع کر دیں:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ﴾[الاحزاب: 36]

”اور کسی مومن اور مومنہ کو کوئی حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کو اپنے معاملے میں (خود فیصلہ کرنے کا) اختیار ہو۔“

102۔ آنجناب نے کہا ہے: چوتھی آیت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ﴾[الحدید: 10]

”تم میں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (اپنا مال راہ خدا میں) خرچ کیا اور (کفار سے) قتال کیا وہ لوگ درجے کے اعتبار سے عظیم ترین ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور (کفار سے) قتال کیا اور اللہ نے سب سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔“

آنجناب نے کہا ہے: یہ آیت کریمہ ان لوگوں کی مدح کر رہی ہے جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے

اور انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے قتال کیا اور جو کوئی ان کے بعد ان سے ملا وہ ان کی فضیلت نہیں پا سکتا، یہ اللہ کی طرف سے عظیم شہادت ہے اس سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ آیت دونوں فریقین کے درمیان برابری نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ مزید برآں یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ سبحانہ نے سب سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے، لیکن اس کا یہ وعدہ جنت اعمال کے حسن خاتمہ کے ساتھ مشروط ہے، پس بے شک اللہ نے ان تمام لوگں سے جنت کا وعدہ کیا ہے جو نیک عمل کریں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس حالت پر قائم رہا ہو جس پر وہ تھا۔

اور کتاب حکیم دلالت کرتی ہے کہ مومن مردوں میں وہ بھی ہیں جو کچھ عرصے بعد اپنی ایڑیوں پر پلٹ گئے۔ اللہ سبحانہ فرماتا ہے:

﴿وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۝۱۷۵﴾[الاعراف: 175]

”اور ان پر اس شخص کی خبر پڑھ جس کو ہم نے اپنی آیات دیں وہ ان سے نکل کھڑا ہوا، اس کے پیچھے لگ گیا، وہ گمراہوں میں ہو گیا۔“

چنانچہ (مذکورہ بالا) آیت اس شخص کے انجام کی خبر دے رہی ہے جو آیات دیا گیا تھا لیکن وہ ان سے نکل کھڑا ہوا، پس جن لوگوں سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا وہ اس شخص سے افضل نہ تھے جو علم وہ عمل میں اس مقام پر پہنچ گیا کہ اللہ کی آیت میں اس نے رتبہ حاصل کر لیا اور زندگی کے آخر میں اس کے قدم پھسل گئے۔

اور بخاری نے اپنی صحیح میں اس عنوان سے باب منعقد کیا ہے (الْعَمَلُ بِالْخَوَاتِيْمِ) اس روایت میں جو بیان ہوا ہے، اس کا مطالعہ کرو، اللہ سبحانہ ہمیں حسن عاقبت عطا کرے۔ [1]

میں کہتا ہوں: یہاں چند غور طلب مقامات ہیں:

اولاً: آیت کریمہ نے معین گروہ کی صفات بیان کر کے اسے مخاطب کیا ہے اور ان صفات کے حاملین سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: 1212/7

اور یہ اقوام کے لیے براہ راست خطاب ہے لہٰذا یہ نام کے ساتھ خطاب کی قوت ہے کیونکہ یہ ان اشخاص کو مخاطب کر رہی ہے جن میں موعودہ صفات متوافر ہیں اور اس میں ان کے لیے بشارت ہے کہ وہ ایمان پر زندہ رہیں گے اور اسی پر مریں گے۔ لیکن جب آیات مطلق وارد ہوں اور اقوام کو نام کے ساتھ مخاطب نہ کریں تو یہ ان صفات کے استمرار سے مشروط ہوں گی جن رپ ان سے متصف لوگ ثواب کا وعدہ دیئے گئے ہیں۔ پس جب اللہ عزوجل فرمادے کہ اے اس صفت سے متصف میں نے تجھ سے جنت کا وعدہ کر لیا ہے اور وہ صفات حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم وغیرہم سابقون الاولون میں ثابت ہو جائیں، پھر کوئی شیعی آجائے اور کہے: نہیں اے میرے رب! ایمان پر استمرار (دوام) ضروری ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ سے آگے بڑھنا ہے اور (اس بارے میں) اس نے فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾[الحجرات: 1]

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔''

تو گویا (شیعی سوچ کے مطابق) اللہ عزوجل غیب نہیں جانتا اور نہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص استقامت پر قائم و دام بھی رہے گا یا نہیں، اس کا حال بھی ہمارے حال جیسا ہے، لہٰذا مقید کرنا ضروری ہے۔

بے شک عقلیت، ایسی عقل ہے جو تاریک ترین تہ خانے میں قید کر دی گئی ہے، یہ اس وقت تک موجودات کے حقائق کا ادراک نہیں کر سکتی جب تک یہ وہاں سے زمین کی کشادگی کی طرف نہیں نکلتی، تاکہ وہ موجودات کو ان کی اصلیت پر دیکھے۔ ورنہ حقائق کو خواہ کتنا ہی درست یا روشن کیا جائے وہ اپنی نور حقیقت سے دوری کی وجہ سے انہیں دیکھ نہیں سکتی، اور اس مذہب کے اپنانے والوں میں سے جن لوگوں نے سچے ارادے حقیقت کو دریافت کیا تو اللہ نے انہیں سچائی قبول کرنے کی توفیق بخش دی جیسے علامہ برقعی اور اس دوسرے برادران جن کے بارے میں ہم اس مبحث میں بتا چکے ہیں۔

اللہ عزوجل ایک جماعت کا نام لے کر اسے مخاطب کر رہا ہے اور اس سے جنت کا وعدہ کر رہا ہے

اور امامی شیعہ اپنے آپ کو اس کے سامنے کھڑا کر لیتے ہیں اور اللہ سے چھوٹی ہوئی بات کو مکمل کرتے ہیں اور ہر مطلق کو مقید کرتے ہیں اور ہر خطاب کی تصحیح کرتے ہیں۔

پس جب اللہ عزوجل کسی گروہ کو نام لے کر مخاطب کرتا ہے تو اس موعود کا یقینی ہونا لازم ہے کیونکہ وہ علیم وخبیر ذات کی طرف سے صادر (Circulat) ہے۔

لیکن جب اللہ مطلق وعدہ کرتا ہے تو کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اس وعدے کو پورا کرنے سے مقید ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۸﴾[البقرة: 38]

”پس جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان پر نہ خوف ہوگا نہ وہ غم کھائیں گے۔“

ہم کہتے ہیں کہ یہ وعدہ اس صفت کے دوام سے مشروط ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۲﴾

[البقرة: 82]

”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

ہم کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ وعدہ اس صفت (ایمان و اعمال صالحات) سے مشروط ہے۔(وَ هَلُمَّ اَجْرًا)

البتہ جب وہ ایک قوم سے کہہ دے کہ تم وہ لوگ ہو جن سے میں نے جنت کا وعدہ کیا ہے تو کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ یہ کہے احسان کی قید لگانا ضروری ہے کیونکہ اللہ کے متحقق وعدے کو اپنی سوچ سے مقید کرنا اللہ پر جسارت ہے۔

اس بنا پر جناب کا یہ قول کہ (اللہ سبحانہ کا وعدہ جنت عمل کے حسن اختتام سے مشروط ہے) یہ تمہیں زیب نہیں دیتا، کیونکہ اللہ پر استدراک ہے اس بنا پر کہ وہ اشخاص کو بعینہ مخاطب کر رہا ہے، نہ کہ ان اشخاص کو جو اپنے اوصاف سے معروف نہیں ہیں۔

ثانیاً: جناب کا قول کہ تحقیق کتاب حکم اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مومن مرد اپنی ایڑیوں پر پھر گئے (یعنی مرتد ہو گئے) پھر جناب نے (سورہ اعراف کی) آیت (بطور استشہاد) ذکر کی ہے۔

یقیناً یہ قول، فاسد ترین اقوال میں سے ہے اور جس آیت کے معنی پر ہم بحث کر رہے ہیں، اس سے کوسوں دور ہے اور اس کی چند وجوہات ہیں:

i: جو آیت کریمہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے اس نے ان کے اوصاف ذکر کر کے تعیین کے ساتھ ان کے جنت میں داخل ہونے کا وعدہ کیا ہے، کیونکہ جس صفت کو اللہ عزوجل نے ذکر کیا ہے وہ ان اشخاص میں بعینہ متمثل ہے جو جنات النعیم میں (دخول کا) وعدہ دیئے گئے ہیں۔

ii: جو (یہودی یا نصرانی) عالم اپنی ایڑی پر پھر کیا گیا تھا، اللہ عزوجل نے اس کو شخصی طور پہلے سے جنت عاط کرنے کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا، اگر اللہ نے شخصی طور اس سے جنت کا وعدہ کیا ہوتا تو اس کا وعدہ پورا ہوتا۔

iii: اگر ہم آپ کے اس قاعدے کی باقی آیات میں بھی پیروی کریں اور ان کو ان کے معانی سے نکال دیں اور اعتقاد رکھ لیں کہ صحابہ کرام کے بارے میں سے کسی لیے وعدہ ہے نہ ثنا اور (نعوذ باللہ) وہ سب کے سب ارتداد کا نشانہ بننے والے تھے۔ حالانکہ ان کی نجات اور ایمان پر واضح الدلالت آیات ہیں اور ان احادیث کے مطابق ہیں جو اہل بدر اور اہل بیعت رضوان کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، اگر ہم ایسا کریں تو تمام صحابہ کرام کی عدالت کے بارے میں شک میں پڑ جائیں گے اور کفار اور منافقین کے لیے ممکن ہو گا کہ وہ تمام کے ایمان میں شک کریں (خواہ وہ سابقون الاولون صحابہ عظام ہوں یا اہل بیت کرام)۔

یہ طرز عمل، ان اسباب میں سے ہے جس نے مذہب تشیع کو ہر طعنہ زنی کرنے والے اور زندیق کے کھل دروازہ بنا دیا ہے اگرچہ ہم شیعہ کو اس وصف سے موصوف نہیں کرتے لیکن مذہب اس کو قبول کرنے والا ہے۔

ثالثًا: آپ کا بخاری شریف کی روایت (العمل بالخواتیم) سے استدلال کرنا اس شخص کے بارے میں ہے جس کے حق میں قرآن و سنت گواہی نہیں دیتے، لیکن جس کے حق میں قرآن و سنت یا ان دونوں میں سے کوئی ایک گواہی دے دے تو وہ قطعًا اس میں داخل نہیں اور اگر آپ مذہب (تشیع) کی تاثیر سے دور بیٹھ کر مسئلے پر غور کریں تو ہو سکتا ہے کہ آپ کے حقیقت منکشف ہو جائے۔ اللہ کے

سامنے گڑ گڑائیں اور اس سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اور خاص طور پر آپ کو مختلف فیہ مسائل میں راہ حق دکھائے کیونکہ جو سچے دل سے اللہ عزوجل سے دعا کرے اللہ اس کی آرزو کو سچ کر دکھاتا ہے۔

103۔ پانچویں آیت: اللہ سبحانہ فرماتا ہے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ﴾

[الحشر: 8۔10]

"(اموال فے میں سے حصہ) ان فقراء مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے وہ اللہ کے فضل اور خوش نودی کے طلب گار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی نصرت و حمایت میں لگے رہتے ہیں، یہی لوگ حقیقت راست باز ہیں اور (ان اموال فے کے وہ لوگ بھی مستحق ہیں) جو ان مہاجرین سے پہلے دار الہجرت میں مقیم ہیں اور وہ ایمان میں نمایاں مقام رکھتے ہیں جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس سے یہ اپنے دلوں میں کوئی خلش محسوس نہیں کرتے اور مہاجرین کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود محتاج ہی کیوں نہ ہوں اور جو لوگ اپنے طبعی بخل و حرص سے بچا لیے گئے تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور (اموال فے میں ان لوگوں کا بھی حق ہے) جو ان (مہاجرین و انصار) کے بعد آئے ہیں، جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے متعلق بغض و عداوت کو جگہ نہ دے، اے ہمارے پروردگار، تو بڑی شفقت کرنے

والا، نہایت مہربان ہے۔"

پس یہ تین آیات گزشتہ آیات کی نظیر ہیں، یہ عام صحابہ کی ثنا بیان نہیں کر رہیں بلکہ ان میں سے ایک فریق کی ثنا کر رہی ہیں، چنانچہ مہاجرون میں سے فقراء کی ثنا کر رہی ہیں اس شرط کے ساتھ کہ وہ درج ذیل صفات سے متمتع ہوں:

i: جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکالے گئے ہوں۔

ii: وہ اللہ کے فضل اور خوش نودی کے طلب گار ہوں۔

iii: اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی نصرت وحمایت میں لگے رہے ہوں۔

چنانچہ مہاجرین میں سے جو ان صفات سے مستفید ہوا اس پر قرآن نے ثنا کی اور ان کی نمایاں صفات یہ ہوں کہ وہ اپنے گھروں اور جائیدادوں سے بھگا دیئے گئے ہوں۔ ان سے مقصود وہ صحابہ ہیں جنہوں نے جنگ بدر سے پہلے ہجرت کی ہو۔

باقی رہے انصار، تو ان میں سے ان کی ثنا کرتی ہیں جو درج ذیل صفات سے مستفید ہوں:

i: وہ صحابہ جو ان سے پہلے دارالہجرت کو ٹھکانا بنا چکے ہوں اور ایمان میں نمایاں مقام رکھتے ہوں یعنی وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہوں، اس سے وہ صحابہ نکل گئے جو نفاق سے متہم تھے اور وہ در حقیقت منافق تھے۔

ii: جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے ان سے محبت رکھتے ہوں اور جو کچھ (مہاجروں کو) دیا جائے اس سے اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں۔

iii: اور وہ انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہوں خواہ وہ خود بھی محتاج ہوں اور ان کی نمایاں صفات یہ ہوں، مہاجروں کو ٹھکانا دینا، اور اپنی ذات پر ان کو ترجیح دینا، چنانچہ اس سے مراد یہ ہوگی جو نبی پر ایمان لائے اور اسے اور مہاجروں کو ٹھکانا دیا ہو۔

تو یہ آیات ان پر منطبق ہوں گی جو غزوہ بدر سے پہلے ایمان لائے ہوں اور ایمان والوں کو ٹھکانا دیا ہو۔ کیونکہ غزوہ بدر کے بعد (ایواء) کی نفی ہوگئی تھی۔

میں کہتا ہوں: یہاں غور طلب پہلو یہ ہیں:

اولاً: کیا مہاجروں میں ایسے لوگ پائے گئے ہیں جو ان صفات سے مستفید ہوئے یا نہیں پائے گئے؟

اور جب ہم کہیں گے کہ پائے گئے تو وہ کون تھے؟ اور کیا حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور باقی عظمائے صحابہ جیسے سعد بن ابی وقاص، زبیر اور طلحہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ان میں شامل ہیں یا نہیں؟ جب آنجناب کہیں گے: ہاں، تو آپ کے ہاں کہنے کی دلیل کیا ہے؟ اور جب آپ نہیں کہیں گے تو آپ کی دلیل کیا ہے؟

کیا آپ کو دلیل کے طور پر قرآن کافی ہے یا اسے "وصیت مزعومہ" کے عقیدے پر پیش کرنا ضروری ہے۔

ثانیاً: جب وہ ان میں سے تھے تو ان کے متعلق اللہ سبحانہ کا فرمان: ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝٨﴾ ثابت ہو گیا اور وہ وصف ثنا اور مدح اس وقت تک ان کے لیے ثابت ہے جب تک وہ اللہ عزوجل سے ملاقات نہ کرلیں، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس شخص کی تعریف نہیں کرتا جس کو وہ جانتا ہے کہ وہ (صفات ستودہ سے) پھر جائے گا۔ البتہ اس صورت میں کہ آپ لوگ عقیدہ رکھ لیں کہ اللہ سبحانہ غیب نہیں جانتا اور آپ لوگ سمجھ لیں کہ قید لگانا ضروری تھا "اس شرط کے ساتھ کہ وہ بدل نہ جائیں" تو آپ لوگ (استغفر اللہ) اللہ تعالیٰ کی نامکمل بات کو مکمل کردیں۔

ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝١١٩﴾ [التوبہ: 119]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کے لیے عمومی حکم ہے کہ جو ان میں سے نہ ہوں وہ ان کے ساتھ ہو جائیں۔

چنانچہ اللہ عزوجل نے ان کو خبر دی کہ اولین مہاجرین (صادق الایمان) ہیں لہٰذا انہوں نے ان کو پہچان لیا پھر اس نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ ہو جائیں، یہ اس بات کو پختہ کرتا ہے کہ وہ حق اور صدق پر زندہ رہیں گے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان میں سے تھے، انہوں نے ان کے

ساتھ زندگی بسر کی اور ان کے خلاف خروج نہیں کیا۔

رابعًا: وہ انصار جنہوں نے ان (مہاجرین) کو ٹھکانا دیا کیا ان کے بارے میں اللہ کا حکم اور اس کا وعدہ ثابت ہوا کہ وہ مفلحون ہیں؟

اور کیا ان میں ایسے لوگ پائے گئے جن میں یہ صفات متوافر تھیں یا نہیں۔ اگر آپ کہیں کہ 'ہاں' تو وہ کون ہیں؟ اور ان کے بارے میں اللہ کا حکم تقیید کا محتاج ہے یا نہیں؟

خامسًا: کیا انصار کا تعارف اور منافقین سے ان کی تمیز ممکن ہے یا نہیں؟ یا بعض کی تمیز ممکن ہے؟

اور جب آپ کہیں گے کہ بعض کی تمیز ممکن ہے تو وہ کون سے لوگ ہیں جن کا آپ ان میں ذکر کر سکتے ہیں؟

سادسًا: جب حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہوئے تو یہ "صادقون، مفلحون" رہے یا وصیت (مزعومہ کے نافذ نہ کرنے) کے سبب بدل گئے۔

جس کی وجہ سے اللہ کی ثنا مسترد ہو گئی کیونکہ وہ (استغفر اللہ) علم نہیں رکھتا تھا؟؟ (کہ وہ بدل جائیں گے)

سابعًا: جب آپ اپنی ذات پر ان کے بارے میں اعتماد کا دروازہ بند کر لیں، تو کیا دین کو پہچان سکیں گے؟! اس قرآن کو (کتاب اللہ تسلیم کر سکیں گے) جسے انہوں نے لکھا ہے اور اس سنت کو مان سکیں گے جسے انہوں نے (حضرت نبی کریم ﷺ سے) بیان کیا ہے؟!

ذرا تصور کیجیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بلکہ ان کے ایمان کو ثابت کرنے کے لیے (صحابہ کرام کی) بیان کردہ احادیث نہ ہوں تو آپ صحابہ کرام کے حوالے کے بغیر ان کے فضائل اور ان کا ایمان کیسے ثابت کریں گے؟!

ثامنًا: جب ہم ان پر اعتماد گنوا بیٹھیں، تو یہ دین جسے انہوں نے پھیلایا اور جس کے ذریعے انہوں نے بندوں کی راہنمائی کی، کیا وہ دین برحق ہے یا دین باطل؟! اور کیا ممالک جو انہوں نے فتح کیے اور ان میں رہنے والوں نے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا یہ اسلامی ممالک ہیں یا غیر اسلام

(علی سبیل المثال ایران و عراق وغیرہ جو اپنے آپ کو اسلامی جمہوریہ کہتے ہیں انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی اسلامی افواج نے فتح کر کے مجوسیت کے چنگل سے نکالا تھا۔

104۔ آنجناب نے کہا: اس آیت سے اس بات پر استدلال کرنا کہ قرآن نے اول صحابیہ سے لے کر آخری صحابی تک تمام صحابہ کی ثنا کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ سے بھی تجاوز کر چکی ہو۔ آیات کے مطلب سے غفلت کا سبب ہے۔ ان میں مہاجرین اور انصار اور معین صفات سے مستفید ہونے والے ان کے تابعین کے انبوہ کثیر پر ثنا اور دعا کہاں ہے جن میں طلقاء اور اعراب اور طلقاء کے بیٹے بھی شامل ہیں جو نفاق سے متہم تھے ؟!

میں کہتا ہوں: یہاں غور طلب مقامات ہیں:

اولاً: سورہ توبہ نے دو قسموں کا ذکر کیا ہے مہاجرین اور انصار میں سے سابقون الاولون کا اور سچے دل سے ان کی پیروی کرنے والوں کا۔

اور سورۂ حشر نے تین اقسام کا ذکر کیا: مہاجرین، انصار اور تابعین باحسان اور سورۂ انفال نے تین اقسام بیان کی ہیں: مہاجرین، انصار اور دیگر مہاجرین چنانچہ سورہ توبہ اور سورہ حشر کی آیات کی دلالات باہم قریب قریب ہیں اور سورۂ انفال کی آیات نے قرار دیا ہے کہ مہاجرین کی دو قسمیں ہیں، پس ثابت ہوا کہ ہجرت دو مرتبہ ہوئی پس جب آج امت کی تعداد کروڑوں سے تجاوز کر چکی ہے اور شیعہ اس کا معمولی سا حصہ ہیں اور یہ معمولی سا گروہ سوائے چار کے باقی تمام صحابہ کی تکفیر یا تضلیل کو پسند کیا ہے، کیونکہ ان سب نے موہوم وصیت کو نافذ نہیں کیا چنانچہ وہ اس معمولی گروہ کے ہاں گمراہی کے فتویٰ کے مستحق بن گئے۔

امت مسلمہ نے مکمل طور پر تمام صحابہ کی تعظیم کو پسند کیا ہے اور ان کے ایمان اور استقامت کا عقیدہ اپنایا ہے جب تک ان میں سے کسی کے بارے میں قطعی دلیل سے ظاہر نہ ہو جو اس کے خلاف ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ سمجھتے ہیں صحابہ کے درجات یکساں نہیں ہیں بلکہ ان کے مختلف درجات ہیں۔ بتائیں ان میں سچا کون ہے ؟

ثانیاً: مفسرین (قرآن) اس بات کی تائید کر رہے ہیں کہ سورۂ حشر کی آیات تمام امت (مسلمہ) کو شامل کرتی ہیں، کیونکہ ہر مسلمان یا تو مہاجر ہوگا یا انصاری ہوگا یا سچے دل سے (مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم) کا پیروکار اور ان کو ماننے والا ہوگا اور اہل السنہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآنی آیات ان تینوں قسموں پر دلالت کرتی ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ ان کے دل امت (محمدیہ) کے پہلے سے لے کر آخری مسلمان کے بارے میں صاف ہیں۔

البتہ بعض علماء (خیر القرون کے) زمانی عرصے کے سچے دل سے پیروی کرنے والوں پر منحصر کرتے ہیں لیکن اکثریت کی رائے اور فہم ہی راجح ہے۔

ثالثاً: اہل السنہ کا شیعہ سے اختلاف طلقاء اور اعراب اور نفاق سے متہمین کے بارے میں نہیں بلکہ (مذکورہ بالا) تینوں اصناف سے تعلق رکھنے والے تمام اہل ایمان کے بارے میں ہے، شیعہ کی کتابوں میں ان اصناف سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے بارے میں تزکیہ کہاں ہے کہ وہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور ان کے بھائیوں کو نامزد کرکے ان کو سچے مسلمان سمجھتے ہوں۔

یہ اختلاف جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے اگرچہ اختلاف کے ایک جز کی تصویر پیش کرتا ہے۔ لیکن یہ اختلاف اس عظیم اختلاف کے مقابلے میں معمولی ہے جس نے شیعہ کو پوری امت (محمدیہ) کی ضد بنا دیا ہے۔

رابعاً: طلقاء اور طلقاء کے بیٹوں اور اعرابیوں کا ایمان جب اچھا ہو گیا اور ان کے اخلاق راست رو ہو گئے تو ان کی عدالت میں کوئی قول رکاوٹ نہیں اور جب انہوں نے اپنی نیت خالص کر لی اور عمل کو سنوار لیا تو ان کا تاخیر سے اسلام قبول کرنا انہیں فضیلت سے محروم نہیں کرتا (جیسے سید فتیان اہل السنہ ابوسفیان بن حارث ہاشمی، حضرت ابوسفیان اموی اور سہیل بن عمرو اور دیگر طلقاء اور اعراب جنہوں نے فتنہ ارتداد کی سرکوبی میں شجاعت کے جواہر دکھائے اور مسیلمہ کذاب اور دیگر مدعیان نبوت اور ان کے پیروکاروں کو ختم کرکے دین اسلام کا بول بالا کر دیا۔

خامساً: نفاق سے متہمین، صحاب میں سے نہ تھے اور نہ ہی اہل السنہ۔ ان پر اس وصف (صحابیت) کا اطلاق کرتے ہیں اور منافق مومن سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا الا یہ کہ آدمی جاہل اور بدنیت

ہو۔

امت مسلمہ کی کتابوں میں بھلا کوئی ایک منافق بھی ایسا ہے جس کو مومن کے وصف سے موصوف گیا کیا ہو؟! بے شک یہ دعویٰ کہ آیات ان لوگوں کی تعدیل کرتی ہیں جو نفاق سے متہم تھے نہایت قبیح دعووں میں سے ہے۔(ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ منافق کو صحابی کہنا ایسے ہی غلط ہے جیسے کسی مجوسی کو روح اللہ یا آیت اللہ کہنا غلط ہے)۔

105۔ آنجناب نے کہا: پس ہمیں آپ کی گفتگو کی طرف لوٹنا چاہیے۔ پھر جناب نے میرا قول بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے: کیا آپ نے مومنین کے گروہوں کی عجیب تقسیم دیکھی۔ مہاجرین، انصار اور ان کے متبعین، جو ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کے لیے دعا کرتے ہیں اور انہیں برا نہیں سمجھتے۔ یہاں امامیوں کا مقام کہاں ہے؟ اور اہل السنہ کا مقام کہاں ہے؟

پھر آنجناب نے کہا ہے: تمہارا قول مهاجرون اور صحیح یہ ہے: اَلْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ السَّابِقُوْنَ کیونکہ اللہ سبحانہ ان کا وصف اپنے اس قول سے بیان کر رہا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾[الحشر: 9]

اور ہر انصاری نے مہاجرین کو ٹھکانا نہیں دیا اور بنو نضیر کی جلاوطنی کے بعد ابواء (ٹھکانا دینا) منقطع ہو گیا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے لہٰذا انصار میں سے جو اس کے بعد ایمان لایا وہ آیت کے مدلول سے خارج ہے۔ آپ کا قول: مُتَّبِعُوْنَ، يُحِبُّوْنَهُمْ وَ يَدْعُوْنَ لَهُمْ وَ لَا يَكْرَهُوْنَهُمْ اور صحیح یوں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا﴾[الحشر: 10]

یہاں چند غور طلب مقامات ہیں:

اولاً: جب میں نے امت کے لیے آیات کی تین قسموں کی طرف اشارہ کیا: مہاجرین اور انصار اور اتباع، تو آپ نے اس تقسیم کو اوصاف قید کے ساتھ صحیح کر دیا لہٰذا آپ نے کہا: اَلْمُهَاجِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْاَنْصَارِ۔

میں کہتا ہوں: جناب کی تصحیح میں کوئی حرج نہیں، کیا ممکن ہے کہ آپ ہمارے لیے ان سابقین

مہاجرین اور سابقین انصار کا ذکر کر دیں کہ وہ کون ہیں ؟!

در حقیقت کسی شیعی کے لیے کبھی ممکن نہیں کہ وہ ان سابقین کی فضیلت تسلیم کرے مگر ازراہ تقیہ، کیونکہ امامی شیعوں کا عقیدہ اپنے حاملین کے دلوں میں عظماء امت کی فضیلت پہچاننے کے لیے کشادگی نہیں رکھتا، اگر وہ ان کی فضیلت کا اعتراف کر لیں تو ان کا عقیدہ مختل ہو جاتا ہے۔

بے شک شیعہ کا عقیدہ، میری مراد امامی شیعہ اور ان کی ڈگر پر چلنے والوں کا عقیدہ اہل السنہ کے عقیدے کے متضاد ہے اور محال ہے کہ یہ دونوں اکٹھے ہو جائیں۔

چونکہ اختلاف اصولی ہے فروعی نہیں جیسا کہ بعض شیعہ صاحبان یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض ادباء بھی (اس اصولی اختلاف کو فروعی قرار دینے کا) دعویٰ کرتے ہیں جو حقیقت سے ناشناسا ہیں۔

ثانیاً: آنجناب نے میرا قول ذکر کیا ہے: وہ ان کے متبعین ہیں، وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کے لیے دعا کرتے ہیں اور ان کو برا نہیں سمجھے۔ پھر آپ نے کہا ہے: صحیح یہ ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا۔۔۔﴾

میں کہتا ہوں: یہ عجیب تصحیح ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے لیے ان کی اخوت کا اعتقاد رکھے پھر ان کے لےی مغفرت کی دعا مانگے اور وہ ان کو برا بھی سمجھتا ہو ؟!

کیا یہ اس حقیقت پر دلیل نہیں ہے کہ شیعہ کے دل ایسے عظمائے امت کی محبت سے محروم ہیں جنہوں نے دین کی نصرت کی اور اسے آگے منتقل کیا اور زمین کو فتح کیا، کیونکہ (وصیت کا عقیدہ) ہر مقام پر ان کو جالیتا ہے ؟!

کیا ہم اس سے محبت نہ کریں جس نے دین کی نصرت کی اور سید المرسلین ﷺ کو سپورٹ کیا اور اہل و عیال اور دوستوں کو دین کی خاطر چھوڑ دیا اور وہ ہمارے اور ہمارے آباء و اجداد کے اسلام کا سبب بنے اور انہوں نے دین کی حفاظت کی اور اسے ہم تک منتقل کیا؟!

جب ہم ان سے محبت نہ کریں تو بتائیں جناب امت کے افراد میں ہماری محبت کا کون مستحق ہے ؟!

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر (31/18) میں ابن ابی یعلی سے اثر بیان کیا ہے اس کے آخر میں کہا: مہاجر ہو جا، اگر تو کہے کہ میں (اپنے میں اس کی قوت) نہیں پاتا، تو انصاری ہو جا، اگر تو (اس کی قوت) نہ پائے، تو ان جیسے اعمال کر، ان تو ان جیسے اعمال کی طاقت نہیں رکھتا تو ان سے محبت کر اور جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے ان کے لیے استغفار کر۔

امام سمرقندی اپنی تفسیر (422/3) میں فرماتے ہیں: اور آیت میں دلیل ہے کہ جو صحابہ کرام پر رحمت کی دعا اور استغفار کرے اور اس کے دل میں ان کے بارے میں کینہ نہ ہو تو اس کا مسلمانوں میں حصہ ہے اور اس کو اجر بھی صحابہ کرام جتنا ملے گا اور جو ان کو گالی دے یا ان پر رحم کی دعا نہ کرے یا اس کے دل میں ان کے بارے میں کینہ ہو تو اس کا مسلمانوں میں کوئی حصہ نہیں۔

106۔ آنجناب نے تکلیف دہ بات کہی، پھر میری گفتگو کا تعاقب کیا، پھر تم نے اپنی گفتگو میں دو باتیں بیان کیں: اَیْنَ مَکَانُ الْإِمَامِیَةِ هُنَا؟ وَ اَیْنَ مَکَانُ اَهْلُ السُّنَّةِ هُنَا؟ یہاں امامیہ کی جگہ کہاں ہے؟ اور یہاں اہل السنہ کی جگہ کہاں ہے؟ (پھر آپ نے غصے میں آکر اس اصولی اختلاف کو بیان کر ہی دیا جسے آپ چکنے الفاظ میں چھپاتے چلے آرہے تھے اور ہم اسے واضح الفاظ بیان کرتے آرہے ہیں)۔

تم یقینا جانتے ہو کہ دونوں گروہ (اہل السنہ اور شیعہ) اس آیت میں داخل نہیں ہیں، لہٰذا موضوع کے بعد سوال ساقط ہے، پس بے شک دونوں گروہوں کے درمیان موازنہ ایسے بیان ہو رہا ہے کہ یہ دونوں گروہ متضاد ہیں اور یہ اصل اور اصول میں مشارکت نہیں رکھتے اور یہ دونوں گویا مشرقی اور مغربی چھاؤنیاں ہیں، ہر ایک کی خاص ''آئیڈیالوجی'' ہے اور شیعہ فقط انہی پہلے مسلمانوں میں سے ہیں جو حضرت رسول ﷺ کی اپنے اہل بیعت کے حق میں وصیت پر قائم ہیں اور اہل السنہ بھی انہیں پہلے مسلمانوں میں سے ہیں لیکن انہوں نے وصیت رسول ﷺ کی مخالفت کی اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیعت کے حق میں نافذ نہ کیا اور اگر ہم اس سے آنکھیں بند کر لیں تو دونوں گروہ ایک اصل کی دو شاخیں ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہاں چند غور طلب امور ہیں:

اولاً: اس بات کا دعویٰ کہ دونوں گروہ آیت میں داخل نہیں ہیں، یہ مردود ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تفسیر (31/18) میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ﴾ [الحشر: 10] اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔ یعنی تابعین کرام اور قیامت تک اسلام میں داخل ہونے والے مسلمان اور امام ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم (98/8) میں فرماتے ہیں کہ سچے دل سے ان کی پیروی کرنے والے وہ ہیں جو ان کے آثار حسنہ اور اوصاف جمیلہ کی پیروی کریں اور ظاہراً و سراً ان کے لیے دعا کریں۔۔۔ آگے فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے کیا خوب استنباط کیا ہے کہ جو رافضی صحابہ کو گالی دے اس کا اموال فے میں کوئی حصہ نہیں۔

امام رازی اپنی تفسیر (510/29) میں لکھتے ہیں: وَ اعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ الْآيَاتِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ جَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔۔۔ کہ جان تو یقیناً ان آیات نے تمام مومنوں کو اپنے دائرے میں لے لیا ہے۔

اور امام ثعالبی نے سورہ حشر کی ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جمہور علماء نے کہا ہے: اَرَادَ مَنْ يُجِيْءُ مِنَ التَّابِعِيْنَ وَغَيْرِهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ کہ اس نے ان کو مراد لیا ہے جو قیامت کے دن تک تابعین وغیرہم آئیں گے۔

اور امام بغوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں سورۂ حشر کی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی تابعین اور وہ لوگ جو مہاجرین اور انصار کے بعد قیامت تک آئیں گے۔۔۔ انہوں نے یہاں پر بات ختم کی کہ (جس کسی شخص کے دل میں کسی بھی صحابی رسول ﷺ کے بارے میں کینہ ہو اور وہ ان تمام پر رحمت کی دعا نہ کرے وہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کو اللہ نے اس آیت میں مراد لیا ہے۔

اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد دور نبوت میں آئے لیکن جمہور مفسرین اس مراد کے خلاف ہیں اور ہمارے لیے اسی قول کی صحت واضح ہے۔

ثانیاً: آنجناب کا قول: دونوں گروہوں کے درمیان موازنہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ دونوں متضاد گروہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: ہاں محال ہے کہ یہ دونوں اس ''من گھڑت وصیت'' کی تصدیق کی موجودگی میں آپس میں ملیں جو دین کو بنیاد سے اکھاڑ دیتی ہے اور جنہوں نے یہ من گھڑت وصیت تصنیف کی ہے

انہوں نے اسے ایسی روایات سے پختہ کیا ہے جن کے بارے میں ہم اللہ کے سامنے سرخرو ہونے کے لیے کہتے ہیں کہ وہ صحیح نہیں ہیں۔

چناچہ ہماری کتابوں میں تو اس کی تمام سندیں صحیح نہیں۔

جبکہ آپ لوگوں کی کتابوں میں، عقیدہ اور تاریخ کے تمام راویان جن پر آپ لوگس نے اپنے مذہب کی بنیاد کھڑی کی ہے وہ سب مجہولین ہیں جیسا سید محمد صدر نے اس کا اعتراف کیا ہے اور آیت اللہ برقعی وغیرہما نے اسے درست قرار دیا ہے۔

باقی رہی تاریخ صحابہ، تو ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم نے باہمی محبت اور اخوت سے زندگی بسر کی۔

جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نہ تو بزدل تھے اور نہ اپنے رب جل وعلا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کرنے والے تھے کہ وہ حق کے اعلان کرنے میں بزدلی دکھائیں اور ایسے مواقع بھی آئے جو اس بات کا تقاضا کرتے تھے کہ اگر کوئی وصیت ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہ اس کا اعلان کرتے لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اعلان نہیں کیا اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اعلان نہیں کیا اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اس (من گھڑت) وصیت کو جانتے ہی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو جس نے اسے گھڑا اور اس کے ذریعے امت میں پھوٹ ڈالی، ایسی سزا دے جس کا وہ مستحق ہے۔

ثالثًا: جناب کا قول کہ (شیعہ فقط ان اولین مسلمانوں سے ہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے اہل بیعت کے حق میں وصیت پر قائم رہے) یہ نادرست ہے۔

اگر وہاں کوئی وصیت بمعنی "امامت" ہوتی تو بتائیں کہ تقریباً دس ہزار صحابہ نے اس کے چھپاتے یا اس کو نافذ ہونے سے روکنے پر کس لیے ایکا کر لیا حالانکہ انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور دین اسلام کی خاطر اپنے ادیان کو چھوڑ دیا؟!

وہ کون سا دنیاوی یا دینی مفاد تھا جو انہوں نے وصیت کو ترک کرنے کے بدلے میں حاصل کیا؟!

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دین کی نصرت کی خاطر فقیرانہ، زاہدانہ اور مجاہدانہ زندگی بسر کی اور

صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے گرد اکٹھے ہو گئے اور ان کی اطاعت کرنے لگے اور ان کے احکامات کو نافذ کرنے لگے حالانکہ وہ نہ رسول تھے نہ مال دار اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑا قبیلہ رکھتے تھے، تو وہ کس لیے وصیت کے نفاذ کو ترک کرتے اور نصرت دین پر قائم رہتے ؟!

پھر دس ہزار صحابہ "وصیت" پر کس لیے خاموش رہے ؟!

کیا وہ سارے کے سارے اشرار تھے ؟! کیا وہ سب کے سب بزدل تھے ؟! کیا ان میں کوئی سمجھ دار آدمی نہ تھا؟! کیا وہ (نعوذ باللہ) سارے کے سارے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا سمجھتے تھے ؟!

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وصیت کرتے ہیں اور وہ رسول بھی نہیں، پھر لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے پہلے وہ۔ آپ لوگوں کے دعوے کے مطابق۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر چکے تھے اور کوئی انکار کرنے والا انکار نہیں کرتا اور کہتا: اے ابو بکر تجھے امامت کو غصب کر لینا ہی کافی ہے، تو دوسرے کے لیے تو اسے غصب نہ کر۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ چھ افراد کی طرف وصیت کرتے ہیں اور کوئی انکار کرنے والا انکار نہیں کرتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی پڑے ہیں اور وہ کسی کو سزا دینے کی طاقت کھو چکے ہیں، پھر بھی کوئی صحابی اس وصیت کا اعلان نہیں کرتا (نہ ابو ذر، نہ سلمان فارسی، نہ عمار بن یاسر اور نہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہم) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے لیے تجویز کنندگان میں شامل ہونا قبول کرتے ہیں اور اعتراض بھی نہیں کرتے ؟! کیا یہ امت مسلمہ (معاذ اللہ) جو اللہ کے دین کی محافظ ہے وہ بالا جماع باطل کی وارث بن جاتی ہے ؟!

کیا سیدہ فاطمہ الزہرا اپنے دنیاوی حصے کا مطالبہ نہیں کرتی اور اپنا موقف بیان نہیں کرتی ؟! کیا گمان کیا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں دنیا ان کے دین سے بڑی ہو وہ اس کی خاطر تو ناراض ہوتی ہو اور امامت کے غصب ہونے پر ناراض نہ ہو، اگر وہاں کوئی امامت (کی وصیت) کا مسئلہ ہوتا تو ؟!

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ صحابہ کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں ان کی اقتدا کرتے ہیں اور ان کو مشورے دیتے ہیں اور ان (کی بیٹیوں) سے شادیاں کرتے ہیں اور ان کو مشورے دیتے ہیں اور ان (کی بیٹیوں) سے شادیاں کرتے ہیں اور (ان کے جہاد کی بدولت اپنے حصے کی) کنیزوں سے ہم بستر

ہوتے ہیں (حضرت محمد بن علی بن طالب رضی اللہ عنہ کی ماں کی طرف اشارہ ہے) اور اپنی اولاد کے نام ان کے ناموں پر رکھتے ہیں، کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس کو متوارث باطل سمجھتے ہوں اور پھر وہ یہ سب کچھ کر بھی رہے ہوں؟! سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ

رابعًا: آنجناب کا قول کہ اہل السنہ بھی فقط اولین مسلمانوں میں سے ہیں لیکن انہوں نے وصیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور ان کی وصیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کے حق میں نافذ نہ کیا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر وصیت سے تمہاری مراد امامت ہے تو یہ ہمارے نزدیک مکذوبہ ہے اس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔

اور اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ وہ آل بیت کو برا سمجھتے ہیں اور ان کی فضیلت نہیں پہچانتے تو یہ دعویٰ باطل ہے۔ اہل السنہ تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ان کے ساتھی بنے اور صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کے بلند درجات ثابت کرتے ہیں، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی تعظیم کیوں نہ کریں، اہل السنہ میں سے آپ نے کہاں کسی کو پایا جو ان کے حق میں بری رائے رکھتا ہو؟!

اہل السنہ، اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے صلحاء سے محبت کرتے ہیں اور تمام اہل بیت کے لیے ہر نماز میں دعا کرتے ہیں اور ہر ایسی نماز جس میں آل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا نہ کی جائے (ان کے ہاں) اس کی صحت میں اختلاف ہے اور اگر کوئی فرد یا افراد ان کی بے ادبی کرتے ہیں تو یہ گناہ ہے اس کا بوجھ ان کی گردن پر ہو گا جو اس کا ارتکاب کرے گا اور وہ لاکھوں اور کروڑوں اہل سنت کی نمائندگی نہیں کرتا جن کی زبانیں آل بیت کے فضائل بیان کرنے اور ان کے لیے دعا کرنے اور اپنی تمام کتابوں میں ان پر رضی اللہ عنہم سے لبریز ہیں اور وہ عقیدتًا یہ سب کچھ کرتے ہیں تقیۃً نہیں کرتے (کیونکہ وہ تقیہ کو نفاق کے مترادف سمجھتے ہیں)۔

باقی رہے وہ حادثات جو ابتدائے اسلام میں رونما ہوئے وہ فتنے تھے جو صحابی ان میں شریک ہوا

وہ ارادتاً شریک نہیں ہوا، اگر شیعہ عقیدہ "امامت" کو جواز بنا کر گروہ بندی نہ کرتے تو ان حادثات کے بارے میں ان کا یہی موقف ہوتا جو اہل السنہ کا ہے اور اس (دور میں) انفرادی حالات بھی تھے جن کو جمہور صحابہ نے پسند نہیں کیا اور نہ ہی اہل السنہ ان کو پسند کرتے (مثلاً کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف داری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چند لوگوں کا برا کہنا، چنانچہ جمہور صحابہ کرام نے ایسے لوگوں کے انفرادی فعل کو نہایت مکروہ سمجھا اور اہل السنہ بھی انہیں مکروہ سمجھتے ہیں)۔

107۔ آنجناب نے کہا ہے: یہاں تک آیات کا معنی و مفہوم واضح ہو گیا کہ امامیہ ان کی بال برابر بھی مخالفت نہیں کرتے، نہ وہ کسی صحابی سے بغض رکھتے ہیں، نہ کسی صحابیہ سے۔ لیکن ہم سب کی عدالت کا اعتقاد نہیں رکھتے اور تم کہتے ہو: ان کا موازنہ کرنے والا تابعین کے موازنہ کرنے والے کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: اس دعویٰ کو اس وقت تک قبول کرنا ممکن نہیں جب تک اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ صحابہ نے خیانت کی اور انہوں نے وصیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ حالانکہ صحابہ کرام وہ لوگ تھے جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی روحیں فدا کرتے رہے اور اپنی تلواروں اور مالوں سے آپ کی نصرت کرتے رہے نہ تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے تھے اور نہ اپنے اہل و عیال اور اموال کو ان سے مقدم سمجھتے تھے (پھر تمہارے دعوے کے مطابق) اچانک انہیں کیا ہو گیا کہ وہ آپ حکم پر پل پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا انکار کرنے لگے حالانکہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا انکار کرنے لگے حالانکہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان کو کفر سے بچایا اور انہیں گمراہی سے نکالا؟ حَاشَاهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ

یہ انوکھا خیال اور عجیب تصور ہے، اسے سلیم حس والا مستقیم دل قبول نہیں کرتا اور ممکن نہیں کہ ان کی عدالت کے اعتقاد کی موجودگی میں (ان پر خیانت کا بہتان اور ان کا احترام) اکٹھے ہو سکیں!!

اگر آپ حضرات ان کی عدالت کا رکھیں گے تو ان کی روایات قبول کرنی پڑیں گی اور اگر آپ حضرات ان کی روایات قبول کریں تو آپ کے عقائد منہدم ہو جائیں گے۔

108۔ آنجناب نے کہا ہے: ((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا

تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ، فَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا، مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِيْفَهٗ)) ❶ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کو گالی نہ دو، اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ برابر سونا (فی سبیل اللہ) خرچ کر دے وہ ان کے مد بلکہ نصف مد (کے ثواب کو بھی) نہ پہنچ سکے گا، میں (ابومہدی) اس سے استدلال کرتا ہوں کہ حدیث (مذکور) اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بعض صحابہ بعض صحابہ کو گالیاں دیتے تھے اسی حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد کو روکا کیونکہ اس نے عبدالرحمٰن بن عوف کو گالی دی تھی اور یہ دونوں صحابی تھے اور یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ نہ تو سارے صحابہ عادل تھے اور نہ سارے صحابہ (اوصاف حمیدہ) سے موصوف تھے۔

یہ سعد بن عبادہ ہے جو خزرج کا سردار ہے وہ سعد بن معاذ کو اس قول سے مخاطب کرتا ہے كَذَبْتَ لَعَمْرُ اللّٰهِ (اللہ کی عمر کی قسم تو نے جھوٹ بولا) اور یہ اسید بن حضیر ہے جو سعد بن معاذ کا چچازاد ہے وہ سعد بن عبادہ کو اس قول سے مخاطب کرتا ہے: لَعَمْرُ اللّٰهِ لَنَقْتُلَنَّهٗ فَاِنَّكَ مُنَافِقٌ کہ اللہ کی قسم! ہم اسے ضرور قتل کریں گے، تو منافق ہے۔ ❷

البتہ ضروری بات ہے کہ صحابہ کی باہمی سب وشتم اور ان کی زندگی کی چھان بین کے درمیان فرق کیا جائے، کیونکہ سب وشتم کا اسلوب تنقید اسلوب کے سوا ہے۔ چنانچہ پہلا اسلوب عصبیت اور غصے اور کینے اور نفسانیت کا نتیجہ ہے جبکہ دوسرا اسلوب صحیح بنیادوں اور سالم ترازوؤں پر قائم ہے اور وہ حقیقت کے متلاشیان کا قبلہ ہے۔

میں کہتا ہوں: صحابہ کرام اپنی بشریت سے جدا نہیں تھے اور اسلام میں داخل ہونے سے فرشتے نہیں بن گئے تھے، کیونکہ بشریت تو انبیاء سے بھی جدا نہیں ہوتی تھی تو دیگروں کے بارے میں جناب کا کیا خیال ہے۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، ان کے بارے میں اللہ عزوجل فرمایا ہے:

﴿وَ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ

---

❶ صحیح البخاری، ح: 3673۔ صحیح مسلم، ح: 2541

❶ صحیح البخاری، تفسیر سورہ نور

شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ [القصص: 15]

''وہ شہر کے رہنے والوں کی غفلت کے وقت شہر میں داخل ہوا تو اس نے اس میں دو آدمیوں کو باہم لڑتے ہوئے پایا، یہ اس کے گروہ سے تھا اور یہ اس کے دشمن کے گروہ تھا، تو جو اس کے گروہ سے تھا اس نے موسیٰ سے اس کے دشمن کے مقابلے میں مدد مانگی تو موسیٰ نے اسے مکا مارا تو اس کو ختم کر دیا۔ کہا یہ شیطان کے کام سے ہے بے شک وہ واضح گمراہ کرنے والا نے دشمن ہے۔''

اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کبھی خطا واقع ہو جاتی تھی تو اللہ کی طرف سے یا اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان کی تصحیح کر دی جاتی تھی۔

اور باقی رہا ان سب کی عدم عدالت کا دعویٰ، یہ نا قابل تسلیم ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خطا اور ان کے اعتراف کرنے سے کہ یہ شیطان کے کام سے تھا ان کا مقام کم نہیں ہوا اسی طرح صحابی کا معاملہ ہے۔ چنانچہ کسی نے یہ نہیں کہا کہ صحابی سے خطا سرزد نہیں ہوتی کیونکہ اسے (عصمت) کا نام دیا جاتا ہے اور اہل السنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عصمت کے مدعی نہیں ہیں۔

اس طرح کا کوئی عمل جو ان سے نقل کیا جائے تو وہ ان کی نیکیوں اور فضیلتوں کے مقابلے میں ذرہ بنسبت سورج کے ہے۔

ثانیاً: جناب کا قول (ضروری ہے کہ سبِّ صحابہ اور ان کی زندگی کے نقد میں تفریق کی جائے) یہ خالی خولی کلام ہے جس کا حقیقت میں کوئی بیلنس نہیں ہے کیونکہ وصیت کی خیانت کا دعویٰ اور اس کے نفاذ کو روکنے اور سوائے چار کے باقی تمام صحابہ کا اس کو پوشیدہ رکھنے کی سازش کرنے کا بہتان سب گناہوں سے بڑی گالی ہے۔ کیونکہ اگر آپ کسی شخص کو گالی دیں تو یہ شخصی فعل ہو گا اس پر کوئی بڑی ضرر مرتب نہیں ہوتی، لیکن جب آپ کسی انسان پر دین کی خیانت اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تہمت لگانا، گالیوں کی شدید ترین اقسام میں سے ہے اور یہ عبارتیں جو آپ نے پیش کی ہیں یہ حقیقت

ہے کیونکہ وہ عصبیت غصے، کینے اور نفسانیت کا نومولود بچہ ہے جیسا کہ آپ نے سب وشتم کے اسباب میں بیان کیا ہے۔

109۔ آنجناب نے کہا ہے:

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔۔)) [1]

"عبداللہ بن مسعود، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا دور لوگوں سے بہترین دور ہے پھر ان لوگوں کا جو ان کے قریب ہوں گے پھر ان لوگوں کا جو ان کے قریب ہوں گے۔"

اس حدیث کی سند خواہ کتنی ہی صحیح ہو اور اگرچہ اسے امام بخاری نے ہی روایت کیا ہو، یہ صحابہ و تابعین کی تاریخ سے واقف آدمی کے ہاں حقیقت کے خلاف ہے ہم تاریخ صحابہ سے نظر پھیر لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ پر نظر ڈالتے ہیں تو اس سے مراد تابعین ہیں اور ان میں اموی بھی ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم امویوں کے دور کو خیر القرون شمار کریں؟ اور انہوں نے بے گناہوں کے خون سے زمین کا چہرہ رنگین کر دیا اور کربلا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو پیاسا شہید کر دیا اور ان کی اولاد اور ان کے ساتھیوں کو ذبح کر دیا اور کعبہ کی حرمت کو پامال کر دیا؟!

میں کہتا ہوں: یہاں چند غور طلب مقامات ہیں:

اولاً: اس حدیث کو چھ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت کیا ہے اور وہ ہیں: عبداللہ بن مسعود، نعمان بن بشیر، عمران بن حصین، عمرو بن شراحیل، جعدہ بن ہبیرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ [2]

---

[1] صحیح البخاری، ح: 2653، صحیح مسلم، ح: 2533

[1] دیکھیے: صحیح البخاری، ح: 2600۔ صحیح مسلم، ح: 6424۔ مسند احمد، ح: 4128۔ ابن ماجہ، ح: 2353۔ ابن حبان، ح: 7108۔ ان محدثین نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مذکورہ بالا کتب میں اس حدیث کو روایت کیا ہے جبکہ نعمان بن بشیر کی روایت کو امام احمد نے (ح: 18007) اور ابن حبان نے (ح: 6613) پر روایت کیا ہے اور عمران بن حصین کی روایت کو امام بخاری نے (ح: 348/7) پر اور امام احمد نے (ح: 19445) اور ترمذی نے (ح: 2255) پر بیان کیا ہے اور عمرو بن شراحیل کی روایت کو ابن حبان نے (ح: 28151) پر اور (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھانجے اور داماد) جعدہ بن ہبیر کی روایت کو ابن حمید نے (148/1) پر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو امام مسلم نے (ح: 2225) پر بیان کیا ہے۔

چنانچہ حدیث کو روایت کرنے میں نہ تو ایک صحابی منفرد ہے اور نہ کوئی ایک محدث منفرد ہے اور اگر کوئی ایک صحابی یا کوئی ایک محدث روایت کرے اور سند صحیح ہو تو اسے قبول کرنے کے لے ی کافی ہے تو اس صورت میں کیسے قبول نہ کیا جائے جب اسے صحابہ کی ایک جماعت نے بیان کیا اور صحاح کے مولفین نے اسے روایت کیا ہے۔

ثانیاً: یہ موقف واضح الدلالت ہے جبکہ وہ منہج جس سے اہل حق کے مخالفین فیصلہ کراتے ہیں وہ محض خواہش پرستی ہے، علمی منہج نہیں ہے جس پر علمی بنیادیں قائم کی جا سکیں، وہ فقط اوہام ہیں جو حقائق کے آگے رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ وہ اوہام کی پیروی میں حقائق کو چاٹ جائیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ باطل عقائد کو ثابت کرنے کے لیے ضعیف الاسناد روایات سے استدلال کرتے ہیں اور اپنی سوء فہم یا اپنے معتقدات کے مخالف ہونے کی وجہ سے صحیح الاسناد احادیث کو ردّ کر دیتے ہیں۔

ثالثاً: موروثی پیچیدگیوں سے دور رہ کر حدیث کے معنی پر غور کرنے والے پر سچ واضح ہو جائے گا بلکہ اگر حدیث شریف مروی نہ بھی ہوتی تو امت کا ال اسی طرح ہے جسے حدیث میں بیان ہوا ہے۔

چنانچہ (قرن کی مدت سے صرف نظر کرتے ہوئے دیکھا جائے تو) تینوں قرون ہی اس خیر کی بنیاد ہیں جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔

چنانچہ اسلام غربت کی حالت میں ظاہر ہوا اور اس حال میں اس پر یلغار ہو رہی تھی تو لوگوں کے ایک گروہ نے اس کی پیروی کی اور انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں اور زمینوں کو اس دین رپ فدا ہوتے ہوئے قربان کر دیا۔

پھر انہوں نے اس کی راہ میں جہاد کیا اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت کی اور اس شریعت کا بار اٹھایا اور اس کے دین کو پھیلایا اور مجاہدین بن کر چکے اور ممالک فتح کر لیے یہ وہ پہلا معاشرہ ہے: صحابہ کا معاشرہ جو پہلی صدی کے اخیر تک جاری رہا، چنانچہ اس قرن میں علماء اور عباد، سپہ سالار اور شہداء، صالحین، حق کے لشکر منظر پر آئے وہ ممالک کو فتح اور دین کی تبلیغ اور شرع کی تعلیم دیتے رہے چنانچہ اس صدی میں مساجد، مومنین سے آباد ہوئیں اور علمی حلقے پھیل گئے جن میں اہل علم علوم

شرعیہ کی تعلیم دیتے رہے اور مسلم قوم کی یہ حالت رہی۔

البتہ سیاسی اعتبار سے فتنے ظاہر ہوئے جنہوں نے اس خیر کو گدلا کر دیا اور گھٹا دیا لیکن وہ اسے ختم نہیں کر سکے اس کے بعد امت میں جتنی بھی خیر ہے وہ ہم تک انہیں قرون کے واسطے سے پہنچی تو انہوں نے جس خیر کو حفظ کیا اور روایت کیا ان کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اس پر عمل کرنے والوں کو ملے گا اور انہوں نے جن لوگوں کو اسلام میں داخل کیا ان کے اعمال جتنا اجر بھی ان کو ملے گا۔ یہ تینوں قرون امت مسلمہ کی بنیاد ہیں۔ اموی (قریشی خلفاء) اس امت کا جز ہیں، کل امت نہیں ہیں (اور انہی کے دور میں اسلام کی براعظم ایشیا، براعظم یورپ اور افریقہ میں داخل ہوا اور کروڑوں افراد اسلام میں داخل ہوئے) امت کا مفہوم اس سے کہیں بڑا اور وسیع ہے جو آپ نے بیان کیا ہے۔

اور باقی رہے وہ حادثات جو اس صدی میں رونما ہوئے: اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شر تھی لیکن شر کے چند نقصانات کی وجہ سے امت میں خیر عظیم کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ سندھی شرح سنن ابن ماجہ (ح: 2353) میں فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: کلام (نبوی) کو مومنوں کے ساتھ خاتھ خاص کرنا ضروری ہے اور اس سے مراد آنحضرت ﷺ کے زمانے کے مومنین مراد ہیں جو ان لوگوں سے بہترین تھے جو ان کے بعد آئے، پھر صحابہ کی صدی کی بہتری اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ اکائیوں میں سے ہر ایک اکائی بہتر ہو بلکہ بہتری کا غالب کافی ہے ورنہ اس بات سے لازم آئے گا کہ تابعین کے دور کا ہر فرد بعد والے فرد سے بہتر ہو گا حالانکہ ان کے وقت میں ظالم حجاج بھی تھا اور شاید کہ اس باب میں اس کا نظیر نہ ملے۔ اس صورت میں اس سے مراد یہ نہیں کہ ہر صدی کا ہر فرد، بعد والے ہر فرد سے بہتر ہے بلکہ اس سے مراد صدی کے اکثر لوگ مراد ہیں اور اس طرح یہ بھی مراد نہیں کہ ان میں شر کا وجود ہی نہ ہو گا۔

رابعًا: شیعہ کا منہج انوکھا منہج ہے: عہد صحابہ میں جو خطائیں ہوئیں وہ ان کے نیکیوں کے سمندر میں ذرے برابر بھی نہیں وہ تو سوائے چند صحابہ کے ان کی عدالت کو مجروح کر دیتی ہیں اور بعض امہات المومنین سے جو غلطیاں ہوئیں انہوں نے ان کی عدالت کو مجروح کر دیا اور ان کی فضیلت گھٹا دی اور ایسی غلطیاں جو امت کے ایک گروہ سے سرزد ہوئیں ان سے پوری امت کی خیر خراب کر

دی۔

چنانچہ ان کی دور بین سے صرف اور صرف عیب ہی عیب منکشف ہوتے ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے طرح طرح کی مخلوق پیدا کی اور ان کی عقلوں کے درمیان تفاضل رکھ دیا دیکھیے شہد والی مکھی (پاکیزہ اور خوشبودار) پھولوں (اور پھلوں) کے سوا کسی چیز نہیں بیٹھتی، اس لیے کہ وہ خود بھی صاف ستھری اور شریف ہے باوجود اس کے کہ اس کے آس پاس بدبودار جگہیں ہوتی ہیں اے کاش کہ ہم لوگ شہد والی مکھی جیسے ہو جائیں۔

(اور الحمد للہ اہل السنہ شہد والی مکھی کی طرح پاکیزہ جگہوں پر بیٹھتے ہیں اور پاکیزہ ہستیوں کی اچھائیاں بیان کرتے ہیں۔)

خامسًا: نواسہ نبی ﷺ کے قتل سے پہلے بھی فتنے برپا ہوئے اور ان میں سیدنا حسین سے افضل صحابہ کثیر تعداد میں قتل ہوئے اور اس دور کو شر القرون قرار نہیں دیا گیا۔

چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ کے دور میں آپ کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا اور آپ ﷺ کا دور شر العصور (ادوار تاریخ میں سے بدترین دور) نہ تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو (محراب نبوی میں) شہید کر دیا گیا اور ان کا دور شر العصور نہ تھا۔

اور سید عثمان رضی اللہ عنہ (قرآن پڑھتے ہوئے روزے کی حالت میں) شہید کر دیئے گئے اور ان کا دور شر العصور نہ تھا اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (اپنے سابقہ شیعوں کے ہاتھوں) شہید کر دیئے گئے اور ان کا دور شر العصور نہ تھا ان ہستیوں کا قتل (ظلم) عظیم اور بہت بڑا سانحہ تھا لیکن امت میں خیر کا میدان باقی رہنے والا ہے اور وہ چند اشخاص کے جرم سے ختم نہ ہو گا۔

چنانچہ امت میں جتنی بھی خیر ہے وہ انہیں ادوار کی طرف لوٹتی ہے لہٰذا خیر کو کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور شر کو کس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا سکتا ہے؟

اس بحث سے واضح ہو گیا کہ جناب کی فہم نادرست ہے اور آپ کا حکم غیر مستقیم ہے۔

سادسًا: باقی رہا نواسہ رسول ﷺ کا قتل ہو، سو یہ جرم عظیم ہے اللہ پر لعنت کرے جس نے یہ کیا اور اس پر بھی جو اس پر خوش ہوا۔

امام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور جس نے سیدنا حسین کو قتل کیا یا ان کے قتل میں معاونت یا وہ جو اس قتل سے خوش ہوا، اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہو، اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور فرض قبول نہ کرے۔

تو ان کا اس شخص کے بارے میں کیا اعتقاد ہوگا جو ان کو قتل کرے یا ان کے ایذا پہنچائے۔

110۔ آنجناب نے کہا ہے: یہ ہے وہ حجاج جو ان کے ہاتھوں کا کارنامہ ہے، اس نے ایسے بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا جس سے انسانیت کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے اور اس باب میں، میں طویل گفتگو نہیں کروں گا، تاریخ اس روایت کے کذب اور حدیث کے کمیشن ایجنٹوں کی طرف سے اس کے موضوع پر بہتر گواہ ہے تاکہ اموی اقتدار کے سسٹم نے جن چیزوں کا ارتکاب کیا ہے اس کو پاک کیا جائے اور اس حدیث پر وہ تعلیق ہی کافی ہے جو ابو المعالی جوینی نے لکھی ہے، اس نے کہا ہے (اور جو چیز اس حدیث کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے وہ صدی جو اس کے بعد سال بعد آئی وہ دنیا کی بدترین صدیوں میں سے ہے اور وہ ان صدیوں میں سے ایک صدی ہے جس نص (حدیث) میں ذکر ہے اور یہ صدی وہ صدی ہے جس میں حسین کو قتل کیا گیا اور مدینے پر حملہ کیا گیا اور مکے کا محاصرہ کیا گیا اور کعبہ اکھاڑا گیا اور منصب نبوت پر کھڑے کیے گئے خلفاء نے شرابیں پئیں اور فجور کا ارتکاب کیا گیا جیسا کہ یزید بن معاویہ، یزید بن عاتکہ اور ولید بن یزید کا معاملہ چلا اور حرام خون بہائے گئے اور مسلمان قتل کیے گئے اور بیویوں کو قیدی بنایا گیا اور مہاجرین اور انصار کے بیٹوں کو غلام بنایا گیا اور ان کے ہاتھوں کو ایسے منقش کیا گیا جیسے رومیوں کے ہاتھوں پر نقش کیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ عبد الملک کی خلافت اور حجاج کی امارت میں ہوا۔

میں کہتا ہوں: یہاں (غور طلب) مقامات ہیں:

اولاً: آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ تاریخ اس روایت کے کذب پر بہترین گواہ ہے اور تقریباً صحیح بات اس کے برعکس ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

ثانیاً: آپ کی یہ تہمت مردود ہے کہ علماء امت اور اس کے معتمد افراد اموی حکومت کے

ڈھانچے کو پاک کرنے کے لیے احادیث گھڑا کرتے تھے اور دلیل سے تہی دامن ہے اور علمی اسلوب اس کی تردید کرتا ہے اور مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اس خطرناک راستے پر چلے کہ بغیر دلیل کے تہمتوں کے گوے داغتا پھرے۔

اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو ہر شخص اس طرح کے دعوے کو ردّ کر دے گا جو اس کی عقل یا اس کے معتمد سے متفق نہ ہو گا۔ لہٰذا جب کسی شخص کا دین ناقص ہو جائے یا معدوم ہو ائے تو مخالف پر اس طرح کے گولے برسانے سے پیچھے نہ رہے گا، جبکہ ہم لوگ ہر اختلاف مسئلے میں اپنے آپ کو علمی منہج کے سامنے سرنگوں رکھنے کا التزام کرتے ہیں اور ہر باب کی بمقدار اس سے وابستہ رہتے ہیں چنانچہ ہم روایت کے باب میں احکام کے اطلاق سے قبل اس کے راویوں رپ بحث کرتے ہیں۔

اس حدیث کے راوی چوٹی کے ثقہ راوی ہیں اور اس کی متعدد اسناد ہیں، پس آپ کے کس طرح اس پر وضع کا حکم لگانا درست ہو گا جسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ نے ایسے رایوں سے روایت کیا ہے جو سارے کے سارے ثقات اور حفاظ ہیں، محض سطحی سی سوچ کی بنا پر۔

یہ حدیث تقریباً دس صحابہ سے وارد ہوئی ہے۔ ان میں سے امام بخاری اور مسلم نے دو صحابہ سے روایت کیا ہے اور دیگر صحابہ کی روایات مسانید اور سنن کی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں، ہم صحیحین کے رواہ کی طرف اشارے پر اکتفا کریں گے۔

پہلی حدیث: یہ حدیث عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اور اس کا محور امام ابراہیم بن یزید نخعی پر ہے، یہ وہ راوی ہے جس کی علماء نے ثنا بیان کی ہے۔ عجلی کہتے ہیں: یہ نیک، فقیہ، قلیل التکلف اور پرہیز گار آدمی تھا یہ حجاج کے خوف سے روپوشی میں فوت ہوا۔ [1]

بتائیے جو شخص بنو امیہ کے گورنر سے عداوت رکھتا تھا، وہ ان کے لیے جھوٹ بول سکتا تھا؟!

اور اس کا شیخ، جس سے اس نے یہ حدیث روایت کی ہے وہ عبیدہ سلمانی ہے اور یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والوں میں سے ہے یہاں تک کہ ابن مدینی اور فلاس نے کہا ہے: اسانید میں سے صحیح ترین سند محمد بن سیرین کی ہے جو عبیدہ سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔ [2]

---

[1] دیکھیے: تهذيب الكمال: 378/1

[2] دیکھیے: ایضًا: 112/4

اس حدیث کو ابراہیم بن یزید نخعی سے صحیحین کے چار ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔ شیبان، اعمش، نصور اور ابن عون نے کہا یہ جھوٹ بولتے ہیں؟!

دوسری حدیث: حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے، اس سے دو راویوں زہدم بن مضرب اور ہلال بن یساف نے روایت کیا ہے اور ان دونوں سے شعبہ بن حجاج نے روایت کیا ہے۔ [3]

کیا یہ حضرت رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ محدثین میں سے چھوٹی کے محدث ہیں؟ سبحانك هذا بهتان عظيم

اہل السنہ کی کتابیں کذب کی مذمت اور کذاب کی تفسیق اور اس کی روایت کو رد کرنے سے لبریز ہیں۔ لہٰذا کس طرح ممکن ہے کہ یہ جھوٹ بولیں، اگر یہ جھوٹ بولتے ہوتے تو ان کی روایات ردّ کر دی جاتیں، کیونکہ اہل السنہ کذابین کی روایات قبول نہیں کرتے اور ان کا منہج واضح ہے، اس میں کوئی تقیہ نہیں۔

ثالثًا: جب جوینی پر حدیث کی مراد پوشیدہ رہی اور حقیقت فہمی کے لیے اس کی نظر کشادہ نہیں ہوئی، تو اسے محدثین اور شارحین حدیث میں چھوٹی کے علماء نے سمجھ لیا ہے اور اگر ان کی تعداد سیکڑوں میں نہ ہو تو دسیوں میں ضرور ہے اور جمہور علماء کی مخالفت کی بنا پر ایک شخص کا شذوذ سمجھا جو حقیقت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اگر شاذ رائے کو راجح قرار دیا جائے تو امت کے لیے اس کے دین میں سے کچھ نہ بچے گا۔

اور شیعہ صاحبان امت کے جلیل القدر علماء کے اقوال کو چھوڑ کر شاذ اقوال اخذ کر لیتے ہیں قطع نظر اس بات سے کہ اس شخص نے جس منہج کو اختیار کیا ہے وہ صحیح ہے یا ضعیف اور یہ طریق کار بودا ہے۔

رابعًا: اور وہ باتیں جو جوینی کی گفتگو میں بیان ہوئی ہیں یہ بلا دلیل دعوے ہیں، یہ ساری تاریخ کی باتیں ہیں جو تحقیق کرنے پر ثابت نہیں ہوتیں اور اگر ان میں سے کچھ ثابت بھی ہو جائیں تو وہ ایک شخص کے خراب ہونے یا منحرف ہونے سے امت کو خیر عظیم سے محروم نہیں کرتیں (جوینی کی باتیں بحر المصائب کے لقب سے ملقب شیعی ذاکرین کی مکذوبہ حکایات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھیں، کیا سیدنا

[3] صحيح البخاری، ح: 2600، 6282۔ صحيح مسلم، ح: 6422

حسین کی شہادت اور اہل مدینہ کے بلوائیوں پر حملہ عبد الملک کی خلافت اور حجاج کی امارت میں ہوا تھا؟ اور یزید بن عاتکہ اور ولید بن یزید شراب نوشی اور فجور کا ارتکاب "وَ ذٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ عَبْدِالْمَلَكِ وَ امْرَاَةِ الْحَجَّاجِ" میں کرتے رہے۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی؟!

111۔ آنجناب نے کہا: اور جب تو کتب تاریخ پر غور کرے گا تو پہلی صدی کے نصف ثانی کو مکمل طور پر شر سے بھرپور پائے گا نہ تو اس میں خیر تھی اور نہ اس کے سربر آوردہ لوگوں میں اور اس کے امراء میں اور لوگ اپنے رؤساء اور امراء کے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں اور قرن پچاس سالوں کو کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ [1]

میں کہتا ہوں: تاریخ کی (مکذوبہ اور مبالغہ آمیز باتوں سے لبریز) کتابوں میں بنظر بصیرت دیکھنے والا حادثات دیکھے گا اور اس کے ساتھ ساتھ پسندیدہ اور فاضل اعمال بھی دیکھے گا (اس صدی کے نصف ثانی میں) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے علماً اور عباد بھی ہیں اور باقی ماندہ صحابہ اور اہل بیت بھی ہیں، اگر یہ عرصہ شر ہی شر ہوتا اور اس میں خیر نہ ہوتی تو ہماری طرف یہ دین کس طرح پہنچتا جیسے اس عرصے والوں نے حفظ کیا اور اسے سیکھا اور اسے بعد والوں کو سکھایا اور ان سے اس قرن کے بعد والوں نے سیکھا؟! تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس میں خیر نہیں تھی؟! بلاشبہ یہ جلد بازی میں حکم لگایا گیا ہے۔

علمی اور دینی تحریک، سیاسی تحریک سے ایک تحریک ہے چنانچہ کبھی سیاست خراب ہو جاتی ہے اور امت میں خیر باقی رہتی ہے لہٰذا سیاسی طبقہ کی خرابی کو دیکھ کر پوری امت پر حکم نہیں لگانا چاہیے۔ بلکہ سیاسی طبقہ میں بھی خیر اور شر موجود رہتی ہے باوجود اس کے کہ ان ادوار میں خرابیاں آتی رہیں جہاد جاری رہا (اور عبد الملک کے دور میں داخلی فتنے ختم ہو گئے اور ولید بن عبد الملک کی خلافت اور حجاج کی امارت میں سندھ اور چین کی حدود تک اور موسیٰ بن نصیر کی امارت میں افریقہ سے یورپ تک اسلام کی حدود وسیع ہو گئیں اور حضرت عمر بن عبد العزیز بن مروان اموی کے عہد میں پورا عالم اسلام عدل و انصاف، امن و امان اور خوش حالی سے مالا مال ہو گیا)۔ لہٰذا انصاف کے ساتھ حکم لگانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾ کہ جب تم کہو تو انصاف کی کہو۔ اور یہ بھی

[1] شرح ابن ابی حدید: 143/20

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾[المائدۃ: 8]

”اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی، بے انصافی پر نہ ابھارے۔“

اور اس پہلو کے متعلق مزید باتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں چند آیات کا اضافہ اور آگہی کے لیے چند غلط فہمیوں کا ازالہ:

صحابہ کرام کے بارے میں گفتگو کے آخر میں اچھا لگتا ہے کہ ہم ان کی فضیلت میں چند آیات کا اضافہ کر دیں جو ان کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں یا ہم وضاحت کی غرض سے پہلے ذکر کی ہوئی چند باتوں میں اضافہ کر دیں تاکہ ان باتوں کو براہ راست سمجھا جا سکے جو ہر عالم یا طالب علم کے ذہن میں ثبت ہو جاتی ہیں جو خراب کر دینے والی آراء سے بچا ہوا ہے۔

i۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾[البقرۃ: 143]

”اور (اے صحابہ کی جماعت) ہم اسی طرح تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور (ہمارا) رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ بن جائے۔“

طبری اپنی تفسیر (5/2) میں فرماتے ہیں (اور کلام عرب میں وسط: پسندیدہ اور بہترین چیز کو کہتے ہیں۔۔۔ زہیر بن ابی سلمی وسط کے الفاظ کو استعمال کرتے ہوئے کہتا ہے:

هُمْ وَسَطٌ يَرْضَى الْاَنَامُ بِحُكْمِهِمْ ۔۔ اِذَا نَزَلَتْ اِحْدَى اللَّيَالِيْ بِمَعْظُمٍ

”جب راتوں میں سے کسی رات کوئی بڑا ناگوار معاملہ برپا ہو جائے تو لوگ ان کے فیصلے پر راضی ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بہترین سردار ہیں۔“

اور امام ثعالبی سورہ بقرہ (آیت: 143) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ﴿جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ اَیْ عَدُوْلًا اور ہم نے تمہیں عادل امت بنایا ہے اور اس کی تفسیر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

احادیث مروی ہیں اور کسی چیز کے اعلیٰ حصے کو وسط اور خیار کہا جاتا ہے۔

اور امام سمرقندی اپنی تفسیر (99/1) میں لکھتے ہیں: وَسَطٌ سے مراد عَدْلٌ ہے اور عرب کہا کرتے ہیں: فلان اوسط قومہ یعنی وہ اپنی قوم کا پسندیدہ اور اعلیٰ انسان ہے۔

اور مفسرین نے اس معنی پر اجماع کیا ہے: انہوں نے وَسَطٌ کی تفسیر خِیَارٌ (پسندیدہ) اور عَدَلٌ (اَعْلٰی) سے کی ہے۔

اور امام رازی نے تفسیر کبیر (83/4) میں ان دونوں معنوں کی تائید میں (بہت کچھ) بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اللہ عزوجل کی طرف سے تعریف ہے کہ اس نے اس امت کو پسندیدہ اور عادل امت بنایا ہے اور خطاب براہ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گروہ سے ہے۔ کیا اس میں (یہ مومن گروہ شامل ہے یا نہیں؟ اور خاص طور پر اس گروہ کے پسندیدہ اصحاب: ابو بکر، عمر، عثمان، علی، سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن عوام اور علاوہ ازیں دیگر افاضل صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہیں یا نہیں؟

اگر آپ کہیں کہ وہ ان میں داخل ہیں، تو آپ نے باقی امت کی موافقت کی اور اگر آپ کہیں کہ نہیں، تو اس کی کیا دلیل؟ اگر آپ کہیں کہ دلیل یہ ہے کہ وہ بدل گئے اور انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو ان کا حق نہ دیا۔

ہم کہیں گے کہ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا جو انہوں نے اسے نہ دیا؟!

اگر آپ کہیں کہ امامت۔

ہم پوچھیں گے کہ اس حق کو کس نے بیان کیا؟

اگر آپ کہیں کہ بذات خود صحابہ نے!

ہم کہیں گے: انہوں نے خود روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں اس بات کی کوئی وصیت نہیں کی۔

اگر آپ کہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حق کو روایت کیا ہے۔

ہم کہیں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود بیان کیا ہے کہ ان کا کوئی حق نہیں اور اس بارے میں

ان کے اور ان کے باقی صحابہ بھائیوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور وہ روایات جو مزعومہ وصیت کو باطل کرتی ہیں وہ سند کے اعتبار سے ان روایات سے زیادہ صحیح ہیں جو ان کی امامت کے دعوے کو بیان کرتی ہیں پھر جس حال میں صحابہ کرام نے زندگی بسر کی وہ ان دعوؤں میں سے کسی کے وجود پر دلالت نہیں کرتیں اور کئی جگہوں میں اس حقیقت کو بیان کیا جا چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے یہ مسئلہ آگے بھی بیان ہو گا۔

پھر (سوچنے کا مقام ہے کہ) اللہ اس امت کی کس طرح تعریف کرتا ہے کہ وہ ''پسندیدہ اور عادل ہے'' جس کے اولین افراد ہی (نعوذ باللہ) ظالم اور فاسق ہیں؟!

اور وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کے مطابق زندگی بسر کی اور اپنے ایمان کی راہ میں طرح طرح کی آزمائشوں کی بھٹیوں میں جھونکے گئے اور ان کی زندگی دنیا میں زہد اور جہاد فی سبیل اللہ میں گزری اور ان میں سے ہزاروں صحابہ اپنے وطنوں اور گھروں سے دور جا کر زمین کے گوشوں میں قتل ہوئے، وہ اس جہاد سے کون سی دنیا کا ارادہ رکھتے تھے۔

کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں شہید ہونے والوں کے لیے اللہ کی اس مدح اور ثنا میں کوئی حصہ نہ ہو؟!

کیا یہ اللہ عزوجل پر بہتان نہیں ہے کہ اس نے کثرت کے لفظ سے تعریف کی ہو اور وہ صرف (چار شخصوں) پر منطبق ہو؟! چنانچہ لوگ ان کے ساتھ دھوکے میں پڑ جائیں اور وہ ان کی تعظیم اور تعدیل کرنے لگیں اور ان کی روایات قبول کرنے لگیں اور وہ آپ لوگوں کے گمان کے مطابق اس ثناء کے برعکس ہوں؟!

پھر کیا اس زمانی عرصے میں امت چھپ گئی اور اس میں کوا ایسا آدمی نہ رہا (جو اس آیت میں بیان شدہ) ثنا میں داخل ہو: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ [آل عمران: 110] کیونکہ ظلم برپا ہوا یا اس شر کے ساتھ ساتھ خیر بھی موجود رہی اور اس کی مقدار زیادہ رہی۔ مزید برآں اس امت میں خیریت کا تسلسل اور اس کا عروۃ الوثقیٰ قیامت تک رہے گا اور ان شاء اللہ کبھی منقطع نہ ہو گا؟!

ii: اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾[البقرۃ: 152]

"جیسا کہ (ہم نے تم پر احسان کیا کہ) ہم نے تمہارے اندر رسول بھیجا جو تم میں سے ہے، وہ تم پر ہماری آیات پڑھتا ہے اور تمہیں (رذائل اخلاق سے) پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں اس چیز کی تعلیم دیتا ہے جسے تم نہیں جانتے تھے۔"

یہ آیت کئی امور کو ثابت کرتی ہے:

پہلا امر: امت پر اللہ تعالیٰ کا احسان: اور امت کی پہلی صفوں میں پہلا گروہ وہ ہے جس کی طرف خطاب کا رخ ہے (تم میں سے رسول، تمہارے اوپر، تمہارا تزکیہ نفس کرتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے۔

اور میں گمان نہیں کرتا کہ کوئی عقل من انسان یہ دعویٰ کرے کہ مخاطبین اس احسان میں داخل نہیں ہیں۔

دوسرا امر: احسان کی ان انواع میں سے ایسا احسان جو اللہ نے ان پر کیا وہ یہ کہ اس نے ان میں اپنا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھیجا جو ان کا تزکیہ کرتا ہے یعنی ان کو پاک کرتا ہے۔ کیا یہ نعمت ثابت ہوئی اور اس نے (امت کے اولین) مخاطبین کو پاک کیا یا نہیں کیا؟!

امام ابن کثیر اپنی تفسیر (335/1) میں فرماتے ہیں:

يُزَكِّيْهِمْ کا معنی ہے کہ وہ انہیں رذائل اخلاق اور نفس کی میل اور جاہلیت کے افعال سے پاک کرتا ہے۔

اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ کیا ان کے ساتھ جتنے تھے وہ سارے پاک ہو گئے حتیٰ کہ منافقین بھی؟

ہم کہتے ہیں کہ خطاب ان مومنوں سے ہے ان کے ساتھ تھے جو امت میں مشہور تھے اور وہ آپ کی صحبت کی وجہ سے مشہور تھے چنانچہ وہ وہ پہلے خوش نصیب جو خطاب میں داخل ہوئے۔

iii: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾[آل عمران: 110]

”(اے گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم اب) تم (دنیا کے اندر) بہترین امت ہو جو لوگوں (کی راہنمائی) کے لیے مبعوث کیے گئے ہو۔“

تمام مفسرین متفق ہیں کہ اس امت پر اللہ کی ثنا میں صحابہ کرام داخل ہیں۔ پھر انہوں نے باقی امت کی شمولیت میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں مکہ سے مدینہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ [1]

اور ان میں سے کسی نے کہا ہے: اس سے مراد یہ تمام امت ہے (حوالہ مذکور) اور تمام مفسرین کے اقوال ان دو معنوں سے تقریباً باہر نہیں نکلتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یا تو مہاجرین صحابہ کی ثنا بیان کی ہے یا پھر تمام امت کی۔

اور یہ بات (آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ) آشکارا ہے کہ اولین گروہ کا اس ثنا میں وافر حصہ ہے کیونکہ دین کے مددگار اور اس کے راوی ہیں اور اصلاح اور تقویٰ کے جتنے اسباب ان کو وافر مقدار میں حاصل ہوئے اتنے ان کے غیر کو حاصل نہ ہوئے۔

اور اللہ نے ضمیر خطاب کے ساتھ مطلق ثنا کی ہے پس کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ اللہ عزوجل تمام امت کو اپنے الفاظ سے خطاب کرے جس کا پہلا لفظ كُنْتُمْ ہو اور وہ صرف چار اشخاص تک محدود ہو اور باقی لوگ یا تو کفار اور مرتد ہیں یا وہ ظالم اور فاسق ہیں؟!

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ!!

iii: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾

[الحدید: 10]

”تم میں سے وہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (جہاد فی سبیل اللہ میں اپنا مال) خرچ کیا اور قتال کیا، وہ لوگ درجے کے اعتبار سے عظیم تر ہیں ان لوگوں

---

[1] دیکھیے: تفسیر طبری: 29/11

سے جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا اور سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ خبر رکھنے والا ہے ان اعمال کی جو تم کرتے ہو۔"

امام رازی تفسیر کبیر (220/29) میں فرماتے ہیں: اور جان لو کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے جس سے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور اللہ کے دشمنوں سے لڑائی کا صدور ہوا ہے وہ رتبے کے اعتبار سے عظیم تر ہیں ان لوگوں سے جن یہ دونوں اعمال فتح مکہ کے بعد صادر ہوئے۔

اس نے یہاں تک کہا: دونوں فریقین میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے باوجود درجات کے متفاوت ہونے کے۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر نص ہے جنہوں نے فتح مکہ یا ایک قول کے مطابق صلح حدیبیہ سے پہلے اپنا مال اللہ کے دین کی نصرت کے لیے خرچ کیا اور ان لوگوں کی فضیلت پر بھی جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا ان دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کے ساتھ اس نے نیک اجر یعنی جنت کا وعدہ کیا ہے۔

کیا یہ وعدہ بڑی جماعت کے ساتھ ہے یا صرف چار شخصوں سے؟! اور کیا اس وعدے میں حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم داخل ہیں یا نہیں؟! اگر کہا جائے کہ ہاں، تو یہ آیت کا مفہوم ہے۔

اور اگر کہا جائے: نہیں، تو اس کی کیا دلیل ہے؟ پھر اگر کوئی شخص کہے: ان میں سے کوئی بھی اس میں داخل نہیں نہ وہ اور نہ علی رضی اللہ عنہ تو اس کا کیا جواب ہو گا؟!

اگر کہا جائے کہ سنت سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان میں سے ہے تو کہا جائے گا کہ اسی طرح سنت سے ثابت ہے کہ وہ سب صحابہ اس میں داخل ہیں۔

iv: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿١٨﴾﴾ [الفتح: 18]

"اللہ ان مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے چنانچہ اس نے وہ (پختگی ایمان) جان لی جو ان کے دلوں میں تھی چنانچہ اس نے ان

پر اطمینان نازل فرمایا اور ان کو جلد ظاہر ہونے والی فتح سے نوازا۔"

یہ بیعت سنن اور تفاسیر کی بہت کتابوں میں بیان ہوئی ہے اور صحیح مسلم (ص: 1483) میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ان کی تعداد بھی بیان ہوئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن ہم ایک ہزار چار صد کی تعداد میں تھے چنانچہ ہم نے آپ ﷺ سے بیعت کی۔

امام ابن کثیر اپنی تفسیر (342/7) میں فرماتے ہیں: اللہ ان مومنوں سے اپنی خوشنودی کی خبر دے رہا ہے جنہوں نے درخت کے نیچے حضرت رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی خبر ہے کہ وہ ان مومنین سے راضی ہو گیا اور یہ خبر ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے اور ان سے اس کے راضی ہونے کا پتا دیتی ہے اور جب اللہ عزوجل کسی شخص اور قوم سے راضی ہو جائے پھر وہ ان پر ناراض نہ ہو گا کیونکہ اللہ کی رضامندی ان کے ایمان پر استمرار کی دلیل ہے۔ پس کیا یہ تمام لوگ مومنین تھے؟ یا ان میں سے اکثر؟ یا ان میں سے قلیل تھے؟

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کس طرح ان الفاظ سے خطاب فرما رہا ہے جو تمام (شرکاء بیعت) سے خوش نودی کو ثابت کرتے ہیں اور ان سے مراد چار اشخاص ہوں؟!

vi: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ Ċ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ Ď﴾

[الحجرات: 7-8]

"اور تم جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول ﷺ ہے اگر وہ بہت معاملات میں تمہاری رائے مان لیں تو تم مشکل میں پھنس جاؤ گے، لیکن اللہ نے تمہاری طرف ایمان کو محبوب بنایا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کیا ہے اور کفر، فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا ہے اور ایسے لوگ راست رو ہیں۔ اللہ کے فضل اور اس کی نعمت سے اور اللہ

جاننے والا، حکمت والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کی ذات پر احسان کا تذکرہ کر رہا ہے کہ اس نے ان کی طرف ”ایمان کو محبوب کر دیا“ اور ”اسے ان کے دلوں میں سجادیا“ الی آخرہ دیگر انعام!

تو کیا یہ انعامات گروہ صحابہ کے بارے میں برحق ثابت ہوئے یا نہیں؟ اگر یقیناً ہوئے: تو کیا یہ جائز ہے کہ ان کی عدالت اور دین پر تہمت لگائی جائے اور اعتقاد رکھا جائے کہ وہ بدل جائیں گے اور بدل دیں گے اور وہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کریں گے ؟!

اور اگر آپ کہیں کہ یہ انعامات ان پر ثابت نہیں ہوئے تو یہ اللہ سبحانہ پر ردّ ہے کہ اس نے اس احسان کا ذکر کیا جو عملاً واقع نہیں ہوا تھا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے ک ہاللہ اس انعام کا ذکر کر یئے جس کی کوئی حقیقت ہی نہ ہو؟

یا کیا وہ ان پر احسان کا ذکر کر سکتا ہے جن کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ وہ اس سے نکل جائیں گے ؟!

ہم تو یقینی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ان پر انعام کیا اور اس کی نعمت ان پر پوری ہوئی اور وہ ایمان پر زندہ رہے اور ایمان پر ہی فوت ہوئے اور وہ پاک باز اور نیکوکار تھے اللہ ان سے راضی ہو اور ہمیں ان کے ساتھ کرامت والے گھر میں ملائے۔

vii: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۴ ﴾

[المائدة: 54]

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو کھڑا کرے گا جو اس کو محبوب ہوں گے اور وہ ان کو محبوب ہو گا وہ مومنوں

اور کسی طعنہ زن اور ملامت گیر سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ وسیع علم رکھنے والا ہے۔"

اور یہاں بہت سے امور غور طلب ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

اولاً: آیت ہذا میں جملہ شرطیہ اور اس کا جواب ہے، یعنی جب شرط کا فعل پایا جائے تو لامحالہ اس کا جواب بھی پایا جائے گا۔

اور حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے عربوں میں ارتداد پایا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس ارتداد کے مقابلے میں کھڑا کیا اور ان کے ساتھ ان کے بھائی عظماء صحابہ رضی اللہ عنہم تھے چنانچہ انہوں نے مرتدین سے قتال کیا اور انہیں اسلام کی طرف لوٹایا۔

اگر شیعہ اقرار کریں کہ ارتداد رونما ہوا، تو یہی حقیقت ہے اور انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اقرار کر لیا۔

اور اگر وہ انکار کریں تو وہ مناظرے کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ بدیہیات (آفتاب نصف النہار کی روشنی کی انکار) مباحثہ کے مخالفت کی اہلیت کو ساقط کر دیتا ہے اور اگر وہ کہیں کہ ابو بکر اور ان کے بھائی صحابہ مرتد ہو گئے تھے تو ہم کہیں گے کہ اللہ نے وعدہ کیا تھا اور شرط لگائی تھی۔ کہ اگر ارتداد رونما ہوا، تو ضروری ٹھہرا کہ وہ ایسے لوگوں کو کھڑا کرے جو مرتدین سے جہاد کریں۔ تو وہ لوگ کہاں گئے جن سے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا؟!

ثانیاً: حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت اور ان کے اخلاق میں غور کرنے والا دیکھے گا کہ ان میں یہ صفات وافر مقدار میں موجود تھیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے مومن بھائیوں کے حق میں بڑے نرم خو تھے (اور کفار کے حق میں) اس قدر ہیبت ناک تھے کہ ان سے حکومتیں ڈرتی تھیں آپ رضی اللہ عنہ نے جہاد کرنے کے لیے لشکروں کو روانہ کیا اور اس وقت مسلمانوں کی قلت تعداد کے باوجود مرتدین سے جنگ کرنے میں لمحہ بھر تاخیر نہیں کی۔

ثالثاً: (مذکورہ بالا اوصاف حمیدہ) حضرت ابو بکر الصدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کی افواج میں ثابت ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور بعض وہ صحابہ بھی جو

بعد میں ان کے ساتھ مل لڑے۔

اور یہ اخلاق خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ادوار خلفات میں متوافر رہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں چند اخلاق موقوف ہوئے لیکن مکمل طور پر موقوف نہیں ہوئے تھے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ (مذکورہ بالا) آیت نے ان اقوام کی آمد کی قید لگائی ہے جو ارتداد کا شکار ہوں گی او رحضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ارتداد برپا نہیں ہوا تھا بلکہ ان کے اختیار کے بغیر فتنہ برپا ہوا تھا۔

اس آیت کریمہ سے استشہاد ہے کہ یہ وعدہ پورا ہوا اور حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائیوں پر اللہ کی نعمت پوری ہوئی، جو ان کی فضیلت اور ان کے ایمان اور ان کی عدالت کو مستحکم کرتی ہے۔

رابعًا: بہت سے امامی شیعہ دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہ مرتد ہوگئے تھے پھر وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ اور مسلمانوں کی وحدت کی حرص کی وجہ سے ان سے قتال ترک کیا تھا، تو حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے کیوں لڑائی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (صحابہ سے لڑائی) نہیں کی، کیونکہ (صحابہ کرام میں) ارتداد نہ تھا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کیوں لڑائی کی؟! آپ لوگوں کے سابقہ اصول کی بنا پر یہ بات افضل نہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی وحدت کی خاطر لڑائی نہ کرتے؟! کیا اس لڑائی کی وجہ سے مسلمانوں کا اتفاق نہ ٹوٹا؟! کیا مسلمانوں کے خون نہیں بہائے گئے؟!

یہاں آپ رضی اللہ عنہ کا قتال اس وجہ سے تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ منتخب امام تھے اور (حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان کے ساتھ) ان کا لڑائی نہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ منصوص امام نہ تھے اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ رضی اللہ عنہ اللہ کی طرف سے (منصوص امامت) پر تو نہ لڑیں اور (منتخب امامت) پر لڑائی کریں۔(عقیدے کی) صحت پر ہر طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے۔

viii: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۖ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِىۡ شَيۡـًٔا ؕ ﴾[النور: 55]

"اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے کہ وہ انہیں یقیناً زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے اس دین کو استحکام بخشے جو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور وہ یقینا ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا وہ میری بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں گے۔"

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں غور طلب امور:

اولاً: اللہ عزوجل کا ان صحابہ سے وعدہ جو ایمان لائے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے کہ وہ ان کو ضرور خلیفہ بنائے گا اور اکو اقتدار عطا کرے گا۔ (موعود: کیا ہوا وعدہ)

اور اس یقینی وعدے کو ایمان اور عمل صالح سے مقید کیا گیا ہے تو کیا وہ کیا ہوا وعدہ پورا ہوا؟!

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایمان اور عمل صالح پایا جائے گا تو وہ کیا ہوا وعدہ بھی پورا ہو گا اور اگر کیا ہوا وعدہ پورا ثابت ہوا تو ایمان اور عمل صالح بھی ثابت ہو گیا۔

ثانیاً: کیا وہ وعدہ پورا ہوا؟!

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ عزوجل نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خلیفہ بنایا اور ان کے لیے دین کو مستحکم کیا اور انہوں نے خلفائے دین کی زندگی میں امن و سکون سے زندگی بسر کی اور ان کے ذریعے (کفر کی) زمین کو فتح کیا۔

اور یہ ان کے ایمان اور عمل صالح کے ثبوت کی دلیل ہے، کیونکہ اس وعدے میں خطاب ہے: اگر امت کے لیے ہے تو صحابہ کرام ان لوگوں سے پہلے درجے میں ہیں جن کی طرف خطاب کا رخ ہے اور اگر ان کے لیے خصوصی خطاب جیسا کہ نص سے روز روشن کی طرح آشکارا ہے۔ تو وہ موعود (جن سے وعدہ کیا گیا ہے) ہیں۔

ثالثاً: ان کے ہاتھوں پر اللہ کے وعدے کا پایہ تکمیل تک پہنچنا ان کے ایمان کی شہادت ہے اور

سوائے گمراہ اور مبتدع کے امت میں کوئی فرد بشر ان کے ایمان میں شک نہیں کرتا۔ اگر امت مسلمہ کو فاسد عقائد رکھنے والوں اور دل کے مریضوں سے واسطہ نہ پڑتا تو ہمیں ان کے (پہاڑوں سے زیادہ مضبوط) ایمان کے دفاع کی ضرورت نہ پڑتی۔ واللہ المستعان

رابعًا: یہ آیت کریمہ قرآن کریم کی خبروں کے بارے میں اعجاز کے دلائل میں سے ہے کیونکہ اللہ عزوجل اس آیت میں امت محمدیہ کے اقتدار میں آنے کی خبر دی ہے تو جس طرح اس نے خبر دی ایسا ہی ہوا اور یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔

112۔ آنجناب نے کہا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور ان کے بعد ان کے قائم مقام ہیں اور اس بات پر اخبار نبویہ اور آثار صحابہ ثابتہ دلالت کرتے ہیں۔ پھر آپ نے اہل السنہ کی کتابوں سے احادیث درج کی ہیں:

یہاں چند غور طلب مقامات ہیں:

اولًا: آپ لوگ کس طرح ضالین اور فاسقین صحابہ کی روایات سے استدلال کرسکتے ہیں، جو یا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہوگئے یا فاسق ہوگئے اور آپ لوگ تو (اپنے دعوے کے مطابق) فاسقوں اور کافروں کی روایات سے استدلال نہیں کرتے؟!

ثانیًا: ہم لوگ آپ کی کتابوں سے صحیح روایات کس طرح حاصل کرسکتے ہیں اور آپ لوگ جانتے بھی ہیں کہ وہ مجاہیل اور ضعفاء راویوں سے مروی ہیں۔

ثالثًا: آپ نے ان کتابوں سے روایات پیش کی ہیں جو اہل السنہ کے ہاں ناقابل اعتماد ہیں، کیونکہ ان میں ضعیف اور موضوع روایات کی کثرت ہے اور آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ ”اخبار نبویہ صحیحہ“ ہیں۔

چنانچہ آپ نے معجم طبرانی اور تاریخ ابن عساکر اور فضائل صحابہ سے روایات پیش کی ہیں اور ان کتابوں میں بعض کتابیں تیسرے مرتبے میں اور بعض چوتھے مرتبے میں آتی ہیں اور ایسی معتبر کتابوں کو چھوڑنا جو پہلے یا دوسرے مرتبے میں آتی ہیں اور ان کتابں کو لینا جو تیسرے یا چوتھے مرتبے کی کتابوں کو لینے پر علماء نے عیب لگایا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ (1/133-135) میں فرماتے ہیں کہ (حدیث کی کتابیں مختلف طبقات اور متباین منازل پر ہیں، لہٰذا کتب حدیث کے طبقات کی شناخت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔۔۔ پھر فرماتے ہیں (صحت اور شہرت کے اعتبار سے ان کے چار طبقات ہیں۔

آگے فرماتے ہیں: پہلا طبقہ: تین کتابوں میں منحصر ہے موطا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔

دوسرا طبقہ: سنن ابو داود، جامع ترمذی، مجتبیٰ نسائی اور قریب تھا کہ مسند احمد اس طبقہ میں شامل ہو جاتی۔۔۔ لیکن ان میں درجہ نہیں پا سکی۔

تیسرا طبقہ: ایسی مسانید اور جوامع اور مصنّفات جو بخاری و مسلم سے پہلے اور ان کے دور اور ان کے بعد میں تصنیف ہوئیں، جنہوں نے صحیح، حسن، ضعیف، شاذ، منکر، غلط، درست، ثابت اور مقلوب روایات جمع ہو گئیں۔

چوتھا طبقہ: خطیب اور ابو نعیم اور ابن عساکر کی کتابیں۔۔۔

اور طبقہ خامسہ۔۔۔

سنت کی کتب کے طبقات ذکر کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: جبکہ تیسرے طبقے پر سوائے ماہرین (علوم شرعیہ) کے کوئی شخص براہ راست عمل کرنے یا اس کے ساتھ حکم لگانے کی جسارت نہ کرے۔۔۔ انہوں نے یہاں تک کہا: ہاں، متابعات اور شواہد میں ان سے (احادیث اور آثار) لیے جا سکتے ہیں۔ یعنی استدلال میں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

پھر فرمایا: جبکہ چوتھے طبقے کی روایات کو جمع کرنے میں مشغول رہنا یا ان سے استنباط کرنا متاخرین کی ایک نوع کا تعمق ہے اور اگر تم اس حقیقت کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو روایض اور معتزلہ وغیرہ مبتدعین کے گروہوں کو دیکھ لو وہ اپنے مذاہب کی نصرت کے لیے معمولی سی توجہ سے وہاں سے شواہد ڈھونڈ لیتے ہیں جبکہ حدیث کے علماء سے معرکوں میں ان سے مدد حاصل کرنا صحیح نہیں ہے۔

113۔ آنجناب نے یہاں وصیت کے متعلق پانچ روایات پیش کی ہیں، جنہیں ہم یکے بعد دیگرے ان پر گفتگو سمیت درج کریں گے پہلی حدیث: حدیث سلمان رضی اللہ عنہ، آپ نے کہا: طبرانی نے اپنی سند سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول،

ہر نبی کا وصی ہوتا ہے لہٰذا آپ ﷺ کا وصی کون ہے؟ آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا: بے شک میرا وصی اور میرے راز کی جگہ اور میں اپنے بعد جن کو چھوڑوں گا ان میں سے بہتر اور میرے وعدے کو پورا کرنے والا اور میرا قرض ادا کرنے والا علی بن ابی طالب ہے۔ [1]

یہاں چند توجہ طلب مقامات ہیں:

اولاً: طبرانی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: وصی کہ آپ ﷺ ان کو اپنے گھرانے کے بارے میں وصیت نہ کہ خلافت اور آپ ﷺ کے قول ((خَیْرٌ مَنْ اَتْرُكَ بَعْدِیْ مِنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ ﷺ)) سے مراد مطلقاً افضل نہیں بلکہ اپنے اہل بیت میں افضل فرمایا ہے۔

ثانیاً: اسی طرح ہیثمی نے بھی طبرانی کا قول ذکر کیا ہے لیکن آپ نے اسے ذکر نہیں کیا نہ طبرانی کی روایت سے اور نہ ہیثمی کے تعاقب سے۔

ثالثاً: ہیثمی نے کہا ہے: اور اس کی سند میں متروک راوی، ناصح بن عبد اللہ سے اور آپ نے اس کا بھی ذکر نہیں کیا اور آپ متروک کا معنی بھی جانتے ہیں اور پھر کہتے ہیں: اس پر اخبار نبویہ صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔

رابعاً: اس روایت کے راوی (ناصح بن عبد اللہ) کے بارے میں علماء کے اقوال: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں (منکر الحدیث) امام فلاس فرماتے ہیں: متروک امام الجرح والتعدیل ابن معین فرماتے ہیں: لَیْسَ بِشَیْءٍ۔ [2]

آپ اسے کس طرح صحیح قرار دیتے ہیں جس کے ایک ہی راوی کا یہ حال ہے؟!

خامساً: امام ذہبی رحمہ اللہ میزان الاعتدال (240/4) میں اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: هٰذَا خَبَرٌ مُّنْکَرٌ کہ یہ منکر خبر ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت باطل ہے اور صحیح نہیں اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے دین یا دنیا کے بارے میں اس طرح کی روایت سے دلیل پکڑتے۔

---

[1] معجم کبیر: 221/6۔ مجمع الزوائد: 113/9۔ فتح الباری: 114/8

[1] دیکھیے: میزان الاعتدال: 240/4

دوسری حدیث: حضرت انس بن مالک سے، آپ نے کہا ہے: اور امام احمد بن حنبل نے انس بن مالک سے اور اس نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا وصی اور وارث اور میرا قرض ادا کرنے اور میرے وعدے پورے کرنے والا علی بن ابی طالب ہے۔ ❶

میں کہتا ہوں: یہاں چند غور طلب مقامات ہیں:

اولاً: میں نے اس روایت کو امام احمد کے ہاں "فضائل" میں نہیں پایا، جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے، یہ تو وہ گزشتہ روایت ہے اس کے لفظ بھی اس روایت کے لفظ کی طرح ہیں، لہٰذا یہ دو حدیثیں نہیں ہیں جیسا کہ آپ نے بیان کیا: امام احمد نے اپنی سند سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت سلمان سے کہا: نبی ﷺ سے ان کے وصی کے بارے میں پوچھیے۔ تو سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کا وصی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: موسیٰ کا وصی کون تھا؟ اس نے کہا: یوشع۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا وصی۔۔۔ الخ

اور سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ آپ ﷺ سے ان کے وصی کے بارے میں پوچھیں تو آپ ﷺ اس کو خبر دیں پھر وہ لوٹ کر دوسری مرتبہ پوچھیں۔ اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو تو۔

ثانیاً: یہ روایت (مطر بن میمون موچی) کی روایت ہے، امام بخاری، امام ابو حاتم اور امام ساجی فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ ❷

اور امام ابن حبان کتاب المجروحین (5/3) میں فرماتے ہیں: یہ ان لوگوں میں سے ہے جو اثبات کے نام سے موضوعات روایت کرتا ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں روایات بیان کرتا ہے جو ان کی احادیث میں سے نہیں ہیں، اس سے حدیث روایت کرنا حلال نہیں۔

ثالثاً: اس روایت پر علماء نے وضع کا حکم لگایا ہے، ابن جوزی نے اسے موضوعات (374/1) میں درج کیا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے مطر مذکور سے دو روایتیں جن میں سے ایک یہ ہے ذکر کرنے

---

❷ فضائل الصحابۃ: 215/2، ح: 1052

❸ دیکھیے: میزان الاعتدال: 127/4

کے بعد کہا ہے۔ کلاهما موضوعان۔ ❶

رابعًا: روایت کی سند کی معرفت کے بعد اور محقق "فضائل الصحابہ" پر آپ کے واقف ہونے کے باوجود آپ کو یہ کہنا اچھا لگتا ہے (اخبار نبویۃ صحیحۃ) اور اس سے آپ ایسے "عقیدے" پر استدلال کرتے ہیں جو صحابہ پر طعن اور امت میں تفرقے تک پہنچتی ہے۔

تیسری حدیث: آنجناب نے لکھا ہے، ابن عساکر نے بریدہ سے اور اس نے نبی کریم ﷺ روایت کیا ہے کہ ہر نبی کا وصی اور وارث ہوتا ہے اور علی میرا وصی اور وارث ہے۔ ❷

اولًا: کیا تاریخ کی کتابیں اس لائق ہیں کہ انہیں عقائد کی بنیاد کے لیے سند بنا جائے؟!

ثانیًا: المناقب کی کتاب کے مولف نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو توراثت اس چیز پر محمول ہو گی جس کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ اس نے پوچھا: یارسول اللہ! میں آپ سے کسی چیز کا وارث ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: جس چیز کے انبیاء ایک دوسرے سے وارث ہوتے ہیں: کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت: میں نے ذخائر العظمٰی فی مناقب ذوی القربٰی کے سوا کسی مصدر حدیث میں اس روایت کو نہیں پایا۔

پھر اس نے وصیت کی تفسیر میں دیگر روایات بیان کی ہیں پھر کہا ہے اس تاویل کو وہ صحیح احادیث جو وراثت اور وصیت کی نفی میں وارد ہوئی ہیں تقویت دیتی ہیں اور آپ ﷺ نے ان کی طرف کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے سوا کسی چیز کا عہد نہیں لیا جس میں اونٹوں کی عمروں اور دیت۔۔۔ وغیرہ کے مسائل تھے۔ ❸

اور وہ حدیث جس کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے وہ کتب صحاح میں ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تھی: یا تو ابتداءً یا کسی سائل کے جواب میں کہی تھی، اس میں سائل نے پوچھا تھا کہ اللہ کی کتاب میں جو کچھ ہے اس کے علاوہ آپ کے پاس وحی کی کوئی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم جس نے بیج کو پھاڑا اور جان کو

---

❶ دیکھیے: میزان الاعتدال: 127/4

❷ تاریخ دمشق: 392/42۔ المناقب، ص: 42، 85

❸ ذخائر العظمٰی فی مناقب ذوی القربی، ص: 131، 132

پیدا کیا، میں وہی کچھ جانتا ہوں جسے قرآن میں سمجھ کی صورت میں اللہ کسی آدمی کو عطا کرتا ہے اور وہ چیز جو اس صحیفہ میں ہے۔ سائل نے کہا: میں نے پوچھا: اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدی کو آزاد کرنا اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔ اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابوجحیفہ اور ابراہیم بن یزید التیمی نے اپنے باپ سے اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ابوالطفیل اور طارق بن شہاب نے اور حارث بن سوید اور ابوحسان نے روایت کیا۔ [1]

ان کے الفاظ تمام کے تمام اس معنی کو ثابت کرتے ہیں جو مثبت لفظ میں بیان ہوئے ہیں۔

یہ حدیث جو (صحیح اسناد سے) حضرت علی سے ثابت ہے ہر اس دعوے کو جھٹلا رہی ہے جو بعض باطل روایات میں آیا ہے، اس شخص پر تعجب ہے جو صحاح کی ان روایات کو چھوڑ کر تاریک روایات سے استدلال کرتا ہے جو یا تو مکذوبہ ہیں اور یا ضعیف ہیں۔

ثالثاً: یہ روایت جو آپ نے ذکر کی ہے ابن جوزی نے اسے موضوعات (376/1) میں ذکر کیا ہے۔ (376/1) میں درج کیا ہے۔

چوتھی حدیث: آنجناب نے کہا ہے: طبرانی نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیا پس آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا ذکر خاتم الاوصیاء اور وصی خاتم الانبیاء سے کیا۔ [2]

اور اسے ہیثمی نے مجمع الزوائد (146/9) میں روایت کیا اور اس کا تعاقب کیا اور اس کو احمد نے بہت سے اختصار سے کیا اور احمد کی سند اور بزار اور طبرانی کے طرق حسن ہیں اور ان کے قریب قریب ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (63/1) میں حضرت انس سے روایت کیا ہے۔

یہاں غور طلب مقامات ہیں:

---

[2] دیکھیے: صحیح بخاری، ح: 298۔ صحیح مسلم، ح: 3281۔ احمد، ح: 616۔ ترمذی، ح: 1411۔ دارمی، ح: 2358۔ مسلم، ح: 5082۔ احمد، ح: 1219۔ ابن حبان، ح: 6490۔ احمد، ح: 965، 1310، 962

[1] معجم الاوسط: 336/2

اولاً: طبرانی، اوسط میں اس لفظ کے ساتھ متفرد ہے اور اس کے سوا دیگر نے اس لفظ سے اسے روایت نہیں کیا اور آپ نے جو مصادر ذکر کیے ہیں ان میں سب بغیر لفظ خَاتَمُ الْاَوْصِیَاءِ وَ وَصِیُّ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ کے ان اثر کو روایت کیا ہے، اس صورت حال میں مذکورہ طرق اس روایت کی تقویت کے لیے درست نہیں۔

ثانیاً: دیگر روایات علت سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ احمد کی روایت میں شریک بن عداللہ ہے اس کے متعلق اس کے بیٹے نے کہا ہے: میرے والد کے پاس جابر جعفی کے دس ہزار مسائل تھے اور دس ہزار غرائب تھے اور ابن مبارک فرماتے ہیں: شریک کی روایت کسی کام کی نہیں اور اس کے بارے میں علماء کا کلام بہت ہے اور مسند احمد کی دوسری روایت (119/1) میں عمرو بن حبشی ہے جو مجہول الحال ہے۔ ❶

ثالثاً: اس روایت کی سند میں سلام بن ابی عمرہ ہے۔ اس کے بارے میں ابن معین کہتے ہیں: حَدِیْثُہٗ لَیسَ بِشَیءٍ اور ابن حبان نے کہا ہے: لَا یَجُوْزُ الْاِحْتِجَاجُ بِہٖ اور ابن جوزی نے کہا ہے: وَاھِی الْحَدِیْثِ

رابعًا: اس (محدثانہ جرح) سے ثابت ہوا کہ یہ روایت صحیح نہیں اور دین کے مسائل میں اس طرح کی روایات کو دینی مسائل میں حجت بنانا جائز نہیں ہے۔

پانچویں حدیث: آنجناب نے کہا ہے: اور طبرانی نے علی بن علی ہلالی سے اور اس نے اپنے باپ سے حضرت رسول اللہ ﷺ کا حضرت فاطمہ علیہا السلام سے یہ قول روایت کیا ہے: وَ وَصِیُّ خَیْرِ الْاَوْصِیَاءِ، وَ اَحَبُّھُمْ اِلَی اللّٰہِ بَعْلُکَ ❷ اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں ہیثم بن حبیب ہے، ابوحاتم نے کہا ہے مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ وَ ھُوَ مُتَّھَمٌ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ۔ ❸ اور دیگر حدیث میں کہا ہے اسے میں ہیثم ہے اور جب کہ ہیثم بن حبیب میں نے سوائے ذہبی کے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اس میں کلام کرتا ہو اور اس نے اس کو ایک خبر روایت کرنے

---

❷ ثقات ابن حبان: 173/5

❶ معجم الاوسط: 327/2۔ تاریخ دمشق: 130/42

❷ مجمع الزوائد: 66/9

پر متہم کیا ہے اور اسے ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ❶

لہٰذا ابوہاتم اور اس کی متابعت میں ذہبی کی جرح اور ابن حبان کی توثیق میں تعارض واقع ہو گیا۔ کیونکہ ذہبی نے ابوہاتم کے بارے میں کہا ہے: اور جب وہ کسی راوی کو کمزور قرار دے یا اس کے بارے میں کہے: لَا يُحْتَجُّ بِهٖ تو توقف کر یہاں تک کہ تو دیکھ لے کہ اس کے سوا کوئی (جرح و تعدیل کا امام) اس کے متعلق کیا کہتا ہے۔ اگر کوئی اسے ثقہ قرار دے تو پھر تو ابوہاتم کی جرح پر بنیاد نہ رکھ کیونکہ وہ رجال میں سخت ہے۔ ❷

اور یہاں کئی توجہ طلب مقامات ہیں:

اولاً: مذکورہ بالا روایت میں علی بن علی کا تراجم (رجال) کی کتابوں میں ذکر نہیں پایا جاتا۔

ثانیاً: طبرانی کے شیخ (محمد بن زریق بن جامع) کا بھی تراجم (رجال) کی کتابوں میں ذکر نہیں پایا جاتا۔

ثالثاً: علی بن ہلال کی صحبت ثابت نہیں اور سوائے اس روایت کے کوئی چیز واضح نہیں کرتی کہ یہ صحابی ہو اور یہ روایت بھی درست نہیں جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔

رابعاً: اس روایت کو طبرانی نے اپنی سند سے ہیثم بن حبیب سے اور اس نے سفیان بن عیینہ سے اور اس نے علی بن علی ہلالی بیان کیا ہے اور ابن عیینہ سے بیان کرنے والے اس راوی کے بارے میں ذہبی نے کہا ہے: ہیثم بن حبیب عن سفیان بن عیینہ مہدی کے بارے میں باطل خبر بیان کرنے والا، وہ اس خبر کی وجہ سے متہم ہے اس کے بعد ذہبی نے کہا ہے: جبکہ ہیثم بن حبیب جو عکرمہ سے اور حکم بن عتبہ سے اور اس سے شعبہ اور ابو عوانہ اور ایک جماعت بیان کرتی ہے۔ اس کو ابو حاتم نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ❸

اور ابن حجر (عسقلانی) نے ذہبی کے قول کی تائید کی ہے اور ان دونوں (ہیثم بن حبیب اور ہیثم بن حبیب) کے شیوخ کے ذکر کے ساتھ دونوں آدمیوں کے درمیان فرق کیا ہے۔

---

❸ ایضًا: 190/3

❹ سیر اعلام النبلاء: 260/13۔ مقدمة فتح الباری، ص: 441

❶ میزان الاعتدال: 320/4

خامسًا: ہیثمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مَنْ صَامَ يَوْمَ عَرَفَةَ كَانَ لَهُ كَفَّارَةُ سَنَتَيْنِ --- الخ بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ہیثم بن حبیب نے سلام الطویل سے روایت کیا ہے اور سلام ضعیف ہے جبکہ ہیثم بن حبیب کے بارے میں میں نے ذہبی کے علاوہ کسی کو کلام کرتے نہیں دیکھا، اس نے اس کو ایک خبر بیان کرنے کی وجہ سے متہم کیا ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ ہیثمی کا وہم ہے، اس حدیث میں ہیثم، سابق ہیثم سے متاخر ہے۔

سابق ہیثم، سفیان بن عیینہ سے روایت کرتا ہے اور وہ علی بن علی سے اور وہ اپنے باپ علی سے اور وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہے، اس کے اور حضرت نبی کریم کے درمیان صرف تین اشخاص کا واسطہ ہے اور وہ متقدم ہے اس ہیثم بن حبیب سے جس نے روزوں کی حدیث بیان کی ہے اور ذہبی کی جرح پہلے ہیثم پر ہے دوسرے پر نہیں۔

اسی لیے جب اس نے ان دونوں کا ترجمہ کیا ہے تو ان کے درمیان فرق کیا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اور ابن حبان نے اپنی کتاب میں پہلے ہیثم کا ذکر نہیں کیا بلکہ دوسرے ہیثم کا ذکر کیا ہے۔

سادسًا: ہیثم بن حبیب جس کا ابن حبان نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور اس کے بارے میں نہ جرح ذکر کی ہے نہ تعدیل اور علماء کے نزدیک اس طرح کے راوی کو مجہول الحال کا نام دیا جاتا ہے اور ابن حبان اپنی کتاب میں ہر اس راوی کا نام درج کرتے ہیں جس کو کسی نے مجروح نہ کیا ہو لیکن جب وہ کسی پر سکوت کرے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ وہ ثقہ ہے۔

لہٰذا ابن حبان کا کسی راوی کو اپنی کتاب ''الثقات'' میں درج کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ثقہ ہے جب تک وہ اپنے لفظ سے اس کی توثیق نہ کرے کیونکہ وہ بسا اوقات اپنی کتاب (الثقات) میں کسی راوی کو درج کرتا ہے اور اس پر سکوت کرتا ہے اور وہ اس کے نزدیک ثقہ نہیں ہوتا اور ذیل میں ہم اس کی مثالیں بیان کرتے ہیں:

i: اسحاق بن ابی یحیٰ الکعبی، اس پر اس نے (الثقات) میں سکوت کیا ہے اور (مجروحین) میں اس

کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے حجت پکڑنا حلال نہیں اور نہ ہی اس سے روایت کرنا حلال ہے الا یہ کہ وہ ثابت شدہ حکم کی تائید میں ہو۔

ii: اسماعیل بن محمد بن جحادہ الیمامی: اس پر ابن حبان نے (الثقات) میں سکوت کیا ہے اور مجروحین میں کہا ہے: جب یہ منفرد ہو تو حجت کی حد سے خارج ہے اور اسی طرح راویوں کی جماعت کا معاملہ ہے لہٰذا اس کے سکوت پر اعتماد صحیح نہیں ہے بلکہ جب وہ کسی راوی کی میں منفرد ہو تو اس کی تحقیق، تتقیب ضروری ہے کیونکہ وہ توثیق میں متساہل ہیں۔

سابعًا: آنجناب کا کہنا کہ پس تعارض واقع ہو گیا۔۔۔ الخ، آپ پر واضح ہو گیا کہ یہاں کوئی تعارض نہیں اور ہیثمی کو وہم ہو گیا اور اس نے گمان کیا کہ ہیثم بن حبیب ایک راوی کا نام ہے جبکہ ذہبی نے اور اس کی متابعت میں ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے کہ وہ دو راوی ہیں اور ابن حبان نے اپنی کتاب میں جس راوی کا ذکر کیا ہے وہ ثقہ راوی ہیثم بن حبیب ہے اور دونوں راویوں کے درمیان ان کے شیوخ کے ذکر کر کے فرق کیا ہے اور اس کے ساتھ واضح ہو گیا کہ یہاں تعارض نہیں ہے کیونکہ توثیق شدہ راوی، اس راوی سے جدا ہے جو مجروح ہے اور آخر میں: کای آپ نے دیکھا کہ آپ لوگ اسی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو صحیح نہیں ہیں اور ہم کسی مسلم کے لیے جائز نہیں سمجھتے کہ وہ امور دین میں ان سے استدلال کرے اور اگر ہم اس جیسی روایات سے استدلال کریں جو حضرت ابو بکر کے بارے میں ہماری کتابوں میں پائی گئی ہیں یا ان کے علاوہ دیگر خلفاء کے بارے میں ہیں تو کیا آپ گمان نہیں کرتے کہ ہم ایسی روایات پا سکتے ہیں؟ ہاں،

اگرچہ ہماری کتابوں میں اسی تہویلات اور مبالغات کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے جو آپ کی کتابوں میں ہے۔

114۔ آنجناب نے کہا ہے: بے شک وہ تضعیف جس کی بنیادی وجہ ذکر نہ کی جائے وہ غیر مقبول ہے جیسا کہ نووی نے کہا ہے کہ جرح وہی قبول کی جائے گی جو مفسر ہو اور وہ اس طرح کہ وہ سبب بھی بین کیا جائے جس کی وجہ سے راوی کو مجروح کیا گیا اور اس لیے بھی کہ لوگ اس معاملے

گواہی دی اس نے اس کے اعتقاد پر گواہی دی ہو۔ ❶

اور اس کے قریب ابن قدامہ سے بھی مروی ہے، ابن حجر نے دار قطنی کی یزید بن ابی مریم کی تضعیف کے بعد کہا ہے: ''یہ جرح غیر مفسر ہے جو مردود ہے۔'' ❷

خطیب نے کہا: میں نے قاضی ابو الطیب کو یہ کہتے سنا کہ جرح وہی قبول کی جائے گی جو مفسر ہو گی ۔۔۔ میں کہتا ہوں: ہمارے نزدیک یہ قول درست ہے اور حفاظ حدیث اور اس کے نقاد ائمہ اسی طرح گئے ہیں۔۔۔ جیسے بخاری مسلم۔ ❸

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: حدیث کا علم، ایک ایسا علم ہے جس کے ساتھ اہل السنہ دیگر طوائف کے درمیان سے مختص ہیں اور ان کے اس علم میں باریک بینیاں اور تخریجات ہیں جن کا فقط عامی نظر سے ادراک نہیں کیا جا سکتا۔

آنجناب کا قول: جس تضعیف کا بنیادی سبب ذکر نہ کیا جائے وہ غیر مقبول ہے۔

آپ نے اسے اام نووی کی طرف منسوب کرنے میں جلد بازی کی ہے۔

نووی اس قول کا قائل نہیں، بلکہ وہ اس کے برعکس کہتا ہے لیکن آجناب نے اس پر غور نہیں کیا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں علماء کے اقوال بیان کیے ہیں اور ان میں وہ قول بھی ہے جو آپ نے بیان کیا ہے پھر اس نے اس کے برعکس کو ترجیح دی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اور کیا جرح کے سبب کے ذکر کی شرط لگائی جائے گی یا نہیں؟ اس میں علما اس نے اختلاف کیا ہے۔ امام شافعی اور بہت سے علماء اس (جرح) کا سبب بیان کرنے کی شرط لگانے کی طرف گئے ہیں، کیونکہ وہ بسا اوقات اس کو مجروح شمار کرتے ہیں جس پر جرح کے اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان دونوں اقوال میں علماء میں علماء کا اختلاف ہے۔

---

❶ مجموع: 136/2۔ شرح صحیح مسلم: 181/10

❷ مقدمہ فتح الباری: 453

❸ دیکھیے: الکفایة فی علم الروایة، ص: 135

قاضی ابو بکر باقلانی دوسرے قول کی طرف گئے ہیں کہ اس کی شرط نہیں لگائی جائے گی۔

اور دیگر علماء اس طرف گئے ہیں کہ جو (اس فن کا) ماہر ہے اس کی جرح میں اس بات کی شرط نہیں لگائی جائے گی اور اس (فن سے ناواقف پر جرح کا سبب بیان کرنے کی) شرط لگائی جائے گی۔۔۔ انہی علماء نے یہاں تک کہا: اور اگر جرح اور تعدیل متعارض ہو جائیں تو محققین اور جماہیر کے پسندیدہ قول کی بنا پر جرح کو مقدم سمجھا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب تعدیل کرنے والے زیادہ ہوں گے تو تعدیل کو مقدم کیا جائے گا اور صحیح قول وہ ہے جو پہلا ہے کیونکہ جارح کسی ایسے پوشیدہ عمل پر مطلع ہوتا ہے جس سے تعدیل کرنے والا جاہل ہوتا ہے۔

ثانیاً: محققین کا جرح کے سبب کی شرط کو واجب کرنا وہ ان راویوں کے بارے میں ہے جن کی عدالت ثابت ہو چکی ہو، اس طرح کے راوی کے بارے میں جرح اس وقت ہو گی جب وہ مفسر ہو اور یہ شرط علی سبیل المثال بخاری و مسلم کے راویوں کے بارے میں ہے کیونکہ وہ راویوں کے بارے میں شدید چھان بین کرتے ہیں اور متابعات اور شواہد یا ان کے سوا دوسروں کو ملائے بغیر ضعفاء اور مجروحین کی روایات کو اپنی صحیحین میں درج نہیں کرتے۔ [1]

چنانچہ جمہور علماء کے نزدیک صحیحین کے راویوں کی عدالت ثابت ہو چکی ہے لہٰذا ان کے متعلق وہی جرح قبول ہو گی جو مفسر ہو گی۔ یہ ہے ابن حجر کا مقصد جو آپ نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا ہے: اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ صحیح (بخاری یا مسلم) کا کسی راوی کی روایت کو (اپنی صحیح میں) درج کرنا اس کے نزدیک اس کی عدالت، ضبط اور عدم غفلت کا مقتضی ہے، اس وقت جب ہم کسی دیگر کو ان کے کسی راوی پر طعن کرتے ہوئے پائیں گے تو اس کا یہ طعن اس امام کی تعدیل کے مقابلے میں ہو گا اور وہ اسی صورت میں قبول ہو گا جب وہ کوئی ایسا سبب بیان کرے جو اس راوی کی عدالت میں قادح (عیب لگانے والا) ہو [2] اور جب راوی مجہول ہو اور اس کی عدالت ثابت نہ ہو تو اس میں مطلق جرح قبول کی جائے گی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نزہۃ النظر (ص: 180) میں فرماتے ہیں کہ مختار (مذہب) میں اگر مجروح

---

[1] علل ترمذی اور اس کی شرح مولفہ ابن رجب بغدادی: 708/2

[1] دیکھیے: مقدمة فتح الباري، ص: 384

راوی، تعدیل سے خالی ہو تو اس پر بغیر بیان سبب کے مجمل جرح قبول کی جائے گی لیکن اس صورت میں کہ وہ کسی ماہر فن کی طرف سے صادر ہو اور باقی رہے وہ لوگ جن کے قول کو جرح و تعدیل میں قبول کیا جائے گا تو وہ اس فن کے ائمہ ہیں اور اس فن میں ان کی مہارت کی گواہی دی جاچکی ہو۔

امام ابن کثیر اپنی کتاب الباحث الحثیث (ص: 97) میں فرماتے ہیں: باقی رہے اس فن "جرح و تعدیل" کے ائمہ اجلاء کے اقوال تو ان کو اسباب کے ذکر کے بغیر سیڑھی بنانا چاہیے اور یہ اس لیے کہ اس فن میں ان کی معرفت، اطلاع اور دست گاہی اور انصاف کے ساتھ انصاف اور دیانت اور تجربہ اور خیر خواہی مسلم ہے اور ان سے پہلے ابن اثیر بھی اس قول کو پختہ کر چکے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جس شخص کو اس کی بصیرت اور اس کے ضبط کے ساتھ اعتماد حاصل ہو چکا ہو اس کی مطلق (جرح) پر اکتفا کیا جائے گا۔ ❶

اور ان سے پہلے ابن الطیب بھی اس اصول کو درست ٹھہرا چکے ہیں اور اسے جمہور علماء سے نقل کر چکے ہیں چنانچہ اس نے کہا: جمہور اہل علم کا قول ہے کہ جب کوئی ایسا عالم جرح کرے جو جرح سے واقف نہیں تو اس کا کشف کرنا واجب ہے اور انہوں نے اس عالم کی جرح کا حال معلوم کرنے کو واجب قرار نہیں دیا جو اس فن کے ماہر ہیں اور اسی بات کو خطیب بغدادی نے پسند کیا ہے چنانچہ اس نے الکفایہ (ص:178) میں کہا ہے: اور جو چیز ہمارے نزدیک قوی ہے وہ یہ کہ جب جرح کرنے والا (اس فن) کا عالم ہو تو اس کا سبب معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

میں کہتا ہوں: اور اسی پر رجال اور تراجم کی کتابیں تالیف کی گئی ہیں اور انہوں نے سپیشلسٹ علماء کی جرح کا سبب بیان کیے بغیر قبول کیا ہے اور محقق علمائے حدیث کا یہی مذہب ہے۔

ثالثاً: اور آپ نے جو ابن حجر کی طرف نسبت کی ہے اس میں بھی جلد بازی کی ہے کیونکہ ابن حجر اپنی کتاب میں ان عظیم مسائل کے متعلق بحث کرتا ہے جو صحیح بخاری کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور مطلق بحث نہیں کرتا اور اگر آپ بحث کو دل جمعی سے پڑھتے تو آپ اپنے ارادے کے مطابق اس قول کو اس کی طرف منسوب نہ کرتے۔

آپ نے یہ کلام مقدمہ صحیح بخاری کے صفحہ 453 سے نقل کی ہے۔ جو نویں فصل سے منسلک ہے

---

❷ دیکھیے: جامع الاصول: 127/1

اور اس کی ابتدا صفحہ 384 سے ہوئی ہے اور اس کا عنوان ہے: اس کتاب یعنی بخاری کے ان راویوں کے سیاق میں جن پر طعن کیا گیا ہے بترتیب معجم حروف کے اور جگہ جگہ ان اعتراضات کے جواب میں اور ان راویوں کی تمیز کرنے میں جن کی احادیث کو اصول یا متابعات اور استشہادات میں درج کیا گیا ہے اور ان تمام پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔

پھر وہ اس بات کو ثابت کرنا شروع کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا کسی راوی سے روایت کرنا اس کی تعدیل ہے اور جمہور علماء کا اس کو صحیح کا نام دینا بھی اس کی تعدیل کو ثابت کرتا ہے یعنی یہ تعدیل انتہا درجے کی قوت رکھتی ہے۔۔۔ انہوں نے یہاں تک کہا کہ اس وقت جب ہم کسی دیگر عالم کو ان راویوں میں سے کسی پر طعن کرتے ہوئے پاتے ہیں تو وہ طعن اس امام کی تعدیل کے مقابلے میں ہے لہٰذا وہ اسی وقت قابل قبول ہو گا جب وہ سبب طعن کو واضح اور مفسر کرے، کسی ایسے عیب کے ساتھ جو اس راوی کی عدالت میں قادح ہو۔ [1]

اس تناظر میں خصوصی طور پر بحث بخاری کے راویوں کے متعلق اور وہ عبارت جو آپ نے ابن حجر کے حوالے سے نقل کی ہے اس سے آپ نے وہ جز حذف کر دیا ہے جو مراد کی تفسیر کرتا ہے چنانچہ ابن حجر نے راوی مذکور (یزید بن ابی مریم دمشقی) کے بارے میں کہا ہے کہ اسے ابن معین، دحیم، ابوزرعہ، ابوحاتم اور دیگر ائمہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ وہ ایسا نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جرح غیر مفسر ہونے کی وجہ سے مروی ہے اور بخاری میں سوائے ایک حدیث کے اس سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ [2]

چنانچہ ابن حجر دارقطنی پر ردّ کر رہے ہیں جس نے صحیح کے رواۃ میں سے اس راوی پر جرح کی اور اس کی مراد عامہ اصول وضع کرنا نہیں ہے بلکہ صحیح کے راویوں کے بارے میں اصول ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ مذکور راوی، صحیح کے ان راویوں میں سے ہے جن کی حدیثوں کا اعتبار اس وجہ سے ہے کہ امام بخاری نے ان سے روایت لی ہے اور علماء کا ان کی صحیح کو صحیح سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لینا توثیق کے اعلیٰ درجات میں سے ہے بخاری کے اس طرح کے راویوں کے بارے میں صرف وہی جرح قبول ہو گی

---

[1] دیکھیے: مقدمة فتح الباری: 384/1

[1] مقدمة فتح الباری: 384/1، 453

جو مفسر ہو گی۔

115۔ آنجناب نے (ص: 38) پر کہا: اور صحابہ اور لغویین سے متواتر طور پر علی بن ابی طالب علیہ السلام پر وصی کا اطلاق ہے جیسا کہ طبرانی وغیرہ اور سلمان فارسی کی روایات میں بیان ہو چکا ہے اور اسی طرح ابو ایوب انصارف اور علی المکی الہلالی سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: ہم حدیث سلمان اور علی الہلالی پر بحث کر چکے ہیں اور ہم پر ان کا صحیح نہ ہونا آشکارا ہو چکا ہے اور علی المکی الہلالی (جس پر جرح بیان ہو چکی ہے کہ) وہ مجہول ہے۔

ثانیاً: ایسی روایات کو جو صحیح نہ ہو ان کی کثرت کا کیا فائدہ!!

ثالثاً: ابو ایوب کی روایت کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور وہ روایت یکے بعد دیگرے ضعیف اور غالی شیعہ راویوں سے مروی ہے۔ اس نے کہا: ہمیں احمد بن محمد بن عباس قنطری نے حرب بن حسن طحان سے اور اسے حسین بن حسن اشقر نے قیس بن ربیع سے بیان کیا اور اس نے اعمش سے اور اس نے عبایہ بن ربعی سے اور اس نے ابو ایوب انصاری سے روایت بیان کی۔۔۔ الخ

روایت کے راویوں کا حال:

طبرانی کے شیخ احمد بن محمد قنطری کا رجال کی کتب میں تذکرہ ہی نہیں۔ لہٰذا وہ مجہول العین اور مجہول الحال ہے!!

اور حرب بن حسن طحان کے بارے میں ازدی نے کہا ہے: اس کی روایت قوی نہیں۔ [1]

اور حسین بن حسن اشقر اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں: فِيْهِ نَظَرٌ اور ابو زرعہ نے کہا ہے: مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ اور ابو معمر ہذلی نے کہا ہے: كَذَّابٌ۔ [2]

اور ان میں قیس بن ربیع ہے اس کے بارے میں (نقاد) نے اختلاف کیا ہے اور کثیر تعداد اس کی تضعیف کرنے والوں کی ہے اور امام احمد، بخاری، ابن حبان اور ابن نمیر نے متفقہ بات کہی ہے کہ اس کا ایک بیٹا تھا جو اس کو تلقین کرتا اور اس کی روایات میں وکچھ درج کر دیتا جس کا روایت میں کوئی

---

[1] دیکھیے: میزان الاعتدال: 469/1

[2] ایضًا: 531/1

ذکر نہ ہوتا۔ ❶

اور اس میں عبایہ بن ربعی ہے، اس کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں: مِنْ غُلَاةِ الشِّيْعَةِ

اس طرح یہ روایت یکے بعد دیگرے ضعفاء سے بھرپور ہے اس طرح کی روایات میں کیا فائدہ ہے؟ کیا اس دین کی بنیاد اس پر رکھی جائے گی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کیا جاتا ہے؟

116۔ آنجناب نے کہا ہے: اور خوارزمی نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے لوگوں کی خاصی تعداد کو کہا، جنہیں معاویہ نے علی علیہ السلام کی طرف بھیجا تھا لوگوں کے گروہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی اور ان کا وصی ہوں۔ ❷ اور اسی طرح اس خط میں جو آپ علیہ السلام نے اہل مصر کی طرف لکھا۔ ❸ اور خوارج پر حجت پوری کرنے میں ❹ اور صفین سے واپسی کے بعد اپنے خطبے میں۔ ❺

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے۔

اولًا: آپ نے دو مصادر پر اعتماد کیا ہے اور اس تکرار کے ساتھ کہ گویا وہ چار مصادر ہوں چنانچہ یہ روایات دو مصادر میں ہیں نہج البلاغہ اور تاریخ یعقوبی۔

ثانیًا: تاریخ یعقوبی، تاریخ دمشق اور اس سے پہلے والی کتاب تاریخ طبری سے بہتر نہیں ہے اور نہ ہی یہ ثقاہت میں ان دونوں کی صف میں شامل ہے۔ بلکہ یہ اباطیل اور اکاذیب سے بھری ہوئی ہے، اس پر تو تاریخ میں بھی اعتماد جائز نہیں، تو عقاید کے مسائل کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے!!

ثالثًا: نہج البلاغہ کا تاریخ کی کتاب ہونا درست نہیں بلکہ ادبی کتاب بھی نہیں کیونکہ یہ مقطوع السند ہے اور ہمارے نزدیک من گھڑت ہے اس کا رائٹر شاعر ہے اس کی عبارت سے تکلف واضح ہے اس کی بہت سی عبارتیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی فصاحت اور بلاغت سے مماثلت نہیں رکھتیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے خطبے کلاسیکل عربوں کے اسلوب کے عکاس تھے، تو عقاید کے مسائل

---

❸ ایضًا: 3/393-396

❹ تاریخ یعقوبی: 2/193

❺ شرح الحدید: 6/71

❻ تاریخ یعقوبی: 2/193

❼ نہج البلاغة خطبه: 2

میں اس پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

پروفیسر عبد السلام ہارون نہج البلاغہ (مطبوعہ 1406ھ) پر اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں: ہم ماضی قریب میں دو شکوک میں تھے ان میں سے ایک تو یہ کہ اس کتاب کا تخلیق کار کون ہے؟ آیا وہ شریف رضی ہے یا اس کا بھائی مرتضیٰ رضی؟ اس نے یہاں تک کہا: اس کے پہلوؤں سے لفظی سجع اور بناوٹ اس قدر نمایاں ہے جو نبوی دور کے جانے پہچانے اسلوب کے خلاف ہے۔

انہوں نے کہا ہے: اس میں دقت وصف اور منظر کشی میں انوکھا پن اس قدر ہے جو اسلامی دور کے ابتدائی آثار میں معروف نہ تھا مزید بر آں یہ اپنے پہلوؤں میں بہت سی مصطلحات پر مشتمل ہے جنہیں لوگوں نے حکمت کے علوم کی نشر و اشاعت کے بعد اختیار کیا ہے جیسے ابن، کیف۔۔۔

اس نے یہاں تک کہا کہ دوسرا معاملہ جو شک میں ڈالتا ہے وہ یہ کہ ان عبارتوں کے جامع نے اپنی کتاب کے شروع میں یا درمیان میں توثیق اور مصادر کے متعلق کچھ بیان نہیں کیا۔

اور اس کتاب کے محقق ڈاکٹر صبری ابراہیم السید نے اس کتاب کے مطالعے اور اس کی عبارتوں پر ریسرچ کے بعد لکھا ہے: یہ کتاب پانچ قسم کی عبارتوں پر مشتمل ہے:

i: کچھ عبارتیں تو ایسی ہیں، جن کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت ثابت ہے۔

ii: کچھ عبارتیں ایسی ہیں جو صرف شیعہ نے ہی بیان کی ہیں۔

iii: کچھ عبارتوں کو کسی نے بھی روایت نہیں کیا۔

iv: کچھ عبارتوں کی صحت میں مخصوص اسباب کی وجہ سے شکوک ہیں۔

v: کچھ ایسی عبارتیں بھی ہیں جن کی نسبت دوسروں کی طرف ثابت ہے۔

اور اسے ایڈٹ کرنے والا باوجود تمام تر کوشش صرف کرنے سوائے ادب اور تاریخ کی کتابوں کے، ان کی توثیق نہیں کر سکا اور وہ ایسی کتابیں ہیں جن کے ذریعے بنیادی طور پر اعتماد (کی سیڑھی تک) نہیں چڑھا جا سکتا۔

اور الحمد للہ ہم اہل السنہ اس بات کو جائز نہیں سمجھتے کہ اپنا دین تواریخ اور ادب کی کتابوں سے حاصل کریں اور اختلافی مسائل میں ان کو حکم تسلیم کریں پھر جب محقق نہج البلاغہ نے ان عبارتوں کا

جو نہج البلاغہ میں ہیں اور ان عبارتوں کا جو ادب اور تواریخ کی کتابوں میں ہیں تقابل پیش کیا تو عجیب معاملہ دیکھا ان (ادبی اور تاریخ کی) کتابوں میں بعض عبارتیں پانچ سطروں میں بیان ہوئی ہیں وہ ہماری اس کتاب (نہج البلاغہ) میں ایک سو پچاس سطروں تک پھیلی ہوئی ہیں۔

اس نے پہلا خطبہ ابتدا سے: وَ لَا وَقْتٌ مَّعْدُوْدٌ تک درج کیا ہے اور اس کا مرجع الْعَقْدُ الْفَرِیْد مولفہ ابن عبد ربہ ہے اور یہ وہاں صرف پانچ سطریں ہیں اور یہ اصل (یعنی نہج البلاغہ) میں ایک سو پچاس سطروں سے بھی زیادہ ہے پھر اس نے ان کتابوں اور اس کتاب (نہج البلاغہ) میں موجود عبارتوں کے درمیان فوارق بیان کیے ہیں۔ [1] یہ ہے نہج البلاغہ کی اصلیت، کیا یہ دین میں سند بنانے کے لیے درست ہے؟! بلکہ تاریخ اور ادب میں بھی؟!

117۔ آنجناب نے کہا: حاکم اور ہیثمی نے امام حسن علیہ السلام سے [2] اور ابن اثیر اور طبری نے امام حسین علیہ السلام سے [3] اور ابن عساکر نے بریدہ بن حصیب بن عبد اللہ [4] اور خوارزمی نے ابن مردویہ سے اور اس نے ام سلمہ [5] سے اور گنجی شافعی نے ابو سعید خدری [6] سے اور ابو نعیم نے نے حضرت انس بن مالک [7] سے اور یعقوبی نے مالک بن حارث اشتر [8] سے اور خوارزمی نے نے عمرو بن العاص [9] سے اور قندوزی نے عمر بن خطاب [10] [1] اور مسعودی نے ابن عباس سے۔ [1] [1]

اور آنجناب نے نص نہیں لکھی آپ نے فقط سابقہ روایت بیان کرنے کے بعد مراجع بیان کیے

---

[1] دیکھیے: نہج البلاغہ مقدمة المحقق: 1۔65

[2] مستدرك: 172/3، مجمع الزوائد: 146/9 عن الطبرانی وغیرہ

[3] الكامل: 287/3۔ تاریخ طبری: 322/4

[4] تاریخ دمشق: 392/42

[5] مناقب خوارزمی: 147/2

[6] البیان، ص: 501۔ الفصول المهمة، ص: 295

[1] حلیة الاولیاء: 63/1۔ المناقب للخوارزمی، ص: 42۔ تاریخ دمشق: 386/42

[2] تاریخ یعقوبی: 178/2

[3] مناقب خوارزمی، ص: 199

[4] ینابیع المودة: 75/2

[5] مروج الذهب: 8/3

ہیں اور ان کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: سوائے پہلے مرجع کے باقی سارے مراجع تاریخی ہیں کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں ان پر اعتبار کرے اور میں نہیں گمان کرتا کہ آپ اس سے نابلد ہیں اور باطل کی اکثریت اسے حق میں تبدیل نہیں کرسکتی اور جو حق کا ارادہ رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اس طرح کے منہج پر کتب تواریخ اباطیل سے بھری ہوئی ہیں اور اگر ہم آپ کی طرح اس جیسا کام کرنا چاہیے تو کرسکتے ہیں کیونکہ تاریخ متناقضات سے بھری پڑی ہے لیکن ہم اپنے دین کے لیے تواریخ اور ادب کی کتابوں سے استدلال کرنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ ہمارے لیے ہمارا دین اس سے بہت اعلیٰ ہے (وہ گھٹیا روایات کا محتاج نہیں ہے)۔

پھر ہم لوگ منہج والے ہیں جو دلیل کے اعتبار سے صحیح ثابت ہو ہم اسے قبول کرلیتے ہیں اگرچہ وہ ہماری چاہت کے خلاف ہو اور ضعیف چیز سے ہم استدلال نہیں کرتے اگرچہ وہ ہماری چاہت کے موافق بھی ہو۔

اس لیے جو احادیث اور آثار اور قصے کتب ستہ کے علاوہ کسی کتاب میں وارد ہوئے ہیں۔ ان کی طرف نہیں دیکھا جائے گا۔ کیونکہ کتب سنن اور آثار نے تمام احادیث کو اپنے اندر گھیر لیا ہے۔

اس بنا پر میں ان تاریخی روایات سے صرف نظر کرتا ہوں کیوں ان کے پڑھنے اور ان کا ردّ کرنے میں وقت کا ضیاع ہے اور اگر آپ علمائے سنت کی کسی بھی کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیں۔ جو عقاید کے اثبات میں تالیف کی گئی ہیں تو ان کتابوں کو معتمد مراجع کی ضمن میں نہیں دیکھیں گے الا یہ کہ ثانوی حیثیت میں۔

پھر آپ اہل السنہ کی معتمد کتب میں سے کسی کتاب مثلاً صحیحین کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے، یہ دو ایسی کتابیں ہیں جن پر اہل السنہ نے اعتماد کیا ہے اور وہ ان دونوں کی روایات پر دل وجان سے فدا ہیں اور انہوں نے ان کی تدریس اور شرح کا اہتمام کیا ہے، پھر آپ ان کتابوں کی طرف جاتے ہیں جو جھوٹے قصوں اور باطل روایات سے بھری ہوئی ہیں۔ کیا یہ محققین کا منہج ہے؟!

جنت اور دوزخ ہے اور قیامت کے دن تمہارے مقابلے میں فریق مقدمہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہوں گے جن کے بارے میں ان سے (وصیت کے متعلق) کوئی روایت ثابت نہیں۔

بلکہ تمہارے مقابلے میں فریق مقدمہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے جن کے بارے میں تم نے ان مراجع پر اعتماد کیا جنہوں نے وہ احادیث پیش کیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمائی تھیں بلکہ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے مقابلے فریق مخالف اللہ رب العالمین ہی ہو جس کا دین باور کرانے کے لے ی تم نے ضعیف یا مکذوبہ روایات کو قبول کرنے میں تساہل سے کام کیا۔

ثانیاً: باقی رہی سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان شدہ روایت، سو وہ معنی کے اعتبار سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان شدہ معنی میں ہے اور وہ (چند سطور) قبل گزر چکی ہے اور اس کی سند کا صحیح نہ ہونا بیان کیا جا چکا ہے۔

ثالثاً: جبکہ وہ روایات جن کی نسبت آپ نے مراجع حدیث کی طرف کی ہے سو ہم اہل السنہ کے معتمد علمی منہج کے مطابق ان کے درجات بیان کر چکے ہیں اور باقی رہیں تواریخ کی روایات، سو وہ اعتقاد کے مسائل میں استدلال کے قابل نہیں ہیں، کیونکہ ان مصادر کا حفظ اور ان کی روایات کا حفظ نا قابل اعتماد ہے، یہ ہمارا منہج ہے اور اس کی پابندی کرنا ہم پر لازم ہے۔

119۔ آنجناب نے کہا ہے: اور اسی رطح ذہبی اور ابن حجر نے جابر جعفی سے روایت کیا۔ ❶

اور مزی سے تعجب ہے کہ اس نے سعید بن منصور سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: ابن عیینہ نے کہا: میں نے جابر سے ساٹھ حدیثیں سنیں، میں جائز نہیں سمجھتا کہ اس سے کوئی چیز روایت کروں، وہ کہتا ہے: حَدَّثَنِيْ وَصِيُّ الْأَوْصِيَاءِ۔۔۔ اس نے یہاں تک کہا کہ اس کے بارے میں کم سے کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی روایت کو حجت نہیں بنایا جا سکتا الا یہ کہ وہ کوئی حدیث روایت کرے جس میں ثقات بھی شریک ہوں۔ ❷

میں (ابو مہدی) کہتا ہوں کہ اس کے ساتھ مشارکت ثقات سے کیا مراد ہے؟ کیا اسکی مراد حریز بن عثمان حمصی جیسے رواۃ ہیں جو بخاری اور سنن اربعہ تہذیب التہذیب (207/2) کے رجال

---

❺ میزان الاعتدال: 383/1۔ تہذیب التہذیب: 43/2

❶ تہذیب الکمال: 470/4

میں سے ہے۔ جس کے بارے میں مزی احمد بن حنبل سے روایت ہے کہ وہ ثقہ ہے ثقہ ہے ثقہ ہے اور شام میں اس سے بڑھ کر اثبت کوئی نہیں ہے اور اس طرح اس کی توثیق یحیٰ بن معین، مدنی اور عجلی سے بھی بیان کی گئی ہے باوجود اس کے کہ وہ صبح و شام حضرت علی بن ابی طالب پر لعنت کرتا تھا، جیسا کہ ابن حبان نے مجروحین (268/1) میں کہا ہے کہ وہ ستر مرتبہ صبح اور ستر مرتبہ شام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کرتا تھا، اس کو اس فعل کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ وہ میرے آباء و اجداد کے سر کاٹنے والا ہے۔

میں کہتا ہوں یہاں چند غور طلب مقامات ہیں:

اولاً: جابر جعفی، اس کا ابتدائی عرصہ مستقیم تھا پھر اس پر کوئی امر واقع ہوا جس نے اسے بدل دیا، یا تو اس پر اختلاط یا جنون طاری ہو گیا اس لیے علماء نے اسے جھوٹا قرار دیا۔ ان میں سے حضرت امام ابو حنیفہ، سفیان، لیث بن ابی سلیم، زائدہ، یحیٰ بن معین اور جوزانی ہیں۔

ابن حبان نے کہا: یہ سبائی یعنی عبد اللہ بن سبا (یہودی) کے پیروکاروں میں سے تھا اور کہا کرتا تھا: علی بن ابی طالب دنیا کی طرف لوٹ کر آئے گا۔ [1]

اور امامی شیعہ قہبانی نے اپنی کتاب مجمع الرجال میں اس کا علم غیب رکھنے کا دعویٰ بیان کیا ہے اور کہا ہے: یہ اپنے نفس میں مجنون اور مختلط ہو گیا تھا اور ہمارا شیخ ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان اس معنی میں بہت سے اشعار پڑھا کرتا تھا جو اس کے اختلاط پر دلالت کرتے تھے اور یہاں ان کے ذکر کی جگہ نہیں ہے۔ اور اس نے اس کی کئی کتابوں کا ذکر کیا اور اس کے آخر میں کہا: یہ موضوع ہیں۔

اور اس نے عروہ بن موسیٰ سے قصہ بیان کیا کہ اس نے کہا: میں ابو مریم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس جابر بھی بیٹھا ہوا تھا تو ابو مریم کھڑا ہوا اور مبارک بن عکرمہ کے کنویں سے پانی کا برتن لایا، تو جابر نے کہا: ابو مریم تجھ پر افسوس گویا میں تو تیرے ساتھ اس کنویں سے بے نیاز تھا اور میں نے یہاں دریائے فرات سے چلو بھر لیا تھا، ابو مریم نے کہا: میں لوگوں کو اس بات پر ملامت نہ کروں گا کہ وہ ہم دونوں کو کذاب کا نام دیں۔

اور اس کا ابتدائی ترجمہ عبد الحمید بن ابی العلاء سے بیان کیا، اس نے کہا: جب (اموی خلیفہ)

[2] میزان الاعتدال: 379/1۔374

ولید (بن یزید بن عبد الملک) کو (اس کی عیاشی کے جرم میں) قتل کر دیا گیا، تو لوگ اکٹھے ہو گئے، وہ کہتا ہے کہ میں بھی ان کے پاس آ گیا، وہاں جابر جعفی بھی تھا اور اس کے سر پر ریشمی عمامہ تھا اور وہ کہہ رہا تھا: مجھ سے وصی الاوصیاء، وارث علم الانبیاء، محمد بن علی علیہ السلام نے حدیث بیان کی۔ وہ کہتا ہے: لوگوں نے کہا: جابر پاگل ہو گیا، جابر پاگل ہو گیا۔ [1]

یہ تو جابر جعفی کا ترجمہ شیعہ کی کتابوں میں ہے انہوں نے بھی اسے اس چیز سے متصف کیا ہے جس سے اہل السنہ کی کتابوں میں متصف کیا گیا ہے کہ وہ کذاب ہے مختلط ہے، مجنون ہے اگر اہل السنہ نے اسے چھوڑ دیا ہے تو اس پر ناراضی کس بنا پر ہے؟

ثانیاً: جب اہل السنہ کے ہاں ثابت ہو جائے کہ ان کا مذہبی مخالف مطلقاً سچا ہے یا اس روایت میں سچا ہے تو وہ اس سے روایت کر لیتے ہیں اور ان کا جابر جعفی کو چھوڑ تا اس بنا پر ہے کہ ان کے نزدیک ثابت ہو گیا کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔

حالانکہ انہوں نے دسیوں اشخاص سے روایت لی ہے جو تشیع سے موصوف تھے، کیونکہ قدیم شیعہ، شیخین اور کسی صحابی کو گالی نہیں دیتے تھے وہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان بن عفان پر فوقیت دیتے تھے اور ان کے بارے میں جھوٹ معروف نہ تھے البتہ جس گروہ پر بعد میں (رافضہ) کا نام مشہور ہو گیا وہ اس بنا پر کہ انہوں (سیدنا) زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہما کو (خروج کی سیڑھی پر چڑھا کر ان کا ساتھ) چھوڑ دیا تھا اور یہ لوگ (یعنی روافض) عظماء امت سے عداوت رکھتے ہیں اور ان پر ارتداد یا فسق کی تہمت دھرتے ہیں پھر وہ جھوٹ بولنے کو حلال سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے اعتقاد کی بنیاد "تقیہ" پر قائم ہے لہٰذا وہ توثیق حاصل کیے بغیر شاید ان سے کوئی روایت لیتے ہوں۔

چنانچہ شیخین نے ساٹھ سے زیادہ اشخاص سے حدیث روایت کی ہے جو شیعیت کی طرف منسوب تھے اور ایک کثیر تعداد سے بھی جنہیں رواض کی طرف منسوب کیا گیا ان میں سے:

i: ابان بن تغلب ربعی (م:4) اس کے بارے میں امام ذہبی لکھتے ہیں: متحمل شیعہ لیکن وہ صدوق تھا چنانچہ ہمارے لیے اس کا صدق ہے اور اس کی بدعت (کا وبال) اس کی ذات پر ہے۔ [2]

---

[1] مجمع الرجال: 12/2

[1] دیکھیے: میزان الاعتدال: 5/1

ii: احمد بن مفضل قرشی (م د س) اس کے بارے میں ابو حاتم لکھتے ہیں: یہ شیعہ کے سربر آوردہ لوگوں میں سے تھے، صدوق تھا۔ ❶

iii: جعفر بن سلیمان الضبعی (م: 4) اس کے بارے میں ابن معین کہتے ہیں: ثقہ۔ذہبی نے اس سے بیان کیا ہے کہ یہ حضرت ابو بکر الصدیق اور حضرت عمر فاروق کو ناپسند کرتا تھا۔ ❷

iv: خالد بن مخلد قطوانی (خ، م، ت، س، ق) اس کے بارے میں ابن سعد کہتے ہیں: متشیع اور منکر الحدیث تھا اور افراط کی حد تک شیعہ تھا اور انہوں نے ضرورت کی حدیث تک اس سے لکھا یعنی ان احادیث کے لیے اس کے سوا کسی کے پاس نہ تھیں یا علو سند کی حد تک۔ ❸

v: عبدالملک بن اعین کوفی (ع) اس کے بارے میں ابو حاتم لکھتے ہیں: یہ شیعہ کے سرکشوں میں سے تھا اس کی جگہ صدق کی فہرست میں ہے۔ سفیان نے کہا: (رافضی تھا) عجلی نے کہا: ثقہ تھا۔ ❹

vi: محمد بن فضیل بن غزوان (ع) اس کے بارے میں ابن معین کہتے ہیں: ثقہ تھا۔ اور ابو داؤد نے کہا: جلا سڑا شیعہ تھا۔ ❺

یہ چند شیعہ راوی تھے جو تشیع، غلو اور رفض کے وصف سے موصوف کیے اور صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کے مولف نے ان کی روایات کو بیان کیا اور جب ان کی سچائی ثابت ہو گئی تو ان کے برے عقیدے نے ان (محدثین) کو ان سے روایت لینے سے نہیں روکا۔

اس طرح وہ جب کسی ناصبی سے روایت لیتے ہیں تو اس لیے کہ ان کے ہاں ان کا صدق ثابت ہو گیا اور ان کی مثال ان سے پہلے رواۃ کی ہے جن کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ شیعہ تھے یا رافضی تھے اور ان کے عقائد گھٹیا تھے اور ان سے یا ان سے روایت کرنے کا مطلب ان کے عقیدے کا اقرار نہیں تھا جیسا کہ عنقریب امامیہ کے بارے میں آئے گا۔

---

❷ ایضًا: 157/1

❸ ایضًا: 9/4

❹ طبقات کبری: 640/1

❺ میزان الاعتدال: 677/2

❼ ایضًا: 9/4

ثالثًا: حریز بن عثمان کے ترجمے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے خصوصی طور پر تین قسم کی باتیں منقول ہوئی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس میں وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں وہ ان سے تبرا کرتا ہے اور اس کے غیر سے بھی تبرا کرتا ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جس میں وہ توبہ کرتا ہے اور ہم اس طرف رجحان رکھتے ہیں کہ یہ آدمی اس سے بری تھا یا اس نے توبہ کر لی تھی، ابوحاتم کہتے ہیں: (یہ حسن الحدیث ہے اور میرے نزدیک وہ باتیں صحیح ثابت نہیں ہو سکیں جو اس کی رائے کے بارے میں کہی گئی ہیں اور علی بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے حریز بن عثمان کو ایک آدمی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ افسوس ہے تجھ پر تو اللہ سے نہیں ڈرتا تو میرے حوالے سے بیان کرتا پھرتا ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دیتا ہوں، اللہ کی قسم نہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دیتا ہوں اور نہ کبھی ان کو گالی دی اور امام بخاری کہتے ہیں اور انہوں نے اس سے روایت بھی لی ہے کہ ابویمان نے کہا: حریز ایک آدمی پر حرف گیری کرتا تھا پھر اس نے اس پر حرف گیری کرنا ترک کر دیا یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر۔ [1]

رابعًا: جو آپ نے صبح و شام حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنا بیان کیا ہے اسے ابن حبان نے بلاسند بیان کیا ہے اور اس طرح کی باتوں کی بنیاد ہونا ضروری ہے تاکہ اس پر حکم یا علم کی عمارت قائم کی جائے۔ [2]

خامسًا: اور اس کی مثال محمد بن فضیل بن غزوان (ع) ہے اس کی روایات کتب ستہ کے مولفین نے بیان کی ہیں۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں اقبال اعتماد ہے البتہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منحرف تھا۔ [3]

اور اس کے باوجود شیخین نے اس کی روایت لی ہے اور حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما دونوں راشد خلیفہ ہیں۔ تو کیا شیخین کا ان دونوں سے روایت لینا ان کے مذہب کا اقرار کرنا ہے؟ معاذ اللہ!

محدثین کا منہج یہ ہے کہ جب کوئی راوی صادق ہو اور وہ بظاہر جھوٹ نہ بولتا ہو تو وہ اس سے

---

[1] میزان الاعتدال: 568/5

[2] مجروحین: 268/1

[1] دیکھیے: میزان الاعتدال: 9/4

روایت لے لیتے ہیں اور اس میں اس کے مذہب کا اقرار ثابت نہیں ہوتا، پس جب آپ کسی شخص کے پاس احادیث پائیں جو اس کے سوا کسی کے پاس نہیں یا اس کے پاس وہ احادیث ہیں جو دوسرے طرق کو تقویت دیتی ہیں تو جو کچھ اس راوی کے پاس ہے اس سے صرف نظر کرنا جائز نہیں ورنہ یہ خطا کے مرتکب کی خطا کی وجہ سے حق کو ضائع کرنا ہے اور ایسا اس کے صدق کے یقین حاصل کرنے کے بعد جائز ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ مبتداع کی روایت میں فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں، پس چاہیے کہ اس حدیث کے حاصل کرنے کی مصلحت کو مقدم رکھا جائے اور اس کی اہانت اور اس کی بدعت کو بجھانے کی نیت سے اس سنت کو پھیلایا جائے۔ [1]

سادساً: ہم منہج والے لوگ ہیں جب ہمارے نزدیک راوی کا صدق ثابت ہو جائے تو ہم اس کی روایت کو نقل کر لیتے ہیں، خواہ وہ خارجی ہو یا ناصبی یا جلا سڑا شیعی۔

امامی شیعہ کا منہج کیا ہے؟

امام شیعہ جو کہ مقیاس الھدایۃ فی علم الدرایہ کا مصنف ہے وہ کہتا ہے: صحیح حدیث وہ ہوتی ہے جس کی سند معصوم تک متصل ہو اور وہ تمام طبقات میں امامی عادل راوی کے اپنے جیسے (امامی شیعہ) سے منقول ہو، اس اعتبار سے کہ وہ متعدد ہوں۔ [2]

اس میں انصاف کہاں ہے؟ اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ امامیہ کی احادیث میں اس شرط کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے یا نہیں۔

سابعاً: جناب کے علامہ (ابن مطہر) نے قرار دیا ہے کہ آدمی کے دین میں طعن، اس کی حدیث میں طعن کو واجب نہیں کرتا۔ [3]

لہٰذا آپ کے لیے وہ کام جائز کیوں ہو گیا جو آپ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں؟ حالانکہ میں اس شک میں ہوں کہ شیعہ اس قاعدے پر عمل کرتے بھی ہیں یا نہیں۔

---

[2] دیکھیے: مقدمة فتح الباری: 315/1

[2] دیکھیے: مقیاس الهدایة فی علم الدرایة، ص: 23

[1] دیکھیے: رجال الحلی، ص: 137

119۔ آنجناب نے کہا ہے: یا ثقات سے مراد: ابراہیم بن یعقوب جوزانی ہے جو اہل السنہ کے نزدیک جرح وتعدیل کے ائمہ اور ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کے رجال میں سے ہے۔۔ پھر آپ نے امام احمد بن حنبل کا اس کے لیے اکرام اور علماء کی اس توثیق ذکر کی اور ابن حبان کا قول ذکر کیا کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انحراف تھا۔ الخ

میں کہتا ہوں: یہ راوی شیخین کے راویوں میں سے نہیں اور جو کلام آپ نے بیان کیا ہے وہ اصل کتاب تہذیب الکمال میں نہیں ہے اور وہ کلام جو ابن حبان نے بغیر سند کے بیان کیا ہے وہ غیر موثوق کلام ہے جو کسی شمار میں نہیں ہے جیسا کہ ہم ایک سے زائد مرتبہ بیان کر چکے ہیں۔

ثانیاً: اس طرح کے شیعہ راویوں کی روایات بھی بیان ہوئی ہیں، ہم نے اس صورت میں ان کی روایت لی ہے جب انہوں نے سچ بولا اور ان میں سے کوئی ایسا بھی تھا جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دیتا اور شیخین کو ناپسند کرتا تھا (اگر یہ فعل ان سے ثابت ہو تو) کیونکہ ان سے کذب معلوم نہیں ہوا ان کے دسیوں اساتذہ اور تلامیذ تھے اور ان کی بدعت (کا وبال) ان پر ہوگا جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔

120۔ آنجناب نے ابوالفرج اصفہانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس نے کہا: بنو امیہ کے حاکموں میں سے ایک حاکم خالد قسری نے کسی مورخ سے مطالبہ کیا کہ وہ سیرت لکھے، اس نے کہا: میرے مطالعے میں علی بن ابی طالب کی سیرت کا ذکر بھی ہے، کیا میں اسے لکھ دوں؟ خالد نے کہا: نہیں، البتہ اس صورت میں کہ تو اسے جہنم کی گہرائی میں دیکھے اور آنجناب نے ابن خلکان کا قول بیان کیا ہے کہ وہ اپنے دین میں متہم تھا اور اس نے اپنے گھر میں اپنی ماں کے لیے چرچ بنایا ہوا تھا۔ [1]

میں کہتا ہوں: اگر میں آپ کے ذہن میں اٹکے ہوئے شبہات کو زائل کرنا پسند نہ کرتا تو میں اس جیسی گفتگو سے منہ پھیر لیتا کیونکہ آپ کو زیب نہیں دیتا کہ آپ ایسی تاریخی روایات اخذ کریں جن کی نہ کوئی سند ہے اور نہ لگام، تاکہ آپ ان کے ساتھ لوگوں عزتوں اور ان کے عقائد کے برخلاف استدلال کریں، یہ وہ منہج ہے جس سے میں اپنے لیے بھی پناہ مانگتا ہوں اور آپ کے لیے بھی۔

کتاب الاغانی؟! کیا آپ کو زیب دیتا ہے کہ آپ ایک یونیورسٹی کے پروفیسر ہو کر جو منہج کی

---

[1] دیکھیے: الاغانی: 25/21

تعلیم دیتا ہے اور ایک نسل کی قیادت کرتا ہے، اس اس قدر نچلی سطح پر اترے؟! اللہ کی قسم! میں تو اس طرح کے رجحان پر غمگین ہوں۔ جب حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف یا تمہارے نزدیک ائمہ کی طرف منسوب کتب حدیث جن کا علماء نے اہتمام کیا اور اس کے لیے اگل کتابیں لکھی ہیں اور ان کی اسناد بیان کی ہیں ان میں کذب داخل ہو گیا اور تحریف در آئی تو تاریخ کے قصوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟! یاد رہے کہ کتاب الاغانی بنیادی طور پر موسیکاروں کے گائے ہوئے اشعار کی آوازوں اور ان کے پیش منظر پر مشتمل ادبی، تاریخی کتاب ہے جسے ابوالفرج اصفہانی شیعی نے تصنیف کیا تھا اور وہ بذات خود اس قدر غلیظ تھا کہ کھانا کھاتے وقت اپنے کپڑے بلغم سے آلودہ کر لیا کرتا تھا۔

121۔ آنجناب نے کہا ہے کہ عمران بن حطان، بخاری، ابوداؤد اور نسائی کے رجال (رواۃ) میں سے ہے اور عجلی نے کہا ہے کہ وہ بصری اور ثقہ ہے اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ خوارج کے خواہش پرست گروہوں میں سے صحیح ترین حدیث والا آدمی ہے، پھر اس نے اس عمران وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ عقیلی نے تصریح کی ہے کہ عمران بن حطان خارجیوں میں سے تھا اور یہ ابن ملجم کی مدح کرنے والا تھا۔

میں کہتا ہوں اس کا جواب کئی اعتبار سے گزشتہ جواب کے تابع ہے:

اولاً: اہل السنہ کا مذہب یہ ہے کہ حق کو نہ چھوڑا جائے اگرچہ وہ کافر یا فاسق کی طرف سے ہی ہو اور قرآن نے بھی اس کو برقرار رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یمن کی بلقیس کی حکایت بیان کرتے ہوئے کہا: ﴿قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً اَفۡسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ﴾ [النمل: 34] اس نے کہا: بے شک بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے ویران کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو ذلیل وخوار کر دیتے ہیں۔“

یہ ایک کلمہ حق ہے جو کافر عورت کی طرف سے ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ ۝۳۴﴾ [النمل: 34] کہ وہ اسی طرح کرتے ہیں۔ [1]

اور اللہ تعالیٰ نے فاسق کی خبر کے بارے میں فرمایا:

---

[1] دیکھیے: تفسير ابن كثير: 203/6

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝﴾[الحجرات: 6]

”اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق انسان خبر لائے تو اس کی چھان بین کر لیا کرو مبادا کہ تم کسی قوم کو جہالت کی وجہ سے نقصان پہنچا بیٹھو پھر تمہیں اپنے کیے پر پشیمان ہونا پڑے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ چھان بین کا حکم دیا ہے۔

ثالثاً: تحقیق علماء کے لیے حدیث میں خوارج کا سچ بولنا ثابت ہوا ہے۔ کیونکہ وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ سامنے آتا ہے کہ ان سے کذب وارد نہیں ہوتا اس لیے محدثین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں اور انہوں نے ان سے بھی روایات لی ہیں جن کو انہوں نے روافض کا نام دیا ہے اور یہ لوگ یعنی روافض جھوٹ کو دین کا حصہ مانتے ہیں اور اسے تقیہ کا نام دیتے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے امام جعفر بن محمد الصادق سے روایت کیا ہے کہ (معاذ اللہ) انہوں نے کہا: دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جس کے پاس تقیہ نہیں اور انہوں نے ان سے ان کے باپ (محمد الباقر) کے حوالے سے روایت کیا ہے: اللہ کی قسم زمین کے چہرے کے اوپر مجھے تقیہ سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں۔ [1]

تو اس کی توثیق کس طرح کی جا سکتی ہے جو یہ اعتقاد رکھے کہ دین کے 9/10 حصے جھوٹ میں ہیں اور جو جھوٹ نہ بولے اس کا کوئی دین نہیں؟ اور اس کی توثیق کیوں نہیں کی جا سکتی جو اعتقاد رکھتا ہے کہ جھوٹ ”کفر“ ہے، یا وہ (ایمان) سے خارج کر دینے والا ہے؟!

جبکہ عمران بن حطان سے روایت کے بارے میں قتادہ فرماتے ہیں: عمران بن حطان، حدیث میں متہم نہیں ہے۔ [2]

اور ابن کا اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ عابدین میں سے ایک ہے اس کے حال کا وصف ہے، اس کی ثنا نہیں ہے۔

---

[2] دیکھیے: الکافی، ح: 217/20۔221 باب التقية

[1] دیکھیے: تهذيب الكمال: 322/22

ثالثًا: جناب کا یہ کہنا: یہ اہل السنہ کے ثقات اور صحاح ستہ کے رواۃ کی ایک قسم ہے اور ان کے لیے اس کی کتنی سی مثالیں ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب چند پہلوؤں سے ہے۔

اول اہل السنہ ہر اس شخص سے روایت کر لیتے ہیں جس کی سچائی ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی ہے اگرچہ وہ راوی خود بدعتی ہی ہو۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

دوم: صحیحین کے راوی، صدق روایت کے اعتبار سے ثقہ ترین راوی ہیں اور خصوصًا اس روایت میں جو صحاح میں بیان ہوئی ہے، لیکن ان کے مختلف درجات ہیں۔

سوم: سنن کے راویوں کی روایات اس وقت قبول ہیں جب وہ ثقات ہوں اور ان کی ہر روایت قبول نہیں کی جاتی اور علماء نے ان کا تعارف لکھا ہے اور ان کے حوال بیان کیے ہیں تا کہ دیکھا جائے کہ کن کی روایت قبول کی جائے گی اور کن کی روایت ردّ کی جائے گی۔

چہارم: اہل السنہ کے راوی ہمارے ہاں معروف ہیں اور ان کا تعارف موجود ہے۔ لیکن امامیہ کے ہاں سنن کے راویوں کے بارے میں کیا ہے؟

کیا وہ معروف ہیں؟ پھر کیا وہ پرہیز گار اور نیکوکار ہیں؟

آیئے علامہ سید محمود آلوسی بغدادی کا کلام پڑھیے وہ ہمیں امامیہ کے نزدیک کتب صحاح اربعہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا: انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کی صحیح ترین کتابیں چار ہیں: الکافی اور فقہ من لایحضرہ الفقیہ اور تہذیب اور الاستبصار اور جو انہوں نے ان کی صحت کے بارے میں دعویٰ کیا ہے۔ وہ باطل ہے کیونکہ ان میں مروی اخبار کی سندوں میں ایسے راوی بھی ہیں جو مجسمہ میں سے تھے جیسے ہشامین اور صاحب الطاق اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے ازل میں اللہ کے لیے جہل ثابت کیا جیسے زرارہ بن اعین، بکیر بن اعین، احولین (بھینگے) اور سلیمان جعفری اور محمد بن مسلم وغیر ہم اور ان میں فاسد المذہب بھی تھے جیسے ابن مہران، ابن بکیر اور ان کے علاوہ دیگر رواۃ بھی۔

عیسیٰ اور ان میں مجاہیل تو اس سے زیادہ ہیں۔ [1]

پھر انہوں نے تفصیل سے روایت میں ان کی ایک دوسرے کی تکذیب بیان کی ہے اور یہ آیت اللہ العظمی برقعی کے کلام کی تائید ہے جو پہلے گزر چکا ہے اور سید محمد صدر کا گزشتہ کلام کا شیعہ کے نزدیک عقائد اور تاریخ کے راوی مجہول ہیں، اس کی تائید کرتا ہے اور (ص: 144) پر امام جعفر بن محمد الصادق کا اپنے شاگردوں کی جماعت کی تکذیب کرنا بھی بیان ہو چکا ہے۔

122۔ آنجناب نے (ص: 41) پر کہا: اس شخص کی توثیق کس طرح ممکن ہے جو علی بن ابی طالب پر لعنت کرے اور صحاح میں اس سے حدیث مروی ہو جو کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اصل ہیں اور احکام کے استنباط کا مدار ہیں۔

میں کہتا ہوں، اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنا، کبیرہ گناہوں میں سے کبیرہ گناہ ہے اور حضرت ابو بکر الصدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان یا کسی ایسے صحابی پر لعنت کرنا جن کے بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ نے خیر اور فضیلت کی گواہی دی ہے، اسی طرح کبیرہ گناہ ہے۔

ثانیاً: ان کی تکفیر کرنا یا ان میں سے کسی ایک کی تکفیر کرنا لعنت کرنے سے بھی شدید گناہ ہے، جبکہ چند ایک کے سوا باقی سب کی تکفیر کرنا، کفر ہے کیونکہ یہ عمل اسلام کو باطل مذہب قرار دینا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ثالثاً: ایک سے زائد مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے کہ محدثین اس شخص سے روایت کر لیتے ہیں جو فاسق ہو یا مبتدع ہو جب اس کا جھوٹ بولنا معروف نہ ہو، کیونکہ جب ہر اس شخص کی روایت ترک دی جائے جس کو فاسق یا گمراہ کہا گیا ہو یا اس پر بدعت کی تہمت لگائی گئی ہو باوجودیکہ اس کے سچا ہونے کے، تو یہ طرز عمل لوگوں کو بہت سی سنن تک رسائیل حاصل کرنے سے محروم کر دے گا اور یہ اصول، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی راہنمائی کے تحت ہے جو اس نے فاسق کی روایت کی چھان بین کرنے کے سلسلے میں بیان کی ہے لہٰذا اگر وہ صحیح ہو گی تو قبول کی جائے گی اور جب اللہ تعالیٰ نے ملکہ سبا جو کہ کافرہ تھی اس کی بات بیان کی تو اس کی تصدیق کی کیونکہ وہ سچی تھی اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس

[1] دیکھیے: ایڈٹ شدہ علمی رسالہ صب العذاب علی من سب الاصحاب، ص: 213۔214

کی خبر ردّ نہیں کی۔

(اس توجیہ کی روشنی میں) اہل السنہ کا منہج ربانی منہج ہے، جو حق کو قبول کر لیتا ہے اگرچہ وہ کافر کی طرف سے ہو اور وہ عقیدے وغیرہ کی مخالفت کی وجہ سے حق کو ردّ نہیں کرتا جیسا کہ شیعہ کرتے ہیں، وہ مخالف کے قول کو باطل کر دیتے ہیں اور عمداً اس کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ بعض اہل بیت رحمہم اللہ کے نام پر من گھڑت روایات میں آیا ہے۔ چنانچہ کلینی کے اپنی کتاب الکافی (67/1) میں ابو عبداللہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے انہوں نے کسی سوال کرنے والے کے مسئلہ میں، جس میں اس کو درستی معلوم نہیں ہو رہی تھی، فرمایا: جس چیز کی عام لوگ مخالفت کریں اس میں درستی ہے۔ ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اہل بیت کے کسی شخص سے بھی یہ روایت صحیح سند سے ثابت نہیں۔

رابعًا: جس شخص کی طرف گالی دینا منسوب کیا گیا ہو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے یہ فعل کیا ہو جیسا کہ حریز بن عثمان کے بارے کہی گئی بات بیان ہو چکی ہے اور کس طرح اس کی اس فعل سے براءت ثابت ہوئی اور کہا گیا ہے کہ اس نے توبہ کر لی تھی۔

خامسًا: آپ نے دیکھا ہے کہ محدثین نے اس راوی سے روایت کی ہے جس کی طرف یہ بات منسوب تھی کہ وہ سیدنا عثمان کو گالی دیتا تھا اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو ناپسند کرتا تھا اور ان کے فعل نے انہیں ان سے روایت لینے سے نہیں روکا جب تک کہ وہ صادق (القول) رہے اور ہم کہتے ہیں کہ قرآن نے اس کی تائید کی ہے۔

سادسًا: ان سے روایت لینے کا مطلب ان کے فعل سے راضی ہونا۔

سابعًا: یہ روایت لینے کے موضوع پر اجتہاد ہے اور علماء اہل السنہ نہیں اس طرح کے لوگوں سے روایت میں مختلف ہیں۔ چنانچہ کچھ علماء ان کی روایات کو ردّ کرتے ہیں اور کچھ علماء ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو صدق کو مد نظر رکھ کر ان سے روایت لے لیتے ہیں۔

ثامنًا: یہ ایک آدمی ہے (اگر صحیح ثابت ہو جائے کہ) اس سے سب سرزد ہوا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل السنہ کے رواۃ میں چند راوی اور بھی مل جائیں جن سے سب سرزد ہوا ہو، لیکن ان کی تعداد (نہایت) قلیل ہو گی، جبکہ جناب کے (اہل تشیع میں) کتنے علماء عباد اور رواۃ ہیں جو سیدنا ابو بکر

الصدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان اور عظماء امت رضی اللہ عنہم پر لعنت کرتے ہیں اور شیخین کو قریش کے معبود کہتے ہیں؟ بتایئے جناب کیا ایسا کہنا جائز ہے ؟!

یہ مامقانی ہے جو تنقیح المقال (ص: 107) میں یہ دعا نقل کرتا ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ، وَ الْعَنْ صَنَمَیْ قُرَیْشٍ وَ طَاغُوْتَیْهِمَا وَ ابْنَتَیْهِمَا "اے اللہ محمد پر درود بھیج اور محمد کی آل پر بھی اور لعنت کر قریش کے دو بتوں اور طاغوتوں پر اور ان کی دونوں بیٹیوں پر۔"

اور ڈاکٹر علی سالوس نے معاصر شیعی عالم سید حسن موسوی سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: یہ معتبر کتب میں منصوص دعا ہے جسے امام خمینی ہر روز صبح کی نماز کے بعد پڑھتا تھا دیکھتے مع الاثنی عشریۃ فی الاصول و الفروع (ص: 1134) اور اس نے دعا کی فوٹو کاپی اردو زبان میں لکھی ہوئی کتاب تحفۃ العوام شائع کی ہے۔

کیا آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اس طرح کے لوگوں سے علم حاصل کریں؟! اور پہلے خمینی کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان گزر چکا ہے کہ اس نے اس طرح تبلیغ نہیں کی جس طرح کہ اسے تبلیغ کرنی چاہیے تھی! بتایئے جناب جرم کے اعتبار سے بڑا مجرم کون ہے، صحاح ستہ کا راوی یا خمینی ؟!

تاسعاً : کیا آپ نے اہل السنہ کے علماء اور عوام میں سے کسی کو دیکھا ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر خوش ہوتے ہیں؟ اور کیا وہ دن کو بطور جشن مناتے ہوں؟

کیا آپ حضرات کی کتابوں میں ایسی روایات نہیں ہیں جو قاتل سیدنا عمر فاروق کی تعریف کرتی ہیں اور آپ حضرات میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس تاریخ کو جشن مناتے ہیں اور آپ لوگوں نے اس مجوسی کا (مصنوعی) مقبر بھی بنایا ہے اور (مدینہ الرسول میں قصاص کے خوف سے خودکشی کرنے والے جہنمی کی) ایران میں نائی گئی مصنوعی قبر پر عظیم گنبد بھی بنایا اور آج تک اس کی زیارت کی جاتی ہے حالانکہ وہ مجوسی تھا۔

بے شک بعض صحابہ کے بارے میں یہ نرم گوشہ قابل تعریف ہے اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر اسے عام کیا جاتا اور ہر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کی تعظیم وتوقیر میں فرق نہیں کرتے۔

123۔ آنجناب نے حضرت کریم ﷺ سے ایک حدیث درج کی ہے کہ من سب علیا فقد سبنی اور آپ اس کو احمد اور مستدرک کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ روایت مند احمد (323/6) مستدرک(121/3) میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہاں چند مقام قابل غور ہیں:

اولاً: سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا عظماء صحابہ میں سے کسی کو دشنام طرازی کبیرہ گناہ ہے، جب تک کہ یہ تمام یا اکثر صحابہ تک تجاوز نہ کرے ورنہ یہ گناہ کفر بن جائے گا۔

ثانیاً: اس روایت کی سند میں ابو عبد اللہ جدلی ہے، اس کے بارے میں ابن سعد کہتے ہیں: اس کی حدیث ضعیف قرار دی جاتی ہے اور یہ شدید التشیع ہے۔ اور ذہبی کہتے ہیں: یہ مبغوض شیعہ اور مختار ثقفی کا علم بردار تھا جو بحوالہ طبری(3/1-90) دعویٰ نبوت سے متہم تھا اور اسے احمد نے ثقہ قرار دیا ہے۔ [1] اور اس کی سند میں ابو اسحاق سبیعی عمرو بن عبد اللہ ہے وہ ثقہ ہے لیکن وہ مدلس بھی ہے اور اس نے یہاں عنعنة الروایة ہے، اس نے کہا ہے: عن ابی عبداللّٰه۔ ابن حبان نے کہا ہے: کان مدلسا کہ وہ تدلیس کر لیتا تھا اور طبری اس کی تائید کی ہے۔ [2]

اور تدلیس کی کئی انواع ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ راوی نے جس سے حدیث سنی ہوتی وہ ضعیف ہوتا ہے اس لیے وہ اس کا نام گرا دیتا ہے او اس سے اوپر والے راوی کا نام عن یا اس جیسا لفظ استعمال کر کے روایت کر دیتا ہے اور اس سے سماع کی تصریح نہیں کرتا کیونکہ اس نے اس سے سماع نہیں کیا ہوتا اور اس تدلیس کی وجہ سے روایت ردّ کر دی جاتی ہے۔

اور جوزانی نے ابو اسحاق سبیعی کے بارے میں کہا: اور کوفہ میں ایک قوم تھی جن کے مذاہب کو لوگ پسند نہ کرتے تھے۔۔۔ لوگوں نے اس قوم کو برداشت کیا کہ حدیث کے بارے ان کی زبانیں سچی تھیں اور جب وہ ارسال کرتے تو اس وقت وہ توقف کرتے کیونکہ وہ ڈر گئے کہ کہیں انکے مخارج صحیح نہ ہوں۔ جبکہ ابو اسحاق نے ایسی قوم سے روایت کی جو معروف نہ تھی اور ان کے بارے میں اہل

---

[1] میزان الاعتدال: 544/4

[2] الثقات: 177/5

علم کے پاس کوئی چیز نہ پھیلی مگر وہی جو ابو اسحاق نے ان سے بیان کی۔۔۔ پھر اس نے دیکھا کہ جب روایت معروف نہ ہوں تو ان میں توقف کیا جائے۔ ❶

124۔ آنجناب نے کہا: اور جو طبرانی نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: کیا تمہاری موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشنام طرازی کی جاتی ہے؟ میں نے کہا: سبحان اللہ! اور کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشنام طرازی کی جاتی ہے؟ تو اس کے کہا: کیا حضرت علی او اس سے محبت کرنے والوں پر دشنام طرازی نہیں کی جاتی۔

میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت رکھتے تھے۔ ❷

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: یہ روایت بعینہ گزشتہ روایت کی طرح ہے البتہ اس روایت کا لفظ مختلف ہے اس میں ہے کہ (علی اور اس سے محبت کرنے والوں پر دشنام طرازی کی جاتی ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (دیگر عظماء صحابہ کرام کی طرح) ان سے محبت کرتے تھے، پس جو شخص کوئی اس لفظ سے ان پر دشنام طرازی کرے، اگر وہ جانتا ہو کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے تو وہ کافر ہے اور اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے محبت سے لاعلمی ہے تو وہ دوزخ کے اندر گرنے والے کنارے پر ہے اس کا جرم بھی اس قدر سنگین ہے جتنا کسی بھی دوسرے صحابہ مثلاً سیدنا ابو بکر اور عمر اور دیگر صحابہ پر دشنام طرازی کرنے والے کا ہے۔

ثانیاً: طبرانی کی سند میں سدی، ابو عبد اللہ جدلی سے بیان کرتا ہے: ابو عبد اللہ جدلی کے بارے میں تو پیچھے بیان ہو چکا کہ وہ مبغوض شیعہ تھا۔ جبکہ سدی لقب رکھنے والے دو شخص ہیں۔ ایک تو بڑا ہے اس کا نام، اسماعیل بن عبد الرحمٰن ہے اور یہ مسلم کے رواۃ میں سے ہے۔ ❸

اور سد یصغیر، یہ محمد بن مروان ہے۔ بخاری کہتے ہیں لا یکتب حدیثہ اور ابو حاتم (رازی) کہتے ہیں: وہ حدیث کو خلط ملط کرنے والا ہے، متروک الحدیث ہے اور حافظ صالح بن محمد بغدادی نے کہاہے: وہ

---

❶ اکمال التهذیب: 207/10

❷ دیکھیے: طبرانی فی المعاجم الثلاثة: 12/2، 323/23

❶ تهذیب: 132/3

حدیث گھڑا کرتا تھا۔ ❶

اور اکثر طور پر بعض مدلسین متحمل الاسم راوی کا نام ذکر کرتے ہیں اور اگر وہ ثقہ راوی کا ارادہ رکھتے ہیں تو عام طور پر اس کے نام کی تصریح کر دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

ثالثًا: جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے بارے میں صحیح روایات بیان ہوئی ہیں تو وہ اس جیسی روایت سے بے نیاز کر دیتی ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

125۔ آنجناب نے کہا ہے: اور جو ابن عبد ربہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ (العقد الفرید)

میں کہتا ہوں: یہ وہی گزشتہ روایت ہے پھر ادب کی کتابیں دین کے مراجع نہیں ہیں جیسا کہ ایک سے زائد مرتبہ بیان ہو چکا ہے۔

126۔ آنجناب نے کہا ہے: یہ سب کچھ ہونے کے بعد ابن کثیر کے کلام کی قیمت دیکھیے جو کہہ رہا ہے:

ان تمام روایات کی اسانید ضعیف ہیں ان سے دلیل اخذ نہیں کی جا سکتی۔ کیا یہ فقط جرح غیر مفسر نہیں ہے جو مردود ہے اور کاش کہ وہ مدد کرتا کہ وہ راوی کہاں ہیں جو ضعیف ہیں تو ان کے ضعف کی وجہ سے روایت ضعیف ہو گئی؟

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولًا: آپ نے ابن کثیر کے حوالے سے پہلے جو کچھ بیان کیا اس سے ابن کثیر رحمہ اللہ کے کلام کی صحت آشکارا ہو گئی ہے۔

ثانیًا: یہ صورت ان صورتوں میں سے نہیں ہے جن کے بارے میں جرح مفسر وغیرہ کہا جاتا ہے بلکہ (اس طرح کی صورت میں) کہا جاتا ہے کہ کون سا ضعیف راوی ہے جس کے ضعف کے سبب حدیث ضعیف ہو گئی؟ جبکہ جرح تو تضعیف کے بعد دوسرا مرحلہ ہے، کہ اس طرح کہا جائے: حدیث کی علت فلاں ہے، پس کہا جاتا ہے: اس کا عیب کیا ہے؟ پس کہا جاتا ہے: ضعیف ہے یا متروک ہے یا کذاب ہے یا اس طرح کی جرح۔

ثالثًا: ابن کثیر نے اس کے بعد مسلم کی صحیح حدیث بیان کی ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم جس نے گٹھلی کو پھاڑا اور روح کو پیدا کیا کہ اللہ کے نبی کا میری

❷ ایضًا: 392/26

طرف عہد ہے کہ تجھ سے محبت وہی کرے گا جو مومن ہو گا اور تجھ سے بغض وہی رکھے گا جو منافق ہو گا۔ پھر فرمایا: یہ حدیث جو ہم نے بیان کی ہے یہ اس سے صحیح ہے۔

یہ اہل السنہ کا منہج ہے وہ صحیح سند سے بیان ہونے والے فضائل کو ثابت کرتے ہیں اور ان روایات کو ترک کر دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہوتیں۔ یہاں تک کہ وہ بھی جن کو وہ مرتبہ میں دوسروں پر مقدم سمجھتے ہیں لہٰذا فضائل صحابہ میں ایسے فضائل کی کوئی ضرورت نہیں جو سنداً صحیح ثابت نہ ہوں کیونکہ ان کے بارے میں جو صحیح سند سے ثابت ہے وہی کافی ہے۔

رابعًا: جب آپ نے پہچان لیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے تو کیا آپ اسے ردّ کریں گے؟! کیونکہ آپ کا مطالبہ اس کا اشارہ کر رہا ہے کہ اس (روایت) کی تصعیف کا سبب بیان کیا جائے۔

اور یہ آپ نے دیکھ لیا اور باذن اللہ آپ دیکھ لیں گے کہ جو آپ نے روایات پیش کی ہیں ان میں سے اکثر ضعیف ہیں یا مکذوبہ ہیں۔ کیا یہ بات آپ کو نفع دے گی؟ میں تو نفع کی امید رکھتا ہوں۔

127۔ آنجناب نے کہا ہے: علی بن ابی طالب اور ابو بکر اور عمر کے درمیان کیا فرق ہے؟ کہ وہ اس کی توثیق کرتے ہیں جو علی علیہ السلام کو گالی دیتا ہے اور اس شخص پر کفر کا حکم لگاتے ہیں جو ابو بکر اور عمر کو گالی دے اور اس کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں جیسا کہ فریابی سے مروی ہے کہ اس نے کہا: جو ابو بکر پر دشنام طرازی کرے وہ کافر ہے، میں اس پر جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ اسے کہا گیا: اس کے ساتھ کیا کرے گا کہ وہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے؟ اس نے کہا: اسے اپنے ہاتھ نہ لگانا بلکہ اسے لکڑیوں پر اٹھاؤ حتیٰ کہ اسے اس کے گڑھے میں چھپا دو۔ اس کا جواب چند پہلوؤں سے ہے:

اولًا: میں اللہ عزوجل سے سوال کرتا ہوں کہ وہ آپ کا دل، حق کے لیے کھول دے اور آپ کی بصیرت کو روشن کرے اور وہ ہمیں اور آپ کو خاص کر حق دکھائے اور ہمیں اور آپ کو خاص کر حق کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ثانیًا: آپ کے ساتھ مباحثہ کرتے ہوئے مجھے ایک مثال یاد آئی جو میں غیر مسلموں کے ساتھ کے خلاف پروپیگنڈے کے جواب میں اپنے طالب علموں کو سنایا کرتا تھا کہ وہ ان کا رد کیسے کریں۔ جو یہاں قدرتی طور پر فرق کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔

چنانچہ میں سوال کے جواب سے پہلے وہ مثال بیان کرتا ہوں تاکہ جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔

ایک آدمی نے اپنے دل میں پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ پاؤں آسمان کی طرف اٹھا کر اپنے ہاتھوں پر چلے اور کسی ملک میں اپنے دوست کی ملاقات کرے چنانچہ اس کا دولت اسے ائیرپورٹ پر ملا، اس نے دیکھا کہ اس کا دوست اپنے ہاتھوں پر چلا آرہا ہے، جونہی وہ ہوائی جہاز سے اترا تو ہاتھوں پر چلنے والے نے اسے کہا: اے میرے بھائی کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو الٹا دیکھ رہا ہوں؟ پھر وہ گاڑی پر سوار ہونے کے لےی کوچ کے قریب آیا تو کہنے لگا: کوچ الٹی کیوں ہے؟ پھر جب وہ کوچ میں سوار ہو گیا تو کہا: لوگ الٹے کیوں ہیں؟ اور جب اس نے ائیرپورٹ کے درخت دیکھے تو کہا: درخت الٹے کیوں ہیں ---۔ اور اس طرح کے الٹے سوالات کرتا جائے تو اس کا دوست اسے ہر سوال کا جواب دینے کی کوشش میں لگ جائے تو سوالات ختم ہونے میں نہ آئیں گے کیونکہ اس کی نگاہ میں تو ہر چیز مقلوب (الٹی) ہے۔ تو اس کا (سیدھا سا) حل کیا ہے؟ وہ یہ کہ وہ اپنے دوست سے کہتے کہ میرے دوست تو جو چیزیں الٹی دیکھ رہا ہے یہ سیدھی ہیں۔ لیکن تو بذات خود الٹا ہے اور تیرے سوالات کا حل یہ ہے کہ تو اپنے قدموں پر سیدھا کھڑا ہو، تاکہ تجھے سب چیزیں سیدھی نظر آئیں۔

اے عزیز دوست اس سوال کا حل آپ کے ساتھ ہے وہ کہ آپ صحیح و سلیم منہج پر اپنے عقیدے کی بنیادیں استوار کریں تاکہ آپ دیکھیں کہ اللہ کے حکم سے کس طرح معاملات آپ کے لیے سیدھے ہوتے ہیں۔

ثالثاً: آپ کی گفتگو سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ (عیاذاً باللہ) اہل السنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم نہیں کرتے اور جب وہ ایسے راوی سے روایت لیتے ہیں جو ان کو دشنام کرتا ہے تو وہ اس سے محبت نہیں کرتے اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اس سے روایت لیتے ہیں جس کی طرف اسے دشنام کرنا منسوب ہے اور اس (وہم کے ازالے پر) گفتگو گزر چکی ہے۔

ہم ان سے محبت کیوں نہ کریں وہ تو آل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہماری تو نماز بھی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک ہم ان کے لیے آل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امہات المومنین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور آل عباس (بن عبدالمطلب) رضی اللہ عنہ اور آل عقیل رضی اللہ عنہ اور آل حمزہ رضی اللہ عنہ اور

آل علی رضی اللہ عنہ سمیت دعا نہ کرلیں۔ اگر آپ لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم ان سے محبت نہیں کرتے تو یہ مبنی پر خطا اعتقاد ہے اور ایسی فہم ہے جو دلیل پر قائم نہیں بلکہ (بے بنیاد) شبہات پر مبنی ہے۔

اور جو آپ نے بعض بنو امیہ کے افراد کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر دشنام کرنا نقل کیا ہے تو ان کا یہ فعل اہل السنہ کی نمائندگی نہیں کرتا اور ہم (عقیدتاً) ان کے فعل سے براءت کا اعلان کرتے ہیں نہ کہ (تقیۃ)

رابعًا: آپ نے چند اشخاص کی مختلف عبارتیں پیش کی ہیں، صحابہ کرام پر دشنام کرنے والے کے متعلق حکم لگانے میں ہر شخص کا اپنا قول ہے اور آپ نے مختلف اقوال یوں پیش کیے ہیں، گویا وہ ایک مخرج سے صادر ہوئے ہوں، علمی ریسرچ میں ایسا کرنا درست نہیں اور یہ اس لیے کہ علماء کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دشنام دینے والے کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، ان میں سے بعض علماء اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دشنام دے یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس شخص کو فاسق قرار دیتے ہیں جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دشنام دے یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو۔

لیکن یہ مناسب نہیں کہ آپ ایک انسان کے پاس آئیں جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دشنام دینے والے کو کافر قرار دیتا ہے اور اس انسان کے پاس بھی جو سیدنا ابو بکر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کو دشنام دینے والے کو فاسق قرار دینے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دشنام دینے والے کو کافر قرار دینے والے درمیان تقابل کرنا شروع کردیں۔

انصاف یہ ہے کہ آپ دونوں صحابیوں کے بارے میں اس شخص کا ذاتی کلام بیان کریں اور اس طرح منصفانہ تقابل ممکن ہے۔

خامسًا: صحابہ کرام پر دشنام طرازی کرنے والے کے بارے میں حکم لگانا اس مسائل میں سے ہے جن کے بارے میں نظریات مختلف ہیں علماء میں سے ایسے بھی ہیں جو صحابہ میں کسی ایک کو دشنام دینے والے کو کافر نہیں قرار دیتے، یہ اس صورت میں کہ وہ صحابہ میں کسی ایک، مثلاً سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دشنام دے، اس کو فاسق قرار دیا جائے گا اور اسے کوڑے مارے جائیں گے اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور یہ سمجھتے ہیں کہ دشنام دینا کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ ہیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو دشنام طراز کو کافر سمجھتے ہیں یا اس قتل کا مستحق سمجھتے ہیں اور ذیل میں

اختصار کے ساتھ ان کے نظریات پیش کیے جاتے ہیں۔

اولاً: ان علماء کے اقوال جنہوں نے کہا کہ دشنام طراز کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ اسے تعزیر لگائی جائے گی۔

i: لالکائی نے اپنی سند سے شرح اعتقاد اصول اہل السنہ (ح: 2386) میں فرماتے ہیں کہ امام احمد سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا، جو اصحاب الرسول ﷺ میں سے کسی کو دشنام دیتا ہے۔ آپ نے جواب دیا: میں رائے رکھتا ہوں کہ اس کو عبرت ناک مار ماری جائے۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے کسی صحابی کو دشنام دینے والے کے قتل کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ آپ رحمہ اللہ نے سزا دینے کا فتویٰ دیا: اگر وہ آپ رحمہ اللہ کے نزدیک کافر ہوتا تو اس کے قتل کا فتویٰ دیتے۔

ii: اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: جو شخص اصحاب النبی ﷺ کو دشنام دے اس کو سزا دی جائے اور جیل میں قید کر دیا جائے۔

iii: اصطخری نے جو رسالہ امام احمد سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ آپ رحمہ اللہ اس میں فرمایا: حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کا افضل انسان ابو بکر رضی اللہ عنہ ہے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد علی رضی اللہ عنہ اور ایک قوم نے توقف کیا ہے اور یہ سب ہدایت یافتہ، رشد و بھلائی سے لبریز خلفا ہیں، پھر ان چاروں کے بعد اصحاب رسول ﷺ سب لوگوں سے بہتر ہیں، کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کی لغزشیں بیان کرے اور نہ ہی ان پر کسی عیب اور نقص کی بنا پر طعن و تشنیع کرے اور جو کوئی ایسا کرے اس کو ادب (سکھانے) کے لیے مارنا اور سزا دینا واجب ہے۔ [1]

iv: اور اس طرح ہی حضرت عمر بن عبد العزیز بن مروان اور اسحاق بن راہویہ سے منقول ہے اور امام مالک اور ابن المنذر کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ [2]

v: اور قاضی ابو یعلی نے اپنی کسی کتاب میں شاتم صحابہ کے بارے میں حکم پر باب منعقد کیا ہے اور اس کے شروع میں کہا ہے: کتاب و سنت کی رو سے اصحاب رسول کو دشنام دینا حرام ہے، پھر

---

1. الصارم المسلول، ص: 568
1. دیکھیے: شرح اعتقاد اصول اهل السنه، ح: 2383۔ شفا: 308/2 الصارم المسلول

اس نے دلائل ذکر کیے ہیں۔ ❶

vi: اور سحنون نے کہا ہے: جو اصحاب النبی ﷺ مثلاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا عثمان رضی اللہ عنہ یا ان کے علاوہ دوسروں کو کافر قرار دے اس کو جسمانی سزا دی جائے۔ ❷

vii: مغیرہ اور ابو اسحاق ہمدانی سے مروی ہے کہ سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر کو دشنام دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ ❸

اس مذہب میں جس طرح کہ آپ نے دیکھا: اصحاب الرسول ﷺ کے شاتم کو کافر قرار نہیں دیا گیا۔

ثانیاً: ان لوگوں کا مذہب جو صحابہ کو دشنام دینے والے کے کفر اور اس کے قتل کا فتوی دیتے ہیں۔

i: امام لالکائی اپنی سند سے شرح اعتقاد اصول اہل السنہ (ح: 2378) میں سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے کہا گیا: اگر آپ کے پاس کوئی ایسا آدمی لایا جائے جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دشنام دیتا ہو، تو آپ اس کے ساتھ کیا کریں گے؟ فرمایا: میں اس کی گردن مار دوں گا، اس نے کہا: اگر وہ سدینا عمر کو دشنام دیتا ہو تو؟ فرمایا: میں اس گردن مار دوں گا۔

ii: حضرت سحنون رحمہ اللہ سے الشفاء (309/2) میں اس شخص کے بارے میں مروی ہے جو کہے کہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم گمراہی اور کفر پر تھے، اسے قتل کر دیا جائے اور جو ان جیسے دیگر صحابہ کو دشنام دے اس کو شدید قسم کا عذاب دیا جائے۔

iii: امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ الصارم المسلول (ص: 570) میں فرماتے ہیں اور ہمارے اصحاب کی جماعتوں نے ان خوارج کے کفر کی تصریح کی ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے براءت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ایسے روافض کے کفر کی بھی جو تمام صحابہ کو دشنام دینے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور صحابہ کو کافر اور فاسق قرار دیتے ہیں اور ان کو گالی دیتے ہیں۔

---

❷ دیکھیے: الصارم المسلول، ص: 571

❸ شفا: 309/2

❹ دیکھیے: شرح اعتقاد اصول اهل السنه، ح: 2387۔ 2388

چنانہ یہ ایک مذہب ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ (حضرت علی اور عثمان رضی اللہ عنہما سے) تبرا کرنے والے (خارجیوں) اور خلفائے راشدین کو کافر قرار دینے والے (رافضیوں) کو کافر قرار دیتا ہے۔

ثالثًا: ان علماء کا مذہب جو ان کے درمیان فرق کرتا ہے۔

ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ شاتم صحابی کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے چنانچہ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ جمہور اس طرف گئے ہیں اس کو تعزیر لگائی جائے اور بعض مالکی کہتے ہیں کہ ایسا شخص قتل کیا جائے گا۔

اور بعض شافعیہ نے شیخین اور حسنین کو خاص کیا ہے۔ چنانچہ قاضی حسین نے اس میں دو وجوہات ذکر کی ہیں اور سبکی نے اس شخص کے بارے میں جو شیخین کو کافر ٹھہرائے اس کے قتل کرنے کو مضبوط قرار دیا ہے اور اس طرح اس شخص کے قتل کو بھی جو ان صحابہ کو کافر قرار دے جس کے ایمان کی تصریح حضرت نبی کریم ﷺ نے کی (جیسے اَسْلَمَ النَّاسُ وَ آمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ) یا اس کو جنت کی بشارت دی جب اس کے بارے میں متواتر خبر ہو، کیونکہ یہ (تکفیر یا تفسیق) حضرت رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کو ضمن میں لیتی ہے۔ [1]

یہ اہل السنہ کی نصوص ہیں ان میں حضرت علی اور دیگر صحابہ کے درمیان تفریق کہاں ہے؟

پھر جب آپ اقوال کے درمیان مقارنہ کرنا چاہیں تو دوسرے مذہب کے قول سے مقارنہ کرنے کی غرض سے ہر مذہب کا ایک قول نہ لیں تاکہ سوچ بچار منصفانہ ہو اللہ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ اہل السنہ کی نصوص ہیں ان میں حضرت علی اور دیگر صحابہ کے درمیان تفریق کہاں ہے؟

پھر جب آپ اقوال کے درمیان مقارنہ کرنا چاہیں تو دوسرے مذہب کے قول سے مقارنہ کرنے کی غرض سے ہر مذہب کا ایک قول نہ لیں تاکہ سوچ بچار منصفانہ ہو اللہ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

سادسًا: جس شخص کو اللہ کی توفیق مل جائے اور وہ اس کے دل کو کھول دے اس پر اہل اسنہ کا انصاف ان کے منہج سے آشکارا ہو جائے گا اور شاید میرے لیے مناسب ہو کہ میں زیدی مذہب کے

---

[1] فتح الباری: 36/7۔ شرح نووی مع صحیح مسلم: 326/16۔ تحفة الاحوذی: 249/10

چوٹی کے شیعی عالم ابن الوزیر کا مفید علمی کلام پیش کروں تاکہ اس کا کلام اہل السنہ (کے انصاف) اور ان کے منہج (کی سلامتی) کی گواہی بن جائے۔ وہ اس حقیقت کو آشکارا کرتے ہوئے کہ اہل السنہ، منہج اور انصاف والے ہیں، خواہش پرست اور ظلم و زیادتی کرنے والے نہیں ہیں: اپنی کتاب العواصم و القواصم (2/377۔400) میں لکھتا ہے۔

ساتویں خوبی: ان کا ایسے دلائل کو روایت کرنا جو ان کے مذہب کے خلاف ہیں مثلاً: نفی رؤیت کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر۔۔۔ اور ایسی احادیث اور مناقب روایت کرنا جو امیر المومنین علی علیہ السلام کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

اور امام ذہبی نے اپنی کتاب طبقات القراء میں حضرت علی علیہ السلام کا ذکر کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ اسلام کی طرف سبقت کرنے میں سوائے خدیجہ کے کوئی ان سے سبقت نہیں کر سکا اور یہ جگہ ان کے مناقب کے ذکر کے لیے ناکافی ہے اور انہوں نے قرآن عظیم جمع کیا ہے اور اس بات کو صحیح ٹھہرایا ہے اور اس کے خلاف کہنے والے کا رد کیا ہے، پھر اس نے ذکر کیا ہے کہ ابوبکر فوت ہوئے اور وہ قرآن ختم نہ کر سکے اور اسی طرح عمر۔

پھر ابن الوزیر اپنے اس قول کے ساتھ اس پر تعاقب لکھتا ہے اور اگر وہ جھوٹوں میں سے ہوتے تو ان دونوں، ابوبکر اور عمر، کی تفصیل کے عقیدے کی وجہ سے ان کے لیے جھوٹ بول لیتے یا نفی اور اثبات کا ذکر کیے بغیر چھوڑ دیتے تاکہ بات مجمل رہ جائے اور اس بات کے لکھنے کی طرف توجہ نہ کرتے اور اس کی صحیح سند بیان نہ کرتے اور اس حقیقت کی نظائر ہیں اگر میں انہیں بالاستیعاب ذکر کروں تو ایک مستقل تصنیف بن جائے۔

آٹھویں خوبی: ان کا اپنے ائمہ کی احادیث کو جن سے فروعات میں حجت پکڑی گئی ہے، ضعیف قرار دینا، جو شخص (البدر المنیر) اور (اس کا خلاصہ) اور (الارشاد) اور تلخیص میں ایسی احادیث دیکھے گا جن کے ساتھ شافعی نے حجت پکڑی ہے، وہ ان کے انصاف کو دیکھ لے گا اور اس بات کو بھی کہ وہ غیر متعصب ہیں اور شاید انہوں نے اس کے دلائل کے چوتھے حصے کے ضعف پر اجماع کیا ہے حالانکہ وہ

تعلق رکھتے ہیں اور ان کی اس بارے میں ایک کتاب احادیث الہدایۃ ہے اور اسی طرح مالکیہ کا معاملہ ہے۔

دسویں خوبی: ان کا ان احادیث کو ضعیف قرار دینا جو تفضیل (شیخین وغیرہ) میں ان کے مذہب پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر اس نے فضائل ابو بکر میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ پھر کہا: انہوں نے انہیں بیان کیا ہے اور انہیں ضعیف قرار دیا ہے اور اس نے ان کا ایسے راویوں کا ضعف ذکر کیا ہے جو اہل السنہ سے ہیں اور ان راویوں کی توثیق ذکر کی ہے جو شیعہ میں سے تھے پھر اس نے کہا: اور اس کا عکس وہ ان اپنے مذہب کی تصحیح ہے جب وہ اسے ثقہ راوی روایت کرتے ہیں۔ پھر اس نے کہا: اور (ذہبی نے) بیان کیا ہے کہ احمد بن حنبل نے سلیمان بن قرم کو ثقہ قرار دیا ہے حالانکہ وہ تشیع میں غالی تھا اور اس کے تشیع میں غلو نے ان کو اس کی توثیق سے نہیں روکا اور نہ اس روایت کی توثیق میں جسے اس نے ثقہ قرار دیا۔

اور ابن عدی نے کہا: اس کی روایات حسن ہیں اور وہ سلیمان بن ارقم سے کافی حد تک اچھا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا کلام اس کے حق میں پائیدار ابن ارقم شیعہ میں سے نہیں۔ یعنی ابن عدی پر جب آشکارا ہوا کہ وہ (سلیمان بن قرم) ضبط میں اس (سلیمان بن ارقم) سے اچھا ہے تو اس نے شیعی کو سنی پر اولیت دے دی اور ان کو شیعی کی مخالفت میں کسی چیز نے اس حق کے بیان سے نہیں روکا جو اس کے لیے تھا۔

گیارہویں خوبی: جرح وتعدیل کی کتابوں میں ان کا حق کا متلاشی رہنا اور اس سلسلے میں مداہنت سے کام نہ لینا، چنانچہ انہوں نے دوستوں اور قرابت داروں کی تضعیف پر گفتگو کی ہے جیسے نوح بن ابی مریم، ابن ابی داؤد اور علی بن مدینی کے والد۔ بلکہ ان کی بھی جن کی وہ تعظیم کرتے ہیں اور وہ تعظیم کے حق دار بھی ہیں جیسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ بعض نے ان کے حفظ کی جہت سے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور اپنی تصانیف میں اس کا واشگاف الفاظ میں اظہار کیا ہے حالانکہ اس دور میں مصر اور شام میں بادشاہ حنفی تھے اور وہ اس رائے پر قائم ودائم رہے۔

بارہویں خوبی: ان کا اپنے دشمنوں کی تعدیل کرنا جو غالی رافضوں میں سے تھے اور صحیحین میں

کتنے سارے رافضی شاتمان صحابہ تھے اور رفض میں غالی تھے جیسا کہ ان کی تعداد بیان ہو چکی ہے اور باوجود اس بات کے جاننے کے ان کا اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں اور کتب رجال میں اس راوی کا مذاہب بیان کرتے ہیں اور تصریح کرتے ہیں کہ وہ ثقہ اور حجت اور مامون فی الحدیث ہے اور دشمن کے ساتھ عدل کرنا، انصاف کے موثر ترین دلائل میں سے ہے۔

تیرہویں خوبی: ان کا علی علیہ السلام کے فضائل بیان کرنا اور بنوامیہ کے ادوار حکومت میں اہل بیت کے فضائل بیان کرنا۔

چودھویں خوبی: ان کا معاویہ کی برائیوں اور اس کی مذمت میں اور بنوامیہ کے بچوں کی مذمت میں احادیث روایت کرنا (ان کے دور میں وہ روایت کی گئی ہیں قطع نظر اس بات کے وہ صحیح ہیں یا نہیں، حالانکہ (معاویہ رضی اللہ عنہ) کی مذمت میں کوئی روایت بھی صحیح نہیں) اور یہ ان کی تواریخ اور ان کی کتابوں میں موجود ہیں اور اس کے فضائل میں مکذوبہ روایات کا کذب بیان کرنا اور یہ کہ اس بارے میں ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں۔ [1]

کیا آپ نے اہل السنہ کے انصاف کے دلائل دیکھے ؟! ان کی شہادت زیدی شیعی عالم دے رہا ہے جسے اللہ نے دلائل اور شواہد کی روزنوں سے حق پہچاننے کی ہدایت دی اور وہ اس پر کھڑا ہو گیا اور ان کے انصاف کا کچھ حصہ پیش کر دیا۔

کیا ممکن ہے کہ ان متلاشیاں حق وصواب کا یہ منہج ہو کہ وہ صحابہ کے درمیان فرق کریں۔

امام ابن تیمیہ منہاج السنہ النبویۃ (5/415۔478) میں اس معنی کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جمہور اہل علم اور دین میں سے جس نے تجربہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ اہل السنہ جھوٹ کو پسند نہیں کرتے اگرچہ وہ ان کے مقاصد کے موافق ہو، چنانچہ وہ خلفاء ثلاثہ کے فضائل میں ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جو کی اسانید سے اچھی ہوتی ہیں اور انہیں ابونعیم اور ثعلبی اور ابوبکر النقاش اور

---

[1] یاد رہے العواصم والقواصم ان عظیم کتابوں میں سے ہے جو زیدی شیعہ عالم نے لکھی ہیں اور اس میں اس نے اہل السنہ کا دفاع کیا ہے۔ لیکن شیخین کریمین اور دیگر صحابہ کے نام کے بعد رضی اللہ عنہ لکھنے میں بخل کا مظاہرہ کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے بعد علیہ السلام لکھنے میں کشادگی کا مظاہرہ کیا ہے تاہم کسی شیعی عالم کا اس قدر اعتراف بھی اہل السنہ کے منہج کے مبنی بر انصاف ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

اہوازی اور ابن عساکر اور ان جیسے علماء روایت کرتے ہیں اور علمائے حدیث ان میں سے کوئی چیز بھی قبول نہیں کرتے، بلکہ جب ان کے نزدیک کوئی راوی مجہول ہو، تو وہ اس کی روایت میں توقف کرتے ہیں۔

شاید اس وضاحت میں اس وہم کے ازالے کے کافی دلائل ہیں جو آپ کے ذہن میں موجود ہے۔

128۔ آنجناب نے کہاہے: کیا علی بن ابی طالب ان صحابہ میں شامل نہیں جن کے بارے میں ابوزرعہ کا فتویٰ ہے کہ جب تو کسی آدمی کو دیکھے جو اصحاب محمد ﷺ میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو جان لے کہ وہ زندیق (لادین وملحد) ہے۔ [1]

اور سرخسی کا قول کہ جو ان (صحابہ کرام) پر طعن و تشنیع کرے وہ ملحد اور اسلام کی تذلیل کرنے والا ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی دوا تلوار ہے یا انہوں نے فتوی دیا تاکہ یہ فقط شیعہ کو قتل کرنے کا ذریعہ بن جائے؟ ابن اثیر نے 407ھ کے حوادث میں لکھا ہے کہ اس سال میں (براعظم افریقہ) کے تمام ممالک میں شیعہ قتل کیے گئے اور اس کا سبب شیخین کو گالی دینے کی تہمت بنا۔

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور خلفائے راشدین میں سے چوتھے خلیفہ ہیں اور جو کوئی اس کا انکار کرے وہ مبتدع اور گمراہ ہے۔

ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فتاوی (4/438) میں فرماتے ہیں: امام احمد سے اس شخص کا بدعتی ہونا منصوص ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں توقف کرے اور آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ اپنے گھریلو گدھے سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور آپ نے اس سے تعلق توڑنے کا حکم دیا ہے اور اس سے نکاح کرنے سے روکا ہے نہ تو امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اولیٰ بالحق ہونے میں تردّد کیا ہے اور نہ ہی ائمہ اہل السنہ نے اور ان کے اولیٰ بالحق ہونے میں تردّد وہی کر سکتا ہے جو مبتدع اور گمراہ ہو اور اس میں ناصبیت کی رگ ہے اگرچہ وہ تاویل ہی کرتا ہو، کیسا خوب منصفانہ قول ہے!

[1] الكفاية فی علم الرواية، ص: 575

ثانیاً: یہ فتویٰ ایک عالم کا ہے جو اس نے اس شخص کے بارے میں دیا ہے جو صحابہ کی تنقیص کرتا ہے اور اس نے اسے زندیق ہونے سے موصوف کیا ہے۔ پس کیا اس نے بذات خود اس فتویٰ کے برخلاف فتویٰ دیا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرے تاکہ آپ گمان کر سکیں کہ اس نے حکم لگانے میں برابری نہیں کی؟

ثالثاً: خطیب بغدادی نے الکفایہ (ص: 97) میں ابوزرعہ کا قول ان لوگوں کے بارے میں نقل کیا ہے جو وصیت میں خیانت کے دعویٰ کی بنا پر صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اس پر دین کا باطل ہونا مترتب ہوتا ہے، شاید اس نے اسے اس نقطہ نظر سے دیکھا ہو، لہٰذا جس شخص کے طعن کا نتیجہ یہ نکلتا ہو وہ زندیق ہے، خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا ہے: اور یہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہے اور قرآن برحق ہے اور یہ قرآن اور سنت ہماری طرف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے پہنچایا ہے اور وہ تو ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ کتاب و سنت کو باطل ثابت کر سکیں لہٰذا وہی جرح کے زیادہ مستحق ہیں اور وہ زندیق ہیں لیکن جب (دشنام طرازی) کسی دنیاوی معاملے یا شخصی معاملے میں ہو، تو بلاشبہ یہ گناہ ہے لیکن اس وصف تک پہنچتا اور شاید یہی وجہ ہے جیسے پہلے قول والوں نے ملحوظ خاطر رکھا ہے، اس لیے امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں جس نے انہیں کافر اور گمراہ قرار دیا ہو اور اس شخص کے بارے میں جس نے انہیں ایسی دشنام دی ہو جو لوگ عام طور پر ایک دوسرے کو دیتے ہیں، فرق ہے۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر اس نے کہا کہ وہ ضلالت اور کفر تھے تو اسے قتل کر دیا جائے اور جو ان کو اس سے ہٹ کر وہ دشنام دے جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دیتے ہیں تو اسے عبرت ناک عذاب دیا جائے۔ [1]

یہ علماء کے اجتہادات ہیں اس شخص کے بارے میں جو اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کو دشنام دیتا ہے اور یہاں ایک عالم کا ایک فتوی یا دو فتوے نہیں ہیں کہ ایک تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دشنام دینے والے کے لیے ہو اور دوسرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دشنام دینے والے کے لیے ہو، لہٰذا آگاہ رہیں اور انصاف کو تھامیں۔

---

[1] الشفاء: 308/2

رابعًا: اور رہا آپ کا قول: یا انہوں نے فتویٰ دیا تا کہ شیعہ کو قتل کرنے کا جواز بن جائے۔

میں کہتا ہوں: یہ فتویٰ افریقہ میں ظاہر ہوا یا متفرق ادوار میں (بصورت صحت خبر) افریقا میں جو کچھ ہوا، اس میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ نے علانیۃً حضرت رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تکفیر کی اور لوگ اسے برداشت نہ کر سکے اور انہیں قتل کر دیا کیونکہ علماء نے ان کے قتل کا فتوی دیا اور اس سے کہیں زیادہ بھیانک مظالم بویہی اور صفوی وغیرہ شیعی حکومتوں کے دور میں ہوئے۔

خامسًا: اگر کوئی عالم شیخین رضی اللہ عنہما کو دشنام دینے والے کے قتل کا فتویٰ دے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دشنام دینے والے کے قتل کا فتویٰ نہ دے تو یہ عالم اپنے فتویٰ میں غلطی کر رہا ہے اور جب وہ بیان کرے کہ علماء نے شیخین کے شاتم کے قتل کا فتوی دیا ہے اور وہ کسی سوال کے جواب پر مشتمل ہو جو اس سلسلے میں پوچھا گیا ہو یا اس چیز کے ظہور کا سبب ہو جو اس جواب کا باعث ہو اور ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال نہ پوچھنے یا اس کے ظہور کا باعث نہ ہونے پر نہ دیا گیا ہو تو اس میں کیا حرج ہے ؟!

سادسًا: بلاشبہ شیخین رضی اللہ عنہما کا دوسروں کی نسبت امت پر عظیم ترین احسان ہے چنانچہ ان دونوں نے مرتدین کو دین کی طرف لوٹایا اور دنیا کو فتح کیا اور اسلامی لشکروں کے ذریعے اسلام پھیلایا، لہٰذا ان دونوں پر طعن کرنا دین اسلام پر اعتماد کو گم کر دے گا اور شاید یہ وہ روزن (دیوار) سے جہاں سے اس عالم نے دیکھا اور (ان دونوں کے شاتم کے بارے میں خاص فتویٰ دیا لیکن یہ صحابہ کے درمیان تفریق کے لیے نہیں، اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ عظماء صحابہ میں سے کسی کو دشنام دینے والے اور حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو دشنام دینے والے کا حکم ایک ہے۔

129۔ آنجناب نے حموی سے نقل کیا ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر مشرق و مغرب۔۔۔ حرمین مکہ اور مدینہ کے منبروں پر لعنت کی گئی۔

میں کہتا ہوں کہ حموی کا قول دیگر تاریخی واہیات کی طرح بے سروپا ہے اور اس نے اپنے قول کا کوئی مصدر ذکر نہیں کیا، اگرچہ ہم شاذ و نادر حالات میں اسے بعید نہیں سمجھتے، البتہ یہ کہنا کہ ایسا تمام ممالک میں ہوتا رہا، یہ جھوٹ ہے اور تاریخ (کے کباڑ خانے) میں بہت سا جھوٹ موجود ہے اور اگر

ہم تاریخ کی تصدیق کرنا شروع کر دیں تو ہماری زندگی خرافات میں بدل جائے گی۔

اب ذرا اس مصنف کی زبانی سنیے وہ خرافات اور جھوٹ بیان کرتا ہے اور اپنے بارے میں دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بسا اوقات روایات کی توثیق بھی کرتا ہے۔

وہ ذوالقرنین کے سامنے یاجوج ماجوج کے پڑوسیوں کے شکوے کے بعد لکھتا ہے کہ ذوالقرنین نے ان سے پوچھا: ان کا کھانا کیا ہے؟

انہوں نے کہا: ان کی طرف سمندر ہر سال دو مچھلیاں پھینکتا ہے اور ہر مچھلیاں پھینکتا ہے اور ہر مچھلی کے سر سے دم تک کی لمبائی دس یا اس سے زیادہ دونوں کے سفر کے برابر ہے۔

پھر وہ یاجوج ماجوج کی صفات ذکر کرتا ہے: ان میں سے بعض کا قد درمیانے آدمی کے نصف کے برابر ہے اور ناخنوں کی جگہ پنجے ہیں اور ان ڈاڑھیں اور کچلیاں درندوں کی ڈاڑھوں اور کچلیوں کی طرح ہیں اور ان پر بال ہیں جو ان کے جسموں کو ڈھانپتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے دو کان ہیں جن میں سے ایک کو اپنے نیچے بچھا لیتا ہے اور دوسرے کو اوپر اوڑھ لیتا ہے اور ان میں سے کوئی نر اور مادہ ایسا نہیں جو اپنی اجل اور اپنے مرنے کے وقت کو نہ جانتا ہو۔

میں کہتا ہوں: ماشاء اللہ، وہ تو ان ائمہ کی طرح ہوئے جن کے بارے میں الکافی میں ہے: بَابُ اَنَّ الْاَئِمَّةَ یَعْلَمُوْنَ مَتٰی یَمُوْتُوْنَ وَ اَنَّھُمْ لَا یَمُوْتُوْنَ اِلَّا بِاِخْتِیَارِھِمْ باب (ہے اس بارے میں کہ) امام جانتے ہیں کہ وہ کب مریں گے اور وہ نہیں مرتے مگر اپنی مرضی سے۔

پھر حموی ان کے کھانے کی اسٹوری کو آگے بڑھاتا ہوا لکھا ہے اور وہ ایک سانپ ہے جو سمندر سے نکلتا ہے اور خشکی کے تمام چوپائیوں کو کھا جاتا ہے پھر ایک بادل آتا ہے وہ اسے سمندر کی طرف اٹھا کر لے جاتا ہے تو سمندر چیخ اٹھتا ہے کہ اس نے اس کے تمام چوپائے کھا لیے پھر ایک بادل آتا ہے وہ اسے اٹھا لیتا ہے اور بسا اوقات وہ بادلوں میں گزرتا ہے تو اس کی دم ان سے نکلی ہوتی ہے جب وہ عام درخت اور بلند و بالا عمارت کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اسے اپنی دم مارتا ہے تو عمارت کو اس کی بنیادوں سمیت اور درخت کو اس کی جڑوں سمیت اکھاڑ دیتا ہے اور اسے بادل نے انطاکیہ کی خشکی سے

دعویٰ کیا کہ وہ حلب میں تھا تو اس خبر کے قریب قریب اس کا وجود نمودار ہوا اور اس کے شروع میں اس نے کہا: ہمارے دنوں میں اس گوشے کی عجیب چیز چلی یہ اس طرح کی جھوٹی حکایات کی ایک مثال ہے جو حموی بیان کرتا ہے تعجب ہے آپ مشرق و مغرب اور حرمیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کے سلسلے میں اس شخص کی تصدیق کرتے ہیں؟! [1]

یہ تاریخی گپ اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ تاریخ، بلدان اور ادب کی کتابیں دینی معاملات میں مرجع کے قابل نہیں۔

130۔ آنجناب نے کہا: زمخشری اور حافظ سیوطی نے کہا: بنوامیہ کے دور میں ستر ہزار سے زائد منبر تھے جن پر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کی جاتی تھی کیونکہ معاویہ نے ان کے لیے یہ سنت جاری کی تھی اور تم نے اس کے حوالے کے لیے ابن عقیل کی کتاب النصائح الکافیہ کا نام پیش کیا ہے جو اپنی نقل پر سیوطی پر اعتماد کرتا ہے۔

اس کا جواب کئی جوانب سے ہے:

اولاً: مساجد کے (منبروں) کی تعداد کا ذکر واضح جھوٹ ہے اس دور میں مساجد کی تعداد اس حد تک پہنچنا ممکن نہیں، پھر وہ کون شخص تھا جو اس دور میں مساجد شماری پر متعین تھا۔

ثانیاً: اس طرح کی متورۃ الاسانید کتب پر اعتماد کر کے لوگوں پر بہتان لگانا ان کتابوں کی طرح ہے جو وعظ پر مشتمل ہوں اور ان سے عقائد پر استدلال کیا جائے، ایسا طرز فکر، اہل السنہ کے مخالفین کے عقائد کے انحراف کا بڑا سبب ہے۔

ثالثاً: جبکہ ابن عقیل مجہول اور واضح طور پر شیعی سوچ کا حامل ہے لہٰذا یہ عامی شخص اس قابل نہیں کہ اس کی نقل پر اعتماد کیا جائے اور اسی لیے اس نقل کا حوالہ نہیں دیا، پھر سیوطی سے نقل کرنا جو نویں صدی کے علماء میں سے ہے اور اس کے اور اموی حکومت کے درمیان تقریباً آٹھ سو سال ہیں اور بغیر صحیح سند کے روایت کو قبول کرنا مردود عمل ہے۔

---

[1] الحمد للّٰہ علی العافیۃ صدر اسلام سے لے کر آج تک کسی خطیب کا خطبہ اور کسی نمازی کی نماز ایسی نہیں جس میں سیدنا و مولنا محمد رسول اللہ اور ان کی آل پر درود نہ پڑھا گیا ہو لیکن اہل تشیع اس حقیقت کا اقرار کرنے کی بجائے جھوٹ کی تصدیق کرتے ہیں، محض اہل السنہ پر بہتان لگانے کے لیے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

رابعًا: یہ وہ منہج جس کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں، یہ ہمارے لیے ہے اور ہم پر اس کی پابندی ہے: ہم بے سند تاریخی قصوں سے استدلال نہیں کرتے اور نہ ہم تاریخ کے بے سند قصے کو قبول کرتے ہیں پھر اس سند کا صحیح ہونا بھی لازمی ہے بلکہ اعتقاد کے مسائل میں ہم بے سند اور غیر صحیح حدیث کو بھی ہم قبول نہیں کرتے۔

اگر ہم اس منہج کی حرص کریں تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے اور مخالفین کے بہت سے اختلافات سکڑ جائیں۔

131۔ آنجناب نے کہا: اور کیا معاویہ نے نبی ﷺ سے علی بن ابی طالب علیہ السلام کو دشنام دینے کی فضیلت کی حدیث سنی تھی کہ وہ سعد سے کہتا تھا تجھے ابوتراب کو دشنام دینے سے کیا چیز مانع ہے؟ یہ واقعہ صحیح مسلم (120/7) میں ہے اور جو ابن عساکر اور ابن کثیر نے روایت کیا ہے کہ سعد نے معاویہ سے کہا: تونے مجھے اپنے گھر میں داخل کیا اور مجھے اپنے پلنگ پر بٹھایا پھر تو اس کے معاملے میں واقع ہوا ہے اور اس کو دشنام دینے لگا ہے۔ [1]

اور ابن ابی شیبہ کے کلام "مصنف" (496/7) میں ہے کہ اس کے پاس سعد آیا، انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا، تو معاویہ نے اس کی ہتک عزت کی تو سعد غضب ناک ہو گیا۔

یا ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم کہیں کہ نبی ﷺ نے صحابہ کو عمومًا اور علی بن ابی طالب کو خصوصًا دشنام دینے سے منع کیا ہے جو غیر مخاطبین کے لیے خاص ہے؟!

اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولًا: حدیث میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس بات پر دلالت کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دشنام دینے کا حکم دیا ہو، اس نے اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ عدم دشنام کا سبب پوچھا تھا۔

علماء، مثلًا: امام نووی نے شرح صحیح مسلم (ح: 2404) نے کہا ہے کہ یا تو اسے یہ بات پہنچی ہو کہ سعد رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دشنام دیتے ہیں اور وہ اس دشنام میں شریک نہ ہوتا ہو، یا اس سے مراد یہ ہے کہ تو ان کی رائے اور اجتہاد کے غلط ہونے کو ظاہر کیوں نہیں

[1] تاریخ دمشق: 119/42۔ البدایة: 376/7

کر تا اور ہماری رائے اور اجتہاد کی اچھائی کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیوں نہیں کرتے اور یہ کہ اس نے خطا کی اور اس بات کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی کہ آپ رضی اللہ عنہ ان کو دشنام کا حکم دیا ہو یا اس سے مطالبہ کیا ہو کہ اس پر لعنت کرے یا اس کو کافر ٹھہرائے، اگر آپ رضی اللہ عنہ مراد دشنام ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نشان عظمت ابوتراب کی کنیت سے یاد نہ کرتے کیوں عربوں میں کسی کی شان کے اظہار کے لیے کنیت سے پکارا جاتا ہے۔

ثانیاً: جب کوئی حدیث بیان ہوتی ہے اور کئی کتابوں میں بیان ہو اور اس کا مخرج ایک ہوتا ہے اور الفاظ مختلف ہوتے ہیں: (مثلاً: اس حدیثِ سعد بن ابی وقاص کی طرح) تو اس حدیث میں احتمال نہیں ہوتا کہ وہ دو مرتبہ کہی گئی ہے، لہٰذا اس کے تمام الفاظ کی تصدیق کی جائے، یا ان الفاظ کو جو صحیح حدیث میں آئے ہیں، چھوڑ کر اس لفظ کی تصدیق کی جائے جو یا تو ضعیف سند سے مروی ہو یا حسن سند سے بلکہ صحیح سند والی حدیث کے لفظ کو مقدم رکھا جائے گا۔

یہ حدیث گزشتہ الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم میں وارد ہوئی ہے، پھر دیگر الفاظ سے وارد ہوئی ہے جن میں سے ایک کو ابن کثیر نے ذکر کیا ہے اور حدیث کا مصدر بیان نہیں کیا لیکن سند ذکر کی ہے جس میں محمد بن اسحاق جو ثقہ ہے لیکن وہ مدلس ہے اور اس نے یہاں اسے لفظ عَنْ سے بیان کیا ہے۔ [1]

جبکہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں عبدالرحمٰن بن سابط ہے اس کے بارے میں یحیٰ بن معین کہتے ہیں: اس نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ [2]

اور وہ یہاں ان سے روایت کر رہا ہے لہٰذا ان کے درمیان کوئی مجہول راوی ہے اور یہ خلا روایت کو ضعیف کر دیتا ہے۔

ثالثاً: یہ صحابی سے جس نے صحابی کے بارے کلام کیا ہے یا (آپ لوگوں کے بقول) دشنام دیا، چنانچہ دونوں نے شرف صحابیت حاصل کیا ہے، اگرچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ اور اس کے باپ (ابوسفیان) رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں لیکن اسے صحابیت کا شرف حاصل ہے، پس اگر وہ ان کے بارے کلام کیا ہے یا دشنام دیا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خطاکار ہیں اور عقاب کی دھمکی کے سزاوار ہیں

---

1. دیکھیے: تهذيب الكمال: 142/15
2. دیکھیے: المصنف، ح: 32078

اگر انہوں نے توبہ نہ کی ہو اور ہم نہیں سمجھتے کہ انہوں نے بغیر توبہ کے اللہ کی ملاقات کی ہو اور ان کے حالات زندگی کے بیان میں وارد ہوا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت اور مغفرت کی امید رکھتے تھے۔ ❶

اس لیے اہل السنہ والجماعہ کا منہج ان کے باہمی مشاجرات میں بال کی کھال نہ اتارنا ہے کیونکہ اس سلسلے میں بہت سی متعارض اور دخیل روایات ہیں، تاہم وہ ہر ایک صحابی کی فضیلت پہچانتے ہیں اور ان کی ایک دوسرے پر فضیلت کے قائل ہیں۔

رابعًا: آپ بذات خود مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے بیان کر چکے ہیں سعد غضب ناک ہوا اور اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کے گروہ کی موجودگی میں سرعام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کیے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ اس کو اذیت دی اور نہ سزا دی اور بات اس کی تائید کرتی ہے کہ اموی دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل برسرعام (بلکہ حکمرانوں کی موجودگی میں) بیان کیے جاتے تھے اور یہ حقیقت اس پروپیگنڈے کے خلاف ہے جو مخالفین کرتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بڑی جرأت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کرنے والے فاتح قادسیہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے نام پر بھی جناب کا رضی اللہ عنہ نہ لکھنا کس بات کی غمازی کرتا ہے؟!

132۔ آنجناب نے لکھا ہے: جن لوگوں نے عثمان کو قتل کیا اور جس شخص نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کو قتل کیا، ان میں کیا فرق ہے کہ ابن حزم کے نزدیک قاتلان عثمان فاسقین، ملعونین، محاربین اور عمداً حرام خون کو بہانے والے تھے۔ ❷

اور ابن تیمیہ کے نزدیک وہ زمین میں فساد پھیلانے والے خوارج لوگ تھے۔ ❸

اور ابن کثیر کے نزدیک وہ اجڈ (اکھڑ مزاج) طرح کے ملے جلے لوگ تھے۔ لیکن علی بن ابی طالب کا ''قاتل'' مجتہد متاول تھا جیسا کہ ابن حزم نے اپنے اس قول سے تصریح کی ہے: امت کے کسی فرد کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے علی علیہ السلام کو تاویلاً اور اجتہاداً ہی قتل

---

❸ امام ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلا (150/3) اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف (344/11) میں ثقات راویوں سے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کا حضرت معاویہ سے تقصیرات ذنوب سے مغفرت الٰہی سے متعلق سبق آموز واقعہ درج ہے جو پڑھنے کے لائق ہے (چونکہ یہاں) اس کی گنجائش نہیں اس لیے اصل مقصد میں پڑھیں۔ مترجم

❶ الفضل: 161/4

❷ منہاج السنۃ: 189/3۔206

کیا تھااور یہ اندازہ کرتے ہوئے کہ وہ درستی پر ہے۔

اس کا جواب چند وجوہ سے ہے۔

اولاً: آپ نے ابن تیمیہ اور ابن کثیر کا کلام قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیش کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کے بارے میں ان دونوں کا کلام پیش نہیں کیا جبکہ موازنہ اور مقارنہ اس وقت پورا ہو گا جب آپ دونوں قضیوں میں عالم کا کلام قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیش کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کے بارے میں ان دونوں کا کلام پیش نہیں کیا جبکہ موازنہ اور مقارنہ اس وقت پورا ہو گا جب آپ دونوں قضیوں میں عالم کا کلام پیش کریں گے اور ان دونوں قضیوں میں عالم کا کلام پیش کریں گے اور ان دونوں کے درمیان اختلاف ہے اور اس پر تنبیہ گزر چکی ہے۔

چنانچہ نہ تو ابن تیمیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کو برحق قرار دیتے ہیں یا اس کی تعریف کرتے ہیں اور نہ ابن کثیر، لیکن بسا اوقات اس کی عبادت کی تذکرہ کرتے ہیں جس کا ذکر ان احادیث میں آیات ہے جو خوارج کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم اپنی عبادت کو ان کی عبادت کے مقابلے او اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں حقیر سمجھیں گے اس میں ان کی تعریف نہیں ہے بلکہ ان کی گمراہی کے باوجود ان کی حالت اور ان کے عبادت سے نفع حاصل نہ کرنے کا بیان ہے چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کا حال بیان کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل ان میں سے ایک ہے تو کیا آپ کہیں گے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کی ہے ؟!

ثانیاً: جبکہ ابن حزم کا قول، تو وہ ابن ملجم کے ذاتی اعتقاد کو بیان کرنے کے بارے میں ہے جس نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر ابھارا، نہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کو اس کی نیکی باور کرانے کے بارے میں، ابن حزم کی گفتگو فقہی سیاق میں ہے جس میں وہ قاتل کے متعلق احکام میں علماء کا اختلاف بیان کر رہا ہے نہ کہ وہ اس میں قاتل کی تعریف کر رہا ہے اور اصل مسئلہ پر مطلع انسان اس کا دراک رکھتا ہے۔

اس کی مراد قاتل کی مدح نہیں بلکہ وہ اس مسئلے کی بنیاد ہے جس کی بعد میں ابن تیمیہ تائید کی

ہے چنانچہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل کے تذکرے کے دوران ابن مطہر الحلی کے رد میں اپنے اس قول سے جواب دیا۔

جواب یہ ہے کہ اس مسئلے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ظاہراً و باطناً ایمان کی شہادت ہے اور ان کے اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دوستی کا ثبوت ہے اور مومنوں کے ان کے ساتھ محبت رکھنے کا وجوب ہے اور اس میں ان نواصب کا رد ہے جو ان کے کافر ہونے اور فاسق ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں جیسے دین سے خارج ہونے والے خوارج جو تمام لوگوں سے بڑھ کر عبادت گزار تھے جیسا کہ حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے بارے میں بیان کیا کہ تم میں ہر کوئی اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلے میں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں اور اپنی تلاوت قرآن کو ان کی تلاوت کے مقابلے حقیر سمجھے گا وہ قرآن پڑھیں گے جو ان کے گلے سے نیچے تجاوز نہ کرے گا وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے آر پار نکل جاتا ہے۔ اور اس لیے ان میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے ان کو قتل کیا باوجود اس کے کہ وہ بڑے عبادت گزار لوگوں میں سے تھا۔ [1]

چنانچہ وہ تو ان کی عبادت کے باوجود ان کو دین سے خارج بتارہے ہیں، تو یہ ان کے قول (جیسے خوارج جو دین سے نکلے ہوئے ہیں) اور یہ کہ ان مارقین میں سے ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، سے کیا ان کی تعریف ہے؟!

ثالثًا: آپ نے ابن حزم کے کلام کو نقل کرنے کے بعد چند کتابوں کے نام درج کیے ہیں۔ امام شافعی کی کتاب ''الام'' (229/4) اور مختصر المزنی (ص: 256) اور مجموع (197/19) اور مغنی المحتاج (124/4) اور الجوہر النقی (58/8) اور اس سے آپ کی مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کا وصف بیان کرنا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ گمراہ عبادت گزاروں میں سے تھا اور یہ بعینہ وہی بات جو بیان ہو چکی۔

رابعًا: جبکہ اہل السنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گھرانے سے محبت کرنا اس میں شک کرنا ممکن ہی نہیں اور ہم یہ بات تقیہ نہیں کہتے بلکہ اپنی کتابوں میں اس کا واشگاف الفاظ میں اظہار کرتے کہ ہم ا سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور اس طرح آپ رضی اللہ عنہ کے گھرانے سے بھی،

[1] منهاج السنة: 5/46-47

لیکن شرعی محبت کرتے ہیں جو ان کو ان کے مرتبے سے اوپر نہیں لے جاتی۔

جناب بتائیے تو سہی کہ ہم ان کو کیوں برا سمجھیں، وہ تو مومن ہیں۔ اگر وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے نہیں تو ان لوگوں میں سے ضرور ہیں جو اوائل اسلام میں ایمان لائے اور حضرت نبی کریم ﷺ کے چچازاد ہیں اور آپ کی بیٹی کے شوہر اور سیدنا حسن وحسین کے باپ ہیں اور ان کے اتنے فضائل ہیں جو انہیں بہت سے لوگوں سے اوپر لے جاتے ہیں اور انہوں نے زندگی بھر حضرت رسول اللہ ﷺ سے مل کر جہاد کیا جناب، وہ اسباب تو بتائیے جن کی وجہ سے جن کی وجہ سے آپ اہل السنہ کو ان سے نفرت کرنے والے باور کراتے ہیں انہوں نے تو اس چیز کا اعتقاد بھی نہیں رکھا جس کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی ہے جیسا کہ آپ لوگ ان کے تینوں خلفاء بھائیوں کے بارے میں گمان رکھتے ہو۔

آپ لوگوں کے پہلوؤں نے جب سے وصیت کا (بوداگھر اوند) کھڑا کیا ہے اس وقت سے آپ لوگوں کے ہاں عظماء امت کے متعلق بغض نے جنم لیا ہے اور حضرت (علی رضی اللہ عنہ) کے بارے میں غلو سے کام لیا ہے۔

133۔ آنجناب نے کہا ہے: معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ ان کی کومت کا دارومدار حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو دشنام دینے پر رہ گیا جیسا کہ ابن عساکر نے حضرت علی بن حسین سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: مروان بن حکم نے کہا: قوم میں تمہارے صاحب (علی رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر ہمارے صاحب (عثمان رضی اللہ عنہ) کا دفاع کرنے والا کوئی نہ تھا۔ کہا: میں نے کہا: تمہیں کیا ہے تم اسے منبر پر دشنام کیوں دیتے ہو؟ اس نے کہا: اس کے بغیر معاملہ سیدھا نہیں رہ سکتا۔ [1]

اس کا جواب چند وجوہ سے ہے:

اولاً: ہم کئی مرتبہ اس طرح کے استشہاد کے بارے میں کہہ چکے ہیں اور علی وجہ البصیرت بیان کر چکے ہیں کہ تاریخ ایسا مرجع نہیں ہے جس سے خبروں کی توثیق یا نفی کی جا سکے۔ جب کتب حدیث میں بہت سا کذب داخل ہو گیا ہے تو تاریخ کے بارے میں جناب کا کیا خیال ہے: جس کے سر اور پاؤں نہیں ہیں اور خاص طور پر تاریخ دمشق، جو تقریباً اسی جلدوں تک پہنچ گئی ہے اور وہ ایسی روایات

[1] دیکھیے: تاریخ دمشق: 438/42

سے بھری ہوئی ہے جو صحیح نہیں ہیں بلکہ موضوع روایات سے بھی اور مولف کتاب نے سند درج کر دی ہے تاکہ مستدل، استدلال سے پہلے مسئلے کی تحقیق کرے، کیا آپ نے سند کی تحقیق کی ہے؟! پھر ہم قطعی طور نہیں کہہ سکتے کہ یہ تمام مولفات ان کے مولفین کی نوشتہ ہیں مگر اس صورت میں کہ ہماری طرف اس کا توثیق شدہ نسخہ پہنچے کیونکہ اس دنیا میں ایسی کتابیں بھی ہیں جن میں دسیسہ کاروں نے دسیسہ کاری کرکے اصلی نسخوں میں بہت کچھ داخل کر دیا بلکہ خود کتابیں لکھ کر معروف اشخاص کی طرف ان کی نسبت کر دی مثال کے طور پر الامامۃ والسیاسۃ کو لے لیجیے۔ ایزاد از مترجم۔

ثانیاً: اس طرح جیسے محرم اعمال کی حالت یا حالات کا وجود ناممکن نہیں کیونکہ انسان ظلوم اور جہول ہے اور اس کا معنی یہ نہیں ہوتا کہ لوگوں کے ہاں وہ کام پسندیدہ تھا اور دائمی تھا۔

پھر شیعہ میں کتنے (ذاکر اور مجتہد) پائے گئے اور ابن بھی بہت سے واعظ اور ذاکر اور مناظر ہیں۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عظیم اور افضل ہستیوں پر لعنت کرتے ہیں، وہ خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کے والدین اور آپ کی صاحب زادیوں کے شوہر پر لعنت کرتے ہیں جنہوں نے (دنیائے کفر کی) مملکتوں کو فتح کیا اور ان کے ادوار خلافت میں لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئے اور اس کے باوجود ان پر لعنت کرتے ہیں اور متاخرین شیعہ کی بہت سی کتابیں ان رپ لعنت سے پر ہیں یا تو صراحتاً یا توریتاً۔ ان میں سے محدث نوری امامی متوفی 1320ھ کا مستدرک الوسائل نامی کتاب کے مقدمے میں ایک قول ہے جو اس نے افتتاح کے بعد لکھا ہے: وَ اللَّعْنَةُ عَلٰى اَعْدَائِهِمْ شِرَارُ الْبَرِيَّةِ بَيْنَ طَوَائِفِ الْاُمَمِ (60/1)

اور استر اباذی امامی سید شرف الدین حسینی (متوفی 940ھ) کا قول پڑھیے جو اس نے اپنی کتاب تاویل الآیات الظاہرۃ کے مقدمہ میں درج کیا ہے: پس بے شک میں نے جب کتاب عزیز کی بعض آیات اور ان کی تاویل دیکھی جو اہل بیت اور ان کے اولیاء کی مدح اور ان کے دشمنوں کی مذمت پر بہت سی کتب تفسیر میں موجود تھیں۔ (21/1)

اور ان دو شیعی بویہی اور صفوی حکومتوں کی حرکتوں کو پڑھیے ان میں منبروں اور بازاروں میں خلفاء پر لعنت کی جاتی تھی اور مساجد کے دروازوں پر ان دونوں کی طرف سے لعنت لکھی جاتی تھی میں

نے اشارہ کیا ہے تاکہ شیعہ جان لیں کہ جس حالت یا حالات کو وہ برا سمجھتے ہیں وہ خود اس سے بدتر اور بڑی حالت میں لت پت ہیں اور تاریخ، صحیح اور غیر صحیح واقعات کے ذکر سے بھری پڑی ہے۔

134۔ آنجناب نے کہا ہے: جبکہ تمہارا قول کہ پھر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی سے علم حاصل کرنا جائز نہ ہوا، اس صورت میں وہ سارا دین جو اس (یعنی علی رضی اللہ عنہ) کے سوا کسی کے ذریعے پہنچایا گیا ہو وہ دین نہ ہوا۔

پھر آپ نے میرے اس قول کا اپنے اس قول سے رد کیا: چنانچہ ہم کہتے ہیں:

اولاً: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی نص ہے کہ علی، ان کے علم کا دروازہ ہے لہٰذا جو کوئی علم کا ارادہ کرے وہ اس دروازے سے آئے جیسا کہ طبرانی نے اپنی سند سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا، فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَاْتِهِ مِنْ بَابِهِ [1] اور اسے حاکم نے متعدد طرق سے ذکر کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [2] اور اسی طرح متقی نے کنز العمال میں اسے ذکر کیا ہے اور اس کی صحت کے قول کے ساتھ۔ [3]

اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: ہم اللہ کی تعریف کرتے ہیں جس نے ہمیں اسلام کے صاف و شفاف کشادہ میدان میں زندہ رکھا، جس کی نصوص پر ہم نازاں ہیں اور صحیح اسانید کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ اس کے وارث ہیں۔ جب توفیق شدہ انسان اسلام کی عظیم کتب کی نصوص سے آگاہ ہوتا ہے جنہیں علماء اہل السنہ نے مدوّن کیا ہے اور ان میں دین کے اصول و فروع کو محفوظ کیا ہے اور پھر وہ مخالفین کی کتب سے آگاہ ہوتا ہے تو اس کو اس کے سوا کوئی چارا نظر نہیں آتا کہ وہ اپنے خالق اور مولیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھائے جس نے اس عظیم دین کے لیے اس کے دل اور عقل کو کھولا، تاکہ ان نصوص کی روشنی میں اس دین کی عظمت دیکھے۔

ثانیاً: میں شیعی عوام کو ملامت نہیں کرتا جو اپنے دین کی تعلیم اور اس کی روایات کی تحقیق اور

---

[1] دیکھیے: المعجم الکبیر: 55/11۔ اسد الغابة: 22/4۔ تاریخ بغداد: 181/3

[2] المستدرك: 127/3۔126

[3] کنز العمال: 149/13

ان کی چھان بین کے لیے وقت نکالنے سے عاجز ہیں، لیکن ملامت توان لوگوں پر ہے جن کے لیے علم کا دروازہ کھل گیا ہے اور انہیں ریسرچ اور تحقیق کے مواقع حاصل ہیں، تو وہ پھر بھی صریح اور واضح اور موثوق کتب کو ترک کرنے پر مصر ہیں اور اپنے معتقد کو سہارا دینے کے لیے ضعیف اور موضوعات روایات کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔

ثالثاً: مذکورہ بالا روایت کا درجہ بیان کرنے سے قبل ہم ان کے معنی پر غور کرتے ہیں۔

i: کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد ان کا دروازہ ہیں؟ یا ان کی وفات کے بعد؟ حدیث میں تو اس بات کا اشارہ نہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا دروازہ ہیں تو پھر وہ ان کی زندگی اور ان کی وفات کے بعد بھی دروازہ ہیں۔

اگر ایسا ہے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں لوگوں کو براہ راست تعلیم کس لیے دیتے رہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تعلیم کیوں نہیں دی، پھر علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو تعلیم دیتے۔ کیونکہ دروازے کا مطلب یہی ہے، یعنی دروازے سے گزرے بغیر شہر میں داخل نہیں ہوا جاتا۔

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دین سکھانے کے لیے مبلغ اور وفود کیوں بھیجا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی اکتفا کیوں نہ کیا؟

ii: جب ہم کہیں کہ وہ ان کی وفات کے بعد دروازہ ہیں تو اس روایت کے الفاظ اس معنی کا ساتھ نہیں دیتے۔ لیکن اگر ہم فرض کرلیں کہ اس کا مرادی معنی یہی ہے۔ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم نے کسی صحابی کو نہیں سنا کہ اس نے اس طرف اشارہ کیا ہو؟ یا (سوال کرنے والوں سے) کہا ہو: ٹھہرو حتی کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیں۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی دیگر صحابہ کی طرح تھے، آپ رضی اللہ عنہ فتویٰ دیتے تھے جس طرح وہ فتویٰ دیتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں بھی اور عدم موجودگی میں بھی، اور آپ رضی اللہ عنہ نے ان پر انکار نہیں کیا۔

iii: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوا ایک آدمی کے اور کوئی مبلغ (دین) نہ ہو، تو یہ اللہ

عزوجل کے دین پر حرف ہے، کیونکہ اس کی نقل اور فہم میں خطا کا امکان ہے اور عصمت کا دعویٰ اس وقت تک اساسی طور پر ثابت ہی نہیں ہوتا جب تک وہ خود اپنی عصمت کا دعویٰ نہ کرے، چنانچہ ہم نے کسی صحابی کے بارے میں نہیں سنا کہ اس نے عصمت کے دعویٰ کے پیش نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو مقدم سمجھا ہو۔ بلکہ کوفی لوگ اپنی رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منوا کر انہیں مصیبت میں پھنسا دیتے تھے۔

iv: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی (علم کا) دروازہ ٹھہرے تو جو کوئی ان سے کچھ علم اخذ کرے گا تو وہ لوگوں کو پہنچائے گا یا نہیں؟ اور کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دنیا کی طرف مبلغین بھیجے یا نہیں؟ اور کیا ان کے بارے میں معصوم ہونا شرط ہے یا نہیں؟!

اگر یہ جائز ٹھہرا کہ ان کی طرف سے مبعوثین یہ کام کر سکتے ہیں تو ان کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان کیا فرق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے جانے کے بعد ان کے پیغام توحید و رسالت کو پہنچائیں؟!

v: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو دروازہ بند ہو گیا اس لیے کہ (حدیث مدینہ) نے ان کے دروازے کے سوا دیگر کے دروازوں کا بند ہونا بیان نہیں کیا اور اس کا مطلب یہ نکلا کہ تبلیغ رک گئی۔

vi: کون سا شہر اعظم ہوتا ہے، وہ شہر جس کا ایک ہی درواہ ہوتا ہے یا کئی دروازے؟ کیا آپ نے کوئی عظیم شہر دیکھا ہے جس کا سوائے ایک دروازے کے کوئی دروازہ نہ ہو؟

vii: مان لیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی وہ دروازے ہیں اور وہ ائمہ جن کے متعلق آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ علم پہچانے میں اس کی نیابت کرتے ہیں، تو وہ تو صحیح قول کے مطابق ختم ہو گئے یا آپ لوگوں کے دعویٰ کے مطابق امام بچہ غائب ہو گیا اور کوئی معصوم امام باقی نہ رہا جو تبلیغ کرے تو کیا دین کی تبلیغ روک دی گئی؟!

اگر آپ کہیں کہ ہاں تو یہ بڑی آفت ہے۔

اگر آپ کہیں: نہیں، بلکہ علماء اس کی تبلیغ کریں گے تو ان علمائے صحابہ کے درمیان جو حضرت

نبی کریم ﷺ کی طرف سے دین کی تبلیغ کرتے ہیں اور ان علماء کے درمیان جو عسکری کے بعد تبلیغ کرتے ہیں فرق کیا ہے؟!

رابعًا: اگر امام کے بغیر دین سمجھا جاسکتا ہے تو امام کی ضرورت نہیں اور اگر سوائے امام کے نہیں سمجھا جاتا تو اب تمہارا (معصوم) امام کون ہے؟! اور کیا آپ لوگوں نے اس کے بغیر ہی دین سمجھ لیا؟!

اگر آپ لوگ کہیں: ہاں، تو یہ آپ کے امام کی ضرورت کے دعویٰ کو باطل کرتا ہے۔

اور اگر آپ لوگ کہیں: نہیں، تو پھر آپ لوگ گمراہ قرار پائے ئ کیونکہ آپ جہالت پر اللہ کی عبادت کر رہے ہیں!!

جبکہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ دین کی معرفت کے لیے کتاب وسنت کافی ہیں اور امت گمراہی پر اتفاق نہیں کر سکتی اور ہم کتاب وسنت کی تدریس کا مطالبہ کرتے ہیں، اگر ہم اس مطالبے میں درست ہیں تو ہمارے لیے دوہرا اجر ہے اور اگر ہم خطا پر ہیں تو تو ہمارے لیے ایک اجر ہے ہدایت کی نعمت پر ہم اللہ کا شر ادا کرتے ہیں۔

خامسًا: اس شرعی علم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے راستے کے بغیر دنیا کے کونے تک پہنچ گیا اور اسلامی او غیر اسلامی دنیا تک پھیل گیا، کیا وہ معترف بہ علم ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہ بغیر شہر کے دروازے کے پہنچا ہے؟! بلاشبہ دنیا میں شرعی علم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل السنہ نے پھیلایا ہے۔

اگر آپ کہیں کہ یقینًا یہ شرعی علم ہے، تو آپ نے دیگر دروازوں کا اعتراف کر لیا اور اگر آپ کہیں کہ یہ شرعی علم نہیں تو آپ لوگوں نے دین کو باطل قرار دیا، کیونکہ قرآن وسنت کو فقط صحابہ کرام نے ہی نقل کیا ہے۔ سادسًا: یہ روایت جسے شیعی محدث حاکم (نیشاپوری) نے روایت کیا ہے یہ دو اسناد سے مروی ہے، ان میں سے ایک سند میں ابو الصلت ہے پھر اس نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اسے شیخین نے روایت نہیں کیا پھر کہا ہے: ابو الصلت، ثقہ اور معتمد علیہ ہے، امام ذہبی اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہتے ہیں: قُلْتُ: بَلْ مَوْضُوْعٌ وَ اَبُوالصَّلْتِ لَا ثِقَةَ وَ لَا مَامُوْنٌ

اور علمائے جرح وتعدیل کے ایک گروہ نے اس کو متہم تہمت زدہ قرار دیا ہے اور ایک گروہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام احمد نے کہا: اس نے منکر روایات بیان کی ہیں اور جوزانی نے کہا: یہ حق سے ٹیڑھا اور میانہ روی سے پرے تھا اور ابن عدی نے کہا: اس کی اہل بیت کی فضیلت میں منکر روایات ہیں اور یہ ان میں متہم ہے۔

دار قطنی نے کہا: یہ خبیث قسم کا رافضی تھا اور اس نے ایمان کے متعلق اس کی روایت بیان کی اور کہا: وہ اس کے گھڑنے میں متہم ہے اور اس نے کہا: وہ منکر احادیث بیان کرتا ہے اور وہ ان کے نزدیک ضعیف ہے اور ابوزرعہ نے کہا: وہ میرے نزدیک صدوق نہیں ہے اور وہ ضعیف ہے اور برقانی نے دار قطنی سے روایت کیا کہ ابوالصلت کہتا تھا: علویوں کا کتا تمام بنوامیہ سے بہتر ہے۔ اسے کہا گیا: ان میں عثمان رضی اللہ عنہ بھی ہے؟ اس نے اس نے کہا: ان میں عثمان بھی ہے کیا عثمان رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے نہیں؟ جبکہ یحیٰ بن معین اس سے نقل کرنے میں مضطرب ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اس کی ان احادیث کی وجہ سے اسے پہچانتا نہیں تھا۔ جبکہ اس سے حدیث کے بارے میں اس نے کہا: یہ حدیث کسی کام کی نہیں [1] اور شیخ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے۔ [2]

اور حاکم کے پاس اس کی دوسری سند ہے۔ اس نے اسے ابوالحسین محمد بن احمد بن تمیم قطنطری سے اور اس نے حسین بن فہم سے اور اس نے محمد بن یحیٰ ضریس سے اور اس نے محمد بن جعفر سے اور اس نے ابومعاویہ سے اور اس نے اعمش اور اس نے مجاہد سے۔ حاکم کے شیخ قنطری کے بارے میں ابن حجر نے کہا ہے: ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں لین ہے اور حاکم نے اس سے بہت سی روایات لی ہیں۔ [3]

اور اس کی سند میں حسین بن فہم ہے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ حاکم نے اس کے بارے میں کہا: "لَيْسَ بِالْقَوِيِّ" اور اس طرح دار قطنی نے بھی کہا ہے۔ [4]

---

1. تهذيب الكمال: 10/11
2. سلسلة الاحاديث الضعيفة، ح: 2955
3. لسان الميزان: 49/5
4. ايضًا: 326/2

جبکہ حاکم کا قول یہاں مختلف ہے اس نے اس کے بارے میں کہا: ثقہ ہے، حافظ ہے، معتمد علیہ ہے۔

اور یہ حدیث اپنے تمام طرق سے اعمش سے مروی ہے اور وہ مدلس ہے اور اس نے یہاں عَنْ کہا ہے اور حدیث سننے کی صراحت نہیں کی اور یہ دوسری علت ہے۔

اور بغدادی نے کہا: اس حدیث کو ابو معاویہ سے کسی ثقہ نے روایت نہیں کیا اور اسے ابو الصلت نے روایت کیا ہے تاہم محدثین نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ [1]

اور شیخ البانی نے اس حدیث پر طویل گفتگو کی ہے اور اس کا باطل ہونا ثابت کیا ہے۔

اور حاکم رحمہ اللہ اپنے تشیع کا حریص ہے اس نے کذاب راوی سے اس کی گواہی ذکر کی ہے پھر اس سند کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے: اس حدیث اور اس طرح کی باطل روایات کی تصحیح پر حاکم کی جرأت پر تعجب ہے اور یہ احمد (بن عبد اللہ بن یزید حرانی) کذاب اور دجال ہے۔ [2]

یہ ہے حدیث اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ جو نہ تو سنداً صحیح ہے نہ متناً۔

135۔ آنجناب نے کہا ہے: اور اس طرح آپ ﷺ کا حضرت علی سے فرمانا: اَنْتَ تُبِيْنُ لِاُمَّتِيْ مَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنْ بَعْدِيْ اسے حاکم نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَ لَمْ يُخَرِّجَاهُ کہ یہ حدیث شیخین (بخاری، مسلم) کی شرط پر صحیح ہے اور اس کی تخریج نہیں کی۔

میں کہتا ہوں اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: امام ذہبی نے حاکم کی تصحیح کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے: بلکہ وہ میرے اعتقاد کے مطابق ضرار کی گھڑی ہوئی روایت ہے اور ابن معین نے کہا ہے: یہ (ضرار) کذاب ہے۔ [3]

ثانیاً: مستدرک اعلیٰ تصنیف ہے جس طرف آپ استشہاد کے لیے پہنچتے ہیں اور میں گمان کرتا

---

[5] تاريخ بغداد: 172/7

[1] حاشية المستدرك: 127/3

[1] المستدرك: 122/3

ہوں کہ جب آپ اس سے حدیث نقل کرتے ہیں تو حاکم پر ذہبی کا تعاقب بھی دیکھتے ہوں گے تو کیا یہ بات آپ کو اپنے استدلال کی سلامتی میں نظر لوٹانے پر مجبور نہیں کرتی ؟!

ثالثًا: کیا (اس روایت میں) خبر ہے یا حکم ؟!

اگر حکم ہے تو (جناب کے مذہب کے مطابق) انہوں نے واضح نہیں کیا کیوں کہ آپ ادعویٰ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اللہ کی طرف سے امام ہیں اور جناب کے دعویٰ کے مطابق صحابہ نے اس رکن کی مخالفت کی اور علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے واضح نہیں کیا۔ تب تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم تعمیل نہ کی۔

اور اگر (اس روایت میں) خبر ہے تو ایسا (معاملہ) واقع نہیں ہوا تو یہ نبوت میں طعن ہے (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری نہ ہوئی)۔

رابعًا: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت قیامت تک رہے گی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ موت شہادت سے ہمکنار ہو گئے اور آپ رضی اللہ عنہ اپنی موت شہادت کے بعد امت کو مکمل طور کس طرح آگاہ کر رہے ہیں ؟!

خامسًا: وہ اس کے لیے کیا بیان کریں: کیا وہ چیز بیان کریں گے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو صحابہ سے چھپا گئے تھے ؟!

136۔ آنجناب نے کہا ہے: اور اللہ تعالیٰ کے قول (وَتَعِيَهَآ أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾) [سورۃ الحاقہ] کا نزول ان کے بارے میں ہے جیسا کہ طبری اور سیوطی اور قرطبی وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔ [1]

اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

اولًا: یہ روایت مرسل ہے اسے امام مکحول شامی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور مکحول تابعی ہے لہٰذا یہ متصل نہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

ثانیًا: اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عالم بشریت (کی ہدایت) کے لیے نازل فرمایا ہے اور اس وعدے اور وعیدیں اور گزشتہ امتوں کی خبریں اور حلال و حرام وغیر ذلک مضامین بیان فرمائے ہیں۔ تا کہ صرف ایک کان اسے یاد کرے اور وہ کان صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ سبحان اللہ العظیم

کیا میں آپ کو خبر نہیں دے چکا کہ شیعہ عقیدے کا مضمون یہ ہے کہ قرآن مکمل طور پر

[1] جامع البیان: (29) (69، ح: 26955) الدر المنثور: 260/6

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور ان کی خاطر اور ان کے اتباع کی خاطر نازل کیا گیا ہے۔

بلکہ انہوں نے اپنے ائمہ سے آثار نقل کیے ہیں کہ قرآن ان کے اور ان کے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوا ہے۔

عیاشی نے اپنی تفسیر (13/1) میں ابو جعفر سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: اے محمد! جب تو اللہ کو سنے کہ وہ اس امت میں کسی کا ذکر خیر سے کرتا ہے تو اس سے مراد ہم ہیں اور جب تو سنے کہ وہ کسی قوم کو برائی سے یاد کرتا ہے جو گزر چکی ہے تو وہ ہمارے دشمن ہیں۔

اور تفسیر عیاشی کا تتبع کرنے والا اور اس سے قبل قمی اور ان دونوں سے پہلے عسکری کا تتبع کرے گا تو عجیب چیزیں دیکھے گا۔

چنانچہ تفسیر عسکری (متوفی: 260ھ) میں اس کے مصنف نے اپنی تفسیر (16/1) کے شروع میں کہا ہے: وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ [یونس: 57] اور اس کی رحمت سے مراد، محمد اور اس کی پاکیزہ آل سے دوستی کی توفیق ہے اور ان کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی ہے اور باقی تفسیر میں اسی معنی کی تائید ہے اور اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

ثالثًا: جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کان بھی ان کانوں میں سے ہے جنہوں نے اسے یاد رکھا اور اس میں ان کے مہاجرین اور انصار بھائی بھی شریک ہیں اور ان کے بعد آنے والے مومنین بھی یہاں تک قیامت قائم ہو۔

رابعًا: مفسرین کا اس اثر کو اپنی تفاسیر میں ذکر کرنا اس کی صحت اور ان کے قبول کرنے پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ آیت کی تفسیر میں ایسے تمام اقوال ذکر دیتے ہیں جو اس کے بارے میں کہے گئے ہوں حتیٰ کہ وہ اقوال بھی جو ضعیف ہوتے ہیں۔ البتہ وہ ان اقوال کو اپنے نزدیک راجح قول سے مرجوع کر دیتے ہیں اور ان تمام مفسرین نے کہا ہے کہ واعیة سے مراد حافظة او سامعة وغیرہ ہیں۔

طبری نے اس آیت کو درج کرنے کے بعد کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول واعیة کا معنی حافظة

عقلت عن اللّٰہ ما سمعت سے یعنی جو اس نے اللہ کی جانب سے سنا ہے اسے سمجھ کر یاد رکھنے والے (کان) اور اس معنی کے قائل صحابہ و تابعین کے اقوال بیان کیے ہیں۔ [1]

اور قرطبی نے اپنی تفسیر (262/18) میں کہا ہے: و تعیھا اذن واعیۃ کا معنی یہ ہے کہ وہ کان سن لیں اور اسے یاد کر لیں۔

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر (225/8) میں فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حافظۃ و سامعۃ یعنی سننے والے، یاد رکھنے والے اور قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: عقلت عن اللّٰہ فانتفعت بما سمعت من کتاب اللّٰہ یعنی اللہ جانب سے نازل شدہ کتاب کو سن کر سمجھا اور اس سے نفع اٹھایا۔ اس طرح ہر مومن کان ہی اذن واعیۃ ہے۔

میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اور آپ کو ان لوگوں میں شامل کرے۔

137۔ آنجناب نے کہا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ بخاری نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: ہمارا بڑا قاری یا حافظ ابی ہے اور ہمارا بڑا قاضی علی رضی اللہ عنہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا تمام لوگوں سے بڑا قاضی ہونا ان کے علم کی وسعت پر دلالت کرتا ہے۔

اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

اولاً: یہ اثر صحیح ہے اور اس میں خلفاء کے مابین انصاف اور محبت کا ثبوت ہے اور اہل السنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور ان کے صحابہ بھائیوں کی ان کے حق میں تعریف نقل کرتے ہیں۔ (رضی اللہ عنہم جمیعاً) اور ان کے درمیان ایسی کوئی رنجش نہیں تھی جو شیعہ نے دعویٰ وصیت ایجاد کر کے ظلم اور عداوت کی صورت میں بیان کی ہے، کیونکہ جو شخص عمداً کسی سے عداوت رکھتا وہ اس کی ثنا بیان نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی فضیلت نہیں پہچانتا۔

ثانیاً: ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کے منکر نہیں ہیں اور ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طویل زندگی بسر کی۔ لیکن جو آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کے سوا کسی سے علم اخذ نہ کیا جائے یہ عجیب و غریب دعویٰ ہے اس حدیث ایسی کوئی بات نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہو جیسا کہ بیان ہو چکا اور اللہ کی مشیئت سے آگے آئے گا۔

---

[1] تفسیر طبری: 50/29

ثالثاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر کئی باتوں کو ثابت کرتا ہے۔ ان میں سے۔

i: صحابہ میں قضاۃ (ججز) تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ متخاصمین (جھگڑا کرنے والوں کے) درمیان فیصلہ کرنے والوں میں سب سے زیادہ درست فیصلہ کرنے کا علم رکھتے تھے اور یہ ان کی فضیلت ہے، لیکن یہ فضیلت اس بات کا ثبوت نہیں کہ انہیں علم کے ہر پہلو میں برتری حاصل تھی بلکہ یہ تو اس میدان (قضاء) میں ان کی برتری کا اعتراف ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کا اثبات ہے کہ آپ تمام صحابہ میں قرآن کے بارے قاری نہ تھے کیونکہ ابی ان سے زیادہ قرآن کے قاری تھے اور یہ بھی اس طرح کی خصوصیت ہے اور اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ باقی صحابہ قرآن نہ پڑھتے تھے۔

ii: اور آپ رضی اللہ عنہ کا قول: ہمارا بڑا قاری ابی ہے، اس کا معنی یا تو یہ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کا ہم سے بڑا حافظ ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ قرآن کی قراءت و تجوید ہم سے زیادہ جانتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ کی جو بھی مراد ہو اس سے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی اس معاملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمیز کا اثبات ہے، لہٰذا (یہ قول) اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ حضرت ہر اعتبار سے تمام صحابہ سے اعلم نہ تھے۔

138۔ آنجناب نے کہا: جیسا کہ سعید بن مسیب نے کہا: صحابہ میں کوئی ایسا نہیں تھا جو کہتا ہو: مجھ سے پوچھو سوائے علی رضی اللہ عنہ کے۔ [1]

اور ابن عباس نے کہا: علی رضی اللہ عنہ کو 9/10 حصے علم عطا کیا گیا اور اللہ کی قسم وہ باقی دسویں حصے میں شامل ہے۔ [2]

تفسیر ثعالبی (52/1) اور ابن عباس نے کہا: علی رضی اللہ عنہ 9/10 حصے علم عطا کیا گیا اور اللہ کی قسم وہ باقی دسویں حصے میں شریک ہے۔ [3]

اور کہا جب ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی چیز ثابت ہو جاتی تو ہم غیر کی طرف رجوع نہیں

---

[1] فضائل صحابة: 646/2

[1] اسد الغابة: 22/4

[2] الاستيعاب: 44/3۔ تهذيب الاسماء و اللغات: 317/1

کرتے تھے۔ [1]

اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

اولاً: آنجناب نے وصی اللہ کی محقق فضائل صحابہ (646/2) کا حوالہ دیا ہے اور یہ حوالہ دیگر حوالہ جات کی طرح ہے جو میں ان کی جگہ میں نہ پا سکا کیونکہ اس کتاب کی احادیث اول تا آخر نمبر نگ شدہ ہیں اور اس کے صفحات بھی اول تا آخر نمبر شدہ ہیں۔

اور پہلی جلد میں (حدیث کا نمبر 646) فضائل ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما میں ہے اور صفحہ نمبر (646) بھی پہلی جلد میں ہے اور آپ نے دوسری جلد کا ذکر کیا ہے اور یہ صفحہ بھی فضائل ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر مشتمل ہے۔

اور میں نے اس حوالہ کو مکتبۃ الحدیث الشریف کے پتا پر عُرَیس کمپنی کی سی ڈی میں پایا ہے۔

ثانیاً: یہ حدیث امام احمد کی روایات سے نہیں بلکہ ان کے بیٹے عبد اللہ کے اضافوں میں سے ہے۔ اس کو اس نے عثمان بن ابی شیبہ سے، اس نے یحیٰ بن سعید سے، اس نے کہا: میں خیال کرتا ہوں کہ اس نے سعید سے لہٰذا اس نے یقین سے یہ بات نہیں کہی اور اس طرح کہنا کہ (میں خیال کرتا ہوں) روایت کو مجروح کر دیتا ہے۔

اور اس روایت کو اس نے (عثمان) کے بھائی ابو بکر بن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے اور سعید بن مسیب کا ذکر نہیں کیا اور اس نے یحیٰ بن سعید سے موقوفاً روایت کیا ہے لہٰذا یہ روایت منقطع ہے اور منقطع روایت ضعیف ہوتی ہے۔

ثالثاً: آنجناب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو تکرار سے ذکر کیا اور اس کا مصدر اسد الغابہ اور الاستیعاب ہے اور اسد الغابہ ساتویں صدی میں تالیف کی گئی اور الاستیعاب پانچویں صدی میں تالیف کی گئی اس کی سند کہاں ہے؟

رابعاً: اہل السنہ اپنے دین کے مسائل اس طرح کے مصادر سے ثابت نہیں کرتے البتہ دلیل کے اعتبار سے صحیح ثابت ہوں تو وہ ان کا ذکر کر دیتے ہیں، البتہ مصدر کے اعتبار سے ان پر اعتماد نہیں کرتے اور جس طرح یہ مصادر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں اس طرح یہ

[3] الاستیعاب: 1104/3۔ تهذیب الاسماء و اللغات: 317/1

خلفائے ثلاثہ کے فضائل سے بھی بھرے ہوئے ہیں اور ان کے فضائل اور ان کی نصرت دین کے بارے میں صحیح روایات میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ کتب تاریخ یا مقطوع یا ضعیف یا موضوع روایات سے کہیں زیادہ مشہور ہے۔

خامسًا: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی ہے اور وہ صحیحین میں ہے۔ یہ دونوں مصادر بلا مقابلہ ان مصادر سے صحیح ترین ہیں جو آنجناب نے بیان کیے ہیں۔ اور وہ حدیث بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی چارپائی پر رکھ دیئے گئے اور لوگوں نے آپ کو کفنا دیا اور ان کے لیے دعا کرنے لگے اور ان کی ثنا بیان کرنے لگے اور ان کو اٹھانے سے پہلے ان پر نماز پڑھنے لگے اور میں بھی ان میں شامل تھا، مجھے ایک آدمی نے دہشت زدہ کر دیا اس نے پیچھے سے میرا کندھا پکڑ لیا میں نے مڑ کر دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے حضرت عمر پر رحمت کی دعا کی اور کہا: تو نے اپنے پیچھے کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جو مجھے تجھ سے بڑھ کر محبوب ہو کہ میں اس جیسا عمل کر کے اللہ کی ملاقات کروں اور اللہ کی قسم میں یقین رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ملائے گا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت سے یہ کہتے سنتا تھا میں اور ابوبکر اور عمر آئے، میں اور ابوبکر اور عمر داخل ہوئے، میں اور ابوبکر اور عمر نکلے اور میں امید کرتا تھا کہ اللہ تمہیں ان کے ساتھ ملائے گا۔ [1]

اس شہادت کے بارے میں آنجناب کی کیا رائے ہے! کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اعمال جیسے اعمال سے زیادہ کسی کے عمل جیسے اعمال کے ذریعے الٰہ کی ملاقات کی تمنا نہیں کر رہے اور عمل، علم کے تابع ہے۔ یا اللہ ان کو اپنی پناہ میں رکھے اس بات سے کہ وہ تقیہ کر رہے ہوں۔ یا آپ لوگ ابن عباس کی اس حدیث کو لے لیتے ہوں جو آپ لوگوں کے مقاصد کے موافق ہے اگرچہ وہ ضعیف ہی ہو اور اس حدیث کو چھوڑ دیتے ہو جو آپ لوگوں کے موافق نہ ہو اگرچہ وہ صحیح بھی ہو؟!

139۔ آنجناب نے کہا ہے: اور تیسری بات: صحابہ میں سے کوئی جرأت نہیں کرتا تھا کہ وہ کہے: مجھ سے پوچھ لو سوائے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے جیسا کہ حاکم نے روایت کیا ہے: اسنے عامر بن واثلہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہو کر یہ کہتے ہوئے سنا کہ

[1] صحيح البخاری، ح: 3603۔ صحيح مسلم، ح: 6140

اس نے کہا: مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے گم پاؤ اور میرے بعد تم میرے جیسا کسی کو نہ پاؤ گے جس سے تم پوچھ سکو۔ یہ عالی سند والی صحیح حدیث ہے۔ [1]

اور سعید بن مسیب نے کہا: صحابہ میں سے سوائے علی بن ابی طالب کے کوئی نہ تھا جو کہے مجھ سے پوچھ لو۔ [2]

اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

اوّلًا: آپ نے اقوال کو تکرار کے ساتھ درج کیا ہے چنانچہ آپ نے ابن عباس کے قول کو دو مرتبہ درج کیا اور سعید بن مسیب کے قول کو دو مرتبہ لکھا اور ایک صفحہ بلکہ قریب ترین سطروں میں ایک قول کو دہرانا قابل اعتراض ہے۔

ثانیًا: جبکہ عامر بن واثلہ کی روایت جسے آپ نے حاکم کی طرف منسوب کیا ہے، میں نے اسے مستدرک میں نہیں پایا نہ تو اصلی طبعہ میں اور نہ (مصطفی عبد القادر عطا) کے طبع کے مذکورہ صفحہ میں، کیونکہ اس صفحہ (383) پر تفسیر سورہ ابراہیم کا جز ہے اور اس مکمل جز میں کسی صحابی کی منقبت ہے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہ کسی اور کی۔ جبکہ تیسرے جز میں ہیں اور میں کتاب میں اس کی جگہ نہیں پہچان سکا۔

ثالثًا: اگر آپ رضی اللہ عنہ کا قول صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس بات رپ دلالت کرے کہ وہ تمام صحابہ سے اعلم تھے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے دور میں باقی صحابہ سے اعلم تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دور میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔

رابعًا: آپ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ائمہ کا علم متوارث ہے اور امام ماکان وما یکون کا علم رکھتا ہے اور آپ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد وہاں ائمہ تھے جو ان کے علم کے وارث ہوئے پس اگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان چیزوں کو جانتے ہیں جن کے لوگ محتاج ہوں گے تو یہ روایت جھوٹ ہے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے گم پانے سے پہلے پہلے تم مجھ سے پوچھ لو اور تم میرے جیسے انسان سے پوچھ نہ سکو گے سو آپ کا یہ فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے

---

[1] مستدرک: 353/2

[2] فضائل صحابہ احمد بن حنبل: 646/2

کہ یہاں کچھ ایسے مسائل ہیں جنہیں ان کے سوا کوئی نہیں جانتا، تو ان کے بعد والے ائمہ کہاں گئے؟ (جو ان کے علم کے وارث ہیں) اور اگر وہ نہیں جانتے تو ان کے وجود سے امت کو کفایت متحقق نہ ہوئی (اس صورت میں) ان کی امامت کا فائدہ نہ ہوا یہ بات تو ہم آپ کے مذہب کے مطابق کہہ رہے ہیں ورنہ ہمارے عقیدے کے مطابق مزعومہ امامت کا حقیقتاً کوئی فائدہ ثابت نہیں ہوا۔

140۔ آنجناب نے کہا: چوتھی بات، عمر اللہ کی پناہ طلب کرتا تھا اس پیچیدگی سے جس میں ابوالحسن رضی اللہ عنہ نہ ہو۔ ❶

اور کہا: اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ ❷

اس کا جواب کئی اعتبارات سے ہے:

اولاً: اس اثر کو ابن سعد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مومل بن اسماعیل ہے اس کے بارے میں ابن حجر عسقلانی لسان المیزان (472/7) میں لکھتے ہیں: ابن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔

ثانیاً: اس طرح کے اثر حضرت ابن عباس سے اس کے بیٹے عبداللہ نے روایت کیا ہے، اس نے کہا: جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس پیچیدہ مسائل آتے تو وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہتے اے ابوالعباس! ہم پر پیچیدہ مسائل آتے ہیں اور اس طرح کے مسائل کے لیے تو ہے، پھر وہ اس کی رائے کو اختیار کرتے اور اس اثر میں یہ بھی ہے کہ جب کسی مسئلے میں پیچیدگی ہوتی تو وہ اس کو حل کرنے کے لیے اس کے سوا کسی کو نہ بلاتے۔ ❸

ثالثاً: اگر اس اثر کی سند صحیح ہے تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اللہ سے خوف کرنے پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کسی قضیے میں ایسا فیصلہ دیں جس میں ان کے لیے شرعی حکم واضح نہ ہو، کیا ایسے انسان کے لیے ممکن ہے کہ وہ "وصیت" جیسے مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی جسارت کریں؟! جو انسان اس قصیے کا فیصلہ نہیں کرتا جس کے متعلق اس کے پاس واضح حکم نہ ہو اور وہ (اس کے بارے میں علم

---

❶ تهذيب التهذيب: 337/7۔ الطبقات الكبرى: 339/2

❷ تاويل مختلف الحديث: 162/1

❶ فضائل صحابة: 973/2

نہ ہونے کا) اعتراف کرے اور اس کے بارے میں فیصلے کے لیے اسے بلائے جو اس بارے میں وثوق رکھتا ہو، اس کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اللہ عزوجل کے مشروع حق کو روکنے کا اقدام کرے۔

رابعًا: ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قضیے کے لیے بلانا کیا ان کی فضیلت کا اقرار نہیں ہے؟ تو وہ لوگوں کے سامنے خلافت کے معاملے میں ان سے تنازع کیسے کر سکتے تھے، پھر وہ ان کو دین کے جزوی مسائل میں سے کسی مسئلہ میں فیصلے کے لیے ان کو بلاتے؟

خامسًا: یہ اثر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے درمیان سوائے دوستی کے کچھ نہ تھا اور وہ دونوں بھائی بھائی تھے جو ایک دوسرے کو مضبوط و مکمل کرتے تھے۔

سادسًا: اگر وہاں کوئی وصیت کا مسئلہ ہوتا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیوں نہ کہا: تو مجھے امامت سے روکتا ہے اور اسے غصب کیے بیٹھا ہے اور پھر مجھ سے جزوی قضیے میں فتویٰ طلب کرتا ہے۔

سابعًا: آپ لوگوں کے دعویٰ کے مطابق وہ ظالم حاکم تھے اور اس کے احکام نافذ نہیں ہو سکتے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ غاصب امام کی مدد کس طرح کرتے رہے اور فتویٰ دینے میں ان کے ساتھ شامل رہے؟

141۔ آنجناب نے کہا: اور پانچویں بات، نووی نے کہا اور کبار صحابہ کا ان سے مسائل پوچھنا اور بہت سے مواقع پر مشکل مسائل میں ان کے فتاوی جات اور اقوال کی طرف رجوع کرنا مشہور ہے۔ [1]

جواب: امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے بڑھ کر علم رکھنے والے حضرت ابو بکر اور پھر عمر رضی اللہ عنہما تھے اور ایک سے زاید علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ابو بکر تمام صحابہ سے بڑھ کر علم رکھنے والے تھے اور اس کے دلائل ان کی جگہوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا نہ کوئی فیصلہ کرتا تھا اور نہ فتویٰ دیتا تھا۔

اور لوگوں کے دین میں کوئی چیز مشتبہ ہو جاتی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی اس کا فیصلہ کرتے تھے۔

[2] دیکھیے: تهذيب الاسماء و اللغات

جب انہوں نے وفات النبی ﷺ میں شک کیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے واضح کیا۔ ❶

اور جب انہوں نے آپ ﷺ کے مدفن میں شک کیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے رفع کیا۔ ❷

پھر انہوں نے مانعین زکوٰۃ کے بارے میں شک کیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رفع کیا۔ ❸

اور آپ نے رب العزت کے فرمان: ﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾ [الفتح: 27] کی ان کے لیے وضاحت کی۔ ❹

اور آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے اس بات کی وضاحت کہ (ایک بندے کو اللہ دنیا اور آخرت کا اختیار دیا) اور اس نے آخرت کو اختیار کر لیا اور اس سے حضرت نبی اللہ ﷺ کا دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ ❺

اور اس طرح کے دیگر مسائل اور آپ نے کلالہ کی تفسیر کی تو کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ ❻

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تھے چنانچہ سنن ابی داود (114/2)، ترمذی (296/4)، سنن ابن ماجہ (446/1) اور مسند امام احمد (153/1۔154) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت اور احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب میں حضرت نبی کریم ﷺ سے حدیث سنتا تھا تو جس قدر اللہ چاہتا وہ اس سے مجھے نفع دیتا پس جب کو اور مجھ سے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے حلف لیتا پس جب میرے لیے حلف اٹھاتا تو میں اس کی تصدیق کرتا اور مجھ سے ابو بکر نے حدیث بیان کی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سچ بولا: اس نے کہا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ، يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ

---

❶ دیکھیے: صحیح بخاری، ح: 3587

❷ دیکھیے: موطا امام مالك، ح: 545

❸ صحیح البخاری، ح: 7121۔ صحیح مسلم، ح: 90

❹ صحیح البخاری، ح: 4725

❺ ایضًا، ح: 461

❻ سنن دارمی، ح: 2971

تَعَالٰی اِلاَّ غَفَرَ لَہٗ))

”جو کوئی مسلمان گناہ کر بیٹھے پھر وہ وضو کرے اور دو رکعتیں ادا کرے اللہ سے بخشش طلب کرے تو اسے بخش دیا جاتا ہے۔“

اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کوئی فتویٰ نص کے مخالف ثابت نہیں ہو سکا اور حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کے بہت سے فتویٰ جات نص کے خلاف پائے گئے یہاں تک کہ امام شافعی (مطلبی قریشی) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک جلد میں خلافات جمع کیے اور محمد بن نصر مروزی نے ایسے مسائل ایک بڑی کتاب میں جمع کر دیئے ہیں۔

اور اجماع نقل کرنے والے نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑے عالم تھے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح بڑے بڑے معاملات میں ان دونوں (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے مشورے کرتے تھے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا تھا وغیر ذلک۔

پھر کہا اور ابن عباس سے ثابت ہے کہ وہ کتاب اللہ سے فتویٰ دیا کرتے تھے اگر اس میں کوئی دلیل نہ ملتی تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس سے کوئی دلیل نہ ملتی تو حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے فتوی دیتے اور وہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اقوال کے ساتھ یہ معاملہ نہ کرتے تھے۔ [1]

اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کیا اور بعد میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کیا اور بعد میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کفار قریش سے میثاق توڑنے کے لیے سورۂ براءت کے ساتھ بھیجا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امارت کے تحت تھے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ اس نے کہا: مجھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس حج میں یوم النحر میں اعلان کرنے والوں میں بھیجا کہ ہم منیٰ میں اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ حمید بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ براءۃ کا اعلان کریں

[1] دیکھیے: منہاج السنۃ: 7/500-512

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ یوم النحر کے دن اہل منیٰ میں اعلان کیا۔ [1]

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لوگوں کو نماز پڑھائی اور حضرت عمر، عثمان اور علی وغیر ہم رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ موجود تھے، یہ عمل اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام سے علم میں بڑھ کر تھے کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم علم و فضل کے اعتبار سے کم شخص کو اس سے افضل شخص کی امامت کا حکم دیں۔ علاوہ ازیں اس بات کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں۔

142۔ آنجناب نے کہا: چھٹی بات اور جو انہوں نے اصحاب اور کبار کی احکام کے بارے میں جہالت اور ان کا دوسروں کی طرف رجوع بیان کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قوم کے کسی فرد کی طرف عدم رجوع ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ ابن حزم نے بیان کیا ہے اور ہم نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اقرار کرتے اور اعتراف کرتے پایا ہے کہ انہیں بہت سی سنن نہیں پہنچیں۔ [2]

پھر آنجناب نے بعض صحابہ کے بعض سنن سے جہل کی مثالیں بیان کی ہیں۔

اس کا جواب چند وجوہات سے ہے:

اولاً: حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھانے کا تذکرہ گزر چکا ہے، پس جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عظیم ترین مقام کے خلیفہ بنانا پسند کر لیا تو یہ اس بات کا ثبوت بن گیا کہ وہ صحابہ میں سب زیادہ علم والے اور آپ کی طرف ان سے بڑھ کر محبوب تھے الا یہ کہ استغفر اللہ آپ یہ کہہ دیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقیۃ ایسا کیا تھا۔

ثانیاً: آپ نے ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ اس نے ذکر کیا ہے کہ صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جسے کوئی نہ کوئی سنت یا کوئی نہ کوئی حکم بھولا ہوا نہ ہو۔۔۔ اور آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قوم میں سے کسی کی طرف رجوع نہیں کیا۔

میں نہیں سمجھتا کہ آپ نے عمداً غلطی کی ہے یا آپ اس بات سے غافل ہو گئے ہوں، کیونکہ ابن حزم نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مثال بھی دیگر صحابہ کی مثال کی طرح تھی۔

---

[1] دیکھیے: صحیح بخاری، ح: 1602

[2] الاحکام: 2/142۔145

ابن حزم نے کہا ہے: اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ بہت سے صحابہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کچھ بیان کرتے ہیں جو ان کے پاس نہ تھا اور وہ ان سے حلف لیتے تھے سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے، کیونکہ ان سے وہ حلف اٹھانے کا مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ ❶

اس طرح آپ دیکھ سکتے ہیں کہ صفحہ اور جز مختلف ہو گیا چنانچہ پہلی جلد میں ہے نہ کہ دوسری میں اور صفحہ مختلف ہے۔

ابن حزم اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ (بلا استثنا) تمام صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جسے تمام سنن یاد ہوں۔

بلکہ اس نے اپنی کتاب "الفصل" میں شیعہ کے اس قول کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام لوگوں سے علم میں بڑھ کر تھے) کا ردّ کرتے ہوئے زیادہ وضاحت سے لکھتے ہیں: اس بات کے قائل نے جھوٹ بولا اور صحابی کا علم دو میں سے ایک ذریعے سے پہچانا جاتا ہے اور ان دونوں ذرائع کے علاوہ تیسرا ذریعہ کوئی نہیں۔ ان دو میں سے ایک تو یہ کہ اس کا کثرت سے احادیث روایت کرنا اور (ان کے مطابق) فتویٰ دینا اور دوسرا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس صحابی کو کثیر کاموں میں استعمال کرتا۔

چنانچہ یہ باطل قسم کے محالات میں سے ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کو کام سپرد کریں جسے علم ہی نہ ہو اور یہ اس کے علم اور اس کی وسعت کی بڑی گواہیوں میں سے ہے چنانچہ ہم نے اس بات پر غور کیا تو ہم نے اس بات کو پایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے طویل دنوں میں اپنی موجودگی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نمازوں کا امام مقرر کیا اور تمام اکابر صحابہ موجود تھے۔ جیسے حضرت علی، ابن مسعود، حضرت ابی وغیرہم رضی اللہ عنہم لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان پر ترجیح دی۔ ❷

پھر اس نے تسلسل کے ساتھ اپنے جواب کو مدلل کرنے کے لیے نقلی اور عقلی دلائل دیئے ہیں اس بحث سے آشکارا ہو گیا کہ ابن حزم اس نکتہ نظر کے لیے خلاف جو آنجناب نے کہا ہے۔

143۔ آنجناب نے کہا ہے: ان تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، اس بات میں منصفین اہل علم کے

---

❶ الاحکام: 1/153۔154

❷ دیکھیے: الفصل: 4/136

نزدیک کوئی شک نہیں کہ علی بن ابی طالب اسلام قبول کرنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہے اور اس نے حضرت نبی کریم ﷺ کی گود میں پرورش پائی اور بعثت سے قبل ان کی سرپرستی میں زندگی بسر کی اور آپ ﷺ کی حضانت میں ان کے بازو مضبوط ہوئے اور رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال تک آپ ﷺ کے ساتھ رہے اور سفر و حضرت میں آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوئے اور وہ آپ ﷺ کے چچازاد اور آپ ﷺ کی سیدۃ نساء العالمین بیٹی فاطمہ کے خاوند تھے اور سوائے غزوہ تبوک کے باقی تمام غزوات میں آپ ﷺ کے حاضر خدمت رہے۔

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے پہل اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ علی الاطلاق پہلے نہ تھے، ابن صلاح نے اس موضوع پر اقوال کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

اسلاف نے پہلے پہل اسلام قبول کرنے والے کے بارے میں اختلاف کیا ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ وہ ابو بکر الصدیق ہیں اور یہ قول ابن عباس، حسان بن ثابت اور ابراہیم نخعی وغیرہم سے مروی ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ پہلا شخص ہے جس نے اسلام قبول کی اور یہ قول زید بن ارقم، ابوذر، مقداد وغیرہم سے مروی ہے اور حاکم ابوعبداللہ نے کہا ہے: میں اصحاب تواریخ میں اس بات پر اختلاف نہیں جانتا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں اور حاکم کی طرف سے اس بات کو انوکھا قرار دیا گیا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ زید بن حارثہ پہلا صحابی ہے جس نے اسلام قبول کیا اور معمر نے اس طرح کا قول زہری سے بیان کیا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے ایمان قبول کرنے والی شخصیت ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں اور یہ قول قتادہ اور محمد بن اسحاق بن یسار اور ایک جماعت کا ہے اور ہم نے جو کچھ مفسر ثعلبی سے روایت کیا ہے اور ہم تک اس کی جانب سے پہنچا ہے اس نے علماء کا اتفاق بیان کیا ہے کہ

خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی شخصیت ہیں جس نے اسلام قبول کیا اور اختلاف تو ان کے بعد پہلے اسلام قبول کرنے والے کے بارے میں ہے۔

اور عمدہ ترین بات یہ ہے کہ آزاد مردوں میں پہلے پہل اسلام قبول کرنے والے ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور نوخیز بچوں میں علی رضی اللہ عنہ اور عورتوں میں خدیجہ اور آزاد کردہ غلاموں سے زید بن حارثہ اور غلاموں میں سے بلال ہیں۔ واللہ اعلم ❶

ثانیاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسلام کرنے وقت ان کی عمر کے بارے میں روایات مختلف ہیں، کہا گیا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر دس سال تھی اور کہا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی عمر پندرہ یا سولہ سال تھی اور ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ بدر والے دن بیس سال کے تھے، اس کے بعد ذہبی نے کہا ہے یہ اس بات کی نص ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال سے کم تھی، بلکہ اس بات میں نص ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اس وقت آپ سات یا آٹھ سال کے تھے اور یہ قول حضرت عروہ کا ہے۔ ❷

اس صورت میں آپ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا مکلف ہونے کی عمر سے پہلے تھا۔

جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام چالیس سال یا اس سے زیادہ عمر میں تھا۔ ❸

چنانچہ ان کا اسلام قبول کرنا شرعاً مکلف ہونے کی عمر میں تھا اور سیرت نبویہ کا گہرا مطالعہ کرنے والا شخص دیکھتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے اسلام اور مسلمانوں کے لیے زیادہ نفع مند ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو نفع دیا لیکن صدیق کا نفع زیادہ ہوا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اَمَنَّ النَّارَ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَ مَالِہٖ اَبُوْبَکْرٍ)) ❹

”سب لوگوں سے بڑھ کر اپنی صحبت اور مال سے مجھ پر احسان کرنے والا ابو بکر ہے۔“

---

❶ مقدمة ابن صلاح، ص: 269۔270

❷ یہ اقوال حاکم نے (111/3) اور اس طرح ابن سعد نے ذکر کیے ہیں اور انہوں نے طبقات (21/3) نو سال کا بھی ذکر کیا ہے۔

❸ دیکھیے: طبقات ابن سعد: 192/3۔213

❹ صحیح البخاری: 10/7۔ صحیح مسلم، ح: 3382

اور آپ رضی اللہ عنہ اپنی زبان اور اپنے ہاتھ کے ذریعے جہاد کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ پہلے شخص ہیں جو اللہ کی راہ میں تکلیف سے دوچار کیے گئے اور آپ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹایا۔ ❶

آپ اکیلے شخص ہیں جو ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت آپ کے ساتھ شریک تھے۔

اور قریش مکہ آپ رضی اللہ عنہ کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعظیم کرتے تھے اور ان کے مقام اور جہاد کو پہچانتے تھے اور غزوہ احد میں ابوسفیان کے سوائے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے کسی کے بارے میں نہیں پوچھا۔ ❷

یہ اس لیے کہ انہیں ان کے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں مرتبہ و مقام اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان دونوں کے ذریعے اسلام کی قوت کا پتا تھا اس لیے اس نے ان تینوں کے علاوہ کسی کی موجودگی کے بارے میں نہیں پوچھا۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا ❸ اور ان کے ساتھ چھ شخص اور آزاد کیے۔ ❹

ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (26/3) میں کہا: آزاد لوگوں میں سے ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جس نے اسلام قبول کیا اور ان کا سالام ان لوگوں کے اسلام سے زیادہ نفع مند ثابت ہوا جن کا ذکر گزر چکا ہے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ محترم سردار اور قریش میں معظم و مکرم رئیس تھے اور مال دار اور اسلام کی طرف دعوت دینے والے تھے اور محبوب اور محبت خور انسان تھے اور مال کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں خرچ کرتے تھے۔

---

❶ دیکھیے: بخاری، ح: 3678

❷ بخاری، ح: 4043

❸ بخاری: 99/7

❹ مصنف ابن ابی شیبۃ: 10/12۔ حاکم: 284/3 اور اس نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔

جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے قبول اسلام کے وقت کم سن تھے اور ان کا مکہ میں کوئی نمایاں کردار نہ تھا سوائے اس عمل کے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہجرت والی رات، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے تھے اور بلاشبہ یہ عظیم کردار ہے لیکن ان کا کوئی دیگر عمل ذکر نہیں کیا گیا اور شاید اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کم سن تھے۔

پھر ان کے پاس مال بھی نہ تھا جس سے آپ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کرتے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مکی مرحلہ میں حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی اسلام اور مسلمین کے ساتھ واضح فضیلت تھی۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ و النہایہ (335/7) میں کہا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں مدت قیام تک رہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں رہے اور وہ بھی اپنے باپ (ابو طالب) کی زندگی میں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے باپ کو تنگ لاحق تھی۔

جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بڑے شیخ تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کا اپنی قوم (قریش) میں بڑا رتبہ تھا اس چیز نے آپ کو خدمت اسلام میں بڑی قوت فراہم کی۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور اپنے اسلام کو ظاہر کیا تو اللہ کی طرف دعوت دی اور ابو بکر اپنی قوم کے لیے مالوف ومانوس تھے اور قریش کے نسب کو قریشیوں سے بڑھ کر جاننے والے اور قریش میں خیر اور شر کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور آپ تاجر اور صاحب خلق اور مالک خرچ کرنے والے شخص تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی قوم کے لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تھے ایک سے زائد کاموں کے لیے آپ رضی اللہ عنہ سے مانوس تھے وہ آپ کے علم اور تجارت اور حسن مجلس کی وجہ سے آپ کے گرویدہ تھے۔

اور آپ اپنی قوم کے جس فرد پر اعتماد کرتے اور وہ آپ کی مجلس میں آتا اور بیٹھتا تو اسے اسلام کی دعوت دیتے چنانچہ ہم تک جو بات پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے والوں میں حضرت زبیر بن عوام، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن ابی وقاص اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے اور ان کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے

ان پر اسلام پیش کیا اور ان پر قرآن پڑھا اور انہیں اسلام کے حق کی خبر دی تو یہ ایمان لے آئے اور یہ آٹھوں اشخاص وہ ہیں جنہوں نے اسلام کی طرف سبقت کی اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور اس (وحی) پر ایمان لائے جو اللہ کی طرف سے آئی اور ہجرت کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سبقت کرنا اور حضرت رسول اللہ ﷺ سے مل جل کر رہنا اور آپ ﷺ کے قریب رہنا اور حضرت رسول اللہ ﷺ کا ان سے محبت کرنا اور ان کو اپنے قریب رکھنا ایسے حقائق ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا پھر وہ آپ ﷺ کے بعد منصب خلافت پر فائز ہوئے، چنانچہ مسلمانوں نے ان کی اطاعت کی اور امور مملکت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دے دی اور کسی نے احتراماً و تعظیماً ان کی مخالفت کی جسارت نہیں کی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے کفر کی سرزمین کو فتح کیا اور دین کو پھیلایا۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر امت مختلف ہو گئی اور متفق نہ ہوئی حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ تھے انہوں نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کی ایسے اطاعت نہ کی جیسا کہ انہیں اطاعت کرنی چاہیے تھی اور یہ اختلاف جہاد فی سبیل اللہ موقوف ہونے کا سبب بن گیا اور وہ جنگیں جو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہوئی تھیں وہ مسلمانوں کے درمیان شروع ہو گئیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی گناہ نہیں تھا بلکہ آپ حق کے زیادہ قریب تھے بلکہ حق پر تھے لیکن گفتگو اس موضوع پر ہو رہی ہے کہ ان دونوں اماموں کے ہاتھ پر کیا کیا کامیابیاں پوری ہوئیں۔ رضی اللہ عنہما

اور دیگر پہلوؤں سمیت اس پہلو سے بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ پر فضیلت آشکار ہوئی اور یہ ہے صحابہ کرام کے دلوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تعظیم و توقیر کا سبب، جس کی وجہ سے وہ آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو پہچانتے تھے اور آپ کی اطاعت کرتے تھے اور آپ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔

ثالثاً: باقی رہا جناب کا قول کہ آپ رضی اللہ عنہ سوائے غزوہ تبوک کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ یہ سچ اور برحق قول ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان تمام غزوات میں بھی شریک ہوئے اور اس سے زیادہ (فضیلت والی بات یہ ہے) کہ آپ رضی اللہ عنہ تبوک میں بھی شریک ہوئے چنانچہ دونوں امام غزوات

میں شرکت کے اعتبار سے برابر ہیں لیکن ابو بکر الصدیق ان غزوات میں قریب ترین تھے۔

چنانچہ معرکہ بدر سے قبل حضرت نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو سب سے پہلے جس شخص نے گفتگو کی وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے نہیں ہوئے تھے، لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نسبتاً ان دونوں میں سے حضرت رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین تھے۔

مشورے والی حدیث کو امام احمد نے مسند احمد (26/4) میں روایت کیا ہے اور ابن کثیر نے البدایہ (263/3) میں کہا ہے: وَ هٰذَا اِسْنَادٌ ثُلَاثِيٌّ صَحِيْحٌ اور یہ تین راویوں والی سند صحیح ہے۔ اور معرکے کے دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت نبی اللہ ﷺ کے ساتھ چھپر میں تھے اور حضرت نبی اللہ ﷺ اللہ کو پکار رہے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی چادر گر گئی اور سوائے ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے اور کوئی قریب نہ ہوا، پس آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی چادر آپ کے اوپر اوڑھائی اور آپ کو پیچھے سے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور کہا: اے نبی اللہ آپ کا اپنے رب سے فریاد کرنا کافی ہو چکا پس وہ یقیناً اس وعدے کو پورا کرے گا جو اس نے آپ ﷺ سے کیا۔ [1]

اور معرکہ (بدر) کے بعد قیدیوں کے بارے میں حضرت نبی اللہ ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا اور ان دونوں کے سوا کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ [2]

اور یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حضرت نبی اللہ ﷺ کے قریب ترین ہونے کی مثالیں ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قرب سے زیادہ ہیں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کسی ایسے شخص کو قریب کرنے اور اس سے مشورہ لینے والے نہ تھے مگر اسی سے جس کی صلاحیت اور فضیلت کو جانتے ہوں اور ہم جو کچھ کہتے ہیں اس پر کتب صحاح سے استدلال کرتے ہیں یا ان روایات سے جو مصادر اصلیہ سے صحیح سند سے ثابت ہوتی ہیں، ہم کتب تواریخ اور ادب اور ان جیسی کتب کا سہارا نہیں لیتے جو صحیح اسناد سے ثابت نہیں، حالانکہ وہ دسیوں اور سیکڑوں فضائل سے بھری ہوئی ہیں لیکن وہ سنداً صحیح نہیں اور ہم ان سے استدلال کرنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ ہم اپنے لیے یا اپنے برخلاف ضعیف السند روایت سے

---

[1] صحیح مسلم، ح: 1763

[2] ایضًا، ح: 1763

استدلال کو پسند نہیں کرتے۔

پس سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا رزم حق و باطل میں داد شجاعت دینا بر حق ہے لیکن ان معرکوں میں قریب ترین کون تھا؟ اور کس سے مشورہ لیا جاتا تھا اور اس کی رائے کو اختیار کیا جاتا تھا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ؟

اللہ کی قسم! ان ہستیوں کے درمیان اس موازنے کو پیش کرنے کی ہمیں ضرورت نہ پڑتی اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ضعیف یا موضوع دلیلوں کے ساتھ غلو اور باطل دعووں میں مبتلا نہ کیے جاتے جو ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھائیوں کی تنقیص تک پہنچتے ہیں۔

144۔ آنجناب نے کہا: اور اگر علی بن طالب (جو کہ فطین، لبیب اور سمجھ دار حافظ تھے) ہر روز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی یاد کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ کے ساتھ صدی کا 1/3 حصہ سنِ رشد میں گزارا تو آپ کو ان سے بارہ ہزار سے زیادہ حدیثیں روایت کرنا ضروری تھا۔ پھر آنجناب نے اپنے معنٰی کی تائید میں ابوریہ کی گفتگو بیان کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پسندیدہ صحابہ میں سے تھے لیکن ہمارے لیے کوئی چیز نقل نہیں کی گئی جو حفظ و ذکاء میں صحابہ کے درجات پر دلالت کرتی ہو اور یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے اور ہر کوئی شخص جس سے محبت یا نفرت رکھتا ہے اس کے بارے میں دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن مانا اس دعوے کو جائے گا جو دلیل سے ثابت ہو۔

ثانیاً: صحابی کی دیگر صحابہ پر فضیلت، قوت ایمان اور دین کی خیر خواہی سے زیادہ ثابت ہوتی ہے بنسبت قوت حفظ کے اور حفظ کی قوت، فضیلت اور دین کے لیے شرط بھی نہیں۔

ثالثاً: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سبقت الی الاسلام میں فضلائے صحابہ میں شامل ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے بعد اسلام قبول کرنے والے صحابہ کے درمیان چھ ماہ یا ایک سال یا دو سال کا فرق ہو اور ان کی مرویات اس شمار تک نہیں پہنچیں جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرویات پہنچی ہیں اور وہ ہیں عشرہ مبشرہ صحابہ کرام۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

اور ذیل میں اس بیان کی تفصیل ہے جو اہل السنہ کی کتابوں میں درج ہے:

i: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے 72 حدیثیں

ii: حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے 31 حدیثیں

iii: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے 121 حدیثیں

iv: حضرت بلال بن رباح (حبشی) سے 20 حدیثیں

v: حضرت زید بن ارقم سے 138 حدیثیں

vi: اور اہل السنہ کی کتب ستہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے 332 حدیثیں مروی ہیں۔

جناب عالی بتائیے اس کا کیا سبب ہے؟ کیا علمائے اہل السنہ نے عمداً ان صحابہ کرام کی مرویات کو اسی طرح حذف کیا ہے؟! اور کیا کوئی شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان سے روایت کرنے والے کے درمیان حائل ہو سکتا ہے؟!

رابعًا: ان صحابہ کرام سے قلت مرویات کے دو احتمال ہیں:

i: یہ کہ یہ صحابہ کرام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات بیان کرنے میں سرگرم نہ تھے۔

ii: یا انہوں نے احادیث تو روایت کی ہیں لیکن اہل السنہ نے عمداً ان کی مرویات کو حذف کر دیا۔

پہلا احتمال تو ظاہر کرتا ہے کہ بہت سے صحابہ کی روایات کی قلت کا یہی سبب ہے کہ وہ روایات بیان کرنے کے درپے نہ ہوئے یا ان کا روایات کے لیے فارغ نہ ہونا ہی ان کی قلت روایات کا سبب ہو اور یہی وہ سبب ہے جس کا ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر بھائیوں کی قلت روایت کا اعتماد رکھتے ہیں اور دوسرا احتمال، اس کے بارے میں ہم تھوڑا سا وقف کرتے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں تھے اور وہ مدینہ، حجاز، مصر، عراق اور بلاد ماراء النہر میں پھیلے ہوئے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان سے احادیث سنی تھیں، تو کیا ان تمام لوگوں کے لیے ممکن ہے کہ انہوں نے یہ روایات چھپا لی ہوں۔

جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے آپ کو نفرت اور مذمت کے لیے پیش کرنے والا ہے کیونکہ یہ قول عقل کے نقص یا عمداً مغالطے پر دلالت کرتا ہے الا یہ کہ آنجناب یہ کہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

تمام مہاجرین اور انصار صحابہ اور تمام قبائل عرب کے ہاں (عیاذاً باللہ) ناپسندیدہ تھے اور یہ قول فساد کی انتہا ہے کیونکہ جس مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا ہے اس میں خبیث ترین مخلوق ابلیس ہے اور کوئی معاشرہ ایسا نہیں جو ابلیس سے محبت نہ کرتا ہو (علی سبیل المثال عراق وشام میں یزدی فرقہ ابلیس کی پرستش کرتا ہے) تو کس طرح اس بات کا اعتقاد رکھا جاسکتا ہے کہ (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے محبوب) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور کے تمام لوگ ان سے بغض پر متفق ہوں ؟!

ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس محبت سے پناہ مانگتے ہیں جو (محبوب کو) داغ دار کرتی ہو اور مزین نہ کرتی ہو۔

خامسًا: کیا یہ ثابت ہے کہ بنوامیہ وغیرہم حکمران، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت سے منع کرتے ہوں؟ پھر کیا کوئی (ان سے روایت کرنے سے) روک سکتا ہے جبکہ اسلامی سرزمین کے گوشے گوشے میں ہزاروں کی تعداد میں علماء پھیلے ہوئے ہوں؟! پھر آپ لوگ ان میں سے ہیں کہ جن کے اسلاف نے ڈر کر جلاوطنی میں زندگی بسر کی اور آپ نے ان سے دسیوں ہزار احادیث روایت کی ہیں اور آپ نے ان سے اس قدر حیثیں کس طرح روایت کرلیں؟ جبکہ تمہارے اسلاف وطنوں سے بے وطن تھے اور علماء اہل السنہ کو نہ تو جلاوطن کیا گیا اور نہ انہیں روکا گیا، پھر بھی انہوں نے (بقول آپ کے) روایت نہ کی؟! الا یہ کہ آپ لوگ کہیں کہ صحابہ نے روایت نہیں کیں یا آپ لوگ کہیں کہ انہوں نے تو (ان سے) روایتیں بیان کیں لیکن تابعین نے روایت نہیں کیں؟! اور اس طرح تسلسل سے آپ دور تالیف تک چلتے ہیں، یہ ایسا نظریہ ہے جسے آپ ثابت نہیں کرسکتے؟!

پھر کیا یہ روایات ان کے فضائل و مناقب کے بارے میں نہیں ہیں جنہیں ان کے سوا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے اور مسلمانوں نے انہیں نسلاً بعد نسل نقل کیا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف کے سامنے بیان کی جاتی ہیں اور وہ انہیں روک نہیں رہا اور نہ انکار کر رہا ہے اور نہ ان کے راوی کو سزا دے رہا ہے اور ابھی ہم فضائل علی رضی اللہ عنہ کے بیان میں حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرچکے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں بیان کی کہ آپ کو علی کو برا کہنے سے کیا چیز مانع ہے؟!

چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنی اور امام مسلم نے روایت کی۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف میں قوی ترین احادیث میں سے ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے فضائل میں روایت یا ان کی احادیث بیان کرنے سے روکتے نہیں ہیں اور علماء اہل السنہ ان کی احادیث یا ان کے فضائل کے بارے کوئی چیز نہیں چھپاتے!

اور اس (شذرے) سے ان کی روایات یا ان کے فضائل میں سے کسی چیز کو حذف کرنے کا احتمال واضح طور پر باطل ہو گیا۔

سادسًا: یقینی طور پر دو امور کے درمیان ہیں:

یا تو ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل السنہ کے راویوں پر اعتماد کریں یا ان کے بارے میں اعتماد نہ کریں۔

اگر ہم ان پر اعتماد کریں تو ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کی مرویات کی تصدیق کریں اور اگر ہم ان پر اعتماد نہ کریں تو ان کی روایت کردہ احادیث پر اطمنان باطل ہو گیا۔

اور جب ان کی مرویات پر ہمارا اطمینان باطل ہو گیا تو ہم دین اسلام کی کوئی چیز پہنچانے پر قدرت کھو بیٹھے۔ نہ اس کے عقائد کے بارے میں اور نہ اس کے شعائر کے بارے اور نہ ہی نام بنام ان کے ایمان کے اثبات کے بارے میں، اس صورت میں تو ہم اس خطرے سے محفوظ نہ ہوں گے کہ کہیں انہوں نے احادیث میں تدسیس کی ہو اور بعض کی مدح کی ہو اور ان احادیث کو حذف کر دیا ہو جو ان کے نفاق پر دلالت کرتی ہوں۔

ہم ایسے گھٹیا مذہب سے اللہ کے ہاں استغفار کرتے ہیں جو دین کو (بنیاد سے ہی) اکھاڑ دیتا ہے اور اللہ ہمیں اس سے پناہ میں رکھے۔

اور اس سے واضح ہو گیا کہ دین (اسلام) کو باطل قرار دینے کے لیے شیعہ کا عقیدہ آسان ترین ذرائع میں سے ہے اس لیے جو شخص دین کو گرانے کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لیے اس تک رسائی

حاصل کرنے کا مناسب دروازہ یہی ہے۔

145۔ آنجناب نے کہا ہے: ان تمام باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے، ابوریہ جیسے منصفین اہل علم کے ہاں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) پہلا آدمی ہے جو اسلام لایا اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پلا بڑھا۔۔ الخ اسی معنی میں جو آپ کی گزشتہ گفتگو میں بیان ہوا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے۔

اولاً: مسئلہ زیر بحث میں جو گزر چکا ہے وہی کافی ہے۔

ثانیاً: آنجناب نے ابوریہ کو منصف کا نام دیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ اس کا انصاف کیسا ہے؟! آیا اس سے مراد اس کا امت کے عقیدے پر خروج ہے، اس کے اکثر مصادر جس پر اس نے اعتماد کیا ہے وہ غیر مسلموں کی تالیفات ہیں۔ جن میں جرجی زیدان عیسائی کی تالیفات اور مستشرق یورپین کا اسلامی انسائیکلوپیڈیا اور گولڈزہیر کی کتاب، عقیدہ اور شریعت اور اس طرح کی دیگر کتابیں جنہیں ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ [1]

یا ہر وہ شخص منصف ہوتا ہے جو شیعہ کے عقیدے کی تائید کرے خواہ وہ حق سے منحرف ہو اور گمراہ ہو؟!

146۔ آنجناب نے میرا قول ذکر کیا ہے جس سے میں آپ کے سوالات کا جواب دیا تھا اور وہ ہے، تم نے کہا: اہل السنہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ امامت شورائی اصطلاحی حکم ہے، امت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اس آدمی کو پسند کرے جس کو وہ اس منصب کا اہل ہے تا کہ وہ قرآن و سنت کے ساتھ اس پر حکومت کرے اور فہم کے اختلاف میں کوئی حرج نہیں۔

پھر جناب نے میرے قول کا ردّ کرنا شروع کیا اور خلافت کے بارے میں علماء کے اقوال ذکر کیے اور وہ دو اقوال سے نہیں نکلتے۔

پہلا قول: اس حل وعقد کی اکثریت کے بغیر امامت منعقد نہیں ہوئی۔

دوسرا قول: اگر اہل حل وعقد میں سے ایک بھی منعقد کرلے تو جائز ہے۔

---

[1] دیکھیے: السنة و مکانتها فی التشریعی الاسلامی، ص: 19-20

پھر آپ نے کہا: کیا یہ اہل سنت سے ہیں؟! فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: میں نہیں سمجھ سکا کہ انکار سے آپ کی کیا مراد ہے!

سو کیا یہ اقوال میرے قول سے مختلف ہیں؟!

چنانچہ میں نے کہا تھا: امامت شورائی اصطلاحی معاملہ ہے، امت کو حق حاصل ہے کہ وہ جسے اہل سمجھے اسے اختیار کرے۔

اور یہ اقوال اس بات کی تائید کرتے ہیں جو میں نے کہی۔ پس جب اہل حل و عقد بیعت کر لیں اور ان پر انکار نہ کیا جائے اور امام کو شان و شوکت حاصل ہو جس سے اس کی بیعت پختہ ہو جائے تو جائز ہے اور علمائے میں سے کسی نے نہیں کہا کہ اس شخص کی بیعت نافذ ہو جاتی ہے جس کی شان و شوکت نہ ہو۔ کیونکہ امامت ذمہ داری ہے، جب امام کے پاس شان و شوکت نہ ہو تو اس کو امام کیسے کہا جائے گا؟!

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اہل السنہ کے نزدیک امامت اہل شوکت کی موافقت سے ثابت ہو جاتی ہے اور آدمی اس وقت تک امام نہیں ہو سکتا جب تک ایسے لوگ اس کی موافقت نہ کریں جن کی اطاعت سے امامت کا مقصد حاصل ہو سکے کیونکہ طاقت اور سطوت سے ہی امامت کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ [1]

ثانیاً: میرا مذکور قول ایسے شیعوں کے مقابلے میں ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ امامت نص سے ثابت ہوتی ہے اور میری مراد یہ نہیں کہ ساری امت ایک جگہ امام منتخب کرنے کے لیے جمع ہو اور علماء اہل السنہ میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کہا۔ لیکن اہل السنہ (یا ان کے اکثر علماء) کہتے ہیں کہ امامت شورائی اصطلاحی معاملہ ہے پھر وہ اس معاملہ میں مختلف ہیں کہ کن لوگوں کے (امامت) منعقد کرنے سے امامت منعقد ہو جاتی ہے اور کیا امام کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا نائب منعقد کرے یا نہ کرے؟ اور اس طرح کے اختلافات، لیکن ان میں سے کوئی ایسا شخص نہیں پایا جاتا جو دعویٰ کرتا ہو کہ امامت اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی عالم اس طرف گیا ہے کہ حضرت نبی

[1] دیکھیے: مختصر منهاج السنة: 69/1

کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق کی امامت پر نص ثبت کی ہے اور صحیح دلائل اس کو راجح قرار دیتے ہیں۔

ثالثاً: حضرت نبی کریم ﷺ نے کسی شخص کی صراحت کے ساتھ تعیین نہیں کی، اگرچہ آپ ﷺ نے کثرت سے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس سلسلے اہم اشارہ ان کو اپنی زندگی میں مسلمانوں کو نماز پڑھانے کا حکم دینا ہے اور تمام صحابہ نے ان کے پیچھے نماز ادا کی اور یہ ان کی خلافت کی تعیین کے عظیم ترین دلائل میں سے ہے لیکن آپ ﷺ نے حکماً ایسا نہیں کہا اور معاملہ شوری پر چھوڑ دیا اور شاید آپ کو یقین تھا کہ وہ ابو بکر صدیق سے عدول نہ کریں گے کیونکہ آپ ﷺ کے پاس وحی آتی تھی، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت نبی اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا یا عزم کیا کہ ابو بکر اور اس کے بیٹے کی طرف پیغام بھیجوں اور ان کے متعلق عہد لے لوں مبادا کہ کہنے والے کہیں یا تمنا کرنے والے تمنا کریں۔ [1]

جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ڈر گئے کہ کہیں امت فرقوں میں نہ بٹ جائے اور وہ غیب تو نہیں جانتے تھے تو انہوں نے تعیین میں امت کی مصلحت سمجھی اور وہ جانتے تھے کہ امت میں سب سے بہتر اور افضل اور ان کے بعد خلافت کے حق دار عمر فاروق ہیں تو انہوں نے اسے متعین کر دیا۔

جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ چھ افراد میں سے ہر ایک خلافت کا اہل ہے تو اس نے ان میں خلافت منحصر کر دی۔

اور خلافت میں اصل الاصول شوریٰ ہے اور دوسری صورتیں جائز ہیں اور وہ اہل حل و عقد کی موافقت کے بغیر ثابت نہ ہوں گی اور معاملہ پر شوریٰ کی طرف لوٹا، کیونکہ جب اہل حل و عقد اس اختیار کا اقرار نہ کریں تو وہ نافذ نہ ہو گی۔ (واللہ اعلم)

147۔ آنجناب نے کہا ہے: اور دوسری بات: اگر امامت کا منصب شورائی ہو تو امت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جس کو اس کا اہل سمجھے اسے پر فائز کر دے، تو ابو بکر نے ایسا کیوں نہ کیا اور معاملے کو امت کے سپرد کیوں نہ کیا، بلکہ عمر بن خطاب کو نام زد کر دیا، باوجود اس کے کہ صحابہ کو اس پر اعتراض تھا جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ جب ابو بکر کی اجل آئی تو اس سے عمر کو

[1] بخاری، ح: 5538

خلیفہ بنانے کے لیے بلایا، تو لوگوں نے کہا: تو ہم پر سخت دل اور سخت مزاج کو خلیفہ بنا رہا ہے اگر وہ ہمارا والی (خلیفہ) بن گیا تو وہ اور زیادہ سخت دل اور سخت مزاج بن جائے گا، جب تو اپنے رب کی ملاقات کرے گا تو اسے کیا کہے گا، تو نے ہم پر عمر کو خلیفہ بنا دیا ہے؟ ابو بکر نے کہا: کیا تم مجھے میرے رب سے ڈراتے ہو؟ میں کہوں گا: اے میرے اللہ میں نے ان پر تیری ملوق سے بہتر انسان کو خلیفہ بنایا ہے، پھر اس نے عمر کو بلایا تو اسے کہا: میں تجھے وصیت کرتا ہوں۔ الخ [1]

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے زیادہ جاننے والے تھے اور ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو زیادہ جاننے والے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے جان لیا کہ اس معاملے میں کشادگی ہے اور جانشین بنانا ان معاملات (دین) میں سے ہے جو جائز ہیں اور اس کے بارے میں ممانعت وارد نہیں ہوئی اور صحابہ نے اصل کے اعتبار سے اس کو برقرار رکھا یعنی جانشینی کے اصل پر کسی نے انکار نہیں کیا اور اسی چیز کا نام (اجماع) رکھا جاتا ہے۔

ثانیاً: آنجناب کا یہ دعویٰ کرنا کہ بعض صحابہ نے اعتراض کیا تھا، (تو عرض ہے) کہ جب اہل حل وعقد راضی ہو جائیں جن کی رضامندی سے کوئی شخص امام بن جاتا ہے تو معاشرے کے تمام افراد کا راضی ہونا شرط نہیں۔ (دیکھیے:) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر راضی نہ ہونے والوں کی تعداد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت سے راضی نہ ہونے والوں سے دگنی تگنی تھی اور اہل السنہ کے نزدیک یہ ناراضی ان کی امامت کے برحق ہونے سے کچھ بھی کمی نہ کر سکی۔

ثالثاً: ابن ابی شیبہ نے مصنف (ح: 32020) میں ایک روایت اور ابن عساکر نے (35/47) روایات بیان کی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت پر راضی ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اگر سب کا راضی ہونا شرط ہو تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول پر طعن ہو گا۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ بوجھل ہوئے تو آپ نے اپنا سر دیوار کے روشن دان سے لوگوں کی طرف اٹھایا اور کہا: اے لوگو! میں نے جانشین بنایا ہے کیا تم اس

[1] دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبة: 474/8

سے راضی ہو؟ لوگ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم راضی ہیں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا ہم راضی نہیں ہیں الا یہ وہ عمر ہو، تو (وہ ان کی مرضی کے مطابق) عمر ہی تھا۔

رابعًا: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل مسلمانوں کے نزدیک (امامت کی تعیین کے) طریقوں میں سے ایک جائز طریقہ بن گیا کہ جب امام فتنے یا اختلاف برپا ہونے سے ڈرے تو اس کے لیے جانشین بنانا جائز ہے۔

امام ماوردی نے الاحکام السلطانیہ (ص: 33) میں کہا ہے: امامت دو طریقوں سے منعقد ہو سکتی ہے ان میں سے ایک طریقہ تو اہل حل و عقد کے اختیار سے ہے اور دوسرا پہلے والے امام کے عہد سے۔

148۔ آنجناب نے کہا ہے: اور اسی طرح امام محمد بن مفلح مقدسی حنبلی (المتوفی: 763ھ) نے کہا ہے

کہ جب ابو بکر نے عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنایا تو معیقیب دوسی سے کہا: لوگ عمر کو خلیفہ بنانے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا: ایک قوم نے ناپسند کیا ہے اور دوسرے راضی ہیں۔ کہا: جنہوں نے اسے ناپسند کیا ہے وہ زیادہ ہیں یا وہ جنہوں نے اسے پسند کیا ہے؟ اس نے کہا: جنہوں نے اسے ناپسند کیا ہے وہ زیادہ ہیں۔ [1]

تو باوجود اس بات کے علم میں آنے کے کہ قوم کی اکثریت اس معاملے میں اس پر ناراض ہے تو کس طرح اس نے اس کو فرض کر دیا اور ان کو حکومت کی سربراہی کے لیے انتخاب کی آزادی نہ دی؟ اور اسے چاہیے تھا کہ وہ مسلمانوں کی غالب اکثریت کے جذبات کو قبول کرتا ہے اور ان کی رضامندی کے بغیر کسی کو ان پر والی نہ بناتا، یا شوریٰ کے قاعدے پر عمل کرتے ہوئے اہل حل و عقد سے مشورہ کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولاً: ابھی تیسرے پہلو کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے کہ لوگ راضی ہو گئے تھے اور ان میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور یہ روایت اس کتاب میں سند سے بیان ہوئی ہے جو دوسری صدی میں تالیف کی گئی۔

---

[1] دیکھیے: الآداب الشرعیۃ: 71/1

اور وہ اثر جو آنجناب نے بیان کی ہے اس کو آٹھویں صدی ہجری نے مولف نے ذکر کیا ہے اور وہ بھی بغیر سند کے۔ بتایئے جناب آپ کسے مقدم سمجھتے ہیں ؟!

ثانیاً: حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے اور وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر اللہ کے دین کو جاننے والے تھے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے عمل کی اقتدا کی جاتی تھی اور دسیوں احادیث میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تزکیے کو بیان کیا ہے۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان سے محبت کرتے تھے۔

ثالثاً: آثار بیان ہوئے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنانے کے بارے میں آپ کے مشورے کا ثبوت ہیں۔

چنانچہ ابن سعد نے طبقات صحابہ (199/3) میں اور طبری وغیرہ نے (428/3) حضرت عثمان سے مشورے تک کئی سندوں سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر کا مرض بڑھ گیا تو انہوں نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو بلایا اور کہا: مجھے عمر بن خطاب کے بارے میں سوال کرتے ہو، اسے آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا: اگرچہ ایسا بھی ہو، تو عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا: اللہ کی قسم وہ آپ کی اس کے بارے میں رائے سے بھی افضل ہیں۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن عفان کو بلایا اور کہا: مجھے عمر بن خطاب کے بارے میں خبر دو، تو انہوں نے کہا: آپ ہم سے بڑھ کر اس کی خبر رکھنے والے ہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو عبد اللہ اس کے باوجود بھی۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میرے علم میں اس کا باطن اس کے ظاہر سے افضل ہے اور ہم میں اس جیسا کوئی بھی نہیں ابو بکر الصدیق نے کہا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے، اللہ کی قسم اگر آپ اسے چھوڑ دیتے تو میں تجھ پر زور نہ دیتا اور آپ رضی اللہ عنہ نے ابو الاعور سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور اسید بن حضیر اور ان کے علاوہ مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا، حضرت اسید انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ خوب باخبر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے بعد افضل انسان ہے وہ اللہ کی خاطر راضی ہوتا ہے اور اس کی خاطر ناراض ہوتا ہے اور جو چیز وہ چھپا کر رکھتا ہے وہ اس کے ظاہر سے بہتر ہوتی ہے اور اس امر (خلافت) کا اس سے طاقتور والی کوئی نہیں ہے۔

اور نبی ﷺ نے بعض صحابہ نے حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عثمان کے حضرت ابو بکر پر داخلے اور ان سے تنہائی میں مشورہ کے بارے میں سنا تو وہ حضرت ابو بکر داخل ہوئے تو ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تو اپنے رب کو کیا کہنے والا ہے جب وہ تجھ سے عمر کو ہم پر خلیفہ بنانے کے بارے میں سوال کرے گا اور آپ اس کی سختی کو بھی جانتے ہیں؟

تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بٹھاؤ! کیا تم مجھے اللہ سے ڈراتے ہو؟ اس شخص خسارہ اٹھایا جس نے تمہارے معاملے میں ظلم کو زادراہ بنایا، میں کہوں گا: اے اللہ میں نے تیری مخلوق میں سے بہتر انسان کو خلیفہ بنایا، میں نے جو کچھ تجھے کہا ہے وہ اپنے پچھلوں کو بتادے اور دوسرے اثر میں ہے کہ راوی نے کہا: ان سب نے اقرار کیا اور راضی ہو گئے اور اس کی بیعت کرلی۔

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں بلایا اور ان کو وصیت کی جو بھی کی پھر وہ ان کے پاس سے نکلے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ بازو آگے بڑھا کر اٹھائے اور کہا: اے اللہ میں نے اس معاملے میں سوائے اصلاح کے کوئی ارادہ نہیں کیا اور میں ان پر فتنے سے ڈر گیا اور وہ کچھ کیا جو تو خوب جانتا ہے اور ان کے لیے اپنی سمجھ کے مطابق کوشش خرچ کردی۔۔۔ پھر اس کے لیے درستی اور توفیق کی دعا کی۔ (بیان کردہ تفصیل سے ثابت ہوا) کہ مشورہ نہ کرنے کا دعویٰ نادرست ہے۔

رابعًا: آنجناب نے کہا ہے: قوم کی اکثریت اس منصب کے لیے اس پر ناراض تھی، تو اس نے کس طرح اسے ان پر متعین کردیا؟!

پھر آپ کس لے ی کہتے ہیں کہ اکثریت ناراض تھی پھر اس نے اس کی اطاعت کی اور آپ لوگوں کے دعویٰ کے مطابق، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کے لیے حضرت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہ کی؟!

کیا وہ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تکریم و تعظیم کرتے تھے اور ان کے حکم کی اطاعت کرتے تھے جو کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے پیروکاروں میں تھے اور اس رسول کی اطاعت نہ کرتے تھے جو ان کی ہدایت اور ان کے اسلام کا سبب تھے اور ان کی اطاعت ان پر فرض تھی؟!

کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ان کے سامنے حضرت رسول اللہ ﷺ کا (حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے) بارے میں کوئی حکم نہ تھا؟! کیونکہ اگر کوئی حکم ہوتا تو وہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اس سے بڑھ کر اطاعت کرتے اور خاص طور حضرت علی رضی اللہ عنہ، سختی کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے نہ تھے؟!

پھر کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ اکثریت ناراض ہو اور وہ جس کو ناپسند کرتے ہیں اسے روکنے کے لیے کوئی تحریک نہیں چلاتے؟!

خامسًا: ان لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر انکار کیا، کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ وہ ان پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے پر تو انکار کرتے ہیں اور وہ جانتے ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (منصوص) خلیفہ ہیں اور وہ اس بارے میں کوئی بات نہیں کرتے اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کا حق دینے کے لیے آواز بلند نہیں کرتے تا کہ وہ (آپ کے دعویٰ کے مطابق) کم از کم حضرت عمر سے تو بچ جاتے۔

کیا اس میں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ قوم کے پاس ان دعاوی کا کوئی علم یا اثر نہیں تھا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوئے؟!

جی ہاں اللہ کی قسم ان بے سر و پا دعووں کا حقیقتًا کوئی وجود نہ تھا۔

149۔ آنجناب نے کہا: اور کس لیے عمر نے چھ افراد میں خلافت کو منحصر کر دیا اور ایسی شرطیں لگا دیں کہ معاملہ عثمان تک جا پہنچے؟ اور کیا اس پر امت کی شوریٰ کا اطلاق کیا جائے گا؟

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اولًا: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ایسی کوئی نص نہیں پائی گئی جو جانشین بنانے سے روکتی ہو یا اس کا حکم دیتی ہو اور حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما صحابہ کرام سے زیادہ اللہ کے دین کے رمز شناس تھے اور حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ اس کی صحت کو نہ جانتے ہوتے تو باقی صحابہ کی طرف سے انکار کی آوازیں بلند ہوتیں، کیونکہ وہ صحابہ ایسی ہستیاں تھیں جو اللہ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرتی تھیں اور انہوں نے خوف اور اہانت کے دور میں اللہ کے دین کی نصرت کے لیے اپنی تلواریں نیاموں سے نکال لی تھیں، تو کیا وہ امن اور قوت کے دور میں بزدل ہو گئے تھے؟!

ثانیًا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل نفع مند اعمال میں عظیم تر ہے اور آپ رضی اللہ عنہ ملہم محدث تھے اور

آپ رضی اللہ عنہ نے امر خلافت ان کے سپرد کر دیا جو جنت کی بشارت حاصل کرے والے دس صحابہ میں سے بقیہ سے افضل تھے اگرچہ ان میں سے بعض، بعض سے افضل تھے۔ لیکن اگر وہ ان میں سے کسی ایک کو نام زد کر دیتے تو یہ امکان بھی تھا کہ اس کی نام زدگی نہ مانی جاتی، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ کے مناسب سمجھا کہ اسے چھ افراد میں منحصر کر دیا جائے اور کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں کی نسبت زیادہ جاننے والے تھے۔

ثالثًا: اگر وہاں اس بارے میں ادنیٰ شبہ بھی ہوتا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف سے وصی ہیں تو بعض صحابہ کی آوازیں بلند ہو جاتیں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز ہی بلند ہو جاتی اور وہ دوسروں کے ساتھ مفاضلہ میں اخل نہ ہوتے اور کہہ دیتے کہ تمہیں اتنا ہی کافی ہے کہ تم نے تیرہ سال سے میرا حق غصب کیا اور اب تم اسے مجھ سے چھیننا چاہتے ہو میں اس شوریٰ میں داخل نہیں ہوتا۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کہا اور اپنے باقی بھائیوں میں داخل ہونے پر راضی ہو گئے لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وصیت کے بارے میں گھڑے گئے دعووں کے بارے میں نہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس علم تھا اور نہ دوسروں کے پاس۔

رابعًا: آنجناب کا قول کہ اس نے ایسی شرطیں لاگو کر دیں کہ خلافت عثمان تک پہنچے نہ کہ کسی غیر تک۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

اول: یہ دعویٰ انوکھا ہے جو عدم تحقیق پر دلالت کرتا ہے۔

دوم: آنجناب نے یہ شرطیں کہاں سے پہچان لیں؟ اور کون سی کتاب میں ہے کہ عمر نے ایسی شرطیں لاگو کیں تاکہ خلافت کا معاملہ عثمان تک پہنچ جائے؟ اور آپ اپنے پہلے مراسلے میں تحقیق کی ندا دے چکے ہیں؟!

چنانچہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ عزوجل میں ہے۔

امام بخاری نے حضرت عمر کی شہادت کا قصہ عمرو بن میمون سے روایت کیا کہ وہ کیسے شہید کیے گئے اور ان پر کتنا کچھ قرض تھا اور انہوں نے اپنے ساتھیوں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہونے کا کس طرح اذن طلب کیا پھر راوی نے کہا: اور آدمیوں نے اجازت طلب کی۔ پس انہوں نے کہا: اے امیر المومنین وصیت کر دیجیے۔ خلیفہ نامزد کر دیجیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس منصب کا حق دار سوائے اس گروہ کے کسی کو نہیں سمجھتا جن سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تادم واپسیں راضی رہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین کا نام لیا اور کہا: عبداللہ بن عمر تمہارے پاس موجود رہے گا اور اس کا اس منصب میں کوئی حصہ نہ ہو گا۔ جیسا کہ اس کی دلجوئی مقصود ہو۔

اگر امارت سعد تک پہنچ جائے تو وہ اس کا اہل ہے ورنہ جو امیر بنایا جائے وہ اس سے تعاون حاصل کرے کیونکہ میں نے اسے کمزوری یا خیانت کے جرم میں معزول نہیں کیا تھا اور فرمایا: میں اپنے بعد والے خلیفہ کو مہاجرین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار وغیرہم کے بارے میں وصیت کی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کو پورا کرنے پر زور دیا۔ [1]

اے محترم پروفیسر اس میں (وہ شرطیں) کہاں ہیں؟

کیا یہ قول بلا دلیل نہیں ہے؟!

تیسری بات شوریٰ سے مقصود اہل حل وعقد کے درمیان شوریٰ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد یہ صحابہ تمام صحابہ سے افضل تھے اور شوریٰ سے مراد سب لوگوں سے مشورہ لینا نہیں ہے کیونکہ یہ صورت تو کبھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچے گی۔ لہٰذا جب قوم کے سربر آوردہ لوگ اس ذمہ داری کو اپنے ذمہ لے لیں تو وہ دوسروں کی طرف سے کافی ہوں گے۔

چوتھی بات: اگر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ارادہ کرتے کہ معاملہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچ جائے تو ان کو براہ راست اس کا نام متعین کرنے سے کیا امر مانع تھا۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ ایسا کر دیتے تو اس معاملہ میں دو شخص بھی اختلاف نہ کرتے جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کے وقت ہوا تھا لہٰذا جب آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے عدول کیا تو ہمیں پتا چلا کہ ان کو کسی ایک کی نامزدگی میں کوئی غرض نہ تھی۔

---

[1] صحیح بخاری، ح: 3700

150۔ آنجناب نے کہا: اور تیسری (بات یہ کہ) تمہارا یہ کہنا کہ اہل السنہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ امامت، امت کے لیے موقع کی مناسبت سے شورائی معاملہ ہے، یہ مسلم وغیرہ میں حضرت حفصہ سے مروی حدیث کے مخالف ہے کہ اس نے ابن عمر سے کہا: کیا تجھے پتا ہے کہ تیرا باپ کسی کو خلیفہ نامزد کرنے والا نہیں؟ یہاں تک وہ اپنے باپ پر داخل ہوا اور کہا: میں لوگوں کو کہتے ہوئے سن رہا ہوں، تو میں نے قسم اٹھالی کہ میں وہ بات تمہیں کہوں گا: انہوں نے گمان کیا ہے کہ آپ کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کر رہے اور (سوچنے کی بات یہ ہے کہ) اگر تیرے اونٹوں یا بکریوں کا کوئی چرواہا ہو اور وہ انہیں چھوڑ کر تمہارے پاس آجائے تو آپ سمجھیں گے کہ اس نے معاملہ خراب کر دیا لہٰذا لوگوں کی نگہبانی اس سے بھی سنگین ہے اور اسی معنی کی عبارت آنجناب نے الامامہ والسیاسہ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ [1]

اور جواب چند وجوہات سے ہے:

اولاً: یہ قول جب شیعہ کے قول کے مقابلے میں رکھا جائے تو اس سے مراد واضح ہے لیکن اہل السنۃ کے آپس میں اقوال ہیں جن کے ساتھ شیعہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

کیونکہ شیعہ کہتے ہیں امامت کا تعلق نص کے ساتھ ہے اور میرا یہ قول اس کے رد پر ہے۔

جبکہ اہل السنہ کے اس کے بارے میں اپنے اقوال ہیں، ان کی تفصیل کا مقام دیگر جگہ پر ہے۔

ثانیاً: آنجناب نے مسلم کے حوالے سے جو حدیث ذکر کی ہے اس کی تکمیل مسلم کے نزدیک یوں ہے: میرا قول ان کی موافقت میں ہو گیا، چنانچہ انہوں نے اپنا سر رکھا پھر اسے میری طرف اٹھایا اور فرمایا: بے شک اللہ اپنے دین کی حفاظت کرے گا اور اگر میں خلیفہ نامزد نہ کروں تو رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ نامزد نہیں کیا اور اگر میں نامزد کروں تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نامزد کیا ہے۔

(عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے) کہا: اللہ کی جب انہوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر کا ذکر کیا تو میں نے جان لیا کہ وہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے عدول نہ کریں گے اور وہ خلیفہ نامزد نہ کریں گے۔ [2]

---

[1] الامامة و السياسية: 42/1

[2] صحيح مسلم، ح: 1823

آنجناب نے دیکھا کہ ان کا بیٹا کیسے گواہی دے رہا ہے کہ اس کا باپ کسی کو حضرت رسول اللہ ﷺ کے برابر نہ سمجھ گا، پھر اس نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر انکار بھی نہیں کیا؟!

ثالثًا: باقی رہا اہل السنہ کا مذہب، تو امام نووی نے اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا: بے شک مسلمانوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ جب خلیفہ (وقت) پر موت کے مقدمات طاری ہونے لگیں تو موت سے پہلے اسے خلیفہ نام زد کرنا جائز ہے اور اس کے لیے نام زدگی ترک کرنا بھی جائز ہے۔

اگر اس نے نام زدگی ترک کر دی تو اس نے اس معاملے میں حضرت نبی کریم ﷺ کی اقتدا کی اور اگر نام زدگی کر دی تو اس نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کی۔

اور انہوں نے جانشین کی نام زدگی سے خلافت کے انعقاد پر اجماع کیا ہے اور جب خلیفہ (وقت) کسی کو نام نہ کرے تو اہل حل و عقد کے باہمی اتفاق سے کسی انسان کے تقرر سے اس کی خلافت کے انعقاد پر بھی اجماع کیا ہے اور انہوں نے خلیفہ کے معاملے کو شوریٰ کی جماعت کے ذمے لگانے کے جواز پر اجماع کیا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ [1]

151۔ آنجناب نے کہا: اور چوتھی بات، جب اہل السنہ کے ہاں امامت کا انعقاد شوریٰ سے ہوتا ہے تو وہ اس بارے کیا کہتے ہیں جو ابن حبان اور ابن کثیر وغیرہما نے ذکر کیا ہے کہ امامت کی تعیین میں نبی کریم ﷺ کا بھی حصہ نہیں بلکہ یہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہم اس قضیے کے متعلق پڑھتے ہیں کہ --- پھر آپ ﷺ بنی عامر بن صعصعہ کی طرف ان کے گھروں میں گئے، ان کو اللہ کی طرف دعوت دی تو ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: اگر ہم تیری اتباع کریں اور تیری تصدیق کریں، پس اللہ تیری مدد کرے پھر اللہ تجھے تیرے مخالفین پر غالب کر دے تو کیا تیرے بعد امر (خلافت) ہمارے لیے ہو گا؟! حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امر (خلافت) اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جہاں چاہے گا وہاں رکھے گا۔ انہوں نے کہا: ہم تیری خاطر اپنے سینے عرب کے آگے کر دیں اور جب تو غالب آجائے تو امر

---

[1] شرح صحيح مسلم: 12/446۔447

(خلافت) ہمارے غیر کے لیے ہو، ہمیں تیرے معاملے میں کوئی غرض نہیں۔ [1]

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

اولاً: ابن حبان نے اس قصے کی سند بیان نہیں کی اور ابن اسحاق نے اسے سیرت میں منقطع سند سے بیان کیا ہے۔ [2]

اور کئی مرتبہ بیان ہو چکا ہے کہ ہم اس روایت سے استدلال نہیں کرتے جو صحیح السند نہ ہو۔

ثانیاً: آپ لوگ گمان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس تاریخ سے پہلے بنو عبد المطلب کو اکٹھا کیا (جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر آرہا ہے) یعنی آپ صلوات اللہ وسلامہ کے اپنے آپ کو قبائل پر پیش کرنے سے پہلے اور آپ ﷺ نے ان پر اپنی نصرت کا معاملہ پیش کیا اور یہ کہ نصرت کرنے والا ان کے بعد خلیفہ ہوگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور اسی تاریخ سے وہ خلیفہ بن گیا اور اس سے دو میں سے ایک بات معلوم ہوئی۔

i: خلیفہ متعین ہو چکا اور بلاشبہ یہ بات منتشر ہوتی ہے تو وہ لوگ کس طرح اپنے لیے امر (خلافت) طلب کر سکتے ہیں جس کا حق دار متعین ہو چکا ہو؟

ii: آپ ﷺ نے ان کو نہیں کیا کہ خلیفہ اللہ کی جانب متعین ہو چکا! لہٰذا دو میں سے ایک بات آپ لوگوں کے نزدیک جھوٹی ثابت ہوئی اور ہمارے نزدیک دونوں باتیں جھوٹ ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے جو بات بنو عبد المطلب کے سامنے پیش کی اور انہوں نے اس کو قبول کر لیا، تو آپ ﷺ نے ان کو وہ چیز کیوں نہ دی؟ ہم نعمت عقل پر اللہ حمد بیان کرتے ہیں۔

ثالثاً: امامت کے متعلق کوئی نص صحیح سند سے ثابت نہیں ہوئی بلکہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ معاملہ چھوڑا ہوا ہے امت کے لیے جائز ہے کہ وہ تین ورتوں میں سے یا ایسی صورتوں میں سے کوئی صورت بھی اختیار کر سکتی ہے جو اس کے مقاصد کی تکمیل کو یقینی بنائے۔

152۔ آنجناب نے میرے جواب کے ردّ کے دوران کہا: اور تمہارا قول: جبکہ اہل تشیع، ان کے عقیدے سے مفہوم یہ ہے کہ اللہ پر واجب ہے کہ وہ امام متعین کرے اور بلاشک وہ امام

---

[2] الثقات ابن حبان: 89/1۔ البدایة: 171/3

[3] سیرت ابن ھشام: 464/1

علی رضی اللہ عنہ ہے حالانکہ قرآن میں اور حدیث میں امامت اور وصیت کے بارے میں کوئی لفظ وارد نہیں ہوا اور وہ فقط عمومات ہے جو چند وجوہات کی بنا پر تاویل کے قابل ہیں۔

پس ہم کہتے ہیں: حضرت علی بن ابی طالب کی امامت کے قضیے کا ذکر سنت میں وارد ہے۔ چنانچہ جو شخص رجوع کرے گا:

i: يَوْمُ الْإِنْذَارِ والی حدیث الدَّار کی طرف
ii: حدیث مَنْزِلَه کی طرف
iii: حدیث غَدِيْر کی طرف
iv: حدیث ثَقَلَيْن کی طرف
v: حدیث سَفِيْنَه کی طرف
vi: حدیث وَ هُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ مِّنْ بَعْدِيْ کی طرف
vii: حدیث اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا کی طرف
viii: حدیث مواخات کی طرف
ix: حدیث تبلیغ سورۂ براءت کی طرف
x: حدیث سَدُّ الْاَبْوَابِ کی طرف
xi: باب حِطَّةٌ کی طرف
xii: حدیث الرَّايَةِ کی طرف اور اس بارے میں دسیوں بلکہ سیکڑوں نصوص کی طرف، وہ تعین کرے گا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی امامت نص نبوی سے ثابت ہے۔

اور ان میں سے بعض میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آپ کے بعد خلیفہ ہونے کی صراحت ہے جیسے (حدیث الدار) جس میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گردن پکڑی پھر کہا: یہ میرا بھائی اور وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے لہٰذا اس کی بات اور اطاعت کرو۔ فرمایا: پس قوم ہنستی ہوئی کھڑی ہو گئی اور ابوطالب سے کہنے لگی: اس نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو اپنے بیٹے کی بات سنے اور اس کی اطاعت کرے۔ [1]

---

[1] دیکھیے: تاریخ طبری: 62/2

میں کہتا ہوں: یہاں غور طلب مقامات ہیں:

پہلی غور طلب بات: اس بات پر اللہ کی تعریف ہے کہ آنجناب نے یہ نہیں کہا کہ یہ صحاح کی احادیث ہیں اور آپ کے بارے میں یہ گمان تھا۔ کیونکہ ان میں ماسوائے چند کے جن کا امامت سے کوئی تعلق نہیں باقی کوئی بھی صحیح نہیں۔

دوسری غور طلب بات: آنجناب نے کہا ہے: اور ان کے علاوہ دسیوں بلکہ سیکڑوں نصوص۔

میں کہتا ہوں: بلکہ ہزاروں: کیونکہ اس مسئلہ میں اس قدر روایات وضع کی گئی ہیں جن کا شمار ناممکن ہے، اس کی شہادت (نہج البلاغہ) کے شارح ابن ابی الحدید نے دی ہے چنانچہ وہ صحابہ کی مدت میں شیعہ کی وضع کردہ روایات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہتا ہے: اور اس طرح حد سے گزرے ہوئے رافضی شیعوں ایسے روایات گھڑنے میں اسراف کیا جو ان کی خواہشات سے متفق تھیں اور ان کی کثرت پریشان حد تک پہنچ گئی یہاں تک کہ خلیلی نے ارشاد (ص: 12) میں کہا: رافضیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اس کے کنبے کے فضائل میں تقریباً تین لاکھ روایات وضع کیں۔

تیسری غور طلب بات: آنجناب کے امام خمینی نے صراحت کی ہے کہ امامت کے مسئلے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان ہی نہیں کیا۔ چنانچہ وہ کشف الاسرار (ص: 155) پر لکھتا ہے: وَ وَاضِحٌ بِاَنَّ النَّبِیَّ لَوْ کَانَ بَلَغَ بِأَمْرِ الْاِمَامَةِ طَبَقًا لِمَا اَمَرَ بِهِ اللّٰهُ، وَ بَذَلَ الْمَسَاعِیَ فِیْ هٰذَا الْمَجَالِ، لَمَا نَشَبَتْ فِی الْبُلْدَانِ الْاِسْلَامِیَةِ كُلَّ هٰذِهِ الْاِخْتِلَافَاتِ وَ الْمَشَاحِنَاتِ وَ الْمَعَارِكِ، وَ لَمَا ظَهَرَتْ ثَمَّةُ خِلَافَاتٍ فِیْ اُصُوْلِ الدِّیْنِ وَ فُرُوْعِهٖ اور واضح ہے کہ نبی نے امامت کے معاملے کو اس کے مطابق پہنچایا ہوتا جیسے اللہ نے اس کے بارے میں حکم دیا تھا اور اس سلسلے میں کوششیں خرچ کی ہوتیں تو اسلامی ملکوں میں یہ سارے اختلافات، جھگڑے اور معرکے برپا نہ ہوتے اور دین کے اصول و فروع میں وہاں اختلافات ظاہر نہ ہوتے۔

چنانچہ اعتراف کرتا ہے اور تہمت بھی دھرتا ہے۔ اعتراف کرتا ہے کہ (مسئلہ) امامت بیان نہیں ہوا اور ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت بھی دھرتا ہے اس نے اس کی ایسے تبلیغ نہیں کی جیسے اللہ نے اسے حکم دیا تھا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے بڑھ کر متقی اور تمام لوگوں

سے زیادہ اپنے رب کے بارے میں جاننے والے تھے۔ (صلوات اللہ وسلامہ علیہ)

اور ہم نہیں جان سکے کہ خمینی نے کیسے پہچان لیا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو اس کے بارے میں حکم دیا تھا، کیونکہ یہ مسئلہ نقل کے بغیر پہچانا نہیں جا سکتا اور یہ ہماری طرف نقل نہیں کیا گیا، تو کیا خمینی نے لوح محفوظ پر اطلاع پائی یا اس کے پاس وحی آئی!

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ [الکھف: 25]

چوتھی غور طلب بات: جبکہ وہ احادیث جو آپ نے ذکر کی ہیں تو میں علماء کے ترازو میں ان کے راویوں کی حیثیت سے ان کا درجہ بیان کرتا ہوں، تاکہ اس سے قبل آنجناب کو اگر ان کے بارے میں علم نہ ہو تو آپ کو علم ہو جائے کہ یہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں اور اس طرح کی روایات سے اللہ کے دین کے بارے میں استدلال کرنا حرام کردہ اعمال میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ﴾ [سورۃ الاسراء: 36]

کہ ایسی بات کی پیروی نہ کر جس کے بارے میں تجھے علم نہیں ہے۔ اس آیت میں جزم کے ساتھ اس عمل کو اختیار کرنے کی ممانعت ہے جس کا معاملہ واضح نہ ہو، لہٰذا آپ تقلید کو اپنے سے پیچھے دھکیل دیں۔

پہلی حدیث: حَدِيْثُ الدَّارِ يَوْمَ الْاِنْذَارِ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ یہ آیت وَ اَنْذِرْ ﴿عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ سورۂ شعراء حضرت رسول اللہ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھے بلایا، پس آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: اے علی! بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤں، کہا: میں پریشان ہوا اور میں نے پہچان لیا کہ میں جب بھی اس کام کے لیے ان کے قریب ہوں گا تو ان سے وہ کچھ دیکھوں گا جو میں برا سمجھتا ہوں۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔ یہاں تک کہ جبرائیل آ گیا۔ اس نے کہا: اے محمد ﷺ اگر تو نے اس حکم کی تعمیل نہ کی تو تیرا رب تجھے عذاب دے گا۔ لہٰذا ہمارے لیے کھانے کا ایک صاع (ڈیڑھ کلو) بنا اور اس پر بکری کی ٹانگ (ران) رکھ دے اور ہمارے لیے دودھ سے پیالہ بھر دے پھر میرے لیے بنو عبدالمطلب کو اکٹھا کر تاکہ میں ان سے گفتگو کروں اور انہیں وہ بات پہنچاؤں جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے، چنانچہ میں

نے وہ کام کیا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا پھر میں نے آپ ﷺ کے لیے ان کو بلایا اور اس دن وہ چالیس آدمی تھے، ایک آدمی زیادہ ہو گا یا کم، ان میں آپ ﷺ کے چچے بھی تھے: ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابو لہب، جب وہ آپ ﷺ کی طرف اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے مجھے کھانا لانے کا حکم دیا جو میں نے ان کے لیے تیار کیا تھا، چنانچہ میں وہ کھانا لے آیا، جب میں نے رکھا تو رسول اللہ ﷺ نے گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالا اور اپنے دانتوں سے اس کے ٹکڑے کیے پھر وہ برتن کے چاروں طرف رکھ دیئے، فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ چنانچہ قوم نے جی بھر کر کھایا اور میں تو ان کے ہاتھوں کی جگہیں دیکھ رہا تھا اور اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں علی کی جان ہے جو کچھ میں نے ان تمام لوگوں کے سامنے رکھا اسے تو ایک آدمی ہی کھا سکتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو پلاؤ، تو میں وہ برتن لے آیا اور انہوں نے پیا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئے اور اللہ کی قسم! ان میں سے تو ایک آدمی ہی وہ سارا پی سکتا تھا۔ پس جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو ابو لہب نے پیش کلامی شروع کر دی اور کہا: تمہارے صاحب نے تمہارے اوپر کتنا زوردار جادو کیا ہے، تو قوم جدا جدا ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ ان سے بات نہ کر سکے، چنانچہ آپ ﷺ نے اگلے دن فرمایا، اے علی! اس آدمی (ابو لہب) نے مجھ سے پیش کلامی کی جو تو نے سنی اور میرے کلام کرنے سے پہلے ہی قوم منتشر ہو گئی، پس تو ہمارے لیے دوبارہ اس طرح کا کھانا تیار کر جیسا کہ تو نے تیار کیا تھا پھر ان کو اکٹھا کر، (علی نے) کہا: پس میں نے کیا اور پھر ان کو اکٹھا کیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے کھانا لانے کا حکم دیا تو میں نے ان کے قریب کر دیا چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا جیسے گزشتہ روز کیا تھا حتیٰ کہ انہوں نے اس قدر کھالیا کہ انہیں کسی چیز کی حاجت نہ رہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کو پلا، تو میں ان کے پاس وہی برتن لایا، انہوں نے اس سے پیا حتیٰ کہ وہ سارے اس سے سیر ہو گئے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے گفتگو کی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے بنو عبد المطلب! اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ عرب میں کوئی جوان اپنی قوم کے پاس اس چیز سے افضل چیز نہیں لایا جو میں لایا ہوں، میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اور مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں

وعدے پر کہ وہ میرا بھائی ہو گا اور یہ ہو گا، وہ ہو گا؟

چنانچہ ساری قوم اس سے پیچھے ہٹ گئی اور میں نے کہا: بے شک میں عمر میں ان سے کم سن ہوں اور آنکھوں میں ان سے زیادہ سفید میل والا ہوں اور ان سے بڑے پیٹ والا ہوں اور ان سے باریک پنڈلیوں والا ہوں، اے نبی اللہ! میں تیرا وزیر ہوں گا تو آپ نے میری گردن کو پکڑا، پھر کہا: بے شک یہ میرا بھائی ہے اور ایسا ہے ویسا ہے، اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ (علی رضی اللہ عنہ نے) کہا: قوم ہنستی ہوئی کھڑی ہو اور ابو طالب سے کہنے لگی: اس نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو اپنے بیٹے کی بات سنے اور اس کی اطاعت کرے۔ ❶

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: یہ روایت صحیح نہیں، بلکہ یہ مکذوب قصہ ہے۔ طبری کے راویوں میں عبد الغفار بن قاسم ابو مریم ہے اس کے بارے میں ابن مدینی نے کہا: یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ اور ابو داؤد نے عبد الواحد بن زیاد سے اس کی تکذیب بیان کرنے کے بعد کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ ابو مریم کذاب ہے اس وجہ سے بھی کہ میں نے اس سے ملاقات کی ہے اور اس سے روایات سنی ہیں اور اس کا نام عبد الغفار ابن قاسم ہے۔ ❷

اور ابن ابی حاتم کے پاس اس کی ایک اور سند ہے، اس میں عبد اللہ بن عبد القدوس ہے۔ ❸

اس کے بارے میں کہتے ہیں: کوفی رافضی ہے۔ اور یحیٰ نے کہا: یہ (راوی) پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا، یہ خبیث رافضی ہے اور نسائی نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے اور بخاری نے کہا یہ مجہول ہے اور اس کی حدیث منکر ہے۔ ❹

ثانیاً: (حدیث باب کے) آخر میں ہے: پس تم اس کی سنو اور اطاعت کرو۔ کیا وہ مسلمان تھے جو اس کی بات سنتے اور اطاعت کرتے؟ انہوں نے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں سنی اور نہ

---

❶ تاریخ طبری: 2/319۔320

❶ میزان الاعتدال: 2/640

❷ دیکھیے: تفسیر ابن ابی حاتم، ح: 16015

❸ میزان الاعتدال: 1/545

انہوں نے ایمان کے اصل میں آپ ﷺ کی اطاعت کی اور انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت سے منہ پھیر لیا، پس آپ ﷺ ان کو کس طرح حکم دے سکتے تھے جبکہ وہ بنیادی طور مومنین ہی نہ تھے جو اس بچے کی اطاعت کرتے جس کی عمر دس سال سے متجاوز نہ تھی اور وہ قریش کے بزرگ عمر تھے اور انہوں نے حضرت محمد ﷺ کی ذات کی اتباع ناگوار سمجھی، وہ بچے کی اطاعت کس طرح کرتے اور وہ اس وقت اپنے کفر پر قائم تھے؟! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نَعْمَۃِ الْعَقْلِ

ثالثاً: (مذکورہ بالا) روایت میں ہے کہ عبدالمطلب کے بیٹے چالیس مرد تھے، ایک مرد زیادہ ہو گا یا ایک مرد کم ہو گا اور تاریخ اس تعداد کے کذب کی شہادت دیتی ہے۔

چنانچہ عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے ان میں سے سوائے پانچ بیٹوں کے باقی نے نبوت کا دور نہیں پایا اور وہ تھے: حمزہ، عباس رضی اللہ عنہما، ابو طالب، حارث اور ابو لہب اور باقی پانچ بعثت رسول ﷺ سے قبل وفات پا چکے تھے۔

جبکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نہ تھی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا پہلا بیٹا جو شعب ابی طالب میں حصار کے دوران پیدا ہوا وہ عبداللہ تھا پھر ان کے ہاں عبید اللہ پیدا ہوا، پھر فضل پیدا ہوا۔ اس وقت تو ان کے بیٹے بڑے نہ تھے جو حاضر ہوتے۔

جبکہ ابو طالب کے چار بیٹے تھے اور وہ تھے: طالب، عقیل رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ۔ طالب نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا یعنی وہ بعثت نبوی سے قبل ہی فوت ہو گیا۔

جبکہ حارث بن عبدالمطلب کے دو بیٹے تھے۔ ابو سفیان اور ربیعہ جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہونے والوں میں سے تھے۔

اور ابو لہب کے تین بیٹے تھے: عتبہ، مغیث اور عتبہ۔ پہلے دو (فتح مکہ کے موقع پر) مسلمان ہو گئے اور تیسرے پر حضرت نبی اللہ ﷺ نے بد دعا کی (اور اسے درندے نے پھاڑ دیا تھا)۔ [1]

یہ تھے عبدالمطلب کے بیٹے اور پوتے، تو چالیس کیسے حاضر ہو گئے اور ان کی تعداد تو چودہ سے متجاوز نہیں۔

اور یہ ہے ان کے ناموں اور درجات کی تفصیل:

[1] دیکھیے: منہاج السنۃ: 297/7

باب: عبد المطلب

i: حمزہ بیٹا

ii: عباس بیٹا

iii: ابوطالب بیٹا

iv: حارث بیٹا

v: ابولہب بیٹا

vi: طالب بن ابی طالب پوتا

vii: عقیل بن ابی طالب پوتا

viii: جعفر بن ابی طالب پوتا

ix: علی بن ابی طالب پوتا

x: ابوسفیان بن حارث پوتا

xi: ربیعہ بن حارث پوتا

xii: عتبہ بن ابی لہب پوتا

xiii: مغیث بن ابی لہب پوتا

xiv: عتیبہ بن ابی لہب پوتا [1]

محترم پروفیسر صاحب! چالیس کہاں؟!

بسا اوقات راوی جھوٹ بولتا ہے تو اس سے کوئی پہلو چھوٹ جاتا ہے اور جھوٹ بولنے کے دوران اسے استحضار نہیں ہوتا چنانچہ وہ رسوا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں یہ پہلو دھیان میں نہ رہا کہ کوئی بعد میں انہیں گن بھی سکتا ہے۔

رابعًا: ابن ابی حاتم کی روایت میں حدیث کے الفاظ ہیں: وَ یَکُوْنُ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اَھْلِیْ اور طبری کی روایت میں عبارت مبہم ہے اور اس کے لفظ ہیں: عَلٰی اَنْ یَّکُوْنَ اَخِیْ وَ کَذَا وَ کَذَا چنانچہ ابن ابی حاتم کے الفاظ نے فقط اپنے گھرانے میں خلیفہ کا ذکر آیا ہے اور طبری کی روایت مبہم ہے

[1] دیکھیے: ذخائر العقبٰی فی مناقب ذوی القربی، ص: 292۔372

اور دونوں ہی صحیح نہیں ہیں۔

خامسًا: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بہتان ہے کہ وہ فقط ریاست کی طمع میں اسلام لایا نہ کہ ایمان میں رغبت کی وجہ سے۔

سادسًا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور ان کے بعد کتنے سارے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور ہم نے نہیں سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وزارت یا امارت کا وعدہ کیا ہو، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وزارت یا امارت کا وعدہ کیا ہو، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عہد جاری ہوتا تو انہوں نے بھی سوال کرنا تھا۔

سابعًا: یہ تو نبوت کو بدلنا بن جاتا تاکہ وہ بادشاہت اور سرداری بن جائے اور بیٹے باپوں سے اس کے وارث بنتے اور نبوت، موروثی نہیں ہوتی اور اس میں تقدیم نسب کے ہوتی ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ بدائع الفوائد (245/3) میں فرماتے ہیں: خلافت کے اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو بکر، عمر، عثمان (رضی اللہ عنہم) کی طرف جانے میں راز (واللہ اعلم) یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کے والی بن جاتے تو قریب تھا کہ باطل پرست کہہ دیتے کہ یہ (محمد) تو بادشاہ تھا جس نے اپنی بادشاہت کا وارث اپنے گھر والوں کو بنا دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رسالت اور منصب کو اس شبہے سے محفوظ کر دیا اور ہرقل (شاہ روم) کے ابو سفیان اموی سے مکالمے پر غور کیجیے:

> ''کیا اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ بھی تھا؟ اس نے کہا: نہیں، تو اس نے ابو سفیان سے کہا: اگر اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ آدمی اپنے آباء کی بادشاہی طلب کر رہا ہے۔''

چنانچہ اللہ نے ان کے بلند منصب کو اس آباء اور اہل بیت کی بادشاہی کے شبہ سے بچا لیا۔

اور (واللہ اعلم) یہ راز ہے جس کے ذریعے اللہ نے اس شبہے کو کاٹنے کے لیے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو وارث بنایا اور نہ دوسرے انبیاء کو، تاکہ باطل پرست دعویٰ نہ کریں کہ انبیاء نے اپنی اولاد اور وارثوں کے لیے دنیا جمع کرنے کے لیے نبوت کو وسیلہ بنایا، جیسے انسان اپنے آپ کو زاہد بنا کر اپنی اولاد اور وارثوں کے لیے دولت جمع کرتا ہے بس اللہ نے ان کو اس سے بچا لیا اور ان کو اس بات سے روک

دیا کہ وہ اپنے وارثوں کو اپنے مال کی کسی چیز کا وارث بنائیں، تا کہ اللہ کی حجتوں اور اس کے رسولوں کی طرف شبہ کی نظر نہ اٹھے چنانچہ ان کی نبوت اور رسالت میں سرے سے کوئی شبہ باقی نہ رہا۔

ثامنًا: میں کہتا ہوں: شاید اسی بھید کی وجہ ے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خلافت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کنٹرول نہ ہونے دیا تا کہ منصب نبوت (واشتی بادشاہی کے) شبہ سے دور رہے۔

پھر اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کو مکمل طور پر گرفت میں لے لیتے تو اس سے ان شیعوں کا معتقد مضبوط ہو سکتا تھا۔ جو آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی چیز کا دعویٰ کرتے ہیں جو آپ میں نہ تھی اور نبوت وراثتی بادشاہی میں بدل جاتی اور کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ وہ حضرت کے معاویہ کے ہاتھ پر منتقل نہیں ہوئی؟

ہم کہتے ہیں: ہاں، لیکن اس سے منصب نبوت مجروح نہیں ہوا اور ہماری گفتگو منصب نبوت کو متعلق اعداء دین کے اوہام وظنون سے دور رکھنے کے بارے میں ہے۔ واللہ اعلم

تاسعًا : آنجناب کے مذہب کے مطابق، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ان کے بارے میں پورا نہ ہوا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ علی ان کے بعد خلیفہ ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ وعدہ پورا نہ کیا۔

اگر آپ لوگ کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ تو کیا تھا لیکن ابو بکر اور عمر نے ارادہ نہ کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ ممکن نہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا وعدہ کریں جس کو نافذ کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم طاقت نہیں رکھتے تھے اور جناب کی فہم کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنا چاہیے تھا اس صورت میں کہ ابو بکر اور عمر راضی ہوں تو۔ الحمد للہ

دوسری حدیث:

((اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی، غَیْرَ اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ))

"کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو میرے ہاں اس مرتبے پر ہو جو ہارون کا موسیٰ کے ہاں تھا سوائے اس بات کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

میں کہتا ہوں: اس کا جواب چند پہلوؤں سے ہے:

اولاً: حضرت نبی کریم ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا نائب بنایا اور یہ آپ ﷺ کا عمومی معاملہ تھا کہ آپ ﷺ (اس طرح کے مواقع پر) صحابہ کرام میں سے کسی ایک کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کرتے، لیکن آپ ﷺ نے ان کو نائب بنایا تو منافقوں نے آپ رضی اللہ عنہ پر طعن کیا، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ کو منافقین کے طعن کی شکایت کرنے کے لیے ملے تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس پر تسلیم دی تو آپ رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔

ثانیاً: آپ ﷺ کا ان کو برادر موسیٰ، ہارون کے ساتھ تشبیہ دینا مقرر مدت تک نائب بنانے کے لیے تھا، کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے ساتھ ہم کلامی کے لیے گئے تو حضرت ہارون ان کے نائب تھے پھر یہ نیابت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس لوٹنے پر ختم ہو گئی تھی اور حضرت ہارون اپنی موت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائب نہ بن سکے کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔

ثالثاً: یہ نیابت آنحضرت ﷺ کے غزوہ تبوک سے واپسی پر ختم ہو گئی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو حضرت معاذ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے ساتھ یمن میں بھیج دیا۔ اور جب حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج کیا تو مدینہ پر کسی اور صحابی کو نائب بنایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نیابت منقطع ہو گئی تھی۔

رابعاً: اس حدیث میں اس بات کی دلیل کہاں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد امام ہوں گے ؟!

یہاں ایک قابل ذکر ملاحظہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت علی، معاذ اور ابو موسیٰ اشعری کو یمن میں بھیجا تو معاذ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کو یہ نہیں کہا کہ جب تم میں اختلاف ہو جائے تو علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرنا کیونکہ وہ معصوم امام ہے، تو ان کی عصمت حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات سے قبل تھی یا بعد میں؟ اس کی دلیل کیا ہے اور اس جیسی تنبیہ پہلے گزر چکی ہے۔

تیسری حدیث: حدیث الغدیر: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ [1] جس کا میں مولیٰ ہوں اس

[1] مسند احمد: 84/1۔ فضائل الصحابۃ، ح: 9471۔ ترمذی، ح، 3714

کا علی بھی مولیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے۔

اولاً: علماء (حدیث) بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کا سبب ہے اور وہ سبب وہ ہے جو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف (374/6) اپنی سند سے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے، اس نے کہا: میں یمن کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گیا، میں نے ان میں بدسلوکی دیکھی، پس جب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور ان کی تنقیص کی۔ اسی دوران حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخِ انور متغیر ہونے لگا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُوْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ؟ کیا میں مومنین کو ان کی جانوں سے زیادہ عزیز نہیں؟ میں نے کہا: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! جی ہاں اے اللہ کے رسول! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ کہ جس کو میں عزیز ہوں، اس کو علی بھی عزیز ہے۔

ثانیاً: ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ (البدایۃ والنہایۃ: 204/3) میں اس کا ایک سبب اور طریق سے بیان کیا ہے اور اس نے اس حدیث کے روایت کرنے اور اس کے صحیح اور ضعیف اور منکر الفاظ بیان کرنے میں تقریباً چھ صفحات صرف کر دیئے چنانچہ اس اپنے بدایہ میں کہا: حدیث کے ورود میں دلالت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے لوٹتے وقت مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ کے قریب ایک جگہ (غدیر خم) پر خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور اس فعل سے براءت بیان کی جس کے بارے ان لوگوں نے گفتگو کی تھی جو یمن میں ان کے ساتھ تھے، بوجہ اس سلوک کے جو علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان کے ساتھ مبنی بر عدل کیا گیا اور بعض لوگوں نے اسے ظلم و ستم اور تنگی اور بخل پر محمول کیا جبکہ درستی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی، اس لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مناسک حج کے بیان سے فارغ ہوئے اور مدینہ کی طرف لوٹے تو راستے میں اس معاملے کی وضاحت کی اور اس سال کی اٹھارہ ذی الحجہ کو اتوار کے دن غدیر خم میں وہاں ایک درخت کے نیچے عظیم خطبہ دیا اور اس میں کئی چیزوں کی وضاحت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت، امانت، عدالت اور ان کی اپنے ہاں قربت بیان کی جس سے بہت سے لوگوں کے دلوں آپ کے بارے میں

شکوک دور ہو گئے اور ہم اس بارے وارد ہونے والی عمدہ ترین احادیث ذکر کرتے ہیں اور الٰہی توفیق، قدرت اور مدد سے اس کے بارے جو کچھ صحیح اور ضعیف ہے وہ آشکارا کریں گے۔

صاحب التفسیر و التاریخ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اس حدیث کے معاملے پر توجہ دی ہے اور اس بارے دو جلدیں ترتیب دی ہیں اور ان میں اس کی اسناد اور الفاظ درج کیے ہیں اور اس بارے میں دبلی اور موٹی، صحیح اور ضعیف روایات تسلسل سے بیان کی ہیں، جیسا کہ بہت سے محدثین کی عادت بن چکی تھی کہ وہ اس بارے جو کچھ دستیاب ہوتا وہ بیان کر دیتے اس بات کی تمیز کیے بغیر کہ صحیح کیا ہے اور ضعیف کیا ہے اور اس طرح حافظ الکبیر ابو القاسم ابن عساکر نے اس خطبے میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں اور اس خطبے کے سلسلے وہ احادیث بیان کریں گے جو عمدہ ترین ہیں، اپنے اس اعلان کے ساتھ کہ اس میں شیعہ کے کچھ نہیں، نہ ان کے لیے سہارا ہے اور نہ دلیل، ان حقائق کی بنیاد پر جو ہم عنقریب بیان کریں گے اور ان پر متنبہ کریں گے۔ چنانچہ ہم اللہ کی مدد سے کہتے ہیں۔

محمد بن اسحاق نے حجۃ الوداع کے سلسلے میں کہا: مجھے یحییٰ بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی عمرہ نے یزید بن طلحہ بن یزید بن رکانہ کے حوالے سے بیان کیا: اس نے کہا: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے مکہ میں آئے تا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کریں تو آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف جلدی کی اور اپنے لشکر پر اپنے ساتھیوں میں سے ایک آدمی کو اپنا نائب بنایا، اس آدمی نے ان کپڑوں میں سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں سے لا رہے تھے ہر آدمی کو ایک ایک حلہ پہنا دیا، جب آپ رضی اللہ عنہ کا لشکر آپ رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچا تو آپ اس کی ملاقات کے لیے نکلے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان پر حلے دیکھے۔ فرمایا: تیرے لیے خرابی ہو! تو نے یہ کیا کیا؟ اس نے کہا: میں نے قوم کو یہ حلے پہنائے ہیں تا کہ جب یہ لوگوں میں آئیں تو خوبصورتی اختیار کریں۔ آپ نے فرمایا، تیرے لیے خرابی ہو! ان کے رسول اللہ تک پہنچنے سے یہ حلے اتروا دے۔ اس نے کہا: اس نے لوگوں سے حلے اتروا کر ان کپڑوں میں رکھوا دیئے۔ راوی کہتا ہے اور لشکر نے اس فعل پر رنج ظاہر کیا جو آپ نے ان کے ساتھ کیا۔

ابن اسحاق نے کہا: مجھے عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن معمر بن حزم نے سلیمان بن محمد بن کعب بن

عجرہ کے حوالے سے بیان کیا، اس نے اپنی پھوپھی زینب بنت کعب کے حوالے سے بیان کیا جو ابو سعید خدری کے عقد میں تھی، اس نے ابو سعید کے حوالے سے بیان کیا کہ اس نے کہا: لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شکویٰ کیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے، میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا: اے لوگو! علی رضی اللہ عنہ کا شکویٰ نہ کرو اللہ کی قسم! وہ اللہ کی ذات کے بارے میں یا اللہ کی راہ میں درشت ہے (کہ اس کی شکایت کی جائے)۔

اور اسے امام احمد نے محمد بن اسحاق کی حدیث سے روایت کیا ہے اور فرمایا: بے شک وہ اللہ کی ذات یا اس کی راہ میں درشت ہے۔ اور امام احمد نے کہا: ہمیں فضل بن دکین نے اور اس نے کہا ہمیں ابن ابی غنیہ نے حکم کے حوالے اور اس نے سعید بن جبیر سے اور اس نے حضرت عبد اللہ بن عباس اور اس نے حضرت بریدہ سے روایت کیا کہ اس نے کہا: میں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن میں غزوہ کیا، میں نے اس میں جفا دیکھی جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، تو میں نے علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا اور اس کی تنقیص کی، سو میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو دیکھا جو متغیر ہو رہا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بریدہ! کیا میں مومنین کو ان کی جانوں سے زیادہ عزیز نہیں؟ میں نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسول! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جیسے میں عزیز ہوں اس کو علی بھی عزیز ہے۔

اور اسی طرح اس روایت کو امام نسائی نے ابو داؤد حرانی سے اس نے ابو نعیم فضل بن دکین سے اور اس نے عبد الملک بن ابی غنیہ سے اپنی اسناد کے ساتھ اسی طرح روایت کیا ہے اور یہ سند جید اور قوی ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، حدیث کا سبب ہے اور وہ ہے، بے رخی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعض ساتھی کے مابین تھی۔

ثالثاً: پھر اس حدیث میں کہاں ہے کہ وہ مسلمانوں پر والی ہیں؟!

بلاشبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لے ی ولایت تمام مسلمانوں پر قائم ہے چنانچہ ولایت سے مراد محبت اور نصرت ہے اور یہ تمام مسلمانوں کے درمیان تسلیم شدہ ہے اور ان کے اور ان کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان مضبوط و مستحکم ہے بلکہ ان کے اور ان کے رب کے درمیان تسلیم شدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ [المائدة: 55]

"بے شک تمہارا والی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔"

رابعًا: اگر اس حدیث ولایت کا ارادہ ہوتا۔ اس معنی میں کہ وہ مسلمانوں پر والی ہیں تو نبی اللہ ﷺ اس کی تصریح کر دیتے کیونکہ یہ شریعت (قانون) کی بات تھی جو توریہ (اخفاء حقیقت) کا متحمل نہیں۔

خامسًا: اگر آپ کا جدید تشریعی (قانونی) معاملے کا ارادہ ہوتا تو آپ لوگوں کو حج سے لوٹنے اور اپنے شہروں کی طرف جانے نہ دیتے پھر اسے صرف مدینہ والوں میں ذکر نہ کرتے بلکہ سب کو اکٹھا کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانشینی کا اعلان کرتے۔

سابعًا: یہ کلام مبتدا یعنی خبر جدید ہے اور آپ لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے پہلے ولایت کا ذکر کیا۔ اگر آپ ﷺ نے پہلے ذکر کیا ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے: میں تمہیں وہ بات یاد دلاتا ہوں جس میں پہلے تمہیں خبر دے چکا ہوں اور وہ ہے: "تم پر علی کی ولایت" لیکن آپ نے یہ بات نہیں کہی لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جدید معاملہ تھا اور اس کا ایک سبب تھا جو بیان ہو چکا ہے۔

چوتھی حدیث: حدیث الثقلین یہ حدیث ہے اس کے ساتھ نبی اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع سے لوٹتے وقت خطبہ دیا۔ جیسا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے فرمایا، حضرت رسول اللہ ﷺ ہم میں مکہ اور مدینہ کے درمیان تالاب کے پاس جسے خُم کہا جاتا ہے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور وعظ و تذکیر کی پھر فرمایا: امابعد! اے لوگو! آگاہ رہو میں بشر ہی ہوں، قریب ہے کہ میرے پاس اللہ کا قاصد آ جائے اور میں اس کی دعوت قبول کر لوں، اور میں تم میں دو نفیس چیزیں چھوڑنے والا ہوں اور دونوں میں پہلی چیز کتاب اللہ ہے اس میں ہدایت اور نور ہے پس اللہ کی کتاب کو پکڑ لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو، چنانچہ آپ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے پر زور دیا اور اس کی ترغیب دلائی پھر فرمایا: اور میرے اہل

بیت، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کا دھیان دیتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کا دھیان دیتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی طرف دھیان دلاتا ہوں۔ یہ حدیث الثقلین ہے جو صحیح اسناد اور واضح الفاظ سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں، اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: اس حدیث کو دیگر الفاظ بھی روایت کیا ہے جو یا تو ضعیف اسناد سے مروی ہیں یا وہ صحیح روایت کے مرتبے اور معیار کے مطابق نہیں ہیں۔ اس لیے وہ شاذ قرار پائے ہیں کیونکہ جس حدیث کا مخرج ایک ہو اور اسے نبی اللہ ﷺ نے ایک ہی جگہ بیان کیا ہو پھر وہ متعدد الفاظ سے مروی ہو تو ان کے درمیان ترجیح دینا ضروری ہے کیونکہ حضرت نبی اللہ ﷺ نے ایک لفظ ارشاد فرمایا ہوتا ہے سارے الفاظ نہیں، اس لیے اس جملے کو مقدم سمجھا جائے گا جو صحیح ترین سند سے مروی ہو۔

ثانیاً: حضرت نبی اللہ ﷺ نے قرآن کی اتباع اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھنے کی وصیت کی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کتاب اللہ کی فہم اور اس پر عمل کرنا کسی وسیلے یا وصیت کا محتاج نہیں، ورنہ آپ ﷺ ہمیں براہ راست اسکی اتباع کی وصیت نہ کرتے اور کہہ دیتے کہ وصی کے بغیر اس پر عمل کرنے سے بچو اور اسی تفسیر کو مانو جو وصی تمہیں بتائے۔

اور آپ ﷺ نے کتاب اللہ کی تعریف کی اور فرمایا: اس میں ہدایت اور نور ہے اور جب تک اس میں ہدایت اور نور ہے تو وصی کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے؟!

ثالثاً: جب آپ ﷺ نے قرآن کا ذکر کیا تو اس کی اتباع کا حکم دیا اور اہل بیت کا ذکر کیا تو ان نگہداشت اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا اور یہ واضح ترین دلائل میں سے ہے کہ وہ ائمہ نہیں ہیں اور امامت، ان کے سوا دیگر امتیوں میں ہو گی اور اگر وہی امام ہوتے تو آپ ﷺ نے ان کو ہمارے متعلق وصیت کرنی تھی کیونکہ وصیت اس کو کی جاتی ہے جو قدرت رکھنے اور اسے نافذ کرنے والا ہو، کمزور اور عاجز کو وصیت نہیں کی جاتی۔

(حقیقت حال تو اللہ خوب جانتا ہے) لیکن ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خبر دے دی تھی جو اس کے اہل بیت کو حاصل ہونی ہے، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے مومنین کو یاد دلایا کہ جب

وہ ان پر حاکم بنیں تو ان کے حقوق کا خیال رکھیں۔

پانچویں حدیث: حَدِيْثُ السَّفِيْنَةِ امام طبرانی نے اپنی سند سے حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا: تم میں میرے اہل بیت کی مثال، قوم نوح میں نوح کی کشتی کی طرح ہے، جو اس پر سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا اور بنی اسرائیل میں باب حطہ کی ہے۔ اسے طبرانی نے معاجم ثلاثہ میں روایت کیا ہے اور اسے مجمع البحرین (ح: 3793) میں ذکر کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب چند پہلوؤں سے ہے:

اولاً: اس کی سند میں عبداللہ بن داہر رازی، متروک ہے اور لسان المیزان (282/3) میں ہے کہ عقیلی نے کہا: رَافِضِيٌّ خَبِيْثٌ

اور اس میں عبداللہ بن عبدالقدوس ہے اس کے بارے میں پہلی حدیث میں گزر چکا ہے کہ وہ مجہول ہے اور جیسا کہ المیزان (457/2) میں ہے کہ امام بخاری نے کہا: اس کی حدیث منکر ہے۔

اور یہ دیگر اسناد سے بھی مروی ہے جو اس سند سے (ضعف میں) کم نہیں ہیں۔

ثانیاً: کیا اس طرح کی روایات پر دین قائم کیا جا سکتا ہے؟!

ثالثاً: کون سے اہل بیت کشتی ہیں: آیا وہ جن کی آپ حضرات مدح کرتے ہیں یا جن کی آپ مذمت کرتے ہیں؟ جیسا کہ اللہ کی مشیئت سے آگے آ رہا ہے۔

رابعاً: اب آپ ﷺ کے اہل بیت کہاں ہیں جو "امام" ہیں؟!

فوت ہو گئے ہیں یا وہ (آپ حضرات کے گمان کے مطابق) بھاگ گئے ہیں؟ پس آپ تمام لوگ اب بغیر کشتی کے ہیں لہٰذا اس کے بمصداق تو آپ لوگ ہلاک ہو گئے!!

جبکہ ہم اہل السنہ قرآن و سنت کے سفینے پر سوار ہیں جو رواں دواں ہے اور نہ وہ مرے گا نہ بھاگے گا۔

چھٹی حدیث: وَ هُوَ وَلِيُّ كِلِّ مُوْمِنٍ وَ مُوْمِنَةٍ وَ فِيْ رِوَايَةٍ (بَعْدِيْ)[1] اور وہ ہر مومن اور مومنہ کا ولی ہے اور ایک روایت میں ہے: (میرے بعد)۔

[1] ترمذی، ح، 3712

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے۔

اولًا: اس روایت کا دارومدار جعفر بن سلیمان پر ہے اور اس سے اس روایت کو عبدالرزاق اور عفان نے روایت کیا ہے۔ جبکہ جعفر کے بارے میں اقوال مختلف ہیں کچھ محدثین اسے ضعیف قرار دیتے ہیں اور کچھ ثقہ قرار دیتے ہیں، لیکن انہوں نے اس کا وصف ذکر کیا ہے کہ وہ متشیع تھا اور جب راوی کسی بدعت سے تہمت زدہ ہو تو پھر وہ اس بات کو روایت کرے جو اس کی بدعت کو مضبوط کرے تو اس کی روایت میں غور کیا جائے گا کہ کیا اسے کسی دیگر راوی نے بھی روایت کیا ہے جو اس کی بدعت پر تھا یا نہیں۔

ابن سعد نے کہا: ثقہ ہے اس میں ضعف ہے یہ متشیع تھا۔

احمد بن مقدام نے کہا: اور جعفر رفض کی طرف منسوب تھا اور عقیلی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ اسے کہا گیا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تو ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتا ہے؟ تو اس نے کہا: گالیاں تو میں نہیں دیتا لیکن بغض تو جتنا میں چاہوں۔ [1]

اور امام مسلم نے اس سے سوائے ایک روایت کے اور کوئی روایت نہیں لی اور وہ بھی غَزْوُ النَّبِیِّ ﷺ بِالنِّسَاءِ میں مُتَابَعَةً۔ [2]

اور ذہبی نے اس کے لیے عذر بیان کیا ہے کہ اس کا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دینے کا سبب اس کے دو ہمسائے تھے جن سے وہ دکھی تھا اور وہ ان کو مراد لیتا تھا پھر اس نے بیان کیا کہ وہ صدوق ہے اور وہ چند احادیث میں متفرد ہے جن کی وجہ سے اس پر انکار کیا گیا اور اس کو حجت سمجھنے میں اختلاف کیا ہے اور (جن احادیث کی وجہ سے اس پر انکار کیا ہے) ان میں یہ حدیث بھی شمار کی گئی ہے۔ [3]

ثانیًا: ذہبی کے اس کے ترجمے میں ذکر کیا ہے کہ اس نے حدیث روایت کی ہے: مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَ لَمْ یَسْتَخْلِفْ اَحَدًا اگر اس کی روایت تمام مسائل میں جائز ہے تو بعض احادیث بعض

---

[2] المیزان: 407/1

[1] دیکھیے: صحیح مسلم، ح: 1810

[2] دیکھیے: المیزان: 410/1

کی تفسیر کرتی ہیں۔

ثالثاً: آپ ﷺ کا قول وَلِيُّ كُلِّ مُوْمِنٍ بَعْدِي کی تفسیر اگر امامت سے کی جائے تو پھر وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد قیامت قائم ہوتے تک ہر مومن کے امام نہ ہوئے اور ان کی ولایت (امامت) تو ان کی وفات تک ہوئی، تو ان کی باقی مسلمان معاشروں تک امامت کہاں گئی؟

لیکن جب اس کی تفسیر اس طرح کی جائے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہر مومن کے ولی یعنی محبوب اور دوست ہیں تو یہ ممکن الحصول ہے اور یہ ولایت ہر مومن کو اپنے بھائی پر حاصل ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں پختہ ہے۔

ساتویں حدیث: اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ کہ میں علم کا شہر ہوں الخ۔

میں کہتا ہوں: اس پر سنداً اور متناً گفتگو ہو چکی ہے کہ یہ موضوع ہے اور اس کا معنی بھی باطل ہے۔

آٹھویں حدیث: حَدِيْثُ الْمُوَاخَاةِ

کئی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ ان میں سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، اس نے کہا: حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے درمیان مواخاۃ (بھائی چارہ) قائم کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ آنسو بہاتے ہوئے آئے اور کہا: یارسول اللہ! آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اور میرے درمیان اور کسی ایک درمیان بھائی چارہ قائم نہیں کیا: تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے۔ [1]

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے۔

اولاً: روایت صحیح نہیں ہے۔ اس کی سند میں جمیع بن عمیر ہے، امام بخاری نے کہا: اس کے بارے میں کلام ہے اور ابو حاتم نے کہا: کوفی سے تابعی ہے پختہ کار شیعوں میں سے ہے، صدق کے درجے پر ہے صالح الحدیث ہے۔ اور ابن عدی نے کہا: اس کے بارے میں قول وہی ہے جو امام بخاری نے کہا: اس کی احادیث میں کلام ہے اور عام طور پر جو یہ روایت کرتا ہے اس کی متابعت نہیں کی جاتی۔ [2]

---

[1] ترمذی: 300/5

[2] دیکھیے: تہذیب التہذیب: 410/1

اور اس کی سند میں حکیم بن جبیر ہے، امام احمد فرماتے ہیں: ضعیف الاحدیث اور مضطرب ہے۔ ابن معین کہتے ہیں: یہ کسی کام کا نہیں اور ابو حاتم نے کہا: ضعیف الحدیث، منکر الحدیث ہے اس کیا پسندیدہ ہے ہم اللہ سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ تشیع میں غالی ہے اور دار قطنی کہتے ہیں: متر ک ہے۔ ❶

اور اس کی سند میں علی بن قادم ہے، اس کے بارے میں ابن معین نے کہا: ضعیف ہے اور ابن حجر نے کہا منکر الحدیث ہے، تشیع میں کٹر ہے۔ ❷

ثانیاً: اس حدیث میں امامت کے بارے میں کون سی دلالت ہے؟! حضرت نبی کریم ﷺ نے بعض احادیث میں فرمایا: میں نے چاہا کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھو۔ جیسا کہ یہ حدی ثبیان ہو چکی ہے، تو کیا وہ تمام امتی امام ہیں کیونکہ وہ اخوان النبی ﷺ ہیں؟! صلی اللہ علیہ وسلم

نویں حدیث: حدیث التبلیغ: تبلیغ سورۃ براءۃ فی الحج۔ حضرت ابو سعید یا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا، جب وہ (مکہ کے قریب) ضجنان تک پہنچے تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کی آواز سنی، پس اس کو پہچان لیا پھر وہ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا: میرا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا: بہتر ہے: بے شک رسول اللہ ﷺ نے براءۃ کے ساتھ بھیجا ہے۔ چنانچہ جب ہم واپس لوٹے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی طرف گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے کیا؟ فرمایا: خیر۔ تو میرا غار میں ساتھی ہے، سوائے اس کے کہ میری طرف سے میرے سوا یا میرے (گھرانے کے) آدمی کے سوا کوئی تبلیغ نہیں کر سکتا یعنی علی رضی اللہ عنہ کے سوا۔ یہ ہے حدیث تبلیغ اور یہ بہت سے طرق اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ ❸

میں کہتا ہوں: اس کا جواب چند وجوہ سے ہے۔

اولاً: یہ حدیث کئی اسناد سے مروی ہے اور ان میں سے کوئی سند بھی ضعف سے محفوظ نہیں اور

---

❸ ایضاً: 471/1

❹ ایضاً: 304/4

❶ ابن حبان بترتیب الاحسان، ح: 6644

اس سند میں ابو ربیعہ زید بن عوف ہے، ابن حجر نے کہا: تَرَکُوْہُ کہ انہوں نے اس سے روایت ترک کر دی اور فلاس نے کہا: متروک اور دار قطنی نے کہا: ضعیف۔ ❶

ثانیاً: اس میں امامت کے مسئلے پر کوئی دلالت نہیں یہ تو عربوں کے معمول کے مطابق وارد ہوئی کہ عقود اور عہود کو وہی شخص توڑ سکتا تھا جو اسے منعقد کرتا تھا یا اس کے کنبے کا کوئی فرد۔

ذخائر العقبیٰ کے مولف نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا: یہ تبلیغ اور اداء اس واقعہ کے ساتھ مختص ہے ایک سبب کی وجہ سے جو اس کا تقاضا کرتا تھا اور وہ یہ کہ معاہدوں کے توڑنے میں عربوں کی عادت تھی کہ ان کا حق دار وہی ہوتا تھا جو انہیں منعقد کرتا تھا یا وہ آدمی جو (معاہدے کرنے والے) قبیلے کا فرد ہوتا تھا۔ پھر اس نے اشارہ کیا کہ اس سے مراد عام تبلیغ نہیں یہاں تک کہ دین کی تبلیغ بھی۔ آگے اس نے کہا: اس بات کی دلیل یہ ہے کہ تبلیغ اہل بیت کے ساتھ مختص نہیں اور یہ بات بداہتاً معلوم ہے کہ آپ ﷺ کے پیامبر مختلف گوشوں میں آپ کی طرف تبلیغ اور آپ ﷺ کے پیغامات پہنچانے اور احکام اور وقائع کی تعلیم کا فریضہ ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ ❷

ثالثاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں ان کے خلیفہ نہیں تھے ان کا کام تو فقط مشرکین کو عہد کے ختم ہونے کا پیغام تھا۔

امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: ابو بکر رضی اللہ عنہ اسے اس حج میں ایک گروہ کے ساتھ بھیجا جس میں حضرت نبی اللہ ﷺ نے ان کو حجۃ الوداع سے پہلے والے حج میں امیر حج مقرر کیا تھا کہ وہ لوگوں میں اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی بیت اللہ میں لباس اتار کر طواف کرے اور یہ حدیث اس بارے میں نص ہے کہ اس حج میں ابو بکر رضی اللہ عنہ امیر تھے۔

اور جو حدیث آنجناب بیان کی ہے اس حدیث میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ حج کے امیر بن کر آئے ہیں اور وہ تو اس لیے آئے کہ وہ ان معاہدوں کے ختم ہونے کا اعلان کریں جو آپ ﷺ نے مشرکین سے کیے تھے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک مجھے رسول اللہ ﷺ نے

---

❷ لسان المیزان: 506/2

❶ ذخائر العقبی، ص: 129 اور ابن حجر نے فتح الباری (8/318۔319) میں ایسے ہی لکھا ہے۔

سورہ براءت کے ساتھ بھیجا ہے لہٰذا وہ سورہ براءت کے ساتھ بھیجے گئے تھے جو معاہدوں کے توڑ دینے پر مشتمل تھی اور آپ رضی اللہ عنہ امیر بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ پھر اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ حج کے اختتام تک امیر رہے اور واپس نہیں لوٹے۔

اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حج سے واپس آنے کے بعد نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت کو بھیجنے کے سبب کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب تھا۔ اس کی تبلیغ میری جانب سے میرے یا میرے خاندان کے آدمی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مراد لے رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھیجنے کا عذر یہ بیان کیا کہ معاہدے کو ختم کرنے کا اعلان فقط اسی شخص سے پختہ ہوتا ہے جس نے معاہدہ کیا ہوتا ہے یا وہ آدمی جو اس کے قرابت داروں سے ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے اس کو آپ رضی اللہ عنہ (ابو بکر رضی اللہ عنہ) یہ امیر بنا کر بھیجا ہے، کیونکہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا حکم دیا ہے، جس طرح کہ اس شخص کا گمان ہے جو اپنے (اندر کی) بات کہنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

دسویں حدیث: سَدُّ الاَبْوَابِ

حضرت زید بن ارقم سے مسند احمد (269/4) میں مروی ہے کہ اس نے کہا: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے گھروں کی عقبی کھڑکیاں مسجد (نبوی کے صحن کی جانب) لگی ہوئی تھیں ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوائے علی کی کھڑکی کے باقی سب کھڑکیاں بند کر دو، تو لوگوں نے اس بارے میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ راوی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا، میں سوائے علی کی کھڑکی باقی کھڑکیوں کے بند کرنے کا حکم دیا گیا اور تمہارے کہنے والے نے کہا اور اللہ کی قسم! میں نہ تو کوئی چیز کھولتا ہوں نہ بند کرتا ہوں۔ لیکن میں تو ایک چیز کا حکم دیا گیا تو میں نے اس کی پیروی کی۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب چند وجوہ سے ہے:

اولاً: اس روایت کی سند میں میمون ابو عبداللہ سے اس کے بارے میں امام احمد نے کہا: اس کی

روایات منکر ہیں اور ابن معین نے کہا: یہ راوی کسی شمار میں نہیں اور یحیٰ قطان نے کہا: اس سے روایت نہ بیان کی جائے۔ ❶

اور ابن جوزی نے بہت سی روایات بیان کیں پھر کہا: یہ تمام روایات روافض کی گھڑی ہوئی ہیں۔ انہوں نے ان کے ساتھ متفق علیہ صحیح حدیث سَدُّوا الْاَبْوَابَ اِلَّا بَابَ اَبِیْ بَکْرٍ کا مقابلہ کیا ہے اور وہ ہے سُدُّوْا کُلَّ خَوْخَةٍ فِی الْمَسْجِدِ غَیْرَ خَوْخَةَ اَبِیْ بَکْرٍ۔ ❷

ثانیاً: حضرت نبی اللہ ﷺ اپنے کھڑکیاں بند کرنے کے حکم کی ان الفاظ میں معذرت کیوں کرتے کہ (میں وہ نہیں ہیں جس نے یہ حکم دیا ہے بلکہ وہ تو اللہ کا حکم ہے؟! کیا آپ ﷺ کا حکم، اللہ کے حکم جیسا نہیں ہے اور اللہ عزوجل نے ہمیں مستقل طور پر آپ ﷺ کے حکم تعمیل کا حکم نہیں دیا؟ اور صحابہ کب آپ ﷺ کے حکم کو نہ مانتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کو خبر نہ دیں کہ یہ تو اللہ کا حکم ہے؟! سبحان اللہ

کتنا واضح جھوٹ ہے!

ثالثاً: اگر یہ روایت صحیح ہو تو کیا اس میں امامت کی دلیل ہے؟!

کیا اس کی کھڑکی کھلی رکھنے کا یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے باپ کی ملاقات میں آسانی رہے؟ حتیٰ کہ اگر یہ مقصد نہ بھی ہو تو اس میں امامت کی دلیل کہاں ہے؟!

رابعاً: موقع کی مناسبت ابو بکر کی حدیث کی صحت کی شہادت دیتی ہے کیونکہ حضرت نبی اللہ ﷺ نے اپنی بیماری کے عرصے میں لوگوں کو نماز پڑھانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی تھی اور وہ مسجد میں آنے کی ضرورت کے محتاج تھے تاکہ وہ آپ ﷺ کی نیابت میں امامت کا فریضہ ادا کر سکیں مزید برآں یہ ان کی خلافت کی دلیل بھی ہے۔

گیارہویں حدیث: حَدِیْثُ بَابِ حِطَّة

ابو سعید کی روایت سے ہے اور پانچویں حدیث میں ابو ذر کی روایت گزر چکی ہے۔

---

❶ دیکھیے: المیزان: 235/4

❷ دیکھیے: الموضوعات: 1/362۔369۔ اور حدیث ابی بکر کو بخاری، ح: 462 میں اور مسلم نے ح: 6122 میں روایت کیا ہے۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد (265/9) میں ابو سعید خدری سے بیان کیا ہے کہ اس نے کہا: میں نبی کریم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا: میرے اہل بیت کی تم میں کشتی نوح کی مثال ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا اور میرے اہل بیت کی مثال تم میں بنی اسرائیل کے باب حطہ کی ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ بخشا گیا۔

اس کے بعد اس نے کہا: اسے طبرانی نے صغیر اور اوسط میں بیان کیا ہے اور اس کی سند میں راویوں کی جماعت کو میں نہیں جانتا۔

میں کہتا ہوں: جیسا کہ آنجناب دیکھ رہے ہیں اس روایت میں کئی راوی مجہول ہیں، لہٰذا ایسی روایت سے استدلال کس طرح کیا جا سکتا ہے جس کے بارے میں پتا نہ ہو کہ اسے کس نے بیان کیا ہے؟!

بارہویں حدیث: حديث الراية

بخاری اور مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت نبی اللہ ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا: میں اگلے دن جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح نصیب فرمائے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں۔ [1]

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں، اس کو صحاح کے مولفین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے روایت کیا ہے۔

ثانیاً: اللہ عزوجل کے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ہر مومن سے محبت کرنے میں کوئی شک نہیں، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے صراحت سے ثابت ہے اور اس حدیث میں آپ رضی اللہ عنہ کے ظاہری اور باطنی ایمان کی شہادت ہے اور اس بات کی بھی کہ آپ رضی اللہ عنہ ایمان پر زندہ رہیں گے اور ایمان پر ہی فوت ہوں گے۔

ثالثاً: لیکن شہادت شیعہ کے نزدیک مجروح فیہ ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی (شیعہ کے عقیدے کے مطابق) یا تو فاسق ہیں یا کافر ہیں اور یہ ان کے نزدیک حضرت علی کے لیے ثابت ہی

[1] دیکھیے: صحيح البخاري: ج/3701/8/5۔ صحيح مسلم، ح: 2404

نہیں جب تک کہ وہ اس کے راویوں کے ایمان اور عدالت کو تسلیم نہ کریں۔ چنانچہ یہ روایت حضرت سلمہ بن اکوعہ اور سعد بن ابی وقاص اور ابوبریدہ وغیرہم صحابہ کرام سے مروی ہے اور اس حدیث کی صحت ان کے ایمان کے ساتھ مربوط ہے اور ان کی کتابیں سوائے چار کے باقی تمام صحابہ کرام کے ارتداد کو ثابت کرتی ہی۔(عیاذاً باللہ)

رابعًا: جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت ہر مومن مرد اور عورت کے لیے بھی ثابت ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ﴾[المائدة: 54]

''پس عنقریب اللہ اس قوم کو لائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتی ہو گی۔''

اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ [آل عمران: 146] ''اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اور اس کے علاوہ بہت سی آیات قرآنیہ۔

اور یہ محبت نہ تو امامت پر دلالت کرتی ہے نہ خلافت پر۔

پانچواں غور طلب مقام: آنجناب کا قول: اور ان کے علاوہ اس کے بارے میں دسیوں بلکہ سیکڑوں نصوص ہیں جو نبی ﷺ کی طرف سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی امامت کی نص کا یقین دلاتی ہیں اور ان میں سے بعض میں تو تصریح ہے۔ جیسے کہ حدیث الدار۔

میں کہتا ہوں، اس کا جواب چند پہلوؤں سے ہے:

اولاً: گزشتہ جوابات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ نصوص دو امور کے درمیان ہیں۔

یا تو وہ صحیح اسناد سے ثابت نہیں ہیں اور ان میں سے اکثر ایسی ہی ہیں۔

یا وہ (آپ حضرات کی) مراد پر دلالت نہیں کرتیں۔

ثانیًا: یہ نصوص ان صحابہ کرام سے مروی ہیں جنہیں شیعہ حضرات مجروح کرتے ہیں اور انہیں

قرار دیں تو آپ پر لازم ہے کہ ان تمام روایات کو قبول کریں جو انہوں نے بیان کیں اور جو کچھ انہوں نے روایت کیا ہے وہ آپ لوگوں کے دعویٰ کو توڑتا ہے اور اگر آپ لوگ انہیں عادت نہ سمجھیں تو آپ کے لیے ان کی مرویات سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ جب کہ ہمارے نزدیک یہ اور ان جیسی صحیح روایات ابو السبطین (حضرات علی رضی اللہ عنہ) کے لیے ثابت ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے اثبات میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ ہر فضیلت کے اہل ہیں، اختلاف تو ان کے امامت کی تنصیب پر دلالت کرتے ہیں۔

ثالثًا: ان (روایات) میں سے جو ثابت ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سے تعلق رکھتی ہیں جو ان کے ایمان اور فضیلت کو ثابت کرتی ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ پسندیدہ صحابہ میں سے ہیں اور اس طرح کی احادیث ان کے عظیم روایات شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے لیے ثابت ہیں۔

رابعًا: شیعہ حضرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایمان ثابت نہیں کر سکتے مگر اس صورت میں کہ وہ ان صحابہ کرام کے تزکیے اور تعدیل کو تسلیم کریں جنہوں نے ان کا ایمان روایت کیا ہے۔

خامسًا: آنجناب کا قول یتیقن بنص النبی ﷺ امامة علی ابن ابی طاب کہ (مذکورہ بالا روایات) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی امامت کو نص نبوی سے پختہ کرتی ہیں۔ عجیب ترین دعووں میں سے ہے۔

کیونکہ اصولیوں کے نزدیک لفظ (نص) ایک معنی سے زیادہ کا متحمل نہیں ہوتا چنانچہ یہ لفظ مراد پر ایسی قطعی دلالت کرتا ہے جس کی طرف تاویل کو راستہ نہیں ملتا۔

اور جب ہم ان روایات کی صحت کا اعتقاد رکھ لیں اور ہم سمجھیں کہ صحابہ نے ان کے بموجب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا اعتقاد نہیں رکھا تو یہ اس دعویٰ کے بطلان پر دلالت کرتا ہے اور اگر ہم کہیں کہ انہوں نے اعتقاد تو رکھا لیکن اسے قبول نہیں کیا تو یہ ان کی عدالت پر طعن ہے اور اس کی بنیاد پر ان کی روایات قبول نہیں کی جاسکتیں۔

پھر ہم اہل السنہ میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہیں پاتے جو انکے موجب کا قائل ہو اور ایسا دو امور میں سے ایک امر کی وجہ سے ہے۔

یا تو یہ روایات ان کے نزدیک ثابت نہیں۔

اور یا وہ اس مراد پر دلالت نہیں کرتیں جو آپ حضرات نے لی ہے۔

سادسًا: اگر حضرت رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ کہنے کا ارادہ کرتے کہ (میرے بعد علی خلیفہ ہے تو ان طویل ترین باتوں اور عدم تصریح کا کیا سبب تھا؟

سابعًا: آنجناب کی کتابوں کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اعتراف کرتے ہیں کہ امامت بیعت کے ساتھ ہے اور اللہ کی طرف سے نہیں ہے چنانچہ نہج البلاغہ جو آپ حضرات کے ہاں معتبر کتاب ہے اس میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شوریٰ مہاجرین اور انصار پر مشتمل ہے جب وہ کسی پر متفق ہو جائیں اور اسے امام کا نام دے دیں تو یہ اللہ کی رضامندی سے ہے۔ [1]

اور یہ آپ حضرات کے سابقہ دعوے توڑتا ہے اور اس کی طرح کی گفتگو گزر چکی ہے۔

اور وہ ہماری کتابوں میں اعتراف کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے امامت کے بارے میں انہیں کوئی وصیت نہیں کی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

153۔ آنجناب نے کتاب (حیاۃ محمد ﷺ) میں لفظ بَاتَ عَلٰی فِرَاشِهٖ میں بَالَ عَلٰی فِرَاشِهٖ کی تحریف کا ذکر کیا ہے پھر آنجناب نے کہا: ان پر کوئی یملامت نہیں کیونکہ یہ ان لوگوں کی طرف سے اس طرح کی (حرکتوں) کے وارث ہیں جو جن کے دن علی کے بارے میں خبر سے خوش نہیں ہوتے۔

میں کہتا ہوں: یہاں چند توجہ طلب امور ہیں:

اولًا: اصل طبع ایسے ہی سے جیسے آپ نے ذکر کیا ہے لیکن یہ ہاتھ سے بدلا ہوا لفظ ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ مولف کی طرف سے نہیں بلکہ یہ مولف کے اعتماد کے بعد مطبع (پرنٹ) کی طرف سے ہے۔

ثانیًا: مصری مطابع ایسے عیسائیوں سے خالی نہیں ہیں جو اسلام اور مسلمین کے بارے میں حقد و کینہ رکھتے ہیں اور میں اس بات کو بعید نہیں سمجھتا کہ یہ ان میں سے یا ملحدین میں سے کسی کی کارستانی ہو جو نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ اس کے رسول ﷺ پر۔

[1] نهج البلاغة، ص: 526

ثالثًا: جس نے بھی یہ کارستانی کی ہے خواہ وہ مولف ہے یا کوئی اور یہ جرم ہے اور کبیرہ گناہوں میں سے کبیرہ گناہ ہے۔

رابعًا: آنجناب کا قول وَرِثُوْا ذٰلِكَ۔۔۔ کہ وہ اس کے وارث ہوئے ہیں۔۔۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ آپ اہل السنہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خیر نہیں چاہتے۔

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر آنجناب نے یہی ارادہ کیا ہے تو آپ نے صحیح رائے اختیار نہیں کی اور ہم ایک سے زائد مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ کوئی مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خیر نہیں چاہتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت دین ہے جس طرح کہ ان کے دیگر صحابہ بھائیوں کی محبت دین ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس کے رسول کی نصرت کی اور اس دین کو پھیلانے کے لیے جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾﴾

[الحشر: 10]

”اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان قبول کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے بارے میں کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے اے ہمارے رب بے شک تو شفقت کرنے والا رحم کرنے والا ہے چنانچہ یہ ہر مسلمان کا شعار ہے اور جو اس سے نکلا وہ سیدھے راستے سے منحرف ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو ہلاکت پر پیش کر دیا اور اللہ ہی ایسی ذات ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے۔“

154۔ آنجناب نے لفظ ”بَاتَ عَلٰی فِرَاشِهٖ“ کی تحریف پر تعاقب کے بعد کہا ہے: اور اس کی سند کے اعتبار سے اس کی صحت کی علماء کی جماعت نے تصریح کی ہے جیسے ابن جریر طبری۔

میں کہتا ہوں: اگر آنجناب کی مراد وہ حدیث ہے جس میں (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سونے کا ذکر ہے تو یہ مشہور حدیث ہے اس کا مسلمانوں میں سے کسی نے بھی

انکار نہیں کیا اور اگر آپ کی مراد وہ حدیث ہے جو آپ نے پہلے ذکر کی ہے وَ وَصِیِّ وَ خَلِیْفَتِیْ تو اس کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ موضوع (من گھڑت) ہے اور اہل السنہ میں کوئی ایسا عالم نہیں پایا جاتا جو اس کو صحیح قرار دیتا ہو الا یہ کہ اس کی مراد آپ ﷺ کے کنبے میں ان کا قائم مقام ہونا ہو۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

155۔ آنجناب نے کہا ہے: اور اسی طرح حدیث الولایۃ ہے حاکم نے اس کی صحت کی تصریح کی ہے:

اِنَّ عَلِیًّا مِّنِّیْ وَ اَنَا مِنْهُ وَ هُوَ وَلِیُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِیْ

میں کہتا ہوں کہ اس کے صحیح نہ ہونے کا ذکر گزر چکا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے کے لیے اس طرح کی سقیم روایات کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ان کے فضائل صحیح احادیث سے ثابت ہیں جو ایسی روایات سے بے نیاز کر دیتی ہیں جو صحیح اسناد سے ثابت نہیں ہیں۔

اور واضح ہے کہ روایت ہذا کا لفظ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد ہر مومن پر ولی (خلیفہ یا امام) ہیں، کیونکہ وہ قیامت تک تو زندہ نہیں رہیں گے حتیٰ کہ وہ ہر مومن پر والی رہیں اور اگر یہ صحیح بھی ہو تو وہ محبت اور نصرت کے معنی میں ولی ہوں گے اور یہ ولایت ہر مومن پر اپنے مومن بھائی کے حق میں ثابت ہیں اور اسی طرح روایت مذکورہ کا لفظ دلالت کرتا ہے۔

156۔ آنجناب نے کہا ہے: اور کیا یہ تاویل کے قابل عمومات میں سے ہے؟! اس لفظ کے بارے میں کیا فرق ہے جو نبی ﷺ کی زبان سے صادر ہوا اور وہ لفظ جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا کہ اس نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو ابو بکر نے کہا: میں رسول اللہ کا ولی ہوں، پس تو دونوں آئے پس تم نے اس کو جھوٹا، گناہگار، دھوکہ باز اور خیانت کار سمجھا۔۔۔ پھر ابو بکر فوت ہوئے تو میں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کا ولی اور ابو بکر کا ولی ہوں، تو تم نے مجھے جھوٹا، دھوکہ باز اور خیانت کار سمجھا۔ [1]

اور اسی طرح ابو بکر کے کلام میں جو اس نے اپنی بیماری میں عمر کے لیے خلافت کے بارے میں کہتے

---

[1] صحیح مسلم (152/5) کتاب الجهاد باب: 15

ہوئے لکھا: بے شک میں نے عمر کو تم پر والی بنایا ہے۔ ❶

اور عمر بن خطاب کے کلام میں بھی ہے: اگر میں سالم رضی اللہ عنہ مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کو پاتا تو اسے تم پر والی مقرر کرتا اور اسے خلیفہ بناتا۔ ❷

میں کہتا ہوں، اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث آپ نے ذکر کی ہے اور اس میں ان کا قول ہے: فَلَمَّا تَوَفّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ... الخ یہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے۔

ثانیاً: حدیث کا سیاق و سباق: امام مسلم نے اپنی سند سے حضرت مالک بن اوس سے روایت کیا ہے، اس نے کہا: حضرت عمر بن خطاب نے میری طرف کسی قاصد کو بھیجا، تو میں دن چڑھے ان کے پاس آیا، اس نے کہا: میں ان کو ان کے گھر میں چارپائی پر بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھے ہوئے پایا انہوں نے چمڑے کے تکیے پر ٹیک لگا رکھی تھی۔ انہوں نے مجھے کہا: اے مال (مالک) تیری قوم کے چند گھرانے میرے پاس دوڑ کر آئے ہیں، میں نے ان کو تھوڑا بہت دینے کا حکم دیا ہے، وہ لے لے اور ان کے درمیان تقسیم کر دے، کہا: میں نے کہا: اگر آپ میرے سوا کسی کو حکم دیتے تو (اچھا ہوتا) آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مالک اس مال کو لے لے۔

اس نے کہا: ان کے پاس یرفأ (خادم خاص) آیا اور کہا: اے امیر المومنین کہا آپ حضرت عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر اور سعد کو اجازت دیتے ہیں۔

عمر نے کہا: ہاں، اس نے ان کو اجازت دی تو وہ داخل ہو گئے۔

وہ پھر آیا اور کہا: کیا آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کو اجازت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تو اس نے ان دونوں کو اجازت دے دی۔

چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین میرے اور اس جھوٹے گنہگار، دھوکے باز، خیانت کار کے درمیان فیصلہ کر دیجیے۔

تو حاضرین مجلس نے کہا: ہاں، امیر المومنین! ان کے درمیان فیصلہ کیجیے اور ان کو (ایک

---

❷ صحیح البخاری، ح: 6580۔ مسلم، ح: 1757

❸ تاریخ طبری: 33/5۔ طبقات ابن سعد: 181/3، 248

دوسرے سے) آرام دلایئے۔

مالک بن اوس نے کہا: میرے خیال میں انہوں (عباس و علی رضی اللہ عنہما) نے ان کو اس جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے بھیجا تھا۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھہرو! میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان کھڑے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (انبیاء کا گروہ) کے مال سے وارثوں کو کچھ نہیں ملتا جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان دونوں سے کہا: میں تم دونوں کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان کھڑے ہیں کیا تم دونوں جانتے ہو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (انبیاء کے گروہ) کے مال سے وارثوں کو کچھ نہیں ملتا ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے، ان دونوں نے کہا: ہاں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسی خصوصیت بخشی جو ان کے سوا کسی اور کو نہیں بخشی۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ﴾[الحشر : 7]

”جو اللہ نے اپنے رسول پر لوٹایا بستیوں والوں کے مال سے وہ اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ مالک بن اوس کہتے ہیں میں نہیں جانتا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے والی آیت پڑھی یا نہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے درمیان بنی نضیر کے اموال تقسیم کیے، پس اللہ کی قسم آپ رضی اللہ عنہ نے نہ تم پر خود کو ترجیح دی اور نہ تمہیں چھوڑ کر مال کو اپنے قبضہ میں لیا، یہاں تک کہ یہ مال رہ گیا: چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے سال بھر کا خرچ لے لیتے تھے پھر جو کچھ بچ جاتا وہ بیت المال میں جمع کرا دیتے۔

پھر فرمایا: میں تم کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، کیا تم اس بات کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں (ایسا ہی ہوتا رہا) پھر آپ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما

کو اسی طرح کی قسم دی جس طرح کی قوم (صحابہ) کو دی تھی، کیا تم دونوں اس بات کو جانتے ہو؟ ان دونوں نے کہا: ہاں۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب رسول اللہ فوت ہوئے تو حضرت ابو بکر نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں۔ پھر تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ مانگنے آئے (اے عباس) تو اپنے بھتیجے کا اور یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے اپنی بیوی کا۔ تو حضرت ابو بکر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (پیغمبروں کا گروہ) کے ترکے کا کسی کو وارث نہیں بنایا جاتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

پس تم نے انہیں کاذب، گنہگار، دھوکے باز اور خائن سمجھا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ سچے، نیک ہدایت یافتہ اور حق کی اتباع کرنے والے تھے۔ پھر ابو بکر فوت ہوا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کا ولی بنا تو تم نے مجھے کاذب، آثم، دھوکے باز اور خائن سمجھا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں راست گفتار، نیکی کرنے والا، رشد و ہدایت والا اور حق کی اتباع کرنے والا ہوں چنانچہ میں اس کا نگران بن گیا۔ پھر تو اور یہ میرے پاس آئے اور تم دونوں کا مطالبہ اکٹھا تھا۔ تم دونوں نے کہا: اس کو ہمارے سپرد کیجیے، تو میں نے کہا: میں اسے تمہارے سپرد کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم دونوں پر اللہ کا عہد ہے کہ اس میں وہی عمل کروگے جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، تو تم نے اس عہد پر اپنی سپردداری میں لے لیا۔ فرمایا: کیا اسی طرح ہے؟ دونوں نے کہا: ہاں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر تم میرے پاس آئے ہو کہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں، اللہ کی قسم میں اس کے بغیر تمہارے درمیان کوئی فیصلہ کروں گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔ اگر تم اس عمل سے عاجز ہو گئے ہو تو اسے میری طرف لوٹا دیجیے۔

ثالثاً: اس حدیث میں چند مسائل ہیں:

i: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور جو لوگ کے ساتھ حاضر ہوئے تھے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ کا اقرار کروایا چنانچہ ان دونوں نے بھی اقرار کیا اور ان صحابہ نے بھی جو ان کے ساتھ حاضر ہوئے تھے۔

اس حدیث میں (جسے آنجناب نے معارضے کے لیے پیش کیا ہے) ان لوگوں کا رد ہے جو عظماء امت پر بہتان لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابو بکر الصدیق نے اپنی طرف سے حدیث تراشی تھی۔

ii: حضرت عباس رضی اللہ عنہ (بن عبد المطلب بن ہاشم) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کاذب، آثم، غادر اور خائن جیسے اوصاف سے متصف کیا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا: علماء کی ایک جماعت نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ کاذب اس صورت میں ہو جب یہ انصاف نہ کرے تو چنانچہ اس نے جواب حذف کر دیا اور قاضی عیاض نے کہا: مازری نے کہا: یہ لفظ جو ظاہری طور پر حضرت عباس کے منہ سے نکلا یہ ان کے شایان شان نہ تھا اور اللہ بچائے اس گمان سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ان اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بھی ہو، چہ جائیکہ سارے ہوں۔

اس نے آخر میں کہا: اس الفاظ کی توجیہ میں جو بات عمدہ ہے وہ یہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے بھتیجے پر ناز و نخرے کے طور پر الفاظ صادر ہوئے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ ان کے باپ (ابو طالب) کے مرتبے پر تھے اور وہ الفاظ کہہ دیئے جس کا وہ اعتقاد نہ رکھتے تھے اور اپنے بھتیجے کی ان اوصاف سے براءت کے بارے میں جانتے بھی تھے۔

اہل السنہ کے اہل بیت کے لیے عذر کی کیفیت دیکھیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کس طرح ان الزامات سے بری قرار دے رہے ہیں جو ان کے چچا عباس بن عبد المطلب نے ان پر لگائے تھے اور ایسے مخرج تلاش ان دونوں کے شایان شان ہے۔

iii: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعینہ وہی الفاظ استعمال کیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بولے تھے اور گویا آپ کہہ رہے ہیں کہ اے علی تم نے میرے اور ابو بکر کے بارے میں ایسا ہی گمان کیا جس سے ہم بری ہیں جس طرح آپ اس بات سے بری ہیں جو اس فے کی وجہ سے آپ کے بارے میں کہی گئی ہے۔

رابعًا: آنجناب نے وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِيْ کے لفظ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لفظ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ، اَنَا وَلِيُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ کے موازنے میں بیان کر رہے ہیں اور اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو بھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

i: ضرب المثل ہے: پہلے محل ثابت کر پھر اس پر نقش ونگار کر، یعنی پہلے حدیث وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِيْ کی صحت ثابت کرو پھر اس سے استدلال کرو اور اس کی عدم صحت گزر چکی ہے۔

ii: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول: قَالَ اَبُوْبَكْرٍ، اَنَا وَلِيُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خلیفہ ہے؟! سبحان اللہ! یا انہوں نے یہ کہا: وہ ان کے بعد ولی الامر (خلیفہ وقت) ہیں اور حدیث (ولی کل مومن) آنجناب کے منہج پر چسپاں نہیں ہو سکتی الا یہ کہ (وہ اس کی وفات کے بعد ولی بنے) کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ان پر ولایت نہیں تھی لہٰذا (وَلِيُّه) اور (وَلِيُّ عَلَيْه) کے درمیان فرق کیجیے۔

iii: کیا یہ کہنا سیدھا رہ سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس معنی میں ہر مومن پر ولی ہے کہ وہ اس پر خلیفہ اور حکمران ہے؟! اور کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ زندگی کے اختتام تک زندہ رہیں گے تاکہ وہ قیامت تک ہر مومن پر خلیفہ اور والی رہیں؟!

سبحان اللہ جس شخص کا دل مرض سے سلامت ہے اس پر اس استدلال کا باطل ہونا کس قدر واضح ہے!

157۔ آنجناب نے کہا ہے: اور اسی طرح حدیث ثقلین ہے جو پہلے گزر چکی ہے پھر جناب نے کہا: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کو قرآن کے برابر قرار دیا ہے اور ان کو تھامے رکھنے کو گمراہی سے بچنے کا ذریعہ بنایا ہے جیسا کہ مناوی نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: میں تم میں چھوڑ جانے والا ہوں، اشارہ نہیں بلکہ تصریح ہے کہ یہ دونوں جڑواں چیزوں کی طرح ہیں، جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ہے اور امت کو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور ان دونوں کے حق کو اپنے حق پر ترجیح دینے اور دین میں انہیں تھامے رکھنے کی وصیت کی ہے۔ [1]

اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: آنجناب کا قول (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کو قرآن کے برابر قرار دیا ہے اور انہیں تھامے رکھنے کو گمراہی سے بچنے کا ذریعے بنایا ہے۔۔۔) یہ عبارت نادرست ہے، اس کا صدور

[1] فیض القدیر: 174/2

الفاظ کی دلالت سمجھنے والے یونیورسٹی کے پروفیسر کے شایان شان نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث میں یہ معنی کہاں ہے؟!

حدیث شریف نے کتاب اللہ کو تھامنے کی ترغیب دی ہے اور تاکید کی ہے کہ اس میں ہدایت اور نور ہے پھر جب اپنے اہل بیت کا ذکر کیا تو امت کو ان کے متعلق وصیت کی ہے اور وہ یہ کہ ہم ان کا حق پہچانیں، حدیث صحیح کے افاظ میں اس کے سوا اور کچھ کہاں ہے اور اس کی مزید وضاحت بیان ہو چکی ہے۔

پھر کیا آنجناب کے نزدیک حضرت رسول اللہ ﷺ کے سارے اہل بیت نیکوکار اور ہدایت یافتہ ہیں؟! اور آپ لوگوں کے نزدیک آنحضرت علیہ السلام کے تمام اہل بیت متبوع ہیں؟!

اور کیا آپ لوگوں کے نزدیک آنحضور ﷺ کے تمام اہل بیت نے قرآن کے ساتھ زندگی بسر کی؟! یا جب آپ لوگوں کو ضرورت پیش آتی ہے تو دوسری جگہوں پر اس لفظ کو اس کی مزعومہ دلالت سے نکال دیتے ہو؟!

ثانیاً: آنجناب نے مناوی کا کلام لکھا ہے اور اسے مکمل نہیں کیا اور اس کی تکمیل یہ ہے۔ رہی کتاب، تو اس لیے کہ وہ دینی علوم اور شرعی حکمتوں اور رازوں کی کان اور اوامر اور نواہی کا خزانہ ہے۔

اور رہی عترت رسول ﷺ کی بات، تو اس لیے کہ جب عنصر تر و تازہ ہو تو وہ دین کی سمجھ بوجھ میں معاون ہوتا ہے لہٰذا عنصر کی پاکیزگی حسن اخلاق تک لے جاتی ہے اور اس کے محاسن دل کی صفائی اور پاکیزگی اور طہارت تک لے جاتے ہیں۔

حکیم نے کہا: یہاں عترت سے مراد با عمل علماء ہیں، کیونکہ یہی وہ (پاک باز) لوگ ہیں جو قرآن سے جدا نہیں ہوتے۔ جبکہ جاہل اور بد کردار عالم اس مقام سے اجنبی ہیں اور عنصر اور اصل کی طرف اس وقت دیکھا جاتا ہے جب وہ فضائل سے آراستہ ہو اور رذائل سے دور ہو۔

پس جب نافع علم آپ ﷺ کے عنصر کے سوا کسی دوسرے کے پاس ہو تو ہم پر اس کی اتباع لازم ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو اور یہاں آپ ﷺ کی عترت کی اتباع کی ترغیب، قریش کی اتباع کی خبر

کی طرح متعارض نہیں، کیونکہ عام کے حکم کے تحت، عام کے افراد میں سے کسی فرد پر حکم لگانا صحیح ترین قول کے مطابق اس فرد پر عام کے قصر کو واجب نہیں کرتا۔ ❶

چنانچہ مناوی کا کلام آپ حضرات کے مذہب کو صحیح نہیں قرار دے رہا بلکہ اسے توڑ رہا ہے، لیکن جناب کے ان کے کلام کو کاٹنے نے مراد بدل دی اور اس کی مثال تو اس شخص کی سی ہوئی جو صرف فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ پڑھتا ہے اور الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ نہیں پڑھتا۔

ثالثاً: مناوی یہاں مسند احمد (181/5) کی حدیث کی شرح کر رہا ہے جس میں ہے کہ بے شک میں تم میں دو خلیفے چھوڑ چلا ہوں: کتاب اللہ جو آسمان اور زمین کے درمیان اللہ لٹکائی ہوئی رسی ہے اور میری عترتی میرے اہل بیت اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے اوپر حوض پر وارد ہوں گے۔

اس روایت کی سند میں قاسم بن حسان ہے امام بخاری نے کہا: اس کی حدیث منکر ہے اور غیر معروف (مجہول) ہے۔ ❷

اور ابن حبان نے اسے اپنی روش کے مطابق کہ جس راوی پر جرح معروف نہ ہو وہ ثقہ ہے، اسے ثقات میں درج کیا ہے اور شاید وہ امام بخاری کی جرح سے آگاہ نہ ہو اور اس کے منہج پر تنبیہ گزر چکی ہے۔

اور (مذکورہ بالا) روایت کا دار و مدار شرک بن عبداللہ پر ہے (جس کا دادا قتل حسین میں شامل تھا) اور ہم اس کے بارے میں علماء کے اقوال بیان کر چکے ہیں اور یہ تشیع اور حدیث کے اضطراب اور کثرت خطا سے متہم ہے۔ ❸

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اس معنی میں یہ حدیث صحیح نہیں ہے وہ تو دو ضعیف الفاظ میں سے ایک ہے اور مناوی، حدیث کا درجہ بیان کرنے کے درپے نہیں ہوا اور وہ بعض علماء کی روش کے مطابق، سند کی تحقیق سے زیادہ متن کی شرح کے درپے رہا ہے اور یہ منہج میں خلل ہے جو نہ تو ہم اپنے

---

❶ فیض القدیر، ح: 2631

❷ دیکھیے: میزان: 319/3

❶ دیکھیے: میزان: 274/2

لیے پسند کرتے ہیں اور نہ اپنے بر خلاف پسند کرتے ہیں۔

رابعًا: یہ دعویٰ کہ (اہل بیت قرآن کے برابر ہیں اور انہیں تھامے رکھنا گمراہی سے بچنا ہے) کیا تمام اہل بیت کو تھامے رکھنا ہے یا بعض اہل بیت کو؟

کیا حضرت عباس بن عبد المطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں وہ اہل بیت سے ہیں یا نہیں؟!

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں امامی شیعہ مامقانی تنقیح المقال (126/2۔128) میں لکھتا ہے: اور میں کہتا ہوں اس کے بارے میں اقوال نہایت مختلف ہیں اور اس مذمت سے متعلق اقوال قوی الدلالت ہیں۔

اور کیا ان کا بیٹا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اہل بیت سے ہے یا نہیں؟

امامی شیعہ کشی نے مجمع الرجال (134/4) میں ان کے بارے میں گمان (بلا ثبوت دعویٰ) کیا ہے کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خیانت کی اور بصرہ کے بیت المال سے مال پر قبضہ کر لیا۔

اور کیا حضرت زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم اہل بیت سے ہے یا نہیں؟!

امامی شیعہ کشی نے گمان (بلا ثبوت دعوی) کیا ہے کہ (وہ شراب نوشی کرتا تھا)۔

اور جعفر بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر الصادق کو ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار (51/5) میں کذاب کے نام سے درج کیا ہے۔

اور کیا سیدنا حسن بن حسن بن المثنی اہل بیت سے ہے یا نہیں؟!

تنقیح المقال (35/1،273) میں تمہاری روایات مختلف ہیں کہ وہ کافر تھا یا فاسق؟!

اور کیا حضرت عبد اللہ بن حسن بن حسن ملقب محض اہل بیت سے ہے یا نہیں؟!

بصائر الدرجات (ص: 173، 176، 180، 181، 194) اور تنقیح المقال (177/2) میں اسے کذاب سے موصوف کیا گیا ہے۔

اور کیا حضرت محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسن ملقب بہ نفس زکیہ، اہل بیت سے ہے یا نہیں؟!

تنقیح المقال (ترجمہ: 10953) میں اس کو کذاب کہا گیا ہے کیونکہ اس نے امامت کا دعویٰ کیا اور

مامقانی نے تنقیح المقال (142/3) میں کہا: حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے سارے بیٹوں کے کام قبیح اور بھیانک تھے جو تقیہ پر محمول نہیں کیے جاسکتے ماسوائے زید کے کیونکہ اس کے بارے میں ممکن ہے کہ اس کے قبیح اور شنیع کام تقیہ پر محمول کیے جاسکیں۔

اور جیسا کہ آنجناب دیکھ رہے ہیں کہ حضرت حسن بن علی علیہما السلام اہل بیت کے نصف بنتے ہیں۔ کیونکہ اہل بیت حضرت حسن اور حضرت حسین سے ہیں۔

مامقانی کے نزدیک ان میں سے نصف کے اعمال آپ لوگوں کے نزدیک شنیع اور برے ہیں تو کیا وہ تمہارے نزدیک قرآن کے برابر ہیں؟!

خامسًا: جب آنجناب اہل بیت کو ائمہ اہل بیت پر محمول کریں اور دعویٰ کریں کہ ہم ان کی ہدایت کے مکلف ہیں تو اب وہ ائمہ کہاں ہیں؟

کیا ہم مجہول اور مغرور امام کی اقتدا کریں یا معدوم کی؟!

اگر آپ کہیں کہ ان کی سیرت کی اقتدا کریں گے تو ہم کہیں گے کہ کیا ہمارے لیے ان سے افضل ہستی سید البشر صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی سیرت کافی نہیں ہے اور دونوں سیرتیں کتابوں سے اخذ کر کے ہی روایت کی گئی ہیں۔

اور اگر ہم اس کی طرف محتاج ہیں جو کتاب کے ساتھ نتھی ہے، تو آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل ہمیں جن کی اقتدا کا حکم دیتا ہے ان کی اولاد کو کاٹ دے گا؟ اور کیا وہ ہمیں امام کی ہدایت پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے پھر وہ اس کی مدد نہیں کرتا؟! الحمد للہ

157۔ آنجناب نے کہا: اور تفتازانی نے مسلم کی حدیث کے بعد کہا: کیا تو نہیں دیکھتا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ جوڑا ہے کہ ان دونوں کو تھامنا گمراہی سے بچنا ہے اور کتاب کو تھامنے کا مطلب یہی ہے کہ اس میں جو علم اور ہدایت ہے اسے تھاما جائے، سو اسی طرح عترت کا معاملہ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا کئی پہلوؤں سے ہے۔

اولًا: سعد الدین تفتازانی نے نفس مبحث میں قرار دیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دس وجوہات سے خلیفہ ہیں اور یہ اسلوب بیان اس بات کے عدم ارادہ پر دلالت کرتا ہے جس نے آنجناب کو ان کی بات نقل کرنے کا وہم ڈالا ہے۔

ثانیاً: تفتازانی نے امامیہ کا دعویٰ ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور صحابہ اس بات کو جانتے تھے اور انہوں نے اسے چھپالیا، پھر اس نے کہا: ہم کہتے ہیں کہ جس انسان کے پاس دیانت اور انصاف کا حصہ ہے وہ اس طرح کے عظیم معاملات میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت سے براءۃ اور ان کی قدروں کی جلالت کو قطعی اعتبار سے جان لے گا۔ پھر اس نے اس قول کی حماقت اور اس کے انکار اور اس کے ردّ میں مفصل دلائل بیان کیے ہیں سو کیا اس کے بعد اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے ان کا قول ذکر کرنا آپ کے لیے درست ہے حالانکہ یہ امام اس کو باطل قرار دے رہا ہے۔

ثالثاً: صحیح حدیث کی نص (عبارت) میں وہ بات نہیں ہے جو تفتازانی نے بیان کی ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ جیسا کہ ہم گزشتہ سطور میں درج کر چکے ہیں وہ اس طرح ہیں: وَ اِنِّیْ تَارِکُمْ فِیْکُمْ ثَقَلَیْنِ: اَوَّلُهُمَا کِتَابُ اللّٰهِ فِیْهِ الْهُدٰی وَ النُّوْرُ، فَخُذُوْا بِکِتَابِ اللّٰهِ وَ اسْتَمْسِکُوْا بِهٖ --- فَحَثَّ عَلٰی کِتَابِ اللّٰهِ وَ رَغَّبَ فِیْهِ، ثُمَّ قَالَ: وَ اَهْلِ بَیْتِیْ، اُذَکِّرُکُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ --- ثَلَاثًا۔ [1]

اس حدیث میں کہاں لکھا ہے کہ اِنَّ التَّمَسُّكَ بِهِمَا مُنْقِذٌ مِنَ الضَّلَالَةِ

رابعًا: اس (وضاحت سے بات صاف ہوگئی) کہ تفتازانی نے سوائے عترت کے علم اور ہدایت کے کوئی اور مراد نہیں لی اور گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے کہ امامی شیعوں نے اہل بیت کی جماعت پر طعن و تشنیع کی ہے جو اس دعویٰ کو توڑتی ہے کہ اہل بیت کو تھامے رکھنا نجات ہے کیونکہ وہ شیعہ کے نزدیک تمام کے تمام علم اور ہدایت سے متصف نہ تھے جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔

159۔ آنجناب نے کہا ہے: ڈاکٹر عصام عماد نے کہا: ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ اثنی عشری مذہب دو پروں سے اڑتا ہے ان دونوں میں سے ایک تو حدیث ثقلین ہے اور دوسرا پر۔ حدیث اثْنٰی عَشَر اور وہابی حضرات جب تک ان دونوں حدیثوں کا ادراک نہ کریں اس وقت تک ان کے لیے حقائق

[1] رواہ مسلم، ح: 6178

اور مذہب اثنی عشری کے خصائص سمجھنا ممکن نہیں۔ [1]

اور جناب کے اس یمنی شخص کے تعارف میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ وہابی تھا پھر وہ اثنی عشری مذہب کی طرف منتقل ہو گیا۔

اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

اولاً: یہاں ایسا کوئی مذہب نہیں پایا جاتا جس کا نام (وہابی) ہو اور اس نام کو مبتدعین نے ایجاد کیا ہے تاکہ وہ اسلاف کرام کے مذہب کے خلاف پروپیگنڈا کر سکیں جو کتاب و سنت پر قائم ہے اور شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے لوگوں کو کتاب و سنت کی طرف دعوت دی ہے اور اس نے کوئی نئی چیز ایجاد نہیں کی۔

ثانیاً: یہ یمنی شخص جس کے متعلق جناب نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ وہابی تھا پھر وہ اثنیٰ عشری مذہب کی طرف منتقل ہو گیا، اس کے اپنے دعویٰ کی بنا پر اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ روافض کے گھر میں پیدا ہوا اور انہیں کے ہاں پلا بڑھا (یعنی وہ رافضی المولد و النشاۃ ہے) اور اس کا امام محمد بن سعود یونیورسٹی میں پڑھنا ان مستشرقین سے مختلف نہیں ہے جو اسلامی اداروں میں پڑھتے ہیں۔

اور میں نہیں مانتا کہ جو شخص اہل السنہ کے مذہب پر زندگی بسر کر رہا ہو اور وہ دینی مصادر (کتاب وسنت) کو جانتا ہو پھر وہ امامی مذہبب کی طرف منتقل ہو جائے (الا یہ کہ کوئی جوانی کی مستی سے مغلوب ہو کر متعہ النساء کے لالچ میں شیعہ مذہب اختیار کر لے) اور تمام افراد جن کے بارے میں آنجناب نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اہل السنہ تھے پھر وہ امامیہ کے مذہب کی طرف لوٹے، وہ وہمی شخصیات ہیں یا وہ دھوکے باز ہیں یا وہ غالی تصوف کے پیروکاروں میں تھے جو محض دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اہل سنت تھے پھر وہ امامی مذہب کی طرف لوٹ آئے جبکہ تشیع سے صحیح عقیدے کی طرف ہدایت پانے والوں کی بہت سی تعداد ایسے چوٹی کے علماء کی ہے جو ان کے ہاں علمی اعتبار سے اعلیٰ درجات پر فائز تھے۔

چنانچہ یہ سید اسد اللہ خرقانی اور آیت اللہ شریعت سنگلجی اور ڈاکٹر شعار اور سید مصطفیٰ طباطبائی، پھر یہ مجاہد عالم آیت اللہ العظمیٰ علامہ سید ابو الفضل بن رضا برقعی مصنف کتاب "کَسْرُ الصَّنَم" اور

[1] المنهج الجديد و الصحيح فى الحوار مع الوهابين، ص: 155

مجتہد احمد کسروی اور علامہ امام نواب محسن الملک سید محمد مہدی مصنف کتاب ”آیات بینات“ اردو زبان میں اس کا ایک جزء عربی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے اور علامہ حیدر علی قلم داران (متوفی 1409) بہت سی قیمتی کتابوں کا مصنف اور ڈاکٹر مرتضی راد مہر (متوفی: 1426) مصنف کتاب ”کیف اهتدیت“ اور پروفیسر محمد باقر سجودی مصنف کتاب ”التضاد فی العقیدة“ ہیں یہ سب کے سب چوٹی کے شیعہ تھے اور ان کے علاوہ وہ (قابل فخر علماء) بھی جن کو اللہ نے صحیح عقیدے کی ہدایت دی اور ہم جن کے نام ذکر نہیں کر سکے یا ان کے ناموں پر مطلع نہیں ہو سکے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور یہاں کچھ علماء مذہب (اثنا عشری) پر بھرے ہوئے بھی ہیں جو مذہب کی تصحیح کا مطالبہ کرنے والے ہیں جیسے موسیٰ موسوی اور انشا پرداز احمد وغیرہما۔

یہ نمایاں شخصیات ہیں جن کے موقف سے وہ امور واضح ہوتے ہیں جن کا عقیدے کے بحران میں امامی مذہب کے پیروان کو سامنا کرنا پڑھتا ہے پھر یہ زیدی شیعوں کے چوٹی کے علماء ہیں جو اپنے علوم کو اہل بیت سے حاصل کرتے تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو صحیح عقیدے کی ہدایت دی۔

یہ امام اسماعیل صنعانی یمانی اور امام محمد بن علی شوکانی اور امام ابن الوزیر ہے جس نے اہل السنہ کے مذہب کی ترجیح اور اہل بیت کی طرف منسوب باتوں سے ان کی براءۃ کے متعلق کتاب لکھی ہے جو سونے کے پانی سے لکھے جانے کی مستحق ہے جو نو جلدوں تک جا پہنچی اور اس نے اس کا نام رکھا ہے: الْعَوَاصِمُ وَ الْقَوَاصِمُ فِی الذَّبِّ عَنْ سُنَّةِ اَبِی الْقَاسِمِ ان سب پر ثابت ہو گیا کہ نجات کی کشتی قرآن اور سنت النبی المختار ہے صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ مل گئے۔

ثالثًا: حدیث ثقلین گزر چکی ہے اور بارہ خلفاء والی حدیث کئی الفاظ سے بیان ہوئی ہے اور اس میں سے کوئی لفظ امامی شیعوں کے اماموں پر منطبق ہوتا۔

چنانچہ اس کے الفظ اس طرح بھی مروی ہیں:

یَکُوْنُ اِثْنَا عَشَرَ اَمِیْرًا کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ

اور اس طرح بھی مروی ہیں: لَا یَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِیْزًا اِلَی اثْنٰی عَشَرَ خَلِیْفَةً

کہ یہ دین قریش کے بارہ خلفاء تک غاللب اور طاقتور رہے گا۔

اس حدیث کے الفاظ میں سے کون سا لفظ ہے جو ماسوائے حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے شیعہ بارہ اماموں پر منطبق ہوتا ہے جو امیر ہی نہیں بنے، پھر حدیث نے دین کے غلبے اور اس کے طاقتور ہونے کا اشارہ کیا ہے اور یہ دین کی قوت کا اشارہ ہے اور آپ لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ پہلی صدی ہجری کا نصف ثانی (50 تا 100) بدترین دور تھا اور حدیث خلفاء کہہ رہی ہے کہ (دین اسلام مسلسل غالب اور طاقت ور رہے گا) اس پر غور کیجیے۔

رابعًا: (بفرض صحت نسبت) وہابیوں کا بارہ اماموں کے موضوع سے کیا تعلق؟ کیونکہ امامی شیعوں کا صدر اسلام سے لے کر آج تک پوری ملت اسلامیہ سے اختلاف ہے اور جن لوگوں کو وہابی کا نام دیا گیا ہے وہ (جاں نثاران رسول ﷺ) تو دو یا تین صدیاں قبل ظاہر ہوئے، کیا یہ مغالطہ نہیں ہے؟

160۔ آنجناب نے کہا: کوئی شک نہیں کہ اہل بیت سے مراد وہ لوگ ہیں جن بارے میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے اور وہ ہیں علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین، یہ ان کے سوا کسی کو بھی شامل نہیں کرتی جیسا کہ وہ ازواج النبی ﷺ کو بھی شامل نہیں کرتی کیونکہ صحیح مسلم میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ [1]

جیسا کہ ترمذی (3685) وغیرہ میں ام سلمہ سے روایت ہے کہ نبی اللہ ﷺ نے حسن اور حسین اور علی اور فاطمہ پر کمبل اوڑھا، پھر فرمایا: اے اللہ یہ میرے اہل بیت اور خواص ہیں، ان سے میل کچیل دور کر دے اور انہیں اچھی طرح پاک کر دے۔ ام سلمہ نے کہا: اے رسول اللہ میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو خیر پر ہے۔

یہ حدیث حسن، صحیح ہے اور اس مسئلے یہ سب سے اچھی چیز ہے اور حاکم نے اسے روایت کر کے کہا ہے۔

یہ حدیث بخاری کی شرط پر صحیح ہے اور ان دونوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ [2]

اسی طرح اسے احمد اور طبرانی اور سیوطی نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: میں نے

---

[1] صحيح: 123/7

[1] مستدرك: 416/2

کمبل اٹھایا تاکہ ان کے ساتھ داخل ہو جاؤں، تو آپ ﷺ نے میرے ہاتھ سے کھینچا اور کہا: تو خیر پر ہے۔ [1]

لہٰذا جو کوئی ان کے (اہل بیت میں) داخل ہونے کا قائل ہے اس نے حضرت نبی ﷺ کے ہاتھ سے کمبل کھینچنے کا ارادہ کیا تاکہ اس کی بیویوں کو اس کے نیچے داخل کرے۔

میں کہتا ہوں اس کا جواب کئی پہلوؤں سے ہے:

اولاً: آیت تطہیر اور حدیث کساء اہم دلائل میں سے ہے جس پر امامی شیعہ اعتماد کرتے ہیں، لہٰذا آیت اور حدیث پر تدبر اور توقف کرنا ضروری ہے۔

ثانیاً: جو شخص امامی شیعوں کے استدلالات اور ان کی اہل السنہ کی کتابوں سے دلائل اخذ کرنے کی حرص سے آگاہ ہے۔

وہ اس تناقض (تضاد) پر تعجب کرتا ہے۔

(ایک ایسا) مذہب جو (عالی مرتبت) اشخاص کو کافر یا فاسق قرار دیتا ہے اور پھر اپنے استدلالات میں ان پر اعتماد کرتا ہے، یہ اس مذہب کے باطل ہونے کے واضح دلائل میں سے ہے۔

ابن مطہر الحلی (شیعہ) نے کہا ہے: میں کہتا ہوں: علی کے ساتھ لڑائی کرنے والا کافر ہے، نبی کے اس قول کی بنا پر کہ اے علی! تیری لڑائی، میری لڑائی ہے اور اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں جو نبی ﷺ سے لڑائی کرے۔

جبکہ امامت میں اس کے مخالفین کے بارے میں ہمارے علماء کا قول مختلف ہے: ان میں سے ایسے بھی ہیں جنہوں ان پر کفر کا حکم لگایا ہے کیونکہ انہوں نے اس نص کو ہٹایا جس کا ثبوت دین میں ضروری طور پر معلوم ہو چکا ہے اور اپنے تواتر کے ساتھ اس کی امامت پر نص جلی ہے اور دوسرے (شیعی) علماء اس طرف گئے ہیں کہ وہ فاسق تھے اور یہ قول قوی ترین ہے۔ [2]

اور اس نے پانچویں مقصد کا اکثر حصہ صحابہ پر طعن و تشنیع کے لیے مخصوص کیا ہے۔

ذرا اس دعویٰ کے درمیان کہ امامت (کا ثبوت، دین میں ضروری طور پر معلوم ہے اور وہ نصف

---

[2] مسند احمد: 323/6

[1] دیکھیے: کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد، ص: 388۔423

جلی ہے) اور خمینی کے قول کے درمیان موازنہ کیجیے کہ (اور اگر نبی نے امامت کا معاملہ ایسے پہنچایا ہوتا جس طرح کہ اللہ نے اس بارے میں حکم دیا تھا۔۔) تو آنجناب عجیب تناقض دیکھیں گے۔

ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾ ﴾

[الاحزاب: 33]

"بے شک اللہ ارادہ کرات ہے اے اہل بیت کہ وہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمہیں مکمل طور پر پاک کر دے۔"

ہم اس آیت کریمہ پر چند وقفے کریں گے۔

پہلا وقفہ: یہ آیت ان سات آیات کریمہ کا ایک جزء ہے جو ایک سیاق میں حضرت نبی کریم ﷺ کی ازواج محترمات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت یہ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ ﴾[الاحزاب: 28]

یہاں سے سلسلہ کلام تسلسل کے ساتھ ازواج النبی ﷺ کو مخاطب کر رہا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾[الاحزاب: 33-34]

"اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جاہلیت اولیٰ کا سا بناؤ سنگار نہ کرو اور نماز قائم کرتی رہو اور زکاۃ ادا کرتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو، بے شک اللہ ارادہ کرتا ہے اے اہل بیت وہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمہیں مکمل طور پر پاک کر دے اور جو کچھ تمہارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے اسے یاد کرتی رہو۔"

کس اس آیت سے ایک جزء کو اس آیات سے جدا کیا جا سکتا ہے جو زوجات النبی ﷺ کو مخاطب کر رہی ہے اور (مذکورہ بالا جزء) ان آیات کے ضمن میں ہے جو ان کو مخاطب کر رہی ہیں اور دعویٰ کیا

جا سکتا ہے کہ یہ جزء ان کو خطاب نہیں کر رہا؟!

حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایک لغوی بھی ایسا نہیں پایا گیا جس نے یہ دعویٰ کیا ہو۔

دوسرا وقفہ: کیا جس ناپاکی کو دور کرنے اور پاک کرنے کا ذکر اللہ عزوجل نے کیا ہے وہ قدرًا واقع ہے یا شرعًا مطلوب ہے؟ بے شک یہ اسلوب بیان ہماری کتاب اللہ میں ارادے کی طرف راہنمائی کرتا ہے یعنی کیا وہ سب کچھ جس کے بارے میں اللہ نے کہا ہے، اس کا اس نے ارادہ کیا یا اس کا ارادہ کرے وہ ضرور واقع ہونے والا ہے؟

کتاب اللہ میں لفظ ارادہ کے ورود میں غور کرتے وقت ہم اس میں پاتے ہیں کہ وہ دو معنوں میں وارد ہوا ہے۔

پہلا معنیٰ: دستور اور حکم اور اس چیز سے محبت جس سے ارادے کا تعلق ہے، یعنی اللہ عزوجل بندے سے ارادہ کرتا ہے کہ وہ (ارادہ الٰہی کے مطابق) کام کرے اور اس معنی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾[المائدة: 6]

”اللہ یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ تم پر تنگی ڈالے اور لیکن وہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں پاک کر اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے، تاکہ تم شکر کرو۔“

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[البقرة: 185]

”اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا اور تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں کرتا۔“

حضرت قتادہ نے کہا: ”پس تم بھی اپنی جانوں کے ساتھ اسی چیز کا ارادہ کرو جس کا ارادہ اللہ تمہارے لیے کرتا ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا

عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ [النساء: 27]

”اور اللہ تم نظر رحمت کا ارادہ کرتا ہے اور شہوات کی پیروی کرنے ک ارادہ کرتے ہیں کہ تم نظر رحمت کا سبب والے راستوں سے مکمل طور پر ہٹ جاؤ۔“

چنانچہ یہ ارادہ محبت اور امر کے معنی میں ہے یعنی اللہ تمہارے لیے یہ پسند کرتا ہے لہٰذا یہ کام کرو یا اس کے اسباب پیدا کرو۔

اور اسی قسم سے اللہ تعالیٰ کا قول تعلق رکھتا ہے کہ ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ﴾ [الاحزاب: 33] یعنی اس نے تمہارے لیے یہ دستور وضع کیا ہے تاکہ تم اس پر عمل کرو تو وہ (تمہارے ان باتوں پر عمل کرنے کے بدلے میں) تم سے ناپاکی دور کر دے اور اللہ تمہیں اس کے ساتھ پاک کر دے۔

دوسرا معنی کہ جس کے بارے میں ارادہ ہو جائے وہ لامحالہ واقع ہو جاتا ہے، سو اس کا تعلق صرف رب کے فعل سے ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾﴾ [یٰس: 80]

”بے شک اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ کرے تو اس کے لیے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ﴾ [الانعام: 125]

”اللہ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿١٤﴾﴾ [الحج: 14]

”بے شک اللہ وہ کام کرتا ہے جس کا ارادہ کرتا ہے۔“

چنانچہ (مذکورہ بالا آیات میں) ارادہ اللہ عزوجل کے فعل سے ہے اور اس سے متعلق ہے جو ہر صورت ہو کر رہنا ہے۔

امام شاطبی نے کہا: شریعت میں ارادہ دو معنوں پر ہے: ان میں سے ایک تو قدری ارادہ جو ہر مراد سے متعلق ہے چنانچہ اللہ جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جس کام کے نہ ہونے کا ارادہ کرے، اس کے ہونے کی کوئی راہ نہیں دوسرا امری ارادہ، جو مامور کے واقع ہونے کی طلب کے ساتھ متعلق ہے، اور منع کردہ کام کے نہ ہونے کے ساتھ متعلق ہے اور اس ارادہ کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کام کے کرنے کو پسند کرتا ہے جس کا اس نے حکم دیا ہے اور اس کام کے کرنے سے راضی ہوتا ہے۔ پھر اس نے دونوں ارادوں پر دلالت کرنے والی آیات درج کی ہیں۔ پھر اس نے کہا: دونوں ارادوں کے درمیان فرق سے آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے مسئلے میں غلطی واقع ہوئی۔ [1]

تیسرا وقفہ: جب شیعہ عویٰ کریں کہ آیت میں (یرید) سے تطہیر کی مراد واقع ہو گئی، تو ہم ان سے پوچھیں گے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے قول (یرید) کی مراد اس آیت میں پوری ہوئی ہے یا ہر آیت میں ؟!

اگر وہ کہیں کہ صرف اسی آیت میں، تو ہم ان سے پوچھیں گے جو بات آپ لوگ کہہ رہے ہیں اس کی دلیل کیا ہے؟ کیونکہ یہاں ایک مقام پر اس کلمہ (یرید) کے قصر اور دوسرے مقام پر نفی کی کوئی دلیل نہیں۔

پھر ہم کہیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے خطاب کرتے ہوئے فرمایا،

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۲۶ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝۲۷﴾[النساء: 26-27]

(ترجمہ وہی جو گزشتہ سطور میں ہو چکا ہے۔)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶﴾[المائدة: 6]

(ترجمہ وہی جو گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے)

[1] دیکھیے: الموافقات: 4/370-373

چنانچہ یہ آیات قرآنیہ ہیں ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے خطاب ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی ہے کہ وہ ارادہ کرتا ہے (کہ تم پر نظر رحمت کرے) اور وہ (ارادہ کرتا ہے کہ تم کو پاک کرے)۔

یہاں اس ارادے کے درمیان اور اس کے قول: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ﴾ میں ارادے کے درمیان کیا فرق ہے؟!

اگر یہاں ارادہ عملی صورت اختیار کر چکا ہے تو وہ صحابہ کرام کے لیے بھی عملی صورت اختیار کر چکا ہے اور اگر وہاں عملی صورت اختیار نہیں کر سکا تو یہاں بھی نہیں کر سکا۔

چوتھا وقفہ: بندوں کے افعال کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ، معتزلہ کے عقیدے کے مطابق ہے اور وہ یہ کہ اللہ کسی گمراہ کو ہدایت نہیں دے سکتا اور نہ کسی ہدایت یافتہ کو گمراہ کر سکتا ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ مقدور ایک ہے اور دو قدرتیں اس کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتیں تو وہ یہاں کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ان کو اس فعل میں واقع ہونے سے روک رہا ہے جو ان کی قدرت میں داخل ہے شیخ محمد بن حسن طوسی امامی اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد (ص: 99) میں معتزلہ کے مذہب نفی تقدیر کے مطابق طویل تقریر کے بعد کہا: اور بے شک ہم کہتے ہیں کہ جو چیز ہمارے لیے مقدور ہے اس کا اللہ کے لیے مقدور ہونا جائز نہیں، کیونکہ یہ (عقیدہ) معدوم کے موجود ہونے تک پہنچا دے گا۔

کیونکہ اگر ہم فرض کریں کہ ہم میں سے کسی ایک کو اسباب، اس کے ایجاد کرنے کی دعوت دیں تو اس کی جہت سے اس کا حدوث واجب ہو گا اور جب اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ نہ کرے تو واجب ہے کہ وہ (فعل) نہ پایا جائے۔

لہٰذا ایک فعل میں اس کے حدوث کا وجوب اور اس کی نفی کا وجوب اکٹھے ہوئے اور محال ہے، لہٰذا ہر حال میں اس کا بطلان واجب ہے۔

پس اس نے ہمارے لیے اس مقدور کی نفی کر دی جس پر اللہ عزوجل قدرت رکھتا ہے اور قدرت رکھتے ہیں کہ فرمانبرداری کریں اور نافرمانی کریں اور ناپاکی جو کہ ایسی معصیت ہے جو ہماری قدرت میں ہے۔

لہٰذا وہ کس طرح اعتقاد رکھ سکتے ہیں کہ اللہ عزوجل ہمارے افعال پر قدرت نہیں رکھتا پھر وہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے افعال سے روکنے کی قدرت رکھتا ہے؟!

چنانچہ اس صورت میں یا تو وہ اہل السنہ کے قول کے مطابق اعتقاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ل ہے اور وہ سبحانہ وتعالیٰ اطاعت گزار بندے کو توفیق دیتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے اور نافرمانی کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کی مدد نہیں کرتا تاکہ ان کے لیے ان کا استدلال درست ہو سکے اور یا پھر وہ آیت تطہیر (سے خود ساختہ استدلال) کی نفی کر دیں۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ ہم کہیں: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ لہٰذا اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس سے استعانت طلب کریں کہ وہ فعل کی ادائیگی میں ہماری مدد کرے اور اگر فعل اس کی قدرت کے تحت نہیں تو وہ اس کی ادائیگی میں ہماری مدد کس طرح کرے گا یا اس کے ترک کی ہمیں توفیق کس طرح دے گا۔

پانچواں وقفہ: آیت کریمہ کی لغوی تفسیر۔

i: زجاج (متوفی: 311ھ) نے کہا: اور کہا گیا ہے کہ یہاں اہل بیت سے مراد ازواج النبی ﷺ ہیں اور کہا گیا ہے: حضرت نبی ﷺ اور جو مرد ہیں وہ آپ کی آل ہیں اور لغت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ کے قول (عنکم) اور (یطھرکم) کی وجہ سے اور اگر صرف عورتوں کے لیے ہوتی تو فقط عنکن اور یطھرکن ہوتا۔ [1]

ii: ابو منصور عبد الملک ثعالبی (متوفی: 429ھ) نے کہا ہے: اور جو بات مجھ پر ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اہل بیت سے مراد: آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی بیٹی اور اس کے بیٹے اور اس کا خاوند (میری مراد) علی رضی اللہ عنہ ہے اور آیت کا لفظ تقاضا کرتا ہے کہ ازواج النبی ﷺ بلاشبہ وشبہ اہل بیت سے ہیں کیونکہ آیت ان کے بارے میں ہے اور خطاب بھی ان کے لیے ہیں۔ (دیکھیے: تفسیر ثعالبی)

iii: اور اسی طرح امام نسفی (متوفی: 537ھ) نے اپنی تفسیر میں کہا ہے:

[1] دیکھیے: معانی القرآن الکریم: 4/226۔227

iv: اور جار اللہ زمخشری (م: 538ھ) نے اپنی تفسیر کشاف (546/3) میں کہا ہے: پھر اس نے واضح کیا کہ اس نے ان کو روکا ہے اور انہیں حکم دیا ہے اور انہیں نصیحت کی ہے تاکہ اہل بیت رسول ﷺ گناہ کے قریب نہ جائیں اور تقویٰ کی بدولت اپنے آپ کو اس بچائیں اور اس آیت میں دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کے اہل بیت سے ہیں۔

v: اور ابن جوزی (م: 597ھ) نے زاد المسیر میں آیت کے معنی میں پہلا قول (کہ اس سے مراد آپ کی ازواج مطہرات ہیں) ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اس قول کو یہ بات ثابت کرتی ہے کہ اس (جزء) کا ما قبل اور مابعد ازواج رسول ﷺ کے متعلق ہے اور اس قول والوں پر اعتراض ہے کہ مونث کی جمع نون کے ساتھ آتی ہے تو عنکم اور یطھرکم کیسے کہا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں حضرت رسول اللہ ﷺ شامل ہیں اور جب مردوں اور عورتوں کو اکٹھا خطاب کرنا مقصود ہو تو جمع مذکر کی ضمائر استعمال کی جاتی ہیں۔

vi: امام رازی اپنی تفسیر مفاتیح الغیب (169/25) میں کہا ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے مونث ضمائر سے خطاب ترک کر کے مذکر ضمائر سے خطاب کیا ہے: لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ تاکہ آپ کے اہل بیت آپ ﷺ کی بیویوں اور مردوں کو داخل کیا جائے اور اہل بیت کے بارے .ں اقوال مختلف ہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اولاد اور ازواج اور حسن اور حسین ان میں سے ہیں اور حضرت علی بھی ان میں سے ہیں۔

vii: امام بیضاوی نے (م: 685ھ) اپنی تفسیر (371/4) میں شیعہ مذہب ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اور اس سے ان کی عصمت پر دلیل پکڑنا اور اس پر ان کا اجماع ضعیف دلیل ہے، کیونکہ ان کو مخصوص کرنا آیت کے ما قبل اور مابعد سے مناسبت نہیں رکھتا۔

viii: اور ابو سعود (م: 982ھ) نے اپنی تفسیر (102/7) میں کہا ہے: اور یہ آیت حضرت نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے آپ ﷺ اہل بیت سے ہونے کی روشن دلیل ہے اور (آفتاب نصف النہار) سے روشن تر دلیل ہے۔

ix: ابن عاشور (م: 1393ھ) نے اپنی تفسیر التحریر والتنویر (21/247-248) میں لکھا ہے: اہل

البیت: ازواج النبی علیہ الصلاۃ والسلام ہیں اور خطاب کا رخ ان کی طرف ہے اور اسی طرح اس کا ما قبل اور مابعد بھی، اس میں کسی کا شک خلط ملط نہیں ہو سکتا۔

اور شیعہ نے حدیث کساء جھپٹ لیا اور اہل بیت کا وصف غصب کر لیا اور اسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بیٹوں رضی اللہ عنہما پر محدود کر دیا اور دعویٰ کر دیا کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت میں سے نہیں ہیں۔

حالانکہ یہ دعویٰ قرآن کریم کی نص سے ٹکرانے والا ہے جو اس آیت کو ان باتوں کے درمیان فضول ٹھہراتا ہے جن میں ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے اور حدیث کساء میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس وصف کو اہل کساء پر محصور کرتا ہو، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي) میں حصر نہیں ہے اور یہ (سورۂ حجر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بلکہ حضرت لوط علیہ السلام) کے قصے میں اللہ تعالیٰ کے قول کی طرح ہے کہ اس (پیغمبر) نے کہا: ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ﴾ [الحجر: 68] کہ یہ میرے مہمان ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے علاوہ میرا کوئی مہمان نہیں ہے (اس کو محصور کرنے کا دعویٰ) اس بات کا متقاضی ہو گا کہ آیت اپنے ما قبل اور مابعد سے کاٹی گئی ہے۔

یہ امام جو کہ دور حاضر میں لغت کے ائمہ میں معتبر امام سمجھا جاتا ہے، ثابت کر رہا ہے کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل بیت کے وصف سے خارج قرار دینا غصب ہے اور قرآن کریم سے متصادم ہے۔

یہ ہے آیات کی دلالت، سیاق ایک ہے اس کی ابتدا ہے اور اس کی انتہا ہے جو زوجات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب پر مشتمل ہے نفس پرست اس کا معنی خراب کرنے اور اس کے الفاظ کو ان کے سیاق سے کاٹنے کے درپے ہیں، ایسی فہم کی وجہ سے جسے ضعیف روایات نے جنم دیا ہے۔ نعمت ہدایت پر اللہ کا شکر ہے جب کہ حدیث کساء (کمبل والی حدیث) پر چند وقفے کرتے ہیں۔

پہلا وقفہ: اسانید اور طرق۔

اس حدیث کی دو سندیں بیان ہوئی ہیں۔

پہلی سند حضرت عائشہ (طاہرہ مطہرہ) رضی اللہ عنہا کے واسطے سے مروی ہے اور مسئلہ کساء میں یہ واحد صحیح سند والی حدیث ہے، اسے امام مسلم نے اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صبح سویرے نکلے

آپ ﷺ پر (اونٹ کے) کجاوے کی تصویر والی سیاہ چادر تھی پس حسن بن علی رضی اللہ عنہما اسے اس میں داخل کر لیا پھر حسین آئے آپ نے اسے اس میں داخل کر لیا پھر فاطمہ آئیں آپ ﷺ نے اسے اس کے ساتھ داخل کر لیا پھر علی آئے آپ ﷺ نے اسے داخل کر لیا پھر کہا:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳﴾

[الاحزاب: 33]

''اللہ تو ارادہ کرتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے۔''

دوسری سند: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور یہ ان سے پانچ طرق سے مروی ہے۔

پہلی روایت ترمذی کی ہے، امام ترمذی نے اپنی سند سے عمرو بن ابی سلمہ (ربیب النبی ﷺ) سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: جب یہ آیت ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳﴾ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نبی ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ان کو کمبل کے نیچے کر دیا اور علی آپ ﷺ کی پیٹھ کے پیچھے تھا اس کو بھی کمبل کے نیچے کر دیا پھر فرمایا: اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے ناپاکی دور کر دے اور ان کو پوری طرح پاک کر دے۔

ام سلمہ نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ میں ان کے ساتھ ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہے اور تو خیر پر ہے۔ [1]

دوسری روایت عطا سے بروایت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اسے بھی ترمذی نے سنن (ح: 3948) اور امام احمد نے مسند (26191) میں روایت کیا ہے تیسری روایت شہر بن حوشب سے بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اسی طرح مروی ہے ماسوائے آیت اور کمبل سے ڈھانپنے کی کیفیت کے۔ [2]

چوتھی روایت: عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہ اس نے کہا: مجھے اس نے بیان کیا جس نے

---

[1] ترمذی، ح: 3326

[2] دیکھیے: ترمذی، ح: 4028۔ مسند ابی یعلی، ح: 7023 اس کو احمد نے مسند (26103) طویل الفاظ سے روایت کیا ہے۔

ام سلمہ سے سنا۔

پانچویں روایت: عطاء بن یسار سے مروی ہے اور اس میں ہے کہ پس میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں اہل بیت سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ان شاء اللہ۔ اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی نے کہا ہے اسے حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس کے شواہد اور پھر اس کے معارضے میں احادیث مروی ہیں جو اس (روایت) کی مثل ثابت نہیں ہیں اور اللہ کی کتاب میں اس مقصد کی وضاحت ہے جس کا ہم نے نبی ﷺ کی آل کے بارے میں اطلاق کا قصد کیا ہے اور اس مسئلے میں آپ ﷺ کی مراد آپ کی بیویاں ہیں یا وہ ان میں داخل ہیں۔ [1]

ثانیاً: اسانید کی تحقیق:

پہلی روایت کی سند میں محمد بن سلیمان اصبہانی ہے۔ امام نسائی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس سے حجت نہ لی جائے اور ابن عدی نے کہا ہے: مضطرب الحدیث، قلیل الحدیث ہے اور وَ مِقْدَارُ مَالِهِ قَدْ اَخْطَأَ فِيْ غَيْرِ شَيْءٍ مِنْهُ اور نسائی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ [2]

اور ابن حبان نے اسے بغیر توثیق اور تجریح کے ثقات میں درج کیا ہے اور ہم اس کا منہج بیان کر چکے ہیں اور اس کا ثقہ راویوں میں ذکر کر دینا توثیق کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ وہ توثیق کے معاملے متساہل ہیں۔ رحمہ اللّٰہ [3]

دوسری روایت کی سند میں بھی مذکورہ بالا راوی محمد بن سلیمان اصبہانی ہے۔

تیسری روایت میں شہر بن حوشب ہے۔ ابن عون نے کہا ہے: نَزَكُوْهُ کہ انہوں نے اس میں طعن کیا ہے اور موسیٰ بن ہارون نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے

---

[1] دیکھیے: سنن بیہقی، ح: 2913

[2] دیکھیے: تہذیب الکمال: 310/25

[2] ایضاً: 387/25

اور ساجی نے کہا: ضعیف ہے اور ابن عدی نے کہا: شہر بن حوشب حدیث کے متعلق جتنا کچھ بیان کرتا ہے اس نکارت ہی نکارت ہے اور شہر بن حوشب حدیث میں قوی نہیں ہے اور وہ ان لوگوں میں شامل ہے جن کی حدیث کو حجت نہیں مانا جاتا اور نہ اسے دین مانا جاتا ہے۔ [1]

اور وہاں اس کی توثیق کرنے والے بھی ہیں لیکن راجح امر یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے اور مسلم نے اپنی صحیح میں اس کو کسی سے جوڑ کر اس کی حدیث روایت کی ہے اس اکیلے کی روایت قبول نہیں کی۔

چوتھی روایت کی سند میں مجہول راوی ہے جس سے عطا بن ابی رباح نے روایت کیا لہٰذا عطا کی روایت یہاں مرسل ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: مرسل احادیث میں حسن اور عطاء بن ابی رباح کی مرسلات سے زیادہ ضعیف کوئی روایت نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ہر کسی سے روایت لے لیتے تھے اور ابن مدینہ نے کہا ہے کہ عطاء ہر طرح کے راوی سے روایت لے لیتا تھا۔ [2]

پانچویں روایت: امام بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ یہ صحیح ہے اور اس کی سند میں ثقہ راوی ہیں۔

اس کی سند میں ایسا راوی ہے جس کا میں تعارف نہیں پا سکا اور بعض کو متشابہ (ملتے جلتے) ناموں کی وجہ سے میں نہیں جان سکا اور بیہقی اور محدث اور امام ہے۔

ثالثًا: متون کی تحقیق

ا: صحیح ترین حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے اور ہم یہاں چند گزارشات پیش کرتے ہیں۔

اولًا: آیت تطہیر کے مسئلے میں مذکور بالا حدیث عائشہ کے سوا کوئی روایت صحیح نہیں الا یہ کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی روایت صحیح ثابت ہو جائے۔

ثانیًا: اس میں صرف انہیں افراد کا ذکر ہے جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کمبل میں داخل کیا اور آیت تلاوت کی اور اس میں سوائے اس بات کے اور کچھ نہیں کہ یہ اہل بیت سے ہیں اور اہل بیت ان تک محصور نہیں، کیونکہ آیت ساری کی ساری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے بارے میں ہے، پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ نہ کہتے تو ان کے اس کے معنی میں داخل ہونا سمجھا نہ جاتا۔

اور جب آنجناب نے اس حدیث مسلم کو وارد کیا تو قاری کو وہم دلایا کہ مسلم شریف کا لفظ ازواج

---

[1] دیکھیے: تهذيب الكمال: 15/3

[2] ایضًا: 190/12

مطہرات کو آیت کے معنی سے خارج کرتا ہے اور جناب کے لفظ کو کم سے کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ (مغالطہ) ہے، چنانچہ جناب نے کہا: كَمَا لَا يَشْمُلُ نِسَاءَ النَّبِيِّ ﷺ، لِمَا صُرِّحَ بِذٰلِكَ فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ کہ مزید برآں یہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کو بھی شامل نہیں کرتا کیونکہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں اس بات کی تصریح کہاں ہے ؟!

صحیح مسلم میں چاروں افراد کے کمبل میں داخل کرنے اور آیت تلاوت کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں، اس میں نساء النبی ﷺ کے عدم دخول کی تصریح کہاں ہے؟ کیا یہ جملہ مسلم کے الفاظ کے غیر مطابق (متضاد) نہیں ہے ؟!

ثالثًا: یہ روایت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن ایک دوسرے سے عداوت نہیں رکھتے تھے، اگرچہ ان کے درمیان قتال بھی ہوا، چنانچہ یہ ہیں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو اہل بیت کے فضائل بیان کرتی ہیں، یہ عمل اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ان کے مابین وہ بات نہ تھی جس کا شیعہ حضرات دعویٰ کرتے ہیں۔

رابعًا: صحابہ کرام نے اس آیت اور حدیث سے امامت اور عصمت کا معنی نہیں سمجھا، ورنہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیتے اور اس کے بعد وہ اس سے جنگ نہ کرتا جس نے جنگ کی پھر آپ رضی اللہ عنہ آیت اور حدیث کی وجہ سے اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں پر انکار کرتے۔

خامسًا: عہد تابعین سے لے کر تضعیف و تالیف کے دور تک اہل السنہ کا اسے بیان کرنا اور اپنی مصنفات میں اس حدیث کو درج کرنا اہل بیت سے محبت اور عدل و انصاف کی دلیل ہے۔

سادسًا: شیعہ نے اس صحیح حدیث سے استدلال کی بجائے ضعیف حدیث کی طرف رخ کیا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو امہات المومنین کو اس سے نکال دے اور طرز عمل حبیبۃ الرسول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نفرت اور بغض کی وجہ سے ہے باوجود اس کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ان کے مذہب کو باطل کرتی جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔

ب: ترمذی کی حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ضعیف ہے لیکن اس کے افاظ کے حل کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ ہم دیکھ سکیں کہ وہ کس بات پر دلالت کرتی ہے۔

متن حدیث: پہلا لفظ۔

پہلا جملہ: کہ جب یہ آیت ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝﴾ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی۔

اور یہاں چند توجہ طلب امور ہیں: ان میں سے۔

ا: حدیث (ام سلمہ رضی اللہ عنہا) ثابت کرتی ہے کہ آیت تطہیر، حضرت نبی کریم ﷺ کی دعا سے قبل نازل ہوئی ہے، اگر آیت کریمہ آپ حضرات کے گمان ے مطابق ناپاکی کے اٹھنے اور تطہیر کے حصول کی خبر دے رہی ہے تو حضرت نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کے بعد کس طرح دعا کر سکتے ہیں اور کہتے ہیں: اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی دور کر دے اور ان کو اچھی طرح پاک کر دے۔

پس اگر آیت کریمہ تطہیر کے وقوع کو ثابت کرتی تو اس کے جواب میں حضرت نبی کریم ﷺ نے یوں کہنا تھا:

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے تمہیں پاک کر دیا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے دعا کی تو آپ ﷺ جان لیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تشریعًا ارادہ کرتا ہے تکوینًا نہیں۔

ب: یا ہم کہیں گے کہ آیت کریمہ عورتوں کے لیے تطہیر کے حدوث پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ آیت تطہیر نے خبر دی ہے اور نبی کریم ﷺ نے ارادہ کیا کہ ان کے ساتھ اپنے باقی گھرانے کو بھی داخل کر لیں یا آپ ﷺ نے یہ کام اس لیے کیا تاکہ یہ فعل آیت کے معنی میں ان کی شمولیت پر دلالت کرے (بمطابق اس شخص کی فہم کے جو یہ سمجھتا ہے)۔

دوسرا جملہ: پس آپ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ان کو کمبل سے ڈھانپ لیا اور علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پیٹھ کے پیچھے تھا پس آپ ﷺ نے اس کو کمبل سے ڈھانپا۔

اور یہاں چند توجہ طلب امور ہیں:

ا: نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی افراد کے ساتھ ایک کمبل میں داخل نہیں کیا بلکہ اس کے لیے الگ کمبل کا انتظام کیا۔ لہٰذا اس حدیث کو (حدیث کساء) کی بجائے (حدیث کسائین) کہنا چاہیے۔

ب: حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پیٹھ کے پیچھے تھے۔

یہ دو امر دلالت کرتے ہیں کہ اس روایت کے مطابق جسے شیعہ حضرات لیے بیٹھے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ کے قول: اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ میں شامل نہیں، کیونکہ وہ ان کے ساتھ ایک کمبل کے نیچے نہیں پھر وہ آپ ﷺ کی پیٹھ کے پیچھے ہے اور ھٰؤُلَاءِ کے ساتھ ان کی طرف ہے جو آپ ﷺ کے سامنے بیٹھے ہیں، ان کی طرف نہیں جو آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہیں۔

(لغت عرب کے مطابق) جب وہ ھٰؤُلَاءِ کے ساتھ اشارہ بولتے ہیں تو اس سے وہ ہوتے ہیں جو سامنے ہوتے ہیں الا یہ کہ ہاتھ کے ساتھ پچھلوں کی جانب اشارہ کیا جائے اور یہاں ہاتھ کے ساتھ پیچھے کی جانب اشارہ نہیں ہوا۔ ورنہ آپ ﷺ اس روایت کے مطابق جو آپ حضرات نے پسند کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلے کمبل سے کیوں نکالتے جبکہ ایک کمبل تین افراد سے زیادہ افراد کو ڈھانپ سکتا ہے، پھر آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تنہا کر کے دوسرے کمبل سے ڈھانپ کر اپنی پیٹھ کے پیچھے بٹھا لیتے ہیں حالانکہ ان کو آگے بٹھانے کی گنجائش تھی؟!

اس روایت کے الفاظ کے تحت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل بیت سے نہ ہوئے اور نہ دعا میں شامل ہوئے (اور ہم اس روایت کے مطابق استدلال نہیں کرتے) لیکن جس روایت کو شیعہ حضرات نے امہات المومنین کو اہل بیت سے نکالنے کے لیے منتخب کیا ہے اس کے الفاظ ان کے مقصد کے برخلاف ان پر لوٹ کر آگرے۔

جبکہ ہم اہل السنہ لوگ حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک کمبل کے نیچے داخل کیا ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ جَمِیْعًا

تیسرا جملہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے نبی اللہ اور میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنی جگہ پر ہے اور تو خیر پر ہے۔

اس میں ان کے اہل بیت میں ہونے کی نفی نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ کا قول (تو خیر پر ہے) یعنی جس کی اللہ نے خبر دی اور وہ ہے ان اصلاً آیت کریمہ کے معنی میں داخل ہونا۔

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کے دوسرے لفظ کے مطابق اس میں ان سب پر کمبل اوڑھنے کے سوا اور (اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ۔۔۔) اور ان کے لیے دعا کرنے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو (تو تو خبر پر ہے) کہنے کے سوا کسی بات کا ذکر نہیں۔

ج: بیہقی کے نزدیک ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت:

امام بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ حدیث کے الفاظ میں سے ایک لفظ میں ہے کہ جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ میں آپ ﷺ سے پوچھا (کیا میں اہل بیت میں سے نہیں؟) اور اس کو بیہقی نے صحیح قرار دیا ہے اور ہر اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے جو اس کے معارض ہے اور آیت اور حدیث کے معنی پر مفصل گفتگو سے اس استدلال کا بطلان واضح ہو گیا جو شیعہ نے آیت اور حدیث سے کہا تھا۔ واللّٰہ الهادی الی سواء السبیل

161۔ آنجناب نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے کہ (میں) نے کمبل اٹھایا تاکہ ان کے ساتھ داخل ہو جاؤں تو آپ ﷺ نے میرے ہاتھ سے اسے کھینچ لیا اور کہا تو خیر پر ہے۔

اس کا جواب چند وجوہ سے ہے:

اولاً: اس روایت کی سند میں شہر بن حوشب ہے اور ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ وہ ضعیف ہے اور اس میں علی بن زید بن جدعان ہے، اس کے بارے میں ابن سعد کہتے ہیں کہ اس میں ضعف ہے اس سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی اور اس کی طرح کی جرح امام احمد اور یحیٰ بن معین سے بھی مروی ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ (یہ ضعیف ہے) اور اس کی سند میں اس کے علاوہ بھی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ صدوق ہے اور راجح عدم احتجاج ہے کیونکہ اسے ضعیف قرار دینے والوں کی کثرت ہے اور لفظ صدوق، توثیق نہیں ہے بلکہ یہ تو اشارہ ہے کہ یہ عمداً خطا نہیں کرتا جبکہ ضبط (الفاظ حدیث) ایک دوسرا معاملہ ہے۔

ثانیاً: اس روایت میں متضاد الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ترمذی کے نزدیک اس طرح ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ان کے ساتھ ہوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنی جگہ پر ہے، تو خیر پر ہے اور احمد کے نزدیک دوسری روایت یوں ہے (تو خیر پر ہے) اور اس نے اس میں ذکر نہیں کیا کہ وہ ان کے ساتھ داخل ہوئی یا اس نے کمبل کھینچا، تو آنجناب کس طرح ایسی روایت پر پختہ اعتماد کر رہے ہیں جو تمام روایات کی مخالفت کر رہی ہے، تاکہ آپ قرآن کی قطعی الدلالۃ نص کا معارضہ اس طرح کی روایات سے کریں، جن جیسی روایات سے دین اخذ کرنا جائز نہیں اور کیا قرآن کے اطلاق کی ضعیف روایات سے تقیید بلکہ اس کے معنی کو خراب کرنا جائز ہے؟!

آپ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم عقائد کے مسائل کو ثابت کرنے کے لیے صحیح الاسناد اخبار احاد قبول نہیں کرتے، پھر ہم آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ حضرات قرآن کی تاویل کرنے کے لیے ضعیف الاسناد اخبار احاد بلکہ موضوع کو عمداً پیش کرتے ہیں!!

حسن صدر امامی شیعہ تصحیح اور تضعیف کے منہج کے استحداث کا دفاع کرتے ہوئے اپنی کتاب "نہایۃ الدرایۃ" (152) میں لکھا ہے کہ قیاس اور اجتہاد کی طرح خبر واحد پر عمل کے منع کرنے کے لیے متفق علیہ بات کے لیے جدید منہج ضروری ہے۔ الا یہ کہ متضاد امتیازات کی توضیح یا تاویل مقصود ہو۔

162۔ آنجناب نے کہا ہے: اور اسی طرح حدیث علی مع الحق والحق مع علی اسے ہیثمی نے ابوسعید خدری یہ کہتے ہوئے روایت کیا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں [1] اور اسی طرح اس نے سعد بن ابی وقاص اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے پھر کہا: اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں سعد بن شعب ہے اور میں اسے نہیں پہچانتا اور اس کے باقی رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔

اور اسے خطیب نے ابو ثابت مولیٰ ابوذر سے روایت کیا ہے، ابو جعفر اسکافی نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے اور ابن کثیر نے ابوسعید اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

اس کا جواب چند وجوہ سے ہے:

اولاً: آنجناب نے لفظ ذکر ہے پھر اس طرف اشارہ کیا کہ اسی طرح اس کو ہیثمی نے بیان کیا ہے

[1] مجمع الزوائد: 235/7

حالانکہ بات یوں نہیں ہے، ہیثمی نے دو لفظ روایت کیے ہیں: پہلا لفظ ہے: اَلْحَقُّ مَعَ ذَا، اَلْحَقُّ مَعَ ذَا اور دوسرا لفظ ہے: عَلٰی مَعَ الْحَقِّ، اَوِ الْحَقّ مَعَ عَلِيٍّ اور آنجناب نے پہلے لفظ کی بجائے دوسرا لفظ ذکر کیا ہے پھر اس کی متابعت میں دوسرے کی طرف اشارہ کیا ہے حالانکہ لفظ مختلف ہیں اور اس کی مراد آگے بیان ہو گی۔

ثانیاً: حدیث عَلِيٌّ مَعَ الْحَقّ کے بارے میں ہیثمی نے بیان کیا ہے کہ اس میں سعد بن شعیب اور یہ راوی رجال کی کسی بھی معتبر کتاب میں نہیں پایا جاتا جو اس راوی کے مجہول الحال ہونے کی دلیل ہے۔

ثالثاً: جب کہ ظاہر ہے کہ لفظ روایت (الحق مع ذا) حضرت نبی کریم ﷺ کے کلام سے نہیں ہے بلکہ یہ حضرت ابو سعید خدری کے کلام سے ہے یعنی راوی بیان کر رہا ہے کہ ابو سعید خدری نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا أُخبِرُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟ قَالُوْا بَلٰى، قَالَ: خِيَارُكُمُ الْمُوْفُوْنَ الطَّيِّبُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْحَفِيِّ التَّقِيَّ))

راوی نے حضرت ابو سعید خدری کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن کے سامنے سے گزرے تو اس نے کہا: اَلْحَقُّ مَعَ ذَا، اَلْحَقُّ مَعَ ذَا کہ حق اس شخص کے ساتھ ہے۔ دو مرتبہ کہا۔

اس طرح کے فقرے کو علماء حدیث کے ہاں ادراج کا نام دیا جاتا ہے اور اس میں اشکال نہیں ہے کیونکہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تنازع میں حق آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، البتہ اس سے پہلے حق تمام صحابہ کے ساتھ تھا کیونکہ انہوں نے اختلاف نہیں کیا بلکہ وہ باہم محبت کرنے والے بھائی تھے (اور ان کو لڑانے والے سبائی تھے جنہوں نے شب خون مار کر جنگ جمل برپا کروائی تھی)۔

اس روایت کو سیوطی نے جامع الاحادیث والمراسیل (349/3) میں آخری جملے کے بغیر روایت کیا ہے جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ یہ مدرج ہے۔

رابعًا: ہیثمی کا قول کہ (رجالہ ثقات) مردود ہے کیونکہ اس روایت کے راوی ثقات نہیں ہیں، اس کی سند میں صدقہ بن ربیع زرقی مجہول العین والحال ہے۔ ❶

اور اس کی سند میں ابو سعید مولی بن ہاشم ہے میں نے کتب رجال میں اس کا تذکرہ نہیں پایا، لہٰذا ان کی وصف کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں کہاں گیا؟

اور حق کا طالب جو کچھ کہتا ہے اس کی تحقیق کرتا ہے اور جب کوئی عالم منہج کے قواعد کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اس کے قول کو اس کی طرف رد کر دیتا ہے کیونکہ اختلافی مسائل میں فیصلہ قواعد کی روشنی میں ہوتا ہے۔

خامسًا: تواریخ کی کتابوں کی روایات کے بارے میں ایک زائد مرتبہ ثابت کیا چکا ہے کہ وہ اس وقت تک ناقابل وثوق ہیں جب تک ان کی اسانید ذکر نہ کی جائیں تاکہ ان کا مخرج دیکھا جا سکے۔

جبکہ ابن کثیر گزشتہ تالیفات سے روایت کرتا ہے اور منہج یہ ہے کہ ان مصادر کی طرف رجوع کیا جائے جن کی طرف ان کی نسبت کی گئی ہے تاکہ جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے اس کی تحقیق کی جا سکے اور ان کی طرف نسبت کی جا سکے نہ کہ ابن کثری کی طرف۔ کیونکہ وہ ان کا ذکر کرتا ہے جو قدیم مصادر سے روایت کرتے ہیں اور ابن کثیر آٹھویں صدی میں زندہ تھا اور اس نے سند منقطع کر دی اور وہ دوسروں سے نقل کرتا ہے۔

163۔ آنجناب نے کہا ہے: حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ علی پر رحم کرے! اے اللہ حق کو ادھر پھیر دے جس طرف علی پھرے۔ پھر اس نے کہا: یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور ان دونوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ ❷

میں کہتا ہوں اس کی سند میں مختار بن نافع ہے امام بخاری، نسائی اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ (منکر الحدیث ہے) اور ابن حبان نے کہا ہے کہ مشاہیر سے منکر روایات لاتا ہے یہاں تک کہ دل میں یہ

---

❶ دیکھیے: الجرح و التعدیل: 433/4

❷ مستدرك: 124/3

بات سبقت کر جاتی ہے کہ یہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے۔ [1]

پھر آپ لوگوں کے دعویٰ کے مطابق وہ معصوم امام ہے تو آپ ﷺ اس کے لیے دعا کر سکتے ہیں کیونکہ معصوم ہونے کا تقاضہ ہے کہ حق تو ان کے ساتھ ہے ہی؟! اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ آپ کے دعویٰ کے مطابق انہوں نے اس کی خبر دے دی تھی۔

164۔ آنجناب نے کہا ہے: فخر رازی نے کہا: جو شخص اپنے دین میں علی بن ابی طالب کی اقتدا کرے اس نے ہدایت پالی کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کا قول ہے: اے اللہ جس طرف علی پھرے حق کو اس طرف پھیر۔ [2]

اس کا جواب چند وجوہ سے ہے:

اولاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ نیکوکار اور ہدایت یافتہ ہیں اور پسندیدہ اور عظمائے صحابہ میں سے تھے کیونکہ ان کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔

ثانیاً: جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ اس حدیث کی حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند صحیح نہیں۔

ثالثاً: رازی محدثین میں سے نہیں اور نہ اس کو حدیث کی تحقیق میں درک حاصل تھا، لہٰذا روایت کے اثبات یا نفی میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

رابعاً: اگر رازی کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان اور خیر کے جو کام کرتے تھے ان میں آپ رضی اللہ عنہ کی اقتدا کی جائے تو یہ بات برحق ہے اور یہ ان کے لیے اور ان کے علاوہ دیگر علماء صحابہ کے لیے ثابت ہے۔ [3]

اور اگر مراد یہ ہے کہ ہم ان کے ہر عمل کی اقتدا اس طرح کریں جس طرح ہم حضرت نبی

---

[1] تهذيب الكمال: 119/17

[2] تفسير رازی: 205/1، 207

[3] علی سبیل المثال حضرت عبد اللہ بن حسن رحمہ اللہ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما بن ابی طالب کو لوگوں نے موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے اس مسح کے بارے میں پوچھا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: امیر المومنین عمر بن خطاب موزوں پر مسح کرتے تھے اور جس نے اپنے دین میں اپنے اور اللہ کے درمیان حضرت عمر کو واسطہ بنایا اس کی نجات پکی ہو گئی۔ (دیکھیے: معارف ابن قتبہ مترجم ص 251 مطبوعہ قرطاس کراچی)

کریم ﷺ کی اقتدا کرتے ہیں اور ہم خطا سے ان کی عصمت کا اعتقاد رکھیں تو یہ مراد نا قابل قبول ہے، حضرت رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی فرد بشر کا یہ مرتبہ نہیں کہ (اس ہر قول و فعل کی من و عن اقتدا کی جائے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾[الاحزاب: 21]

اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ائمہ کا ذکر نہیں کیا کہ ان کی اقتدا کی جائے۔

لہٰذا کسی طرح بھی جائز نہیں کہ کسی بشر کو حضرت رسول اللہ ﷺ کے مقام پر فائز کیا جائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی صحابی ایسا نہیں تھا کہ اس نے پورے دین کا احاطہ کیا ہو اور صرف اسی سے دین حاصل کرنا ضروری ہو۔ لیکن ہم تو ان سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے رسول اللہ ﷺ کا دین حاصل کریں گے۔

165۔ آنجناب نے کہا ہے: حاکم نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن اس کے ساتھ ہے دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک وہ دونوں مجھ پر حوض پر وارد ہوں گے۔ پھر کہا: یہ صحیح السناد حدیث ہے اور ابو سعید وہ (عقیص) ہے ثقہ ہے قابل اعتماد ہے اور انہوں نے اسے اپنی صحیح میں روایت نہیں کیا۔ ❶

اس کا جواب یہ ہے کہ روایت (مذکورہ بالا) کی سند میں ابو ثابت مولیٰ ابی ذر ہے، کتب رجال میں اس کا تذکرہ نہیں۔

اور اس کی سند میں ابو سعید تیمی ہے، ذہبی نے کہا: کہا جاتا ہے، اس کا نام دینار ہے، یہ شیعی ہے اسے دار قطنی نے ترک کر دیا ہے اور جوزجانی نے کہا: یہ غیر ثقہ ہے اور ابن معین نے کہا: رشید الہجری برے مذہب والا ہے اور عقیص اس سے بھی بدتر ہے ❷ اور اس کی سند میں ہاشم بن برید ہے، ابن معین وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور ابوداؤد نے کہا ہے: قابل اعتماد ہے تشیع کی طرف

---

❶ مستدرك: 124/3

❷ الميزان: 88/3

میلان رکھتا تھا اور امام بخاری نے کہا: یہ اور اس کا باپ اپنے مذہب (تشیع) میں غالی تھے اور ابن حبان نے کہا: یہ تشیع میں غالی تھا اور مشاہیر سے منکر روایات بیان کرتا تھا۔ امام ذہبی نے کہا: اس کے غلو کی وجہ سے امام بخاری نے اس کی حدیث کو بیان نہیں کیا، کیونکہ وہ روافض سے بہت زیادہ بچتے تھے گویا وہ ان کے تقیہ کو دین قرار دینے سے ڈرتے تھے اور ابن نمیر نے کہا: یہ تشیع میں حد سے گزرا ہوا تھا اور منکر الحدیث تھا۔ [1]

چنانچہ ان علتوں کی وجہ سے یہ روایت صحیح نہیں ہے اور حاکم کے بارے میں تو مشہور ہے کہ تشیع کی طرف مائل تھا اور تصحیح میں متساہل تھا اور خاص ایسی احادیث کو صحیح قرار دینے میں جو اس کے مذہب کو تقویت دیتی ہوں، جیسا کہ ہم اس کی مثالیں بیان کر چکے ہیں۔

166۔ آنجناب نے کہا ہے: اور میں آنجناب سے امید رکھتا ہوں کہ آپ اس روایت کے متعلق ابن تیمیہ کے کلام کو انصاف کی نظر سے دیکھیں گے جو اس نے علامہ (ابن مطہر الحلی) کا ردّ کرتے ہوئے کہا: عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ وَ الْحَقِّ مَعَ عَلِيٍّ، يَدُوْرُ حَيْثُ دَارَ وَ لَنْ يَّفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَى الْحَوْضِ جھوٹ اور جہالت سے بھرپور باتوں میں سے بڑی بات ہے، کیونکہ اس روایت کو حضرت نبی کریم ﷺ سے کسی نے روایت نہیں کیا، نہ صحیح سند سے اور نہ ضعیف سند سے۔

چنانچہ ہمارے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد ابن تیمیہ کی بات کی قیمت جان لیں گے، الا یہ کہ یوں کہہ دیا جائے کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام اور عائشہ اور ام سلمہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم صحابہ میں سے نہیں تھے اور ہیثمی اور حاکم اور ابن کثیر اور رازی علماء میں سے نہ تھے۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

اولاً: سر دست ابن تیمیہ کو چھوڑیئے اور ہم ان معنوں پر غور کریں جو (مذکورہ بالا) روایت میں بیان ہوئے ہیں قبل اس کے کہ ہم وہ (جرح) ذکر کریں جو بیان ہو چکی ہے۔

جبکہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دیگر انسانوں کی طرح انسان ہیں جو غلطی بھی کر سکتے ہیں اور درستی بھی، اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے دیگر عظیم صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھائیوں کی طرح

[1] المیزان: 288/4

سب لوگوں سے کم تر غلطی کرنے والے تھے۔

اور ذیل میں اس حقیقت کو ثابت کرنے کی طرف اشارہ ہے:

الف: جہاں تک حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ان سے غلطی کی بات ہے تو ان سے کئی اعمال کا صادر ہونا صحیح ثابت ہو چکا ہے جن کی وجہ سے آنحضرت ﷺ ان سے ناراض ہوئے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

i: جب انہوں نے حضرت فاطمۃ الزہرا کی زوجیت میں دوسری شادی کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ اس فعل سے خشمگیں ہوئے اور اس بارے میں خطبہ دیا اور آپ ﷺ کی باتوں میں سے ایک بات یہ تھی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے بدن کا ٹکڑا ہے جو فعل اسے پریشان کرتا ہے وہ مجھے بھی پریشان کرتا اور مجھے وہ فعل تکلیف دیتا ہے جو اسے تکلیف دیتا ہے۔ ❶

اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ منگنی کر رہے تھے تو ان کے ساتھ حق نہ تھا۔

ii: جس رات حضرت نبی کریم ﷺ ان کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس رات کو تشریف لے گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو تہجد کیوں نہیں پڑھتے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا: ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اگر وہ ہمیں اٹھانا چاہے تو اٹھا سکتا ہے۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ اپنے ران پر ہاتھ مارتے ہوئے چل پڑے اور کہنے لگے: وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْئًا جَدَلًا۔ ❷

iii: اور صلح حدیبیہ میں جب سہیل بن عمرو بن صلح نامہ کی دستاویز پر ہذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ لکھنے سے روکا اور مطالبہ کیا کہ اس طرح لکھا جائے: ہذا ما صالح علیہ محمد بن عبد اللہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صلح نامے کے کاتب تھے آپ رضی اللہ عنہ نے پہلا جملہ لکھا تھا۔ راوی حدیث حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسے مٹانے کا حکم دیا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم میں نہیں مٹاؤں گا۔ تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے وہ جگہ دکھا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے وہ جگہ دکھائی، تو آپ ﷺ نے وہ جملہ مٹا دیا، اس موقعہ پر حضرت نبی کریم ﷺ

---

❶ صحیح البخاری: 190/3۔ صحیح مسلم: 1902/4

❷ دیکھیے: صحیح البخاری عن علی رضی اللہ عنہ: 88/6

کے حکم کو نافذ نہ کرنے میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ تھا (بلکہ رسول اللہ کے ساتھ تھا)
یہ چند مثالیں ہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں۔

اور یہ افعال ایسے نہیں ہی جو آپ رضی اللہ عنہ کے مقام کو گھٹا سکیں کیونکہ بشری کمال اس میں نہیں کہ کسی بشر سے خطا نہ ہو بلکہ یہ کمال قلت خطا میں ہے۔ جبکہ خطا کا نہ ہونا خالق عزوجل کے خصائص میں سے ہے۔

لیکن عظماء کی خطائیں کم ہوتی ہیں اور جب لوگوں کے سرداراں حضرات انبیائے کرام میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کو اللہ نے عتاب نہ کیا تو ان کے سوا کے متعلق ہم کس طرح (اعتقاد عدم خطا) رکھ سکتے ہیں؟!

ب: بذات خود آپ رضی اللہ عنہ کا اعتراف خطا اور عدم عصمت کا اقرار۔

اگر نہج البلاغہ (میں جو کچھ ہے وہ آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سچ ہو تو) اس کے (ص: 485) میں ہے کہ

i: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حق بات کہنے یا عدل پر مبنی مشورے سے نہ رکو، کیونکہ میں اپنی ذات میں اس سے برتر نہیں کہ غلطی نہ کروں اور نہ میں اپنے فعل میں اس سے امن میں ہوں الا یہ کہ اللہ میری طرف سے اس معاملے میں کافی ہو جو مجھ سے کہیں زیادہ میری جان کا مالک ہے۔

ii: اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس میں اس طرح فرمایا: اے اللہ بخش دے میرا ایسا فعل جو میں نے زبان سے تیرا قرب حاصل کرنے کے لیے کیا پھر میرے دل نے اس کی مخالفت کی اے اللہ بخش دے میرے لحظوں کے اشارے اور لفظوں کی لغزشیں اور دل کی شہوتیں اور زبان کی ٹھوکریں۔ [1]

چنانچہ ان نصوص میں یہ بات آشکارا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ خطا کر سکتے ہیں اور اپنے فعل کے صحیح ہونے کی ضمانت نہیں دیتے مگر یہ کہ اسے اللہ چاہے اور اگر ان کہ ہاں اپنی عصمت ثابت ہوتی تو وہ خوف نہ کرتے اور خطا کے امکان کا اعتراف نہ کرتے اور لوگوں کے لیے اپنی عصمت کی تصریح کرتے تاکہ وہ ان کے بارے میں عصمت کا وثوق رکھتے اور خاص طور پر ان

[1] دیکھیے: نہج البلاغة، ص: 183

سے جھگڑا اور معارضہ نہ کرتے حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ فتنہ کے وقت اپنی اطاعت کی اتباع کے محتاج تھے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کر رہے ہیں کہ وہ ان کو آنکھ کا ایسا اشارہ بھی معاف کر دے جو آنکھ سے خطا سرزد ہو سکتا ہے اور وہ لفظ بھی جو درستی سے خارج ہو سکتا ہے اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کی عدم عصمت کا اعتراف ہے، اگر ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات تواضعاً کہی لیکن آپ رضی اللہ عنہ امکان کی حد تک اعتراف کیا ہے۔ تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ حق ان کے ساتھ ہے اور وہ حق کے ساتھ ہیں، نہ ان سے خطا سرزد ہو سکتی ہے اور نہ نسیان؟! کیا یہ کلام حقیقت سے دور اور ہٹا ہوا نہیں؟

دوسرا مسئلہ: کہ حق صرف اکیلے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے باقی افراد بشر کے ساتھ نہیں، لہٰذا حق کا معیار شخص ہو گیا، نہ کہ حق معیار قرار پایا اور جیسا کہ ہم نے دیکھا یہ "بات" درستی سے دور اور الگ ہے، سوائے انبیائے کرام کے حق مطلقاً کسی شخص کے ساتھ نہیں ہوتا، کیونکہ انبیاء کے سواء باقی لوگ بشر ہیں جو خطا بھی کر سکتے ہیں اور درستی بھی، لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی بشر کے بارے میں اعتقاد رکھے اور اسی لیے ہم سوائے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو اسوہ پکڑنے کا حکم نہیں دیئے گئے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[الاحزاب: 21]

"البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ میں اسوہ حسنہ ہے۔"

اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ یا ان کے سوا دیگر انسانوں کے بارے میں یہ بات نہیں فرمائی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾[النساء: 59]

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے اولی الامر (حاکم) کی اگر کسی چیز میں تم تنازعہ کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔"

چنانچہ اللہ نے مستقل طور پر اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم ہے اور اولی الامر کو مستقل اطاعت کے معاملے میں مفرد نہیں کیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول

کی اطاعت کے تحت اطاعت کیے جائیں گے، اگر وہ معصیت کا حکم دیں گے تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

پھر اس نے نزاع برپا ہونے کے احتمال کو ذکر کیا اور جو کوئی معصوم ہو اس سے نزاع نہیں کیا جا سکتا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اولی الامر امت میں سے ایک ہے۔

تیسرا مسئلہ: اور وہ ہر گز جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ وہ مجھ پر حوض پر وارد ہوں گے۔ عجیب کلام ہے کیونکہ حق، شخص کے سوا ایک عمل ہے اور حق مرتا نہیں اور شخص مر جاتا ہے تو کیا جب شخص مر جاتا ہے تو اس کے ساتھ حق بھی مر جاتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا؟! بلاشبہ یہ عجیب تر کلام ہے! حق، فعل کا وصف ہے اور اس سے کوئی شخص موصوف نہیں جاتا اور یہ نہیں کہا جاتا کہ (فلاں شخص حق ہے اور یوں کہا جاتا ہے (فلاں کا فعل حق ہے) یا (بر حق ہے) اور جب انسان مر جاتا ہے تو فعل منقطع ہو جاتا ہے اور حق کی رفاقت کے دعویٰ کا معنی لوٹایا نہیں جاتا، تو کس طرح کہا جائے گا کہ وہ ہر گز جدا نہیں ہوں گے اور قبر میں تو کوئی عمل نہیں ہے؟!

چوتھا مسئلہ: یہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ جو شہید ہو کر فوت ہوئے اور حق ان کے ساتھ شہید ہو کر فوت ہو گیا تو ان کے بعد ائمہ کا کیا حال ہوا؟! کیا ان کے ساتھ کوئی الگ حق ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق سے کوئی دیگر حق ہے یا حق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنے کو ترک کر دیا تا کہ وہ ائمہ کے ساتھ باقی رہے؟! اس بحث سے آشکارا ہو گیا کہ یہ کلام، کلام نبوت سے تعلق نہیں رکھتا اور اس کے معنی کے باطل ہونے کی وجہ سے حضرت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔

ثانیاً: ابن تیمیہ کا قول:

ابو العباس احمد ابن تیمیہ نے ابن مطہر کا قول ذکر کیا ہے اور پھر اس کا رد کیا ہے اور ذیل میں ان دونوں کا کلام درج کیا جا رہا ہے۔ ابن مطہر نے کہا: اور جب فاطمہ نے (ابو بکر کے سامنے) ذکر کیا کہ اس کے باپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "فدک" ہبہ کیا تھا تو اس نے اس سے کہا: کوئی کالا یا گورا گواہ لا جو تیرے لیے اس کی گواہی دے تو آپ رضی اللہ عنہا ام ایمن کو لے آئیں تو اس نے اس بات کی گواہی دی تو اس (ابو بکر) نے کہا: یہ عورت ہے اس کا قول قبول نہیں کیا جا سکتا اور سب (محدثین) نے روایت کیا

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ام ایمن اہل جنت میں سے ایک خاتون ہے۔ تو امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) آئے اور انہوں نے اس بات کی شہادت دی، تو اس نے کہا: یہ تیرا خاوند ہے اس کو اپنی ذات کی طرف کھینچ رہا ہے اور ہم اس کی شہادت پر تیرے حق میں فیصلہ نہیں کریں گے اور سب (محدثین) نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علی، حق کے ساتھ ہے اور حق اس کے ساتھ ہے جہاں وہ گھومے گا وہ اس طرف گھوم جائے گا اور وہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ دونوں مجھ پر حوض (کوثر) پر وارد ہوں گے۔

ابن تیمیہ نے کہا: اس کا قول کہ اسے سب نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، علی، حق کے ساتھ ہے اور حق اس کے ساتھ ہے جہاں وہ گھومے حق وہاں حق گھوم جاتا ہے اور وہ دنوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک وہ مجھ پر حوض پر وارد ہوں گے۔ یہ کذب اور جہالت کے لحاظ سے عظیم تر کذب اور جہالت ہے، کیونکہ اس روایت کو کسی نے بھی حضرت نبی کریم سے روایت نہیں کیا، نہ صحیح سند سے اور نہ ضعیف سند سے، تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام (محدثین) نے اس حدیث کو روایت کیا ہے؟! اور صحابہ اور علماء سے روایت کرنے والوں میں سے اس سے بڑھ کر بھی کوئی جھوٹا ہو سکتا ہے جو یہ کرے کہ ان تمام نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور بنیادی پر یہ حدیث کسی سے بھی پہچانی گئی؟ بلکہ یہ واضح کذب ہے اور اگر کہا جاتا کہ ان میں سے کسی نے روایت کی ہے اور اس کی صحت ممکن تھی یہ یہ بات ممکن ہوتی لہٰذا یہ حدیث ہو سکتی ہے یہ قطعاً حضرت نبی کریم ﷺ کے نام پر کذب ہے؟ برخلاف اس بات کے کہ حضرت ام ایمن جنت میں ہے لہٰذا یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے وہ بات کہی ہو کیونکہ ام ایمن صالحہ خاتون اور مہاجرات میں سے ہیں اور ان کے جنت میں سونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا برخلاف آپ ﷺ کے اس قول کے کہ ان کے صحابہ میں سے ایک شخص حق کے ساتھ ہے یا (حق) اس کے ساتھ گھوم جاتا ہے جہاں وہ گھوم جائے اور وہ دونوں ایک دورسے سے جدا نہ وں گے یہاں تک کہ مجھ پر حوض پر وارد ہوں گے، کیونکہ یہ ایسی بات ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ (اس طرح کی بات کہنے سے) بالاتر ہیں۔ اس کا پہلا سبب تو یہ ہے کہ حوض پر تو اشخاص وارد ہوں گے جیسا کہ آپ ﷺ نے انصار سے کہا: صبر کرتا یہاں تک کہ تم حوض پر

میری ملاقات کرو اور آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک میرا حوض ایلہ سے عدن کی مسافت سے بھی طویل و عریض ہے اور اس پر پہلے پہل وارد ہونے والے مہاجر فقراء ہوں گے جن کے سر پراگندا، کپڑے میلے ہوں گے وہ ناز و نعمت والیوں سے نکاح نہ کر سکے ہوں گے اور ان کے لیے دروازے نہ کھولے جاتے ہوں گے ان میں کوئی مر گیا ہو گا تو اس کی حاجت اس کے سینے میں ہو گی اور وہ اسے پورا کرنے کی استطاعت نہ پا سکا ہو گا۔ اس کو مسلم وغیرہ نے رایت کیا ہے جبکہ حق، اشخاص میں سے نہیں جو حوض پر وارد ہوں گے۔ [1]

چنانچہ ابن تیمیہ کا کلام ابن مطہر کے دعویٰ کا رد ہے۔

دونوں کی گفتگو پر چند تاملات (وقفات) کرتے ہیں:

پہلا تامل: کیا آنجناب ابن مطہر کے کلام کی طرف نہیں دیکھ رہے کہ اس نے اس حدیث کو تمام علماء المسلمین کی طرف اپنے اس قول سے منسوب کیا ہے وقد رووہ جمیعا یعنی تمام علماء اہل السنہ نے اس کو روایت کیا ہے، کیا یہ واضح جھوٹ نہیں ہے؟

اس (موضوع) روایت کو اہل السنہ کی ایک یا دو کتابوں میں ذکر کیا ہے پھر بعض مورخین نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے یا اسے نقل کیا ہے۔

تو کیا یہ کہنا جائز ہے کہ وقد رووہ جمیعا اور یہ اس آدمی کی شہادت ہے جس نے اپنے آپ کو روایت پر وقف کر رکھا ہے اور یہ شہادت اصلی صورت حال کے خلاف ہے۔

اس دعویٰ پر جناب کا ایک حکم ہے؟!

اگر آنجناب انصاف سے کام لینا چاہتے ہیں تو ابن تیمیہ جس نے اس دعویٰ پر رڈ کیا ہے، پر حکم لگانے سے پہلے دعویٰ پر حکم لگائیں پھر رڈ پر حکم لگائیں۔

دوسرا تامل: یہ کلام جو ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے اور پھر اس پر اپنے اعتقاد کے مطابق رڈ کیا ہے، وہ ہے (روایت کا کذب ہونا) اور تحلیل الفاظ اور اس کی دلالتوں کی روشنی میں اس کی نسبت کا رسول اللہ ﷺ کی طرف نہ ہونا کہ محال ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے یہ روایت صادر ہو۔

چنانچہ نفی کرنے والا کہتا ہے کہ میرے علم کوئی شخص ایسا نہیں پایا گیا جس نے یہ روایت نقل کی

---

[1] دیکھیے: منهاج السنة النبوية: 236، 238

ہو اور وہ اپنے قول میں سچا ہے جبکہ ثابت کرنے والا کہتا ہے کہ میں اس پر واقف ہوں کہ اسے تمام (علماء) نے روایت کیا ہے اور جس نقل کا اس نے دعویٰ کیا ہے وہ موجود نہیں تو وہ کہاں سے واقف ہوا کہ یہ تمام (علماء اہل السنہ) کی روایت ہے؟!

تیسرا تامل: ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے صحیح یا ضعیف کے وجود کی نفی کی ہے، موضوع یا مکذوبہ روایت کی نفی نہیں کی کیونکہ وہ اسے مکذوبہ سمجھتا ہے تو اندریں صورت اس کا نفی کرنا درست ہے۔ چنانچہ اس نے کہا ہے: اسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے روایت نہیں کیا۔ نہ صحیح سند سے نہ ضعیف سند سے۔

چوتھا تامل: ابن تیمیہ کے حفظ حدیث میں وسعت کی گواہی دی گئی ہے، یہاں تک کہ اس کے ایک معاصر ابن الوردی نے کہا ہے: جس حدیث کو ابن تیمیہ نہیں جانتا وہ حدیث (ثابت) نہ ہو گی اور ابن دقیق العید نے کہا ہے: تمام علوم اس کی آنکھوں کے سامنے ہیں، جس کو چاہے لے لے اور جس کو چاہے چھوڑ دے۔ [1]

اور ابن کثیر نے کہا: رہا حدیث کا معاملہ تو وہ اس کا علم بردار تھا اور اس کا حافظ تھا، اس کی صحت اور سقم کے درمیان امتیاز کرنے والا تھا اور اس کے رواۃ کو جاننے والا تھا اور اس معاملے میں وہ مکمل دسترس رکھنے والا تھا۔ [2]

چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنے حفظ اور وثوق کی وجہ سے یہ بات کہی اور شاید اس جواب سے اس کے پہلوؤں پر کوئی چیز روشن ہو گئی ہے۔

چوتھا تامل: آنجناب نے کہا ہے: تم (روایت کو) میرے آگاہ کرنے کے بعد ابن تیمیہ نے کلام کی قیمت جان گئے ہو۔

میں کہتا ہوں: یہاں چند غور طلب پہلو ہیں:

پہلا: غور طلب پہلو، ابن تیمیہ رحمہ اللہ انسان ہے وہ غلطی بھی کر سکتا ہے اور درستی بھی اور ہم اس کے بارے میں عصمت کا دعویٰ نہیں کرتے لیکن جو کچھ ظاہر ہے اس سے یہی پتا چلتا ہے کہ اس کا ارادہ

---

[1] دیکھیے: محاكمة الاحمدين، ص: 6

[2] البداية و النهاية: 137/4

وہی ہے جو میں نے پہلے بیان کیا ہے، پھر فرض کیجیے کہ اس نے اس حکم میں خطا کی تو یہ خطا اس کی قدر و قیمت کو کم نہیں کرتی۔

دوسرا پہلو: آنجناب نے دیکھا کہ اس شخص کا کلام جسے آپ نے علامہ کا نام دیا ہے، شدید تر غلط ہے جس کی کوئی تخریج تا توجیہ نہیں جو اسے کھائی سے اوپر لا سکے اور اس کے باوجود آپ اس کے (علامہ) ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

تیسرا پہلو: اگر آنجناب (علامہ) کی کتاب (منہاج الکرامۃ) کی چھان بین کریں تو آپ دسیوں جھوٹے دعوے اور دسیوں موضوع روایات اور عظماء امت کے حق میں دسیوں گستاخیاں دیکھیں گے اور اس کے باوجود اسے علامہ کا نام دیتے رہیں گے، اگر یہ شخص شیعہ کا علامہ ہے تو ان کا کیا حال ہو گا جو علامہ نہیں ہیں؟!

چوتھا پہلو: شیعہ حضرات اپنی کتب سے استدلال کرنے سے کیوں شرماتے ہیں اور اہل السنہ کی کتابوں کی مرویات کی طرف دھیان کرتے ہیں جن کی مرویات کو جمہور علمائے اہل السنہ اور محققین اسناد کی تحقیق کے بعد ضعیف یا موضوع ثابت کر چکے ہیں؟

اگر وہ مرویات ان کے ہاں صحیح ہوتیں تو وہ ان کی طرف چلے جاتے اور ان کے نزدیک صحیح روایت اگر شیعہ کے معتقد پر دلالت کرتی تو وہ اس کی طرف رواں ہو جاتے۔ سو اہل السنہ ان سے اعراض کرتے ہیں تو ان سے اس علم کی وجہ سے کہ وہ کذب ہیں، ان کی روایت کے لیے ضعیف راویں کے ذریعے دھوکہ دیا گیا ہے یا انہیں کذابون بذات خود بیان کرتے ہیں پھر شیعہ صاحبان آجاتے ہیں اور دسیوں ناقابل اعتماد مصنفات سے انہیں تلاش کرتے ہیں تاکہ ان کے ساتھ اپنے عقائد کو قوت فراہم کریں۔

پانچواں پہلو: شیعہ صاحبان اہل السنہ کی امہات الکتب میں صحیح اسانید سے مروی دسیوں اور سیکڑوں صحیح احادیث سے کیں لیے اعراض کرتے ہیں پھر ضعیف احادیث کی طرف چلے جاتے ہیں؟!

یہ استفسارات ہیں جو غور و تفکر کے محتاج ہیں!!

ضمیمہ:

(مجھے یاد آیا کہ) میں نے گزشتہ جواب کے ساتھ خمینی صاحب کا کلام لاحق کیا تھا تا کہ اس کے بارے میں آپ کے موقف کو پہچان سکوں لیکن آپ نے اس کے بارے کچھ نہیں لکھا اور اس خطرناک کلام کے متعلق آپ کا نظریہ معلوم کرنا چاہتا تھا اور میں نے حسب ضرورت اسے دوران بحث درج کیا تھا اور میں یہاں ان کے کلام سے مزید کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ عزوجل بھی تقیہ اختیار کرتا ہے خمینی صاحب نے کشف الاسرار (ص: 149) میں کہا ہے: بعد اس کے کہ ہم نے واضح کر دیا ہے کہ امامت دین اسلام کے اصولوں میں ایک اصل ہے اور قرآن نے ایک حد تک اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس اشارے سے زیادہ اسلام اور مسلمین کے مفاد میں نہیں تھا۔

ہم نے اس گفتگو کی ابتدا میں ثابت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن میں امامت کی طرف پہنچنے سے رک گیا، اس خوف سے کہ اس کے بعد قرآن تحریف کا شکار نہ ہو جائے یا مسلمانوں کے درمیان اختلافات نہ بھڑکیں اور یہ فعل اسلام پر اثر انداز ہو اور یہاں ہم قرآن سے شواہد پیش کرتے ہیں۔ جو امامت کے ذکر پر منافقین کے خوف سے (تحفظ) پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ﴾ [المائدة: 67]

”اے رسول! پہنچا دے جو اتارا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو، تو نے اس کی رسالت نہ پہنچائی اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔“

اور اہل السنہ کے اعتراف اور ابو سعید، ابو رافع اور ابو ہریرہ کی روایت اور شیعہ کے اتفاق کے مطابق یہ آیت غدیر خم کے دن، علی بن ابی طالب کی امامت کے متعلق نازل ہوئی۔

خمینی ثابت کر رہا ہے کہ (1) امامت دین اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے (2) اور قرآن نے ایک حد تک اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تو یہ (دین کے اصول میں سے) کیسے ہو سکتی ہے، جبکہ اصل پر ایمان کے بغیر ایمان ثابت ہی نہیں ہوتا اور اس کے باوجود اس کی طرف اشارہ ہی کر رہا ہے؟!

(3) وہ اصل کس طرح ہو سکتی ہے کہ جس کا بیان مسلمانوں کے مفاد میں نہیں؟!

(4) اور حضرت نبی کریم ﷺ قرآن میں امامت تک پہنچنے سے رک سکتے تھے؟ کیا قرآن کریم آپ ﷺ کے کلام سے ہے؟!

پھر کہہ رہا ہے کہ قرآن نے منافقین کے خوف سے امامت کی صراحت نہیں کی، یعنی (نعوذ باللہ) اللہ نے تقیۃ اسے بیان نہیں کیا!

یہ چند جملے ہیں ان میں آپ اللہ عزوجل کے ساتھ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ بے ادبی ہے اور تعجب اس بات پر ہے کہ اس کو امام کے وصف سے موصوف کیا جاتا ہے اور جب یہ امام ٹھہرا تو باقی ماموین کو کیا وصف دیا جائے گا؟!

اور ہم "کشف الاسرار" (ص: 155) سے اس کا دیگر کلام ذکر کرتے ہیں تاکہ تصویر مکمل ہو جائے اور وہ ہے اس کا قول وَ وَاضِحٌ بِاَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَوْ کَانَ قَدْ بَلَغَ بِاَمْرِ الْاِمَامَةِ طَبَقًا لِمَا اَمَرَ بِهِ اللّٰهُ وَ بَذَلَ الْمَسَاعِیَ فِیْ هٰذَا الْمَجَالِ، لَمَا نَشَبَتْ فِی الْبُلْدَانِ الْاِسْلَامِیَةِ کُلُّ هٰذِهِ الْاِخْتِلَافَاتِ وَ الْمَشَاحِنَاتِ وَ الْمَعَارِكِ وَ لَمَّا ظَهَرَتْ ثَمَةَ خِلَافَاتٍ فِیْ اُصُوْلِ الدِّیْنِ وَ فُرُوْعِهٖ اور واضح ہے کہ نبی ﷺ نے امامت کے حکم کی اس طرح تبلیغ کی ہوتی جس طرح اللہ عزوجل نے اس کا حکم دیا تھا اور اس میدان میں کوششیں خرچ کی ہوتیں تو اسلامی مماکل میں یہ تمام اختلافات اور کینے اور معرکے نہ بھڑکتے اور نہ ہی وہاں دین کے اصول اور فروع میں اختلافات ظاہر ہوتے۔

i: حضرت رسول اللہ ﷺ پر (رسالت کی مکمل تبلیغ نہ کرنے کا) بہتان

ii: اپنی گزشتہ کلام کو توڑنا (اور بلاشبہ اس کا مزید اشارہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں نہ تھا) اور یہاں کہہ رہا ہے (اگر امامت کے امر کی تبلیغ کر دیتے تو اختلافات نہ بھڑکتے۔۔۔) یہ ہے فاسد عقائد کا نتیجہ۔

اور ہدایت کی نعمت پر اللہ کے لیے حمد و تعریف ہے۔

خاتمہ بحث:

یہ آنجناب کے نوٹسوں کے عاجلانہ جوابات اور متنوع تاملات ہیں جو اس جواب کے ضمیمہ سے

متعلق ہیں جو میں تقریباً ڈیڑھ سال قبل 1423ھ ہماری ملاقات کے وقت آپ کے سوالات کے جوابات کے سلسلے میں آپ کی طرف ارسال کیے تھے اور آپ کے سوالات مجھ تک ربیع الثانی 1425ھ کے نصف میں پہنچے تھے میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ان سے کاتب اور قاری کو یکساں نفع عطا فرمائے۔(آمین) اور شاید بعض عبارتوں میں غیر ارادی طور پر خشونت نظر آئی ہوئی ہو (تو میں اس پر معذرت کرتا ہوں)۔

و اللّٰہ الهادی الی سواء السبیل

و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و علی آله و صحبه اجمعین

آپ کی خیرت کا طالب

ڈاکٹر پروفیسر احمد بن سعد حمدان الغامدی

جامعہ ام القری یونیورسٹی قسم العقیدہ بالدراسات العلیا مکہ مکرمہ

1425۔6۔18 ہجری

فہرست مضامین

❖ انتساب ---- 13

❖ ہدیہ تشکر ---- 14

❖ تقدیم ---- 15

❖ عرض مترجم ---- 27

❖ مقدمہ ---- 33

❖ وَبِہٖ نَسْتَعِیْنُ ---- 48

❖ کتاب "منهاج السنه " کی تالیف کا سبب ---- 49

❖ یہود و روافض میں مشابہت ---- 61

❖ رافضیوں پر اس اسم کا اطلاق کب ہوا؟ ---- 68

فصل...... رافضیوں کا جھوٹ اور علم سے تہی دامنی ---- 82

❖ شیعہ سے متعلق ائمہ دین کی رائے ---- 83

❖ شیعہ کی نگاہ میں مسئلہ امامت کی اہمیت اور اس کی تردید ---- 92

❖ جوابات ---- 92

❖ امامت کی اہمیت کا وہم اور اس پر رد ---- 94

❖ [صاحب زمان کی حقیقت] ---- 101

❖ روافض کا منتظر پر ایمان صوفیاء کے غیبی افراد پر ایمان جیسا نہیں ---- 104

❖ بعض صوفیاء کا شرک فی ربوبیت ---- 106

❖ الیاس اور خضر کی وفات ---- 106

❖ امامت اور رسالت برابر نہیں ہے ---- 108

❖ امامیہ کے ہاں اصول دین ---- 108

❖ مسئلہ امامت میں رافضی تناقض ---------- 109
❖ [شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ایک شیعہ کا مناظرہ] ---------- 110
❖ عمل صالح اور معرفت امام......؟ ---------- 112
❖ امامت ارکان ایمان میں شامل نہیں ---------- 113
❖ ترک بیعت ---------- 117
❖ اس حدیث میں امامت پر دلیل نہیں ---------- 118
❖ حدیث ان کے خلاف حجت ---------- 119
❖ حکمران کی اطاعت نیکی کے امور میں ---------- 120
❖ امام غائب کے عقیدہ کا ابطال ---------- 125
فصل اوّل......مسئلہ امامت میں مختلف مذاہب ---------- 126
❖ شیعہ مصنف کے اشکالات کا جواب ---------- 128
❖ شیعہ کے عقائد ---------- 128
❖ [امامت اور لطف ربانی ؟] ---------- 130
❖ اللہ تعالی کے عدل اور حکمت کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ ---------- 132
❖ مسئلہ تقدیر اور شیعہ امامیہ ---------- 132
❖ کیا افعال الٰہی معلل ہیں؟ ---------- 138
❖ [تسلسل کا جواب] ---------- 140
❖ فلاسفہ کے عقیدہ کہ ’’عالم قدیم ہے‘‘ پر ردّ کی مزید تفصیل ---------- 141
❖ رب تعالیٰ فلک کے لیے موجب بالذات ہے......اس عقیدہ کا ردّ و بطلان ---------- 143
❖ [......حوادث کے وجود سے انکار کرنا] ---------- 146
❖ فلاسفہ اور دیگر ملتوں کے آئمہ کا متکلمین پر رد ---------- 148
❖ کامل قدرت اور یقینی ارادہ فعل کے وجود کا تقاضا کرتی ہے ---------- 151
❖ [موجب بالذات؟] ---------- 152
❖ تقدم اور تأخر کا صحیح معنی ---------- 156
❖ مطلق زمان حرکتِ مطلقہ کی مقدار سے عبارت ہے ---------- 157
❖ تمام ازمنہ میں انواع حوادث کے بارے میں اقوالِ ثلاثہ ---------- 160

❖ ابن ملکا کے قول کے مشابہ اعتراض اور اس پر رد ---------- 161
❖ کلابیہ کا عقیدہ ---------- 162
❖ اشعریہ، کرامیہ اور ان کے موافقین کا عقیدہ ---------- 163
❖ ابن سینا کا عقیدہ ---------- 164
فصل اس دلیل کے صحت پر کئی طریقے سے برہان کا بیان ---------- 167
❖ عالم کے قدم اور مسئلہ تقدیر کے درمیان ارتباط ---------- 173
❖ قدمِ عالم کے قول کے بطلان پر ایک دوسری دلیل ---------- 174
❖ دیموقراطیس اور ابوبکر رازی پر رد ---------- 182
❖ جوہرِ فرد اور معتزلہ اور اشاعرہ کے عقیدہ کا بطلان ---------- 183
❖ ابن ملکا کا عقیدہ اور اس پر رد ---------- 188
❖ تقدم اور تاخر کی طرف رجوع ---------- 190
❖ بلا ابتداء حوادث کے امکان کا عقیدہ ---------- 197
❖ ابن سینا اور جمہور فلاسفہ اور ارسطو کا اختلاف ---------- 199
❖ فلاسفہ کا عقیدہ فعل کا عدم کے بعد وجود میں آنا ---------- 201
❖ اس بات پر ابن سینا اور دیگر فلاسفہ کے دلائل کہ فعل میں عدم کا تقدم ضروری نہیں ---------- 202
❖ مسلمانوں میں بدعات اور اہل کلام کے مذاہب کی تاریخ ---------- 243
❖ فلاسفہ کا ظہور ---------- 250
❖ دوبارہ مسئلہ قدم عالم کی طرف ---------- 255
❖ عالم کا فاعل اصولِ عالم کے لیے علتِ تامہ ہے نہ کہ حوادث کے لیے؛ پر رد ---------- 256
❖ ابن ملکا اور اس کے متبعین کا فلاسفہ کے اسلاف پر رد ---------- 272
❖ اکثر فلاسفہ کا قول عالم کا مادہ اس کی صورت پر متقدم ہے ---------- 279
❖ ارسطو اور اس کے پیروکاروں کی گمراہی اور شرک ---------- 283
❖ حدوثِ عالم پر ایسے نقلی دلائل جن میں کوئی تاویل ممکن نہیں ---------- 285
❖ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے بارے میں مختلف اقوال ---------- 294
❖ ارادے کے ساتھ مراد کی مقارنت کے بارے میں تین تقدیرات ---------- 299
❖ فلاسفہ کا عقیدہ ذاتِ واحدہ سے صرف ایک ہی چیز صادر ہوسکتی ہے؛ پر ردّ ---------- 308

❖ یونان کے مشرک فلاسفہ پر نقد ---------- 312
❖ حرکتِ شوقیہ کا عقیدہ اور ابن سینا اور فارابی کی ارسطو کے ساتھ موافقت ---------- 313
❖ مفعول کی واجب سے مقارنت کا امتناع ---------- 317
❖ قدوم عالم اور حکمت وتعلیل کے مسئلہ میں کلام کے درمیان ارتباط کی وجہ ---------- 318
❖ حجت استکمال ---------- 318
❖ غیر متناہی حوادث کے امتناع کے قائلین کے دلائل اور ان پر رد ---------- 324
❖ تسلسل کی اقسام ---------- 326
❖ دور کی اقسام ---------- 327
❖ دو خداؤں کے وجود کا امتناع ---------- 327
❖ [شیعہ اور معتزلہ کی خطاؤں کا بیان] ---------- 329
❖ ترجیح بلا مرجح کا شیعہ اور معتزلہ کا عقیدہ ---------- 330
❖ اشاعرہ اور ان کے موافقین کا معتزلہ اور روافض پر رد ---------- 331
فصل ......ابن مطہر کے خیالات اور ان پر رد کا تسلسل ---------- 333
❖ روافض کا عقیدہ کہ اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر فعلِ قبیح اور اخلال بالواجب کو جائز قرار دیتے ہیں ؛اور اس پر ردّ ---------- 333
❖ عقلی حسن وقبیح کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ---------- 334
❖ کیا اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل بالحِکَم ہیں؟ ---------- 337
فصل ......الزام اللہ تعالیٰ وہ کام نہیں کرتے جو زیادہ مناسب ہو ---------- 340
فصل ......اہل سنت پر بہتان عظیم ...... ---------- 343
❖ بندے کا حق اللہ پر واجب ہونے کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ ---------- 344
❖ اہل سنت والجماعت اور عصمت انبیائے کرام علیہم السلام کا عقیدہ ---------- 346
❖ انبیائے کرام سے وقوع خطا کے عقیدہ کا الزام ---------- 346
❖ روافض کا غلو ---------- 348
❖ کیا اہل سنت میں بھی غلو پایا جاتا ہے؟......ایک اعتراض اور اس کا جواب ---------- 353
فصل ......[مسئلہ خلافت اور رسول اللہ ﷺ کی وصیت] ---------- 357

❖ احادیث نبویہ سے خلافت ابی بکر رضی اللہ عنہ کا اثبات ---------- 358
❖ خلافت صدیقی سے متعلق ابن حزم i کا زاویہ نگاہ ---------- 360
❖ قائلین عدم استخلاف کے دلائل ---------- 362
❖ راوندیہ کا عقیدہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ---------- 364
❖ [احادیث مبارکہ سے خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دلائل] ---------- 368
فصل ......حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اور ابن مطہر کے خیالات پر رد ---------- 377
❖ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ پر شیعہ اعتراض ---------- 381
❖ خلافت علی رضی اللہ عنہ اور شیعیت ---------- 382
❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق علماء کے مختلف افکار و آراء ---------- 383
❖ متحارب فریقین میں صلح کی ضرورت واہمیت ---------- 386
❖ [حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت] ---------- 388
❖ ائمہ اثنا عشرہ مقاصد امامت کی تکمیل سے قاصر تھے ---------- 389
❖ مسئلہ امامت میں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کی تفصیل ---------- 391

دوسرا باب ......واجب الاتباع مذہب کے بیان میں

دوسری فصل ......کون سا مذہب واجب الاتباع ہے؟ ---------- 403
❖ [شیعہ مصنف کے نظریات پر رد] ---------- 404
❖ [صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں گروہ بندی کا شیعی افسانہ اور اس پر رد] ---------- 409
❖ [صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل و مناقب] ---------- 413
❖ قرآنی آیات سے مدح صحابہ ---------- 420
❖ منافق کون ہے؟ ---------- 432
❖ اہل بیت مقہور و مجبور نہ تھے ---------- 434
❖ [وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے احوال اور رافضی کا جھوٹ] ---------- 436
❖ [حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور آپ کی بیعت کرنے والوں کا زہد] ---------- 437
❖ اہل سنت و شیعہ کا باہمی رابطہ ---------- 438
❖ شیخین کے اوصاف خصوصی ---------- 441

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان کا اثبات ---------- 443
❖ [رافضی کا بیان کردہ عمر بن سعد کا قصہ ایک بدترین قیاس] ---------- 446
❖ ملحدین کی ریشہ دوانیوں کا سبب رافضی حماقتیں ---------- 448
❖ روافض نواصب کی نسبت بدتر ہیں ---------- 449
❖ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق اہل سنت کے عقائد کا خلاصہ ---------- 449
❖ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں جاہل اور ظالم کی رافضی تقسیم ---------- 451
❖ خلافت علی رضی اللہ عنہ اور بیعت ---------- 457
❖ [شیعہ کے بیان کردہ جھوٹے اوصاف] ---------- 459
❖ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور جہاد فی سبیل اللہ ---------- 461
❖ [شیعہ کی تقسیم] ---------- 463
فصل......شیعہ کے افکار و معتقدات ---------- 465
❖ ابن مطہر کے کلام کی پہلی قسم پر تفصیل رد ---------- 467
❖ صفات خالق و مخلوق میں فرق و امتیاز ---------- 472
❖ [صفات باری تعالیٰ میں تشبیہ کا وہم اور اس پر رد] ---------- 477
❖ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بالقدم اور بالازل ہونے کے عقیدہ پر تبصرہ ---------- 481
❖ رافضی کے اس قول پر تبصرہ کہ اللہ کے ماسوا سب حادث ہیں ---------- 488
❖ رافضی کے اس قول پر تبصرہ کہ وہ واحد ہے نہ وہ جسم ہے نہ جوہر ---------- 489
❖ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''جسم'' کا استعمال ---------- 489
❖ رافضی کے اس قول پر تعلیق کہ ''ولا فی مکان'' ---------- 495
❖ رافضی کے اس قول پر کلام کہ "وإلاَّ لَكَانَ مُحْدَثاً" ---------- 496
❖ صفاتِ کمال کا مفصل اثبات اور صفاتِ نقص کی مجمل اور مختصر نفی ---------- 504
❖ صفات الٰہی کی نفی پر فلاسفہ کی بڑی دلیل ترکیب کا عقیدہ ---------- 509
❖ منکرین صفات فلاسفہ اور ان کے موافقین کے دلائل پر بحث ---------- 510
❖ عالم میں ایک سے زیادہ خداؤں کے وجود کا امتناع ---------- 518
❖ دوبارہ اللہ تعالیٰ کا صفتِ کلام پر بحث ---------- 520
❖ سورۃ انعام کی آیات سے فلاسفہ کے اس استدلال کا فساد ---------- 528

❖ دوبارہ لفظ ''جسم'' کے معانی پر کلام ---------- 529
❖ منکرین صفات کے ساتھ ایک اجمالی مناقشہ ---------- 537
❖ مسئلہ تجسیم میں شیعہ کے چھ فرقے ---------- 540
❖ لفظ اہل سنت کا معنی؛ اور لفظ جسم کے اطلاق کے متعلق ان کا موقف ---------- 541
❖ منکرین صفات معتزلہ اور ان کے موافقین کا مؤقف ---------- 543
❖ اثبات صفات کے متعلق ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا موقف ---------- 544
❖ امامیہ کے اکثر متقدمین مجسمہ تھے ---------- 547
❖ روافض کے عقائد پر سرسری نظر ---------- 547
❖ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ارادے میں رافضی اختلاف ---------- 550
فصل......قرآن کے مسئلہ میں امام جعفر صادق کی باقی اسلاف کے ساتھ موافقت ------ 553
❖ قرآن کے بارے میں روافض کا عقیدہ ---------- 554
❖ قرآن کے بارے میں آئمہ اسلام کے عقائد ---------- 557
❖ مبتدعین کے دلائل سے امامی شیعہ کے دلائل کا ٹکراؤ ---------- 560
❖ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اثباتِ وجودِ اللہ تعالیٰ کے طرق ---------- 567
❖ طرق اثبات حدوث عالم ---------- 569
❖ [مسئلہ قدرت الٰہی؛ اور رافضی عقیدہ پر رد] ---------- 577
❖ [اللہ تعالیٰ عادل اور حکیم ہیں؛ پر تبصرہ ---------- 580
❖ خلق افعال عباد اور رافضی عقائد ---------- 582
❖ [گنہگار کو ثواب اور اطاعت کار کو سزا] ---------- 583
❖ وعید میں رافضہ کے عقائد وافکار ---------- 584
❖ [پہلا قول قائلین تقدیر کے ہاں ظلم کا مفہوم] ---------- 584
❖ [گناہ کی سزا بغیر ظلم کے؛ پر تبصرہ] ---------- 587
❖ [اللہ تعالیٰ کے افعال میں حکمت ومصلحت] ---------- 588
❖ [ہدایت عالم کے لیے مرسلین h کی بعثت پر تبصرہ] ---------- 588
❖ [حواس سے اللہ تعالیٰ کے ادراک کا عقیدہ؛ اور اس پر تبصرہ] ---------- 589
❖ [اللہ تعالیٰ سے جہت کی نفی] ---------- 592

❖ استواء وعلو میں قائلین رؤیت کا اختلاف ---------- 594
❖ [ابن تیمیہ اور مسئلہ رؤیت کا بیان] ---------- 595
❖ [عقل اور وہم سے متعلق گفتگو] ---------- 599
❖ [اہل سنت کے ہاں مناظرہ کا اصول] ---------- 603
فصل ......امر و نہی کا حادث ہونا...... ---------- 612
❖ [عقیدۂ اہل سنت کی تفصیل] ---------- 614
❖ [کیا فعل اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے؟] ---------- 621
❖ فصل ......خطأ، سہو، نسیان اور عصمت انبیاء علیہم السلام ---------- 630
❖ پہلی وجہ......عصمت انبیاء علیہم السلام میں شیعہ کا اختلاف ---------- 630
❖ [نبوت سے پہلے عصمت واجب نہیں] ---------- 635
❖ گناہ سے توبہ اور درجات کی بلندی ---------- 635
❖ ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ﴾ کی صحیح تفسیر ---------- 637
❖ نفرت کے وجوب اور اعتماد کے خاتمہ کے قول پر تبصرہ ---------- 639
❖ [عدم ثقاہت اور نفور کے اعتراض کا جواب] ---------- 642
❖ لوازم نبوت اور اس کی شروط ---------- 647
❖ انبیائے کرام علیہم السلام افضل ترین مخلوق ہیں ---------- 649
❖ [رافضیوں کا غلو اور عبادات میں شرک] ---------- 667
❖ انبیاء اور ائمہ کی عصمت پر تبصرہ ---------- 683
❖ ائمہ شیعہ معصومین اور حصول علم دین ---------- 685
❖ [ائمہ معصومین سے روایت کا دعوی اور اس پر رد] ---------- 689
❖ شیعہ کی دروغ گوئی ---------- 689
❖ [شیعہ مذہب میں رائے؛ اجتہاد کی طرف عدم التفات کا دعوی] ---------- 691
❖ ابن مطہر کی ذکر کردہ پہلی وجہ پر جامع رد ---------- 699
❖ صفات باری اور اہل سنت پر شیعہ کا بہتان ---------- 699
❖ قائلین صفات کے دلائل ---------- 701

❖ شیعہ مصنف کی غلط بیانی ---------- 704
❖ اشاعرہ پر اعتراض اور اس کا جواب ---------- 707
❖ اہل سنت پر مجسمہ ہونے کا الزام اور ابن تیمیہ i کا رد ---------- 710
❖ شیعہ فرقے اور ان کے عقائد وافکار ---------- 711
❖ شیعہ کے عجیب وغریب عقائد ---------- 718
❖ لفظ حشویہ کی وضاحت ---------- 721
❖ [لفظ مشبہہ سے متعلق گفتگو] ---------- 722
❖ صفات باری تعالیٰ اور سلف کا طریقہ کار ---------- 722
❖ [فلاسفہ کی دھوکہ بازی کی اقسام] ---------- 723
❖ مثبتین صفات کے افکار وآراء ---------- 726
❖ لفظ جسم سے متعلق دوبارہ گفتگو ---------- 727
❖ جسم کے متعلق عقلاء کے تین اقوال ---------- 728
❖ [ملائکہ کی حقیقت] ---------- 729
❖ ذات باری تعالیٰ کے مرکب ہونے میں اختلافِ آراء ---------- 732
❖ [منکرین صفات کی اہم دلیلترکیب] ---------- 733
❖ فلاسفہ کی تردید ---------- 735
❖ صفات قائمہ بالموصوف اس کا جزء نہیں ---------- 736
❖ [اہل عرب کا اجزاء سے مرکب پر اسم جنس کے اطلاق کے دعوے پر رد] ---------- 739
❖ [صفات الٰہی اور واجب الاتباع قاعدہ] ---------- 743
❖ لفظ ''حیز'' پر گفتگو ---------- 743
❖ لفظ جہت پر بحث ---------- 745

فصل...... منکرین صفات سے مناظرہ کرنے کے لیے تجاویز ---------- 748

فصل...... اللہ تعالیٰ کے بعض اسمائے مبارکہ کے متعلق اختلاف ---------- 758

❖ دوبارہ لفظ مشبہ اور حشویہ پر رد؟ ---------- 767
❖ مشبہ ہونے کا الزام اور اس پر رد؟ ---------- 767

❖ فتنہ خلق قرآن اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کا دور ابتلاء ---------------------------------- 769
❖ روافض کا عقیدہ ''رب تعالیٰ کی آنکھ دکھی اور وہ رویا بھی'' پر تبصرہ ---------------------------- 780
❖ روافض کے عقیدہ ''عرش چہار جانب سے رب تعالیٰ سے انگشت بڑا ہے'' پر تبصرہ ---------------- 780

فصل...... [اللہ تعالیٰ کی شکل وصورت پر بحث کا جواب] ---------------------------- 782
❖ شیعہ مذہب جھوٹ کا پلندہ-- 782

فصل...... جہت اور حدوث کی بحث اور ابن تیمیہ کا ردّ ------------------------------- 786
❖ جہت سے کیا مراد ہے؟ --- 789

❀❀❀❀

انتساب

اولاً:...... میں اپنی اس ادنی سی کاوش کا انتساب ان علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نام کرتا ہوں جنہوں نے مختلف ادوار میں دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور بیان سنت کی خاطر اپنی قیمتی جانیں جان آفریں کے سپرد کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی انمول قربانیاں قبول فرمائے اور انہیں اس پر بہترین بدلہ عطاء فرمائے۔

ثانیاً:......ان مجاہدین علمائے کرام کے نام جو آج بھی اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر سنت اور اہل سنت کا دفاع کر رہے ہیں۔

ثالثاً:...... اس کاوش کا انتساب اپنے ان تمام اساتذہ کرام کے نام کرتا ہوں جنہوں نے میری تربیت کی اور جن سے میں نے کسی طرح بھی اور کسی قدر بھی کسب فیض کیا۔ ان میں سرکاری پرائمری سکول سے لیکر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تک کے تمام اساتذہ شامل ہیں۔

رابعاً:......اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے نام اور اپنی بیگم اور بچوں کے نام؛ جنہوں نے مجھے اس کام کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے بھرپور موقعہ فراہم کیا' اور اس دوران میرے بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی خدمات انجام دیں۔ اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس کاوش کو میرے اور میرے اساتذہ کرام کے نام اعمال میں شامل کر دے اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت میں اس طرح کی کوششیں کی جارہی ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی محبت پر ہی موت دے' اور قیامت والے دن ان کے ساتھ ہمیں بھی کھڑا کر دے۔ آمین۔

❀❀❀❀

ہدیہ تشکر

﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾

''اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کا قدر دان اور جاننے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ﴾

''جو کچھ میں نے آپ کو دیا ہے، اسے لیجیے اور شکر گزار لوگوں میں سے ہو جائیے۔''

سب سے پہلے اور سب سے آخر میں حمد و تعریف اور شکر اللہ تعالیٰ کے لیے ہی سزاوار ہے، جو نیک اعمال کی توفیق بخشنے، انہیں پورا کرنے اور قبول کرنے والا ہے۔

میں اپنے والدین، اپنے تمام تر اساتذہ کا، خواہ ان کا تعلق مدرسہ اور سکول کی زندگی سے یا کالج اور یونیورسٹی کی زندگی سے ہے، تمام کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری تربیت میں کسی طرح بھی حصہ لیا۔

میں اپنے کفیل کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے دعوت الی اللہ کے لیے فراغت کا موقع دیا۔

بہت ہی ضروری سمجھتا ہوں کہ مراجع اور پروف ریڈنگ کرنے والے فاضل علماء محترمین کا بھی شکریہ اس دعا کے ساتھ ادا کیا جائے کہ اللہ اس محنت پر دارین میں نیک بدلہ دے۔

میں ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً مشورہ دیکر یا حوصلہ افزائی کر کے یا خیر کے کلمات کہہ کر کسی طرح بھی میری ڈھارس بندھائی اور اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ترغیب دی؛ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو اپنے انعامات رحمتوں اور مغفرتوں سے نواز دے۔

میں ان محترم بھائیوں اور بہنوں کے تعاون کا خصوصی شکر گزار ہوں جن کے تعاون سے یہ کتاب آپ تک پہنچی۔

❀❀❀❀